کشفُ المطالِب
شرح اُردو
کافِیہ ابنِ حاجِب
شارح
حضرت مولانا عتیق الرحمٰن قاسمی بہرائچی
اُستاد جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ یوپی
مکتبہ علوم اسلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتبہ علوم اسلامیہ

نام کتاب: .... کشف المطالب شرح کافیہ ابنِ حاجب

شارح: .... حضرت مولانا عتیق الرحمٰن قاسمی بہرائچی
استاد جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، یوپی

ناشر: .... مکتبہ علوم اسلامیہ

مطبع: .... لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

☆ میں اپنی اس حقیر کاوش کو عالم ربانی محبوب گرامی فخر زماں حضرت الاستاذ مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کے فیضِ محبت نے ایک ظلوم وجہول کو علم وآ گہی کا شعور بخشا۔

☆ اور مخدوم ومطاع حضرت الاستاذ مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب مدظلہ ناظم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ خلف اکبر حضرت باندوی کی جانب کہ جن کے حضور زانوئے تلمذتہ کرتے ہوئے اسرار ابن الحاجب سے کچھ مناسبت پیدا ہوئی۔

☆ اور اپنے محسن اور کریم استاذ حضرت مولانا قاری عبدالوحید صاحب ثوری رحمۃ اللہ علیہ استاذ نور العلوم بہرائچ کے نام کہ جن کی توجہ سے کچھ لکھنے پڑھنے کی عادت پڑی۔

العبد
عتیق الرحمٰن قاسمی بہرائچی
استاذ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿مبادیات﴾

لغوی معنی: علم نحو کے لغوی معنی راستہ، جیسے بولا جاتا ہے ھٰذا النحو السویُّ نیز ارادہ کے معنی میں ہے جیسے نحوتُ ھٰذا میں نے یہ ارادہ کیا اور بھی معنی ہیں۔

اصطلاحی تعریف: علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ معرب اور مبنی ہونے کی حیثیت سے تینوں کلموں کی آخری حالت معلوم ہو جائے اور بعض کلمات کو بعض کے ساتھ مرکب کرنیکی کیفیت معلوم ہو جائے۔

علم نحو کا موضوع: علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے، کیوں کہ علم نحو میں انھیں کے احوال سے بحث کی جاتی ہے، البتہ من حیث الاعراب والبناء کلمہ اور کلام موضوع ہیں۔

غرض: کلام عرب میں ذہن کو لفظی غلطی سے بچانا ہے۔

تدوین: اس فن کے مدون اول امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، کیوں کہ ابوالاسود، جو کبار تابعین میں سے ہیں، کو اس طرف آپ ہی نے توجہ دلائی اور رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ صاحب درایۃ النحو ابوالاسود سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو "إن للّٰہ بریٔ من المشرکین ورسولہٗ" بکسر اللام پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ یہ تو کفر ہے، پھر امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "نحوت ان اضع میزانًا للعرب لیقوموا بہ لسانھم" میں نے ارادہ کیا کہ عرب کے لیے ایک ضابطہ بناؤں تا کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی زبان درست کریں اور غلطیوں سے بچیں۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا "اقصد نحوہ" اس کی طرف توجہ کر پس چوں کہ حضرت علیؓ نے ابتداءً اس علم کی طرف توجہ دلائی تھی، اس لیے سیدنا حضرت علی ہی اس فن کے مدون اول قرار پائیں گے اور چوں کہ حضرت علی نے اقصد نحوہ فرمایا تھا اس لیے اس علم کا نام بھی نحو پڑ گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابوالاسود کو متوجہ کرنے والے حضرت عمر ہیں اسی طرح بعض حضرات نے علم نحو کا مدون اول عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج کو مانا ہے اور بعض حضرات نصر بن عاصم کے واضع اول ہونے کے قائل ہیں مگر یہ سب کچھ صحیح نہیں ہے۔

نحو کے مدون اول حضرت علیؓ ہی ہیں، ابوالاسود نے آپ کے ہی چند اصول سامنے رکھ کر قواعد نحو جمع کیے ہیں، اس کے بعد ان کے تلامذہ نے بتدریج اس علم کو ترقی دی پھر کچھ عرصہ کے بعد ابوعمرو بصری اور ان کے شاگرد خلیل بن احمد نے اس کو باضابطہ مرتب اور مہذب کیا خلیل کے شاگرد سیبویہ نے اس علم میں ایک جامع کتاب "الکتاب"، لکھی جو بعد کے تمام نحویوں کا مآخذ ہے۔ (تلخیص از ابتدائیہ التسہیل السامی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿مصنف کے مختصر حالات﴾

عثمان نام، ابوعمرو کنیت، جمال الدین لقب اور والد کا نام عمر ہے، حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ آپ کے والد امیر عزالدین موسک صلاتی کے یہاں دربان تھے جس کو عربی میں حاجب کہتے ہیں، اس لیے آپ ابن الحاجب سے مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب یوں ہے جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس الدوینی۔

ملک مصر میں صعید اعلی کے اعمال قوصیہ میں آشنا نامی ایک چھوٹی سی بستی ہے شیخ موصوف اواخر ۵۷۰ھ میں یہیں پیدا ہوئے۔

ابتداءً آپ نے قاہرہ میں تعلیم پائی، صغرسنی میں قرآن پاک حفظ کیا، علامہ شاطبی سے قرأت کی تحصیل اور ''التیسیر'' کا سماع کیا علامہ ابوالجود سے قرأت سبعہ پڑھی اور شیخ ابومنصور ابیاری وغیرہ سے علم فقہ علامہ شاطبی اور ابن البناء سے علم ادب حاصل کیا علامہ بویصیری وغیرہ سے بھی سماع حاصل ہے۔

علامہ ابن حاجب بلند پایہ فقیہ اعلیٰ مناظر، بڑے دین دار متقی اور پرہیزگار معتمد وثقہ نہایت متواضع اور تکلفات سے قطعاً ناآشنا تھے، تبحر علمی میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ مؤرخ ابن خلکان کا بیان ہے کہ ادائے شہادت کے سلسلے میں آپ بارہا میرے پاس تشریف لائے میں نے علوم عربیہ کے مختلف مسائل مشکلہ آپ سے دریافت کیے آپ نے نہایت سکون اور وقار کے ساتھ ہر ایک کا تسلی بخش اور معقول جواب دیا۔

آپ کی ذہانت وذکاوت کی تعریف میں ابن خلکان ہی رقم طراز ہیں **كان من احسن خلق الله ذهناً.** اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ روشن ذہن تھے۔

جامع دمشق میں ایک زمانہ درس وتدریس کے بعد آپ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام مصر تشریف لائے اور مدرسہ فاضلیہ میں صدر مقرر ہوئے اخیر میں آپ اسکندریہ منتقل ہو گئے تھے اور یہیں مستقل قیام کا ارادہ تھا، مگر یہاں آپ کو کچھ زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ راہی ملک بقاء ہو گئے۔ چنانچہ ۱۶ ؍شوال ۶۴۶ھ میں جمعرات کے روز دن چڑھے اسکندریہ میں وفات پائی اور باب البحر سے باہر شیخ صالح ابن ابی اسامہ کی تربت کے پاس مدفون ہوئے۔

یوں تو آپ کی ہر تصنیف بے بہا موتیوں کا خزانہ ہے، لیکن نحوی ولایتوں میں کافیہ کی شہرت کا جو سکہ جما ہوا ہے وہ محتاج بیان نہیں جس میں آپ نے علم نحو کے تمام قواعد نہایت عمدہ اسلوب کے ساتھ جمع کیے ہیں علم نحو کا یہ جامع اور مستند ذخیرہ سات سو سال سے مدارس میں داخل درس ہے، آپ کی تصانیف کی عمدگی اور افادیت کے بارے میں ابن خلکان کہتے ہیں **وكل تصانيفه في نهاية الحسن والافاده.** آپ کی کل تصانیف نہایت عمدہ اور مفید ہیں۔ (احوال المصنفین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿حرفِ چند﴾

لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے اس ربّ کائنات کا جس نے ایک مشت خاک کو ''کافیہ'' جیسی شہرۂ آفاق اور مشہور زمانہ کتاب پر کچھ نوٹس تیار کرنے کی توفیق دی ورنہ -شعر-

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل   نسیم صبح تیری مہربانی

آج سے کوئی سات سال پہلے کا واقعہ ہے، مدرسہ احیاء العلوم گوراچوکی گونڈہ میں کافیہ کا سبق اس بے مایہ اور کم سواد سے متعلق ہوا۔ اثناء درس اندازہ ہوا کہ طلبہ سبق میں کی گئی تقریر عموماً فراموش کر دیتے ہیں اس لیے ضروری نوٹس کے املاء کا معمول بنالیا۔

چند سالوں کے بعد طلبۂ عزیز کو لکھائے گئے نوٹس کی ترتیب کا شوق چرایا اور ذوقِ خود نمائی نے جیسے تیسے یہ کام مبنیات تک کرا ہی لیا۔ اب طباعت کی سوجھی تو اسباب ندارد۔

اللہ جزائے خیر دے مولوی نورالدین بہرائچی صاحب (شریک دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند) کو کہ ان کی کاوشوں سے جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب مدظلہ مالک مکتبہ دارالکتاب دیوبند سے رابطہ ہوا اور انھوں نے اس مشکل کام کو آسان بنانے کی حامی بھر لی پھر انھیں کے مشورہ سے پوری کتاب کے نوٹس کی تیاری کا عزم بھی ہو گیا ورنہ سچی بات یہ ہے کہ دور دور تک اس کا کوئی خیال تھا اور نہ ہی اس کام کی اہلیت۔

زیرِ نظر کتاب ''کشف المطالب'' اپنی سی کوشش کا مجموعہ ہے۔ حل عبارت کی حتی المقدور سعی کی گئی ہے۔ سہولت پسندی کے اس دور میں طلبہ کی آسانی کے لیے عبارت کا ترجمہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

''کتاب'' جیسی بھی ہے آپ کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول عام عطا فرمائے اور طلبۂ عزیز کے لیے نافع بنائے۔ معاونین اور دوستوں کو بالخصوص مولانا حفیظ اللہ صاحب بہرائچی استاذ جامعہ عربیہ کو اپنے شایان شان بدلہ عطا فرمائے کہ موصوف نے مسودہ کے صاف کرنے میں بڑا تعاون دیا۔

العبد
عتیق الرحمٰن قاسمی بہرائچی
استاذ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ
۱۷/۲/۱۴۲۶ھ

﴿دعائیہ کلمات﴾

مخدوم گرامیٔ قدر حضرت الاستاذ مولانا قاری سیّد حبیب احمد صاحب ناظم جامعہ عربیہ ہتورا
وجانشین عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

''کافیہ'' نحو کی اہم ترین اور جامع کتاب ہے صدیوں سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ فاضل مصنفؒ نے نپے تلے الفاظ میں اصول نگاری کا نازک فریضہ انجام دے کر شہرتِ دوام حاصل کی۔

کافیہ کے متن کی جامعیت نے خود اسے حل طلب بنادیا چنانچہ بہت سے طالع آزماؤں نے اسے اپنے فکر ومحنت کا میدان بنایا اور شروح وحواشی کے نام سے بہت کچھ لکھا گیا بعض بڑی قابل قدر اور لائق ستائش کاوشیں منصۂ شہود پر آئیں اور تاہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ''کشف المطالب'' نامی یہ شرح ہے جسے عزیزم مولانا عتیق الرحمٰن بہرائچی نے ترتیب دیا ہے، موصوف جامعہ عربیہ ہی کے ساختہ پرداختہ ہیں، چنانچہ انھوں نے کافیہ احقر سے ہی پڑھی اور اب جامعہ کے اچھے اور باصلاحیت اساتذہ میں سے ہیں۔

زیر نظر کتاب تسہیل وتفہیم کے اعتبار سے دوسری شروح سے امید کہ ممتاز سمجھی جائے گی اور طلبہ کے حق میں قریب الی الفہم ثابت ہوگی۔

میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو عام فرمائے اور عزیز مؤلف کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

حبیب احمد باندوی
خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

﴿تقریظ﴾

محدثِ جلیل فقیہ عصر استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبید اللہ صاحب الاسعدی مدظلہ

استاذ حدیث وصدر شعبۂ افتاء جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

''کافیہ'' فن نحو کی معروف ومتداول کتاب ہے اور برصغیر میں مدارس عربیہ کے نصاب کا ایک اہم جزء، جس پر ہر عہد میں خصوصی توجہ دی جاتی رہی، درس وتدریس کے اعتبار سے بھی اور شرح وتوضیح کے اعتبار سے بھی۔ برصغیر میں اس کی بہت سی شروح لکھی گئیں۔ حتیٰ کہ بعض صوفیانہ ذوق کے حاملین حضرات نے اپنی شرح میں اس کو تصوف کی ایک کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

قریبی عہد میں بزبان اُردو بھی اس پر کام ہوا ہے اور اچھا کام ہوا ہے مگر ایسی کتابیں برابر اور مسلسل کام کی متقاضی رہتی ہیں۔

مسرت کی بات ہے کہ دار العلوم دیوبند کے فاضل اور جامعہ عربیہ ہتورا باندہ کے فیض یافتہ (سابقاً) اور بافیض مدرس (حالاً) مولانا عتیق الرحمٰن بہرائچی زادہ اللہ تعالیٰ علما وفضلا نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور مفید شرح تحریر فرمائی۔

احقر نے اس شرح کے بعض اجزاء کو پڑھا، اسلوب وانداز بیان مناسب ومفید ہے۔ امید ہے کہ کافیہ سے شغف رکھنے والے شوق وذوق سے اس گراں قدر علمی تحفہ سے پورے طور پر مستفیض ہوں گے۔

حق تعالیٰ مصنف وناشر دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

محمد عبید اللہ الاسعدی
جامعہ عربیہ ہتورا باندہ
۲۷/۲/۱۴۲۶ھ

﴿تقریظ﴾

مخدوم محترم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سیّد نفیس اکرم صاحب قاسمی مدظلہ العالی
شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد وصلاۃ کے بعد۔ علم نحو وعلم صرف۔ علم بیان۔ علم معانی وغیرہ لغت عربیہ کے لیے بنیادی علوم ہیں ان علوم کے حصول کے بغیر آدمی عربی زبان پر عبور وقدرت حاصل نہیں کرسکتا۔ تکلم، کتابت، قراءت بلا ان علوم کے حصول کے بڑا دشوار ہوتا ہے۔ علامہ ابن حاجبؒ نے علم نحو میں الکافیہ لکھ کر اہل علم کے لیے قواعد نحو کے افہام وتفہیم کو بڑی حد تک آسان بنادیا ہے۔

الکافیہ ابن حاجب کی مشہور ومقبول کتاب ہے، اس پر بہت سے حضرات نے محنت کی ہے اور اس کی شروح عربی اور اُردو میں لکھی گئی ہیں۔ اس کی ایک نہایت مقبول شرح شرح جامی (فوائد ضیائیہ) کے نام سے لکھی گئی جو مدارس عربیہ میں داخل درس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابن حاجبؒ کی اس خدمت کو قبولیت بخشی ہے۔

عزیزم مولانا عتیق الرحمٰن بہرائچی مدرس عربی جامعہ ہتورا باندہ نے بڑی محنت وکاوش سے کافیہ کی اُردو شرح لکھی ہے اس شرح کا نام کشف المطالب عن اسرار ابن الحاجب رکھا ہے۔ آج کل میری آنکھ کا آپریشن ہوا ہے، جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے معذوری ہوگئی ہے۔ تاہم میں نے اس کو دیکھا اور پسند کیا۔ کافیہ کے مضامین کو عمدہ طرز پر سمجھانے کے لئے اچھی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور طلبہ واساتذہ کے لیے مفید بنائے۔ اور مزید علمی خدمات اور علوم عربیہ دینیہ کی اشاعت کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

والسلام
نفیس اکرم قاسمی
۱۸ر صفر ۱۴۲۶ھ بروز سہ شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الکلمة لفظ وضع لمعنی مفرد مصنفؒ نے اپنی کتاب ''کافیہ'' بسم اللہ سے مندرجہ ذیل حدیث پر عمل کرتے ہوئے شروع کیا کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللّٰہ فھو ابتر ہر اہم کام جس کو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا رہتا ہے۔

اعتراض مصنف نے بزرگوں کے طریقے کی مخالفت کیوں کی اس طور پر کہ مصنف نے اپنی کتاب کافیہ کو حمد سے شروع نہیں کیا؟ جواب مصنف نے اس طرح تواضعاً اور کسر نفسی کی وجہ سے کیا کہ چھوٹوں کو بڑوں کی ریس نہیں کرنا چاہیے۔

سوال: حمد عبادت ہے اور تواضع عبادت کے کرنے میں ہے؟ جواب ترک حمد کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ عبادت کو من حیث العبادۃ چھوڑ دیا جائے جو بلاشبہ تواضع کے خلاف ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ ترک حمد اس اعتبار سے ہو کہ چھوڑنے والا بزرگوں کا ہم پلہ نہیں ہے، لہٰذا اسے ان کے طرز نگارش اور طریقۂ تصنیف کی نقل نہیں اتارنی چاہیے تو یہ تواضع کے خلاف نہیں ہے۔

سوال: اس جواب سے یہ اعتراض تو ختم ہو جاتا ہے کہ مصنفؒ نے بزرگوں کے طریقے کی مخالفت کیوں کی، لیکن ایک دوسرا سوال بدستور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث تحمید کی مخالفت کیوں کی، حدیث میں ہے کل امر ذی بال لم یبدأ بحمد اللّٰہ فھوا قطع واجزم یعنی جو اہم کام اللہ کی حمد سے شروع نہ ہو وہ ناقص اور نامکمل ہوتا ہے پس مصنف نے ایک حدیث پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑ دیا۔ جواب: ابتداء کی دو قسمیں ہیں ابتداء بالتلفظ اور ابتداء بالکتابۃ۔ پس ابتداء بالکتابۃ کی نفی سے ابتداء بالتلفظ کی نفی نہیں ہوتی، لہٰذا عین ممکن ہے کہ مصنف نے ابتداء بالتلفظ کی صورت میں الحمد للہ کی حدیث پر عمل کر لیا ہو۔

الکلمة لفظ وضع لمعنی مفرد

ترجمہ:- کلمہ ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

توضیح:- یہاں سے مصنف کلمہ کی تعریف بیان کر رہے ہیں اس پر ایک اعتراض ہے کہ علم نحو کا مقصود کلمہ اور کلام سے معرب اور مبنیٰ کی حیثیت سے گفتگو کرنا ہے، لہٰذا کلمہ اور کلام کی تعریف کے ساتھ مشغول ہونا اصل بحث سے فرار ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شئ کے احوال سے گفتگو شئ کے احوال کے جاننے پر موقوف ہے اور قاعدہ ہے کہ مقصود کا موقوف علیہ مقصود ہی کے درجہ میں ہوتا ہے اور چوں کہ کلمہ اور کلام کی تعریف کلمہ اور کلام کے احوال کے جاننے کے لیے موقوف علیہ ہے، لہٰذا کلمہ اور کلام کی تعریف مقصود ہی ہوئی پس اس کے ساتھ مشغول ہونا مقصود سے انحراف نہیں ہے۔

البتہ ایک خلجان اور ہے اور وہ یہ ہے کہ جب نحو کا موضوع کلمہ اور کلام دونوں ہیں تو کلمہ کو کلام پر کیوں مقدم کیا جب کہ بہتر اس کے برعکس تھا، اس لیے کہ کلام مضمونِ مفید کا فائدہ دیتا ہے اور کلمہ غیر مفید کا اور مفید غیر مفید سے اولیٰ ہے تو جواب یہ ہے کہ کلمہ کلام کا جزء ہے اور جزء وجود میں کل پر طبعاً مقدم ہوتا ہے، لہٰذا کلمہ کو کلام پر وضعاً مقدم کر دیا، تاکہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے۔

دوسری بات جو جاننے کی ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ اور کلام مستقل لفظ ہیں یا کسی سے مشتق ہیں تو بعض نحویوں کا خیال ہے کہ یہ مستقل لفظ ہیں جو کسی سے مشتق نہیں ہے، لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ الکلمۃ الکلْمُ بسکون اللام سے مشتق ہے البتہ جمہور کے قول پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان کم از کم معنٰی مطابقت تو ضروری ہوتی ہے ورنہ تو ترتیب اور مادہ تک میں یکسانیت ہوتی ہے اور یہاں تو ترتیب اور مادہ تو دور کی بات معنٰی بھی مطابقت نہیں ہے، اس لیے کہ کلمہ کے معنی ہیں جو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور کلام کے معنی ہیں جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو اور کلْمٌ کے معنی زخمی کرنے کے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ کَلْمٌ سے مشتق نہیں ہیں۔

جواب مشتق اور مشتق منہ کے درمیان مطابقت کی تین صورتیں ہیں مطابقۃً، تضمناً، التزاماً اور یہاں پر مطابقت مشتق اور مشتق منہ کے درمیان معنیٰ التزامی کے اعتبار سے پائی جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ جس طرح بھالے اور برچھے سے زخم ہوتا ہے اسی طرح بات سے بھی زخم ہوتا ہے، بلکہ اس کا زخم بھالے اور برچھے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

مشہور شعر ہے: جراحات السنان لها التيام ☆ ولا يلتام ما جرح اللسانُ

یعنی نیزوں کا زخم مندمل اور بھر جاتا ہے، لیکن زبان کا زخم بھرنے کا نام نہیں لیتا، بلکہ سدا ناسور بن کر رِستا رہتا ہے۔

جب آپ کلمہ کے مشتق ہونے یا نہ ہونے کی بحث وتحقیق سے فارغ ہو چکے تو اب "الکلمۃ" کے الف لام کی طرف آئیے، تو معلوم ہونا چاہیے کہ الکلمۃ کے الف لام میں بنیادی طور پر دو احتمال ہیں کہ الکلمۃ کا الف لام یا تو اسمی ہوگا یا حرفی، پہلا احتمال باطل ہے، اس لیے کہ الف لام اسمی اسم فاعل یا اسم مفعول میں ہوتا ہے جو الذی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے الضاربُ والمضروبُ اور الکلمۃ نہ اسم فاعل ہے اور نہ ہی اسم مفعول پس معلوم ہوا کہ الکلمۃ کا الف لام حرفی ہے پھر اس میں دو احتمال ہیں الف لام حرفی زائد اور الف لام حرفی غیر زائد، پہلا احتمال درست نہیں اس لیے الکلمۃ جو کہ مبتدأ ہے اور مبتدأ کے لیے معرفہ ہونا ضروری ہے اس کا نکرہ ہونا لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں، لہٰذا دوسرا احتمال متعین ہو گیا یعنی الف لام حرفی غیر زائد اس میں چار احتمال ہیں، جنسی، استغراقی، عہد خارجی، عہد ذہنی۔

الف لام جنسی کہتے ہیں ایسے الف لام کو جس کے مدخول سے مراد قطع نظر افراد کے شیٔ کی حقیقت ہو جیسے الرجل خیر من المرأة کا الف لام۔ اور الف لام استغراقی ایسے الف لام کو کہتے ہیں جس کے مدخول سے مراد اس کے تمام افراد ہوں جیسے ان الانسان لفی خسر میں الانسان کا الف لام۔ اور الف لام عہد خارجی کہتے ہیں ایسے الف لام کو جس کے مدخول سے مراد ایسا کوئی فرد خاص ہو جو متکلم اور مخاطب کے درمیان متعین ہو جیسے فعصٰی فرعون الرسول میں الرسول کا الف لام۔ اور الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں ایسے الف لام کو جس کے مدخول سے کوئی فرد خاص اور متعین مراد نہ ہو جیسے انی اخاف ان یأکله الذئب کا الف لام۔

اب سنیے الکلمة میں الف لام جنسی ہے، کیوں کہ کلمہ موقع تعریف میں واقع ہے اور تعریف جنس کی ہوتی ہے اسی سے معلوم ہو گیا کہ الف لام استغراقی نہیں ہو سکتا ورنہ تعریف افراد کی لازم آئے گی جو کہ ٹھیک نہیں ہے۔ اچھا الف لام عہد ذہنی کا بھی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ الف لام عہد ذہنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا عہد ذہنی مراد لینے کی صورت میں مبتدأ کا نکرہ ہونا لازم آئے گا جب کہ مبتدأ کے لیے معرفہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ الف لام عہد خارجی کا ہو سکتا ہے، لیکن اس صورت میں کلمہ سے وہ کلمہ مراد لینا ہوگا جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے، اس لیے الف لام جنسی کا مراد لینا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں ہاں الف لام جنسی مراد لینے پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ الکلمة میں تاء وحدت کی ہے اور الف لام جنسی ہے جو کہ کثرت پر بھی دلالت کرتا ہے جب کہ وحدت اور کثرت میں تضاد ہے پس معلوم ہوا کہ الف لام جنسی مراد لینا غیر صحیح ہے ورنہ تضاد لازم آئے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاء وحدت کی چار قسمیں ہیں وحدت جنسی، نوعی، صنفی اور فردی پس الف لام جنسی اور تائے وحدت فردی میں تو تضاد ہے۔ لیکن الف لام جنسی اور بقیہ وحدتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ جس طرح الف لام جنسی کثرت پر دال ہوگا اسی طرح تاء وحدت جنسی، نوعی اور صنفی بھی کثرت پر دال ہوں گی، لہٰذا مذکورہ بالا اعتراض غیر مناسب ہے۔

قوله لفظ: لفظ کے لغوی معنی پھینکنا خواہ لفظ کا پھینکنا منہ سے ہو جیسے بول چال اور خواہ غیر لفظ کا پھینکنا منہ سے ہو جیسے اکلت التمرة و لفظت النواة کھجور کھالیا اور گٹھلی پھینک دیا اور خواہ غیر لفظ کا غیر منہ سے پھینکنا ہو جیسے لفظت الرحی الدقیق چکی نے آٹا پھینکا۔

اصطلاح میں لفظ کہتے ہیں ما یتلفظ به الانسان قلیلا کان او کثیراً مهلاً کان او موضوعاً حقیقتًا کان او حکماً مفرد کان او مرکباً یعنی لفظ ہر وہ چیز ہے جس کو انسان بولے خواہ کم ہو یا زیادہ، مہمل ہو یا موضوع، حقیقتاً ہو یا حکماً، مفرد ہو یا مرکب۔ حکماً کی مثال جیسے اضربْ میں انت اور

ضربَ میں هو.

یہاں ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ کی مذکورہ بالا تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، اس لیے کہ اس میں انسان کے بول چال کو لفظ کہا گیا ہے معلوم ہوا کہ فرشتوں اور جناتوں کا کلام لفظ نہیں ہے، حالاں کہ وہ بھی از قبیل الفاظ ہیں، جواب یہ ہے کہ لفظ ہر وہ چیز ہے جس کا انسان تلفظ کر سکے خواہ کسی کا بھی کلام ہو پس یہ تعریف فرشتوں، جناتوں کے کلام اور کلام الٰہی سب کو عام ہے، لہٰذا تعریف جامع ہے۔ فرشتوں کا کلام: ان في الجنة نهراً من اللبن ÷ لعليٍ وفاطمةَ وحسينٍ وحسنٍ اور جناتوں کا کلام قبر حربٍ بمكانٍ قفٍ ÷ وليس قربَ قبرِ حربٍ قبرُ یعنی حرب کی قبر چٹیل میدان میں ہے اور حرب کی قبر کے پاس کوئی قبر نہیں۔

لفظ یہاں ملفوظ کے معنی میں ہے جیسے خلق مخلوق کے معنی میں ہے پس یہ اعتراض رفع ہو گیا کہ لفظ الکلمة کی خبر نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اب یہ مفعول کے معنی میں ہونے کے وجہ سے ذات مع الوصف ہو گیا مصدر ہونے کی وجہ سے وصفِ محض نہیں رہا اور ذات مع الوصف کا حمل ذاتِ محض پر درست ہے۔ البتہ ایک سوال باقی ہے کہ مصنف نے بجائے لفظ کے لفظۃ کیوں نہیں کہا، حالاں کہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے اور صاحب مفصل نے لفظۃ کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب مفصل کے نزدیک کلمۃ میں وحدت ملحوظ ہے جب کہ مصنف کے نزدیک ایسا نہیں ہے، چنانچہ لفظ عبداللہ حالت علمیت میں صاحب مفصل کے نزدیک مرکب ہوگا، جب کہ مصنف کے نزدیک مفرد ہے پس اس لیے مصنف نے لفظ کہا۔ لفظة نہیں کہا۔

لیکن اس جواب کے باوجود بھی لفظ کہنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ لفظ خبر ہے الكلمة کی اور مبتدأ اور خبر میں تذکیراً و تانیثاً مطابقت ضروری ہوتی ہے اور وہ یہاں نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مبتدأ اور خبر کے درمیان مطابقت کا ضروری ہونا پانچ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ خبر صفت کا صیغہ ہو جیسے زيد ضارب اور دوسری شرط یہ ہے کہ مبتدأ اور خبر دونوں اسم ظاہر ہوں جیسے عمير صالح لہٰذا اگر دونوں اسم ظاہر نہ ہوں تو مطابقت ضروری نہیں ہوتی جیسے هي اسم. تیسری شرط یہ ہے کہ خبر میں مبتدأ کی طرف لوٹنے والی کوئی ضمیر ہو جیسے عثمان ابوه مؤمن، لہٰذا اگر مبتدأ کی ضمیر خبر میں نہ ہو تو مطابقت ضروری نہ ہوگی جیسے زينب وسقر وماه جور ممنتع اور چوتھی شرط یہ ہے کہ خبر ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مساوی طور پر استعمال ہوتا ہے جیسے الرجل صبور اور الامرأة صبور پانچویں شرط یہ ہے کہ خبر ایسا لفظ نہ ہو جو عورت کے ساتھ مخصوص ہو جیسے الامرأة حائض اور یہاں شرائط مطابقت معدوم ہیں کیوں کہ لفظ لفظاً مصدر ہونے کی وجہ سے مذکر اور مؤنث دونوں کی خبر بن سکتا ہے، اس لیے کہ مشہور قاعدہ ہے المصدر لا يُذكّر ولا يُؤنَّث.

قوله وضع وضع کے لغوی معنی ہیں التعین متعین کرنا اور بعض لوگوں نے کہا ہے جعل الشئ فی حیز مکان کسی جگہ کے تحت شئ کا ذکر کرنا اور اصطلاح میں معنی ہیں تخصیص شئ بشئ بحیث متی أطلق و أحس الشئ الاول فهم منه الشئ الثانی یعنی کسی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ جب پہلی چیز بولی یا سمجھی جائے تو دوسری چیز بھی اس سے سمجھ میں آجائے۔

لمعنی اس کے لغوی معنی القصد ارادہ کرنا اور اصطلاحی معنی ما یقصد بالشئ ہیں، یعنی وہ چیز جس کا کسی چیز سے ارادہ کیا جائے۔ معنی اصل میں معنویٌ تھا، واؤ یاء جمع ہوگئے پہلا ان میں ساکن تھا واؤ کو یاء کردیا اور یاء کا یاء میں ادغام کردیا۔ نون کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا معنی ہوگیا پھر تخفیفاً یاء کو حذف کردیا اور ضمہ کو خلاف قیاس فتحہ سے بدل دیا معنیً ہوگیا یہ تفصیل اسم مفعول ہونے کے امکان کی صورت میں ہے۔ یوں مصدر میمی بھی جو مفعول کے معنی میں ہو مراد ہوسکتا ہے۔ نیز ظرف کا بھی احتمال ہے۔

البتہ معنی سے متعلق ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ وضع کے ذکر کے بعد معنیٰ کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ معنیٰ کے معنی وضع میں پہلے موجود ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ لمعنی میں لام تجرید کے لیے ہے۔ تجرید کا مطلب یہ ہے کہ معنٰی کے جو معنٰی وضع میں پائے جاتے تھے وضع سے اس معنی کو لام کے واسطے سے خالی کرلیا گیا پھر معنٰی کو ذکر کیا، اس لیے کہ اب اس کے ذکر کی ضرورت پیدا ہوگئی جیسے سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا میں اسریٰ کو رات کے معنٰی سے خالی کرلیا اس کے بعد لیلاً کو لے آئے۔

مفرد: مفرد کے لغوی معنی الفرد آتے ہیں اور اصطلاحی معنٰی ہیں مالا یدل جزء لفظه علی جزء معناه یعنی مفرد وہ لفظ ہے جس کے لفظ کا جزء اس کے معنی کے جز پر دلالت نہیں کرتا۔

مفرداً میں ترکیباً تین احتمال ہیں رفع، نصب، جر۔ جب رفع یعنی مفردٌ پڑھیں گے تو مفرد لفظ کی صفت ثانی واقع ہوگا اور وُضِعَ لمعنی کو صفت ثانی قرار دیا جائے گا۔ پر اس صورت میں ایک سوال ہے کہ مصنف لفظٌ کی پہلی صفت مرکب اور دوسری صفت مفرد کیوں لائے تو اس کا جواب ہے کہ مصنف نے ایسا اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا ہے کہ لفظ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور اس کا مفرد یا مرکب ہونا بعد میں ہوتا ہے۔

اور مفردٍ مجرور پڑھنے کی صورت معنٰی کی صفت قرار پائے گا اور مطلب ہوگا کہ معنی مفرد وہ معنی ہیں کہ اس کے لفظ کا جزء خود اس کے جزء پر دلالت نہ کرے، لیکن یہ احتمال بھی سوال سے پاک نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مفرد معنٰی کی صفت قرار پائے گا تو مطلب ہوگا کہ لفظ مفرد یا مرکب پہلے ہوتا ہے اور وضع بعد میں ہوتی ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی لفظ کسی صفت کے ساتھ موصوف ہو اور اس کا تعلق کسی فعل یا شبہ فعل سے ہو تو وہ لفظ فعل یا شبہ فعل سے متعلق ہونے سے پہلے اس صفت کے ساتھ مقید ہوتا ہے اور ظاہر ہے

کہ جب ایسا ہے تو مفرد معنٰی کے ساتھ وضع سے متعلق ہونے سے پہلے مقید ہو جائے گا، حالاں کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ طے ہو چکا ہے کہ لفظ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور اس کا مفرد یا مرکب ہونا بعد میں ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کا مفرد یا مرکب پہلے ہونا اور وضع کا بعد میں ہونا مجاز مایؤول کے اعتبار سے ہے۔ مجاز مایؤول کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز مستقبل میں ہونے والی ہو اس کے ہونے کا حکم اس کے ہونے سے پہلے ہی لگا دیا جائے جیسے کسی کی شادی کسی خاتون سے طے ہو تو نکاح سے پہلے ہی اس خاتون کو ان کی دلہن کہہ دیا جائے تو ایسے ہی یہاں پر کہ جس کو آگے چل کر مفرد ہونا تھا اس کو پہلے ہی مفرد کہہ دیا گیا پس یہ اعتراض رفع ہو گیا۔

تیسرا احتمال مفرداً نصب کے ساتھ ہے اور نصب حال ہونے کی وجہ سے ہوگا اور حال یا تو معنیً سے یا پھر وُضِعَ کی ضمیر سے ہوگا، اگر مفرداً کو معنیً سے حال قرار دیا جائے تو اس صورت میں ایک خلجان ہے وہ یہ ہے کہ حال فاعل یا مفعول سے ہوتا ہے اور معنی نہ تو فاعل ہے اور نہ ہی مفعول، پس مفرداً کو معنٰی سے کیسے حال قرار دیا جا سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ بلا شبہ حال فاعل یا مفعول سے ہی واقع ہوتا ہے، لیکن فاعل یا مفعول ہونا عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً پس معنٰی اگر چہ حقیقتاً مفعول نہیں ہے لیکن وہ لام کے واسطے سے حکماً مفعول بہ ہے، لہٰذا مفرد کا اس سے حال واقع ہونا درست ہے۔

اور اگر مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے تو اس صورت میں بھی ایک سوال ہے کہ سابق میں طے ہو چکا ہے کہ کلمہ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور اس کا مفرد یا مرکب ہونا بعد میں ہوتا ہے، لہٰذا اب اگر مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے جس کا مفرد سے پہلے ہونا مان لیا گیا ہے تو حال اور ذوالحال کا زمانہ متحد نہ رہ سکے گا، حالاں کہ کسی چیز کے حال واقع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حال اور ذوالحال دونوں کا زمانہ ایک ہو پس مفرد کا وضع کی ضمیر سے حال واقع ہونا درست نہیں، تو اس کا جواب ہے کہ تقدم ذاتی اقتران زمانی کے مخالف نہیں ہے، یعنی مقدم بالذات کے زمانہ کا اقتران مؤخر بالذات کے زمانہ سے ہو سکتا ہے جیسے باپ، وجود میں بیٹا سے مقدم ہوتا ہے اس کے باوجود دونوں ایک زمانہ میں موجود ہوتے ہیں پس اسی طرح وضع کے مقدم ہونے کے باوجود مفرد سے زماناً اتحاد ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مفرد کا وضع کی ضمیر سے حال واقع ہونا درست ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر چیز کی تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، چنانچہ کلمہ کی تعریف بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے پس لفظ بمنزلۂ جنس کے ہے اور وضع لمعنًی مفرد بمنزلۂ فصل کے ہے، جب کلمہ کو لفظ کہا تو اس میں مہمل، موضوع، مفرد اور مرکب نیز حروف ہجاء سب شامل ہو گئے تھے، لیکن وضع کہنے کی وجہ سے مہمل نکل گیا نیز وہ الفاظ نکل گئے جو بالطبع دلالت کرتے ہیں، اس لیے کہ ان کی وضع نہیں ہوتی اور معنٰی کی

قید سے حروف ہجاء نکل گئے، اس لیے کہ حروف ہجاء کی وضع معنی کے لیے نہیں بلکہ ترکیب کے لیے ہوتی ہے اور مفرد کی قید سے مرکب مفید اور غیر مفید نکل گئے۔

فائدہ: دوالِ اربعہ یعنی خطوط وعقود اور اشارات اور نصب پہلے سے ہی کلمہ میں داخل نہیں تھے، کیوں کہ کلمہ کے لیے لفظ ہونا ضروری ہے اور یہ چاروں لفظ کے قبیل سے ہے ہی نہیں اس لیے کلمہ سے ان کے اخراج کے لیے کوئی قید نہیں لگائی، کیوں کہ خارج کرنے کے لیے داخل ہونا ضروری ہے اور یہ کلمہ سے پہلے ہی سے خارج ہیں۔

وهي اسم وفعل وحرف لانها اما ان تَدلَّ على معنى فى نفسها اولا ألثاني الحرف والاول اما ان يَقترِن باحدِ الازمنةِ الثلثةِ اَولاَ الثاني الحرف والاول الفعلُ وقد عُلِمَ بذلك حدُّ كلِ واحدِ منها.

ترجمہ:- اور وہ اسم ہے فعل ہے، حرف ہے، اس لیے کہ یا تو وہ کلمہ معنی مستقل پر دلالت کرے گا یا نہیں، ثانی حرف ہے اور یا تو تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ کو شامل ہوگا یا نہیں، ثانی حرف ہے اور اول فعل ہے اور بلا شبہ معلوم ہوگئی اس کے ذریعے ان میں سے ہر ایک کی تعریف۔

توضیح:- یہاں سے مصنف کلمہ کی تقسیم کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں، اسم، فعل، حرف، ہی ضمیر کا مرجع کلمۃ ہے اور اس کی خبر منقسمۃ محذوف ہے اور اسم کا مبتدأ محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے احدہا اسم وثانیہا فعل، وثالثہا حرف پس ضمیر لانے میں خبر کی ہی رعایت کی گئی ہے اور قاعدہ **اذا دار الضمير بين المرجع والخبر فرعاية الخبر اولىٰ** کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ جب ضمیر مرجع اور خبر کے درمیان لائی جائے تو ضمیر کو خبر کے مطابق لانا بہتر ہوتا ہے۔

قوله لانها اما ان تدل على معنى فى نفسها الخ مصنفؒ مذکورہ عبارت سے کلمہ کے اسم و فعل اور حرف میں منحصر ہونے کی دلیل بیان کر رہے ہیں۔ دلیل کہتے ہیں **مايُستدل به** یعنی جس کے ذریعہ کسی چیز پر استدلال کیا جائے اور حصر کہتے ہیں **تخصيص شئ بشئ بطريق مخصوص** یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مخصوص طریقے کے ذریعہ خاص کرنا پس معلوم ہوا کہ دلیل حصر کہتے ہیں اس چیز کو کہ جس کے ذریعے کسی چیز کے کسی چیز کے ساتھ مخصوص ہونے کو جانا جائے۔

جب اتنا سمجھ گئے تو سنیے کہ یہاں ایک اعتراض ہے کہ بیانِ دلیل حصر فرع ہے اور دعوائے حصر اصل کے درجے میں ہے پس اصل کے بیان۔ کے بغیر دلیل یعنی فرع کا بیان غیر مناسب ہے، لہٰذا مصنف کو پہلے حصر کا دعویٰ کرنا چاہیے پھر بیان دلیل کی طرف متوجہ ہوتے، تاکہ فرع کا بلا اصل کے بیان ہونا لازم نہ آتا، تو **اس کا جواب یہ** ہے کہ مصنف نے دلیل حصر بیان کرنے سے پہلے دعوائے حصر کیا ہے جو کہ مقدر ہے اور وہ

ہے منحصرة فی هٰذه الاقسام الثلثة لہٰذا بیانِ دلیل حصر بلا دعویٰ کے لازم نہیں آتا ہے۔

اب دلیل حصر سنیے کہ کلمہ یا تو معنی مستقل پر دلالت کرے گا یا نہیں دوسری قسم حرف ہے، پہلی صورت پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ معنی مستقل تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کو شامل ہوگا یا کسی کو بھی شامل نہ ہوگا۔ دوسری قسم اسم ہے اور پہلی قسم فعل ہے۔

اب آیئے تھوڑی لفظی گفتگو کرتے چلیں تو معلوم ہونا چاہیے کہ دلیلِ حصر میں الثانی کلمہ کی صفت ہے اور الکلمۃ القسم کی تاویل میں ہے پس موصوف وصفت کے درمیان عدم مطابقت کا خلجان ختم ہوگیا۔

اب وجہ تسمیہ جاننا چاہیے۔ تو حرف کو حرف اس لیے کہتے ہیں کہ حرف کے معنی طرف کے ہیں یعنی کنارہ کے اور حرف، اسم اور فعل کے مقابلہ میں مسند اور مسند الیہ ہونے کے اعتبار سے کنارے ہی میں ہوتا ہے یعنی نہ تو وہ مسند الیہ ہوتا ہے اور نہ مسند۔

اور اسم کو اسم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سمو سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں اور اسم کی حیثیت فعل اور حرف کے مقابلہ میں زیادہ بلند ہے، کیوں کہ اسم مسند الیہ اور مسند دونوں بن سکتا ہے، جب کہ فعل صرف مسند ہوسکتا ہے اور حرف تو کچھ بھی نہیں، مذکورہ بالا وجہ تسمیہ علماء بصرہ کے اعتبار سے ہوئی۔ علمائے کوفہ کے نزدیک اسم وسم سے مشتق ہے جس کے معنی علامت کے ہوتے ہیں اور اسم اپنے مسمّٰی کے لیے علامت ہوتا ہے اس لیے اسم کو اسم کہا جاتا ہے، لیکن یہ رائے کمزور ہے، اس لیے کہ اسم اس تفصیل کے اعتبار سے فعل اور حرف سے ممتاز نہ ہو سکے گا، کیوں کہ فعل اور حرف بھی اپنے مسمّٰی کے لیے علامت ہوتے ہیں۔

اور فعل کو فعل اس لیے کہتے ہیں کہ فعل لغۃً مصدر کا نام ہے اور مصدر چوں کہ فعل کے مفہوم کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے یا اس لیے جو جزء کا نام تھا وہ کل کا نام رکھ دیا گیا تسمیۃ الکل باسم الجزاء کے مطابق۔

لگے ہاتھ ایک بات اور سمجھ لیں کہ دلیل حصر کے ضمن میں جو فعل کی تعریف آئی ہے اس پر ایک اعتراض ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ فعل تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کو ضرور شامل ہوگا ورنہ زمانہ کا زمانے کے ساتھ اقتران لازم آئے گا، کیوں کہ فعل زمانے کا جزء ہی ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں فعل سے مراد معنی مصدری ہے یعنی فعل وہ معنیٔ مصدری کہلاتا ہے جو نسبت الی فاعل ما کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کو شامل ہو، لہٰذا اب زمانہ کا زمانے کو شامل ہونا لازم نہیں آئے گا۔

قوله وقد علم بذالك الخ اس عبارت کا ماحصل صرف اتنا ہے کہ کلمہ کی تینوں اقسام کی تعریف کو اس دلیل حصر کے ذریعہ سے جانا جا سکتا ہے۔ باضابطہ علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اب چند لطائف پر بھی مطلع ہوتے چلیں، مصنفؒ نے یہاں بجائے عُرِف کے عُلِمَ کہا، حالاں کہ دونوں کے معنی ایک ہیں، اس لیے کہ علم کا استعمال کلیات کے لیے ہوتا ہے جب کہ عرف کا استعمال جزئیات

کے لیے ہوتا ہے اور کلمہ کے اقسام کی تعریف از قبیل کلیات ہے۔ نیز ذالک اسم اشارہ بعید کا مشار الیہ دلیل حصر ہی ہے جو المذکور کی تاویل میں ہے۔ اسی طرح مشار الیہ کے قریب ہونے کے باوجود اور غیر محسوس بحاسۂ بصر ہونے کے باوجود اس کی طرف ذالک سے اشارہ اس لیے کیا گیا کہ دلیل حصر کو رفعت مقام کی وجہ سے مکان بعید کے حکم میں کرلیا گیا، کیوں کہ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بُعد رتبی کو بُعد مکانی کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور دلیل حصر کو غایتِ وضوح کی وجہ سے محسوس سا مان لیا گیا ہے، کیوں کہ کبھی کبھی غایت درجہ واضح ہونے کی وجہ سے غیر محسوس کو محسوس کے درجہ میں لے لیا جاتا ہے پھر اسم اشارہ جو محسوس کے لیے استعمال ہونا چاہیے وہ غیر محسوس کے لیے کردیا جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مصنف نے ابھی دلیل حصر بیان کی ہے اور پھر **وقد عُلِمَ** سے یہ جتا رہے ہیں کہ اس دلیل حصر کے ذریعے کلمہ کی تینوں اقسام کی تعریف معلوم ہوگئیں تو یہ اسلوبِ نگارش مصنف کے اعلیٰ ذہانت کی بات ہے کہ انھوں نے ہر طرح کے ذہن کے لوگوں کی رعایت کی اس لیے کہ لوگ تین طرح کی طبیعت کے ہوتے ہیں پہلی کوالٹی کے لوگ وہ ہیں جو باتوں کو محض اشاروں سے سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو محض اشاروں سے تو نہیں البتہ اشارہ کرنے کے بعد تنبیہ کرنے پر بات کو سمجھ لیتا ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو نہ اشاروں اور نہ تنبیہ کی زبان سمجھتا ہے، بلکہ اس کو صاف صاف سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے، تو مصنف نے تینوں طرح کے لوگوں کی رعایت کی۔ چنانچہ پہلی قسم کے لوگوں کے لیے دلیل حصر کے ضمن میں کلمہ کی تینوں اقسام کی تعریف کی طرف اشارہ کردیا اور دوسری قسم کے لیے وقد علم سے توجہ دلائی اور تیسرے گروہ کے لیے موقع بہ موقع تینوں اقسام کی صاف صاف الگ الگ تعریف بیان کی۔

ایک بات اور سمجھ لیں کہ یہاں حد سے مراد حد اصطلاحی نہیں ہے، بلکہ حد سے جامع اور مانع تعریف مراد ہے۔

الكلام ماتضمن كلمتين بالاسناد ولا يتاتىٰ ذالك الا فى اسمين او اسم وفعل.

ترجمہ:- کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو اور کلام حاصل نہیں ہوتا ہے، مگر دو اسموں سے یا ایک اسم اور ایک فعل سے۔

توضیح:- الکلام میں الف لام جنس کا ہے اور ما موصولہ اور ما موصوفہ دونوں ہوسکتا ہے اور ما سے مراد لفظ ہے، شئ یا کلمہ یا کلام نہیں مراد ہوسکتا ہے، کیوں کہ شئ مراد لینے کی صورت میں کلام کی تعریف نقوش پر اور کلمہ مراد لینے کی صورت میں جزء کا حمل کل پر اور کلام مراد لینے کی صورت میں اخذ المحد ود فی الحد لازم آئے گا، جو کہ صحیح نہیں ہے۔

کلمتین عام ہے خواہ دو کلمے حقیقتاً ہوں یا حکماً، اول کی مثال **زید قائم** اور ثانی کی مثال جیسے **اضرب**.

اسناد کہتے ہیں ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی طرف اس طرح نسبت کرنا کہ اس پر سکوت درست ہو اور مخاطب کو فائدہ تامہ حاصل ہو۔

خلاصہ یہ کہ کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو۔ کلام کی اس تعریف میں ماء بمنزلۂ جنس کے ہے جو مہملات اور موضوعات، مفردات اور مرکبات خواہ مفید ہوں یا غیر مفید سب کو شامل ہے۔ اور تضمن کلمتین بالاسناد بمنزلۂ فصل کے ہے پس تضمن کلمتین سے مہملات اور مفردات نکل گئے اور بالاسناد کی قید سے مرکبات غیر مفیدہ نکل گئے خواہ مرکب اضافی ہو یا توصیفی، بنائی ہو یا منع صرف، صوتی ہو یا عددی۔ اب کلام کی تعریف میں صرف مرکتاب مفیدہ باقی رہے خواہ وہ خبریہ ہوں یا انشائیہ اول کی مثال **محمود تقی** اور **تلوتُ القرآن** اور ثانی کی مثال **جَاهد فی سبیل اللّٰه، لا تلعبْ فی المسجد.**

کلام کی مذکورہ بالا تعریف پر ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے **زید ابوہ مجاهد** اور **زید مجاهد ابوہ** اور **زید صلی ابوہ** کلام سے نکل گئے، اس لیے ان میں سے ہر ایک دو سے زائد کلموں کو شامل ہے پس معلوم ہوا کہ کلام کی مذکورہ تعریف درست نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمتین سے مراد عام ہے خواہ دو کلمے حقیقتاً ہو یا حکماً پس خبریں ان مثالوں میں اگر چہ مرکب ہیں، لیکن وہ مفرد کی تاویل میں ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ کلام کے ثبوت کے لیے کم از کم دو کلموں کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر کلام دو سے زائد کلموں سے مرکب ہو تو کوئی حرج نہیں۔

ایک سوال اور ہے کہ کلام کی مذکورہ تعریف درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے کلام وہ ہے جو دو کلموں کو شامل ہے اور وہ دو کلمے عین کلام ہیں۔ لہٰذا متضمن اسم فاعل اور متضمن اسم مفعول دونوں ایک ہو گئے، حالاں کہ دونوں میں تغایر ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ متضمن اسم فاعل کلام کا پورا مجموعہ کہلاتا ہے اور متضمن اسم مفعول اس کے دونوں علیحدہ علیحدہ جزء ہیں اور ظاہری بات ہے کہ مجموعہ من حیث المجموع اپنے ہر جزء سے مغائر ہے پس متضمن اسم فاعل اور متضمن اسم مفعول دونوں ایک نہیں ہوئے۔

قولہ و لا یتأتی معلوم رہے کہ لا یتاتی یہاں اپنے اصلی معنی میں نہیں ہے بلکہ **لا یحصل** کے معنی میں ہے، جو کہ جاندار اور غیر جاندار سب کو عام ہے۔

لا یتأتیٰ ذالك میں **ذالك** سے اشارہ کلام کی طرف ہے تضمن اور اسناد کی طرف نہیں ہے ایسا دو وجہوں سے ہے، ایک تو یہ کہ **لا یتأتیٰ** سے تقسیم کلام کی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے دوسری بات یہ ہے کہ ذالک اسم اشارہ بعید ہے اور بعید کلام ہے نہ کہ تضمن اور اسناد کیوں کہ یہ دونوں بلحاظ الکلام قریب ہیں۔

یاد رہے کہ مصنف **لا یتأتیٰ** سے کلام کی تقسیم بیان کر رہے ہیں یعنی کلام کے حصول کی کتنی صورتیں ہیں

چنانچہ فرمایا کہ کلام کے حصول کی صرف دوصورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کلام کے دونوں جز اسم ہوں جیسے زید فاضل اور دوسرے یہ کہ کلام کا ایک جزءفعل اور دوسرا اسم ہو جیسے صلّی الیاس۔

کلام کے حصول کی دو ہی صورتیں اس لیے ہیں کہ کلام کے ثبوت کے لیے بیک وقت مسند الیہ اور مسند کا ہونا ضروری ہے اور انھیں دوصورتوں میں بیک وقت مسند الیہ اور مسند کا تحقق ہوتا ہے، لہٰذا کلام ان ہی دو صورتوں سے حاصل بھی ہوسکتا ہے۔

یوں عقلاً حصولِ کلام کی چھ صورتیں ہیں (۱) کلام کے دونوں جزءاسم ہوں (۲) کلام کے دونوں جزء فعل ہوں (۳) دونوں جزءحرف ہوں (۴) ایک جزءاسم اور دوسرا فعل ہو (۵) ایک جزءاسم دوسرا حرف ہو (۶) ایک جزءفعل اور ایک حرف ہو۔

اب ان چھ صورتوں میں دو ہی صورتیں کہ کلام کے دونوں جزءاسم یا ایک جزءاسم اور دوسرا فعل ہو ایسی ہیں کہ ان سے حصول کلام کا ثبوت ہوسکتا ہے تفصیل گذر چکی ہے۔ بقیہ چار صورتوں سے کلام اس لیے نہیں حاصل ہوتا کہ اگر کلام کے دونوں جزءفعل ہوں تو صرف مسند کا تحقق ہوگا، کیوں کہ فعل مسند الیہ نہیں بن سکتا، لہٰذا تنہا مسند سے کلام کی بنیاد کیسے رکھی جاسکتی ہے۔ رہی بات اگر کلام کے دونوں جزءحرف ہوں تو یہاں اثبات کلام کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اس لیے کہ حرف سرے سے مسند الیہ اور مسند ہونے کی دوڑ میں شامل ہی نہیں اب جہاں تک معاملہ کلام کے ایک جزءاسم اور دوسرے کے حرف ہونے کا ہے تو یہاں لے دے کے اسم ہی ہے چاہے مسند الیہ اور چاہے مسند بنادو، لیکن دوسرے کا انتظار کرنا ہی پڑے گا اور ظاہر ہے کہ دوسرا کوئی کلمہ حرف کے سوا ہے نہیں اور حرف بے چارے سے کچھ ہونے کو رہا جب کہ ثبوت کلام کے لیے بیک وقت مسند الیہ اور مسند دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ صورت بھی مفید للکلام نہیں، اب رہا معاملہ کہ کلام کا ایک جزءفعل ہو تو دوسرا حرف ہو تو یہاں پر بھی صرف مسند ہوگا اور اکیلے مسند سے کسی کلام کی ترکیب نہیں ہوسکتی۔

الاسم ما دلَّ علی معنًی فی نفسه غیرُ مقترنٍ باحدِ الْأَزْمِنةِ الثلٰثةِ .

ترجمہ:- اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے معنی مستقل پر درآں حالیکہ وہ تینوں زمانوں میں سے کسی کو شامل نہ ہو۔

توضیح:- مصنف یہاں سے تیسرے درجے کے لوگوں کے ذہن کی رعایت کرتے ہوئے اسم کی صاف صاف تعریف بیان کررہے ہیں، اسم کی تعریف ترجمہ سے ظاہر ہے۔ مَا دَلَّ میں هُوَ ضمیر کا مرجع ما ہے جس سے مراد کلمہ ہے، لیکن اس صورت میں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ هُوَ ضمیر کا مرجع اگر ما کو قرار دیا جاتا ہے تو یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ ما سے مراد کلمہ ہے اور اس صورت میں کلمہ مؤنث

ہونے کی وجہ سے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہ ہوگی؟ تو جواب یہ ہے کہ دَلّ کی ضمیر ما کی طرف ہی لوٹ رہی ہے اور ضمیر کا مذکر لانا لفظ ما کے اعتبار سے ہے اور ظاہر ہے کہ ما کا لفظ مذکر ہے بھلے اس سے مراد کلمہ ہے، لہٰذا مطابقت ہے۔

قولہ علی معنی فی نفسہ: فی نفسہ میں ہو ضمیر معنًی کی طرف راجع ہے، البتہ اس صورت میں ظرفیۃ الشیٔ لنفسہ لازم آتا ہے، حالاں کہ ظرف اور مظروف میں تغایر ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ فی معنًی میں اعتبار کے ہے اصل عبارت ہے علی معنًی باعتبار فی نفسہ لہٰذا اعتبار کے ملحوظ ہوتے ہوئے ظرفیۃ الشیٔ لنفسہ لازم نہیں آئے گا۔

غیر مقترن: غیر مقترن میں اعراب کے لحاظ سے تین احتمال ہیں۔ اول جر کے ساتھ دوسرے نصب کے ساتھ اور تیسرے رفع کے ساتھ، جر کے ساتھ ہونے کی صورت میں غیر معنًی کی صفت ہوگا اور منصوب ہونے کی صورت میں غیر معنی سے حال واقع ہوگا، کیوں کہ معنًی حکماً مفعول بہ ہے نیز منصوب ہونا مادَلّ سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ اور رفع کی صورت میں غیر یا تو خبر بعد الخبر ہے یا مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔

اب اسم کی مذکورہ تعریف کے جامع اور مانع ہونے پر ایک ایک سوال اور ان کے جواب سمجھ لیجیے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ اسم کی مذکورہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، کیوں کہ مذکورہ تعریف کی رو سے اسماء افعال جیسے رُوَیْدَ ،بَلْہَ وغیرہ اسم سے خارج ہو گئے، اس لیے کہ اسمائے افعال میں ماضی یا امر کے معنی میں ہونے کے وجہ سے زمانہ پایا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم کی مذکورہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع ہے، کیوں کہ اس تعریف کا ماحصل یہ ہے کہ اسم ایسا کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت کرتا ہے اور وضع اول کے اعتبار سے اس میں کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا ہے، تو اسماء افعال میں وضع اول کے اعتبار سے کوئی زمانہ نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ ان کا استعمال ماضی یا امر کے معنی میں ہوتا ہے، لہٰذا وہ اسم کی تعریف میں داخل رہیں گے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اسم کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں، اس لیے کہ افعال مقاربہ بھی اسم کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ان میں زمانہ نہیں پایا جاتا ہے، حالاں کہ ان کا فعل ہونا جگ ظاہر ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہاں پر بھی وضع اول کی قید ملحوظ ہے اور افعال مقاربہ میں وضع اول کے اعتبار سے زمانہ موجود ہے بھلے ان کا استعمال بغیر زمانے کے ہوتا ہے، اسی لیے ان کا دوسرا نام افعال منسلخہ عن الزمان ہے پس اسم کی تعریف دخول غیر سے مانع بھی ہے۔

ومن خواصِّہٖ دخولُ اللام والجر والتنوین والاضافۃُ والاسنادُ الیہ.

ترجمہ:- اسم کے خواص میں سے لام، جر اور تنوین کا داخل ہونا ہے۔ مضاف اور مسند الیہ ہونا ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف اسم کے خواص بیان کر رہے ہیں، یہاں پر ایک سوال ہے کہ نحویوں کا مقصد کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث کرنا ہے نیز مقصود کے موقوف علیہ کی تعریف کرنا، لیکن اسم کے خواص بیان کرنا یہ نہ تو اسم کے احوال میں سے ہے اور نہ ہی اسم کے لیے موقوف علیہ ہے لہٰذا اسم کے خواص بیان کرنا یہ خروج عن المبحث ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم کے وجود کی دو قسمیں ہیں وجود ذہنی اور وجود خارجی، تو اسم کے وجود ذہنی کو تو اسم کی تعریف سے ہی جان لیا جائے گا لیکن اس کے وجود خارجی کو بغیر بیان کی جانے والی علامتوں کے نہیں جانا جا سکتا، لہٰذا اس کے ساتھ اشتغال یہ اصل موضوع سے ہٹنا نہیں ہے۔

خاصہ کے معنیٰ آتے ہیں خاصة الشیٔ یوجد فیه ولا یوجد فی غیره یعنی شیٔ کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو صرف اسی شیٔ میں موجود ہو، اس کے علاوہ میں نہ ہو۔

واضح ہو کہ یہاں خاصہ سے مراد مطلق خاصہ ہے قطع نظر شاملہ وغیر شاملہ کے۔

من خواصه: من خواصه میں مِنْ تبعیضیہ ہے، اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہاں اسم کے کچھ خواص بیان کیے جائیں گے اور خواص جمع کثرت لا کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسم کے خواص بہت ہیں پر بیان بعض کا ہی ہوگا۔ اور انہی کا بیان ہوگا جو خواص میں بڑے اور اہم ہیں۔

اچھا جو خواص بیان ہو رہے ہیں ان کا بھی ایک خاص پس منظر ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسم کا خاصہ یا تو لفظی ہوگا یا معنوی، اگر لفظی ہو تو اسم کے شروع میں لاحق ہوگا یا آخر میں، اگر شروع میں لاحق ہوتا ہے تو وہ لام ہے۔ اور آخر میں لاحق ہوتا ہے تو وہ جر اور تنوین ہے۔ اور اگر خاصہ معنوی ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں کہ وہ اسم کو کلام تام کے ضمن میں لاحق ہوگا یا کلام ناقص کے اگر پہلا ہے تو مسند الیہ اور اگر دوسرا ہے تو وہ مضاف۔

دخول اللام: اسم کے خواص میں سے لام تعریف کا داخل ہونا ہے تعریف کی قید سے لام امر اور لام ابتداء خارج ہو گیا، اس لیے کہ یہ دونوں اسم کے خواص میں سے نہیں ہیں، لام تعریف اسم کے خواص میں سے اس لیے ہے کہ لام تعریف معنیٔ مستقل بالمفہوم کی تعیین کے لیے ہوتا ہے کہ جس پر کلمۂ اسم مطابقۃً دلالت کرتا ہے جب کہ حرف معنیٔ مستقل پر سرے سے دلالت ہی نہیں کرتا ہے اور فعل کرتا تو ہے لیکن تضمناً۔

تعریف کے لیے میم بھی استعمال ہوتی ہے جیسے لیس من امبر امصیام فی امسفر، نیز حرف ندا بھی اس معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے حرف تعریف ہونے کے بیان کو مصنف نے اس لیے چھوڑ دیا کہ میم تعریف کے معنی میں مشہور نہیں ہے اور حرف ندا اس کا اسم کے ساتھ خاص ہونا سب پر عیاں ہے، کیوں کہ منادیٰ اسم ہی ہوتا ہے۔

ایک بات اور دھیان رہے کہ مصنف نے اسم کے خواص میں دخول اللام کہا دخول حرف التعریف

نہیں کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حرف تعریف کے بارے میں تین مذہب ہیں ایک مذہب سیبویہ کا دوسرا خلیل اور تیسرا مبرد کا۔

تو سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ حرف تعریف تنہا لام ہے ہمزہ کا اضافہ ابتداء بالسکون سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے اور خلیل کا خیال ہے کہ الف لام دونوں کا مجموعہ حرف تعریف ہے، جب کہ مبرد کا کہنا ہے کہ تنہاء ہمزہ مفتوحہ حرف تعریف ہے اور لام ہمزہ کی تعریف اور ہمزۂ استفہام میں فرق کے لیے لایا گیا ہے۔ پر پسندیدہ مذہب مصنف کے نزدیک سیبویہ کا ہے، اس لیے کہ ہمزہ وسط کلام میں گر جاتا ہے پس خلیل کے مذہب پر جزء حرف تعریف اور مبرد کے مذہب پر پورے حرف تعریف کا حذف لازم آئے گا معلوم ہوا کہ ہمزہ نہ تو تنہا اور نہ ہی لام کے ساتھ حرف تعریف ہے۔

والجر: اور اسم کے خواص میں سے جر کا داخل ہونا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جر خواہ حرف جر لفظاً یا تقدیراً کی وجہ سے ہو وہ اسم کے خواص میں سے ہے۔ جر اسم کے ساتھ اس لیے مخصوص ہے کہ وہ حرف جر کا اثر ہے اور حرف جر اسم کے ساتھ مخصوص ہے، کیوں کہ حرف جر فعل کے معنی کو اسم تک پہنچانے کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا حرف جر کے اثر کو بھی اسم کے ساتھ خاص کر دیا گیا تا کہ اثر کا بلا مؤثر کے ہونا لازم نہ آئے۔

والتنوین: اور اسم کے خواص میں سے تنوین کا داخل ہونا ہے تنوین ترنم کو چھوڑ کر بقیہ تنوینات تمکن، تنکیر، عوض، مقابلہ اسم کا خاصہ ہیں، لہٰذا للاکثر حکم الکل کے تحت مطلق تنوین کو اسم کا خاصہ قرار دے دیا گیا۔

والاضافة: اور اسم کے خواص میں سے اضافت کا ہونا ہے، اضافت اسم کے خواص میں سے اس لیے ہے کہ اضافت کے لوازم یعنی تعریف، تخصیص اور تخفیف سب اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، لہٰذا اضافت بھی اسم کے ساتھ مخصوص ہوگی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اضافت سے مراد مضاف ہے، کیوں کہ مضاف الیہ اسم کے خواص میں سے نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن پاک میں ہے یوم ینفع الصادقین پس ینفع فعل ہے جو مضاف الیہ واقع ہے، معلوم ہوا مضاف الیہ اسم کے خواص میں سے نہیں ہے۔ جب کہ دوسرے کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ مضاف الیہ بھی ہے اسم کے خواص میں داخل ہے، اس لیے کہ مضاف، مضاف الیہ میں جر کا عمل کرتا ہے اور جر اسم کے خواص میں سے ہے، لہٰذا مضاف الیہ بھی اسم کے خواص میں سے ہوگا، رہی بات یوم ینفع الصادقین کی تو وہ یومَ نفع الصادقین کی تاویل میں ہے۔

وهو معرب ومبني فالمعرب المركبُ الذى لم يُشبه مبني الأصل .

ترجمہ:- اور اسم، معرب اور مبنی ہوتا ہے۔ پس معرب وہ مرکب ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو۔

توضیح:- یہاں سے مصنف اسم کی پہلی تقسیم شروع کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم دو حالت سے خالی نہیں یا معرب ہوگا یا مبنی اس لیے کہ اسم یا تو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا نہیں، دوسری صورت مبنی کی ہے جیسے اسمائے معدودہ وغیرہ اور پہلی صورت میں پھر دو احتمال ہیں یا تو وہ مبنی اصل کے مشابہ ہوگا یا نہیں، پہلا مبنی ہے اور دوسرا معرب۔

معرب کو مبنی پر اس لیے مقدم کیا کہ اسماء میں اصل معرب ہونا ہے اس لیے کہ الفاظ مافی الضمیر کے اظہار کے لیے وضع کیے گئے ہیں اور یہ معنی صرف معرب میں ہیں مبنی میں نہیں۔

فالمعرب المرکب: اسم معرب کی جامع اور مانع تعریف یہ ہے کہ معرب وہ اسم ہے کہ جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہو درانحالیکہ اس کا عامل بھی اس کے ساتھ متحقق ہو نیز وہ مبنی اصل کے اس طرح مناسب نہ ہو جو اعراب کے روکنے میں مؤثر ہو۔

ان قیود کا اعتبار کرنے سے متعدد سوالات ختم ہو جاتے ہیں مثلاً اسم مرکب کی قید سے ضرب زید کا، ضرب معرب کی تعریف سے خارج ہی رہے گا، کیوں کہ وہ بجائے اسم کے فعل ہے اور تذکرہ منظور ہے اس معرب کا جو اسم ہو۔ اسی طرح ترکیب معرب الغیر سے مبتداء اور خبر معرب کی، جماعت سے باہر نہ ہوں گے کیوں کہ یہاں ترکیب سے ترکیب مع الغیر مراد ہے ترکیب مع العامل مراد نہیں ہے کہ لفظی کا معنوی کے ساتھ مرکب ہونا لازم آئے جو کہ محال ہے۔ دراصل اعتراض یہ ہوتا تھا کہ متبادر من الترکیب، ترکیب مع العامل ہے اور مبتداء اور خبر عامل کے ساتھ مرکب نہیں ہوتے اس لیے کہ ان دونوں کا عامل عامل معنوی ہے اور لفظی کی ترکیب معنوی کے ساتھ محال ہے پس معرب کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے پس جواب دیا کہ ترکیب سے مراد ترکیب مع الغیر ہے خواہ وہ عامل کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔ اور اسم مرکب مع الغیر کے ساتھ اس کے عامل کے بھی متحقق ہونے کی قید سے غلام حسن کا غلام معرب میں جگہ نہ پا سکے گا، اس لیے کہ یہ بھلے مرکب مع الغیر ہے، نیز مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا عامل نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح لم یشبه کو لم یناسب کے معنی میں کرنے کی وجہ سے یا زید میں زید معرب نہ ہو سکے گا، کیوں کہ وہ بھلے مبنی اصل کے مشابہ نہیں لیکن مناسب تو ہے۔ نیز منع اعراب کے روکنے کے سلسلہ میں مؤثر ہونے کی قید سے غیر منصرف معرب ہی میں رہے گا، اس لیے کہ وہ اگرچہ مبنی الاصل، فعل ماضی کے دو فرعیتوں کے ہونے میں مشابہ اور مناسب ہے پر اس طرح نہیں ہے کہ وہ غیر منصرف پر اعراب کے آنے کو روک دے۔

اب ایک سوال اور اور اس کا جواب اور سمجھ لیں۔ سوال یہ ہے کہ مصنف نے معرب کی مشہور زمانہ تعریف سے عدول کیوں کیا۔ جواب یہ ہے کہ مصنف نے جمہور کی تعریف سے اس لیے عدول کیا کہ جمہور کی

تعریف سے دور لازم آتا ہے تو اس سے بچنے کے لیے نئی تعریف کی۔ دور یوں لازم آتا ہے کہ مشہور تعریف کی رو سے اسم کے آخر کے اختلاف کا جاننا موقوف ہوگا معرب کے جاننے پر اور معرب کا جاننا موقوف ہوگا آخر کے اختلاف کے جاننے پر، پس اگر معرب کی تعریف معرب کے اختلاف آخر سے کی جاتی تو دور لازم آتا ہے جو درست نہیں، لیکن یہ جواب ضعیف ہے، کیوں کہ یہ تعریف، تعریف بالاثر ہے جو جمہور کے نزدیک درست ہے۔

درست جواب یہ ہے کہ معرب کی تعریف سے مقصود اس کا حکم کے لیے وسیلہ بننا ہے اور جمہور کی تعریف حکم کے لیے وسیلہ نہیں بنتی، کیوں کہ تعریف سے تقدم الشئ علی نفسہ لازم آتا ہے، اس لیے کہ جب تم نے کہا کہ زید قائم، میں زید معرب ہے یعنی اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے، اس لیے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے اور جس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے وہ معرب ہوتا ہے، لہٰذا زید معرب ہے یعنی اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے پس صغریٰ عین نتیجہ ہو گیا، حالاں کہ صغریٰ مقدم اور نتیجہ مؤخر ہوتا ہے، پس صورت مذکور میں صغریٰ کی صورت میں نتیجہ صغریٰ اور کبریٰ کے ملنے سے پہلے ہی وجود پذیر ہو گیا، لہٰذا لازم آ گیا تقدم الشئ علی نفسہ۔

بخلاف مصنف کی تعریف کے کہ جب تم نے کہا زید قائم میں زید معرب ہے یعنی وہ ایسا مرکب ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے یہ ہوا صغریٰ اور ہر وہ چیز جس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلے وہ معرب ہے یہ ہوا کبریٰ۔ پس نتیجہ نکلا کہ زید معرب ہے یعنی وہ ایسا مرکب ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہیں ہے تو نتیجہ صغریٰ کا غیر ہوا، لہٰذا نتیجہ کا صغریٰ پر مقدم ہونا لازم نہیں آیا جو کہ تقدم الشئ علی نفسہ کو مستلزم ہے۔

وحكمه ان يختلف آخره باختلاف العوامل لفظاً او تقديراً .

ترجمہ:- اور معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے لفظاً یا تقدیراً بدلتا رہتا ہے۔

توضیح:- حکمہ میں حکم کی اضافت معرب کی طرف برائے عہد ہے۔ برائے استغراق نہیں ہے، لہٰذا معرب کے حکم سے مراد یہاں معرب کے بعض احکام ہوں گے، تمام احکام مراد نہیں ہیں اور حکم سے مراد یہاں حکم بمعنی اللغوی ہے یعنی وہ اثر جو شئ پر مرتب ہوتا ہے۔ حکم اصطلاحی مراد نہیں ہے، کیوں کہ حکم اصطلاحی مرکب میں ہوتا ہے، جب کہ معرب مفرد کے اقسام میں سے ہے۔

جب آپ نے اتنا جان لیا تو اب معرب کا جامع مانع حکم سنیے، معرب کا حکم یہ ہے کہ معرب کا آخر عوامل کے اختلاف سے ذاتاً یا صفۃً، حقیقتاً یا حکماً لفظاً یا تقدیراً بدلتا رہے۔

اختلاف ذاتی کہتے ہیں ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے اور اختلاف صفتی کہتے ہیں ایک

حرکت دوسری حرکت سے بدل جائے۔

اختلاف ذاتی لفظی حقیقی کی مثال جیسے جاء نی ابوك، رأيت اباك و مررت بابيك
اختلاف ذاتی لفظی حکمی کی مثال // رأيتُ مسلمين مررت بمسلمين
اختلاف ذاتی تقدیری حقیقی کی مثال // جاء نی ابو القوم رأيت ابا القوم مررت بابی القوم
اختلاف ذاتی تقدیری حکمی کی مثال // رأيت مسلمِي القوم مررت بمسلمی القوم
اختلاف صفتی لفظی حقیقی کی مثال // جاء نی زيد رأيت زيدا مررت بزيد
اختلاف صفتی لفظی حکمی کی مثال // رأيت احمدَ مررت باحمدَ
اختلاف صفتی تقدیری حقیقی کی مثال // جاء نی فتًی رأيت فتًی مررت بفتیً
اختلاف صفتی تقدیری حکمی کی مثال // رأيت حبلی مررت بحبلٰی

مصنفؒ نے معرب کے حکم کے بیان کے حوالے سے فرمایا کہ اختلاف معرب کے آخر میں ہوگا یعنی اعرب معرب کے آخر میں آئے گا، کیوں کہ معرب کا آخر بمنزلۂ موصوف کے ہے اور اعراب بمنزلۂ صفت کے ہے اور صفت موصوف کے بعد میں آیا کرتی ہے، اس لیے اعراب معرب کے آخر میں آئے گا۔

معرب کے مذکورہ بالا حکم میں چند قیدیں ہیں پہلی قید یہ ہے کہ اعراب کا اختلاف معرب کے آخر میں ہونا چاہیے، لہٰذا اگر معرب کے آخر کے علاوہ کہیں اور اعراب کی تبدیل ہوتی ہے تو اسے معرب کا حکم نہیں قرار دیا جاسکتا جیسے جاء نی امرُءٌ رایتُ امرءِ مرزت بامرءٍ میں را کے حرکت کا اختلاف۔

دوسری قید یہ ہے کہ معرب کے آخر کا اختلاف عوامل کے اختلاف کی وجہ سے ہو پس اگر عوامل کے علاوہ کی وجہ سے آخرِ معرب بدلتا ہے تو وہ معرب کا حکم نہ ہوگا جیسے مَنِ ابنُكَ مَنْ زيدٌ کہ من کے نون پر حرکت کی تبدیل عامل کی وجہ سے نہیں ہے۔

تیسری قید یہ ہے کہ عامل بذات خود اس معرب پر داخل ہو اس کے خلاف کی صورت میں وہ معرب کا حکم نہ ہوگا، جیسے جاء زيدٌ من زيدٌ، رأيت زيدًا من زيدًا، مررت بزيدٍ من زيدٍ، اس لیے کہ تمام مثالوں میں زید ثانی کا اعراب، اعراب حکائی ہے۔

چوتھی قید یہ ہے کہ وہ عوامل عمل میں مختلف ہوں اگر بجائے عمل کے وہ اسمیت یا فعلیت یا حرفیت میں مختلف ہوں تو ظاہر ہے کہ آخر معرب میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی جیسے ان زيداً مضروبٌ إني ضربتُ زيداً اني ضاربٌ زيداً.

الاعرابُ ما اختلفَ آخره به ليدلَّ على المعاني المعتوِرةِ عليه. وانواعه رفع ونصب وجرٌّ فالرَّفعُ علمُ الفاعِليَّة، والنصبُ علم المفعوليّة والجرُّ علم الإضافَة.

ترجمه:- اعراب وہ ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدل جاتا ہے، تاکہ وہ ان معانی پر دلالت کرے جو معرب پر یکے بعد دیگرے وارد ہوتے ہیں اور اس کے انواع رفع، نصب اور جر ہیں پس رفع فاعلیت کی علامت ہے اور نصب مفعولیت اور جر اضافت کی علامت ہے۔

توضیح:- اب مصنف اعراب کی تعریف کر رہے ہیں کہ اعراب وہ شئ ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدل جاتا ہے خواہ اعراب بصورت حرف ہو یا حرکت۔

لیکن یہاں پر ایک سوال ہے کہ معرب کا آخر جس طرح اعراب سے بدلتا ہے، اسی طرح عامل اور معنیٰ مقتضی سے بھی بدلتا ہے، لہٰذا اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ ما اختلف میں ما سے مراد شئ ہے اور بہ کا باء سببیہ ہے اور سبب سے متبادر الی الفہم سبب قریب ہے جب کہ عامل اور معنیٰ مقتضی آخر کے اختلاف کے لیے سبب بعید ہے، لہٰذا ہر چند کہ معرب کا آخر عامل اور معنیٰ مقتضی سے بھی تبدیل ہوتا ہے لیکن اختلاف آخرِ معرب کے لیے سبب بعید ہونے کی وجہ سے اعراب کی تعریف سے خارج ہے پس اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع ہے۔

لِیدُلَّ علی المعانی المعتورة: اس جملہ کے بارے میں دو احتمال ہیں، پہلا احتمال یہ ہے کہ مذکورہ بالا جملہ اعراب کی تعریف کا جزء نہ ہو، بلکہ جملۂ معترضہ ہو، ایسی صورت میں یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ آخر اعراب کی وضع سے فائدہ کیا ہے؟ اس کا جواب ماتنؒ نے دیا کہ اعراب کی وضع معرب پر یکے بعد دیگرے آنے والے معانی پر دلالت کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس تقدیر پر لیدل کا لام مضمون کلام سے مفہوم ہونے والے وضع کے متعلق ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ جملہ تعریف کا جزء ہو، کیوں کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تعریف میں اعتبار کی جانے والی قیودات تعریف کو جامع اور مانع بنانے کے لیے ہی ہوتی ہیں، بلکہ بسا اوقات تعریف کی جامعیت اور مانعیت کے ماسوائے دوسرے فوائد مطلوب ہوتے ہیں جیسے اعراب کے وضع کا مقصد اور اس کے اختلاف کی وجہ کا معلوم ہونا۔

اب معرب کی وجہ تسمیہ سنیئے! معرب کو اس نام کے ساتھ یا تو اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ معرب اعراب سے مشتق ہے جس کے معنیٰ اظہار اور بیان کے آتے ہیں اور اعراب، معرب کے فاعل، مفعول اور مضاف الیہ ہونے کو بیان کرتا ہے۔ اور یا عَرِبَتْ معدَتُهٗ سے مشتق ہے جس کے معنیٰ ہیں معدے کے بگڑ جانے کے ایسی صورت میں اعراب کا ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہوگا، کیوں کہ اعراب معرب کے معانی میں پیدا ہونے والے اشتباہ کے فساد کو دور کر دیتا ہے۔ اس مناسبت کی وجہ سے معرب کا نام معرب تجویز کیا گیا۔

انواعہ: اعراب کے انواع رفع نصب اور جر ہیں، اس لیے کہ اعراب یا تو عمدہ پر دلالت کرے گا

یا فضلہ پر، اگر عمدہ پر دلالت کرتا ہے تو وہ رفع ہے اور اگر فضلہ پر دلالت کرتا ہے تو بالذات دلالت کرے گا یا بواسطۂ حرف جر اول نصب ہے اور ثانی جر۔

مصنفؒ نے انواع اعراب کے بیان کے لیے رفع، نصب، جر کا انتخاب اس لیے کیا کہ یہ تینوں صرف معرب کی ہی حرکت پر بولے جاتے ہیں جب کہ ضمہ، فتحہ، کسرہ عموماً مبنی کی حرکات پر بولے جاتے ہیں، گو معرب پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ ضم، فتح، کسر مبنی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

فالرفع علم الفاعلية: پس رفع فاعل ہونے کی اور نصب مفعول ہونے کی اور جر مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے، لگے ہاتھ ایک بات سمجھتے چلیئے کہ مصنفؒ نے اضافۃ میں یائے مصدری اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اضافت بذات خود مصدر ہے جب کہ فاعلیت اور مفعولیت کے مصدر نہ ہونے کی وجہ سے ان کو مصدر بنانے کے لیے یائے مصدری کا لانا ضروری تھا۔

فاعلیت سے مراد عام ہے خواہ حقیقتاً فاعل ہو یا فاعل کی اس میں خصلت پائی جاتی ہو جیسے مبتدأ وغیرہ، اسی طرح مفعولیت سے مراد عام ہے خواہ سچ مچ مفعول ہو یا ملحق بمفعول ہو جیسے حال، تمیز وغیرہ۔

رفع کو فاعل کی علامت اس لیے قرار دیا کہ مرفوعات کم تھے جب کہ رفع ثقیل تھا، اس لیے اعتدالاً قلیل کو ثقیل چیز دے دی گئی اور نصب کو مفعول کی علامت اس لیے بنایا گیا کہ نصب خفیف تھا اور منصوبات زیادہ تھے، پس اعتدالاً مفعول کو نصب دے دیا اب باقی بچا جر تو اسے اضافت کو دے دیا۔

والعاملُ ما به يَتقَوَّم المعنى المقتضىٌّ للاعراب

ترجمہ:- اور عامل وہ ہے کہ جس کے ذریعہ وہ معنی حاصل ہوتے ہیں کہ جن کا اعراب تقاضا کرتا ہے۔

توضیح:- جب مصنفؒ اعراب کے بیان سے فارغ ہوگئے جو کہ معرب کے آخر کے اختلاف کا سبب قریب تھا، تو اب عامل کی تعریف کر رہے ہیں جو اختلاف آخرِ معرب کا سبب بعید ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ عامل وہ چیز ہے کہ جس کے سبب وہ معنی حاصل ہوں کہ جن کا اعراب تقاضا کرتا ہے۔ اعراب کے معنی مقتضی، فاعلیت، مفعولیت اور اضافت ہیں، مثال کے طور پر ضربَ زیدٌ میں ضربَ عامل ہے، اس لیے اس کے سبب زید کی فاعلیت حاصل ہوئی اور ضربتُ زیداً میں ضربتُ عامل ہے، اس لیے کہ ضربتُ کی وجہ سے زید کی مفعولیت حاصل ہوئی اور مررت بزيدٍ میں باء عامل ہے، اس لیے کہ باء کی وجہ سے زید میں اضافت حاصل ہوئی۔

فالمفردُ المنصرف والجمعُ المكسر المنصرِفُ بالضمةِ رفعًا والفتحةِ نصبًا والكسرةِ جراً.

ترجمہ:- پس مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف ضمہ کے ساتھ حالت رفعی میں اور فتحہ کے ساتھ حالت نصبی میں اور کسرہ کے ساتھ حالت جری میں ہوگا۔

توضیح:- مفرد منصرف صحیح اور جمع مکسر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ اور حالت نصبی میں فتحہ اور حالت جری میں کسرہ ہوگا۔

سب سے پہلے معلوم ہو کہ مفرد سے مراد یہاں وہ ہے جو تثنیہ اور جمع نہ ہو اور جمع مکسر سے مراد وہ جمع ہے جو جمع سالم نہ ہو۔ اب سنو کہ اسم کی مذکورہ بالا قسم کو مذکورہ بالا اعراب اس لیے دیا گیا کہ مفرد دو اعتبار سے اصل ہے۔ اول یہ کہ مفرد اصل ہے بلحاظ تثنیہ اور جمع کے اور منصرف اصل ہے باعتبار غیر منصرف کے اور جمع مکسر منصرف اصل ہے جمع مکسر غیر منصرف کے اعتبار سے اور مذکورہ اعراب بھی دو وجہوں سے اصل ہے، اول یہ کہ اعرب مذکور اعراب بالحرکت ہے اور اعراب بالحرکت اصل ہے اعراب بالحرف کے اعتبار سے اور دوسرے یہ کہ یہ اعراب بالحرکت ہر سہ حالت میں تینوں اعراب کے ساتھ ہے اور یہ اصل ہے اس اعراب بالحرکت سے جو تینوں حالتوں میں تینوں اعراب کے ساتھ نہ ہو، پس اصل کو اصل کا اعراب دے دیا۔

رفعاً نصباً جراً: رفعاً، نصباً، جراً کا نصب یا تو ظرف ہونے کی وجہ سے ہے تو تقدیر عبارت ہوگی **یعربان بالضمة حالة الرفع ویعربان بالفتحة حالة النصب ویعربان بالکسرة حالة الجرّ.** یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہوگا تو تقدیر عبارت ہوگی **یعربان بالضمة اعراب الرفع ویعربان بالفتحة اعراب النصب ویعربان بالکسرة اعراب الجر.** ہر دو احتمال کی صورت میں مضاف مقدر ہوگا اور تیسرا احتمال حال ہونے کا ہے تو تقدیر عبارت ہوگی **یعربان بالضمة مرفوعاً ویعربان بالضمة منصوبا ویعربان بالکسرة مجروراً** یعنی مصدر بجائے معروف کے مجہول ہو جائے گا۔

جمع المؤنثِ السالمُ بالضمةِ والکسرة غیرُ المنصرفِ بالضمة والفتحة .

ترجمہ:- جمع مؤنث سالم کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصبی اور جری حالت میں کسرہ کے ساتھ۔ غیر منصرف کا اعراب رفعی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصبی و جری حالت میں فتحہ کے ساتھ ہوگا۔

توضیح:- مؤنث کی قید سے جمع مذکر سے احتراز ہو گیا اور سالم کی قید سے جمع مؤنث مکسر سے احتراز ہو گیا۔ جمع مؤنث سالم سے مراد ہر ایسی جمع ہے جو الف اور تاء کے ساتھ ہو، اس کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ اور نصبی و جری حالت میں کسرہ ہوگا، یہاں پر حالت نصبی کو حالت جری کے اس لیے تابع کیا گیا کہ جمع مؤنث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی اور جمع مذکر سالم میں حالت نصبی حالت جری کے تابع ہے، لہٰذا جمع مؤنث سالم میں بھی حالت نصبی کو حالت جری کے تابع کر دیا، تاکہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے۔ پھر

بھی ایک سوال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حالت نصبی کو حالت جری کے تابع کرنے کے باوجود جمع مؤنث سالم میں فرع کی اصل پر زیادتی لازم آرہی ہے، کیوں کہ جمع مذکر سالم کا اعراب اعراب بالحرف ہے اور جمع مؤنث سالم کا اعراب اعراب بالحرکت ہے اور اعراب بالحرکت اصل ہے اعراب بالحرف سے۔ جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ جمع مؤنث سالم میں مذکورہ اعراب کے ساتھ فرع کی اصل پر زیادتی لازم آرہی ہے، کیوں کہ اعراب بالحرکت میں اصل یہ ہے کہ تینوں حالتوں کا اعراب تینوں اعراب کے ساتھ ہو، جمع مؤنث سالم میں ایسا نہیں ہے، لہٰذا فرع کی زیادتی اصل پر نہ ہوئی۔ دوسری بات یہ کہ یہاں اعراب بالحرف کے لانے سے مانع بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جمع مؤنث سالم کے آخر میں حرف علت نہیں اور اعراب بالحرف وہیں آسکتا ہے کہ جس اسم کے آخر میں حرف علت ہو۔

غیر المنصرف: غیر منصرف کا اعراب رفعی میں ضمہ اور حالت نصبی اور جری میں فتحہ ہوگا، یہاں جری حالت کو نصبی حالت کے تابع کیا، اس لیے کہ غیر منصرف دو فرعیتوں کے پائے جانے میں فعل کے مشابہ ہے، لہٰذا جر جو اسم کے اعظم خواص میں سے ہے اب غیر منصرف کے ساتھ نہیں پایا جاسکتا، جیسا کہ فعل پر جر کا آنا منع ہے۔

ابوكَ واخوكَ وحموكِ وهنوكَ وفوكَ وذومالٍ مضافةً الٰى غيرِ ياء المتكلم بالواو والالفِ والياءِ.

ترجمہ:- ابوك واخوك وحموكِ وهنوكَ وفوكَ اور ذومال درانحالیکہ یاء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں واؤ کے ساتھ حالت رفعی میں اور الف کے ساتھ حالت نصبی میں اور یاء کے ساتھ حالت جری میں ہوں گے۔

توضیح:- جب مصنف اعراب بالحرکت کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اعراب بالحروف کا بیان شروع کیا۔ سب سے پہلے آپ کو معلوم ہو کہ ابوكَ، اخوكَ، حموكِ اور هنوكَ چاروں ناقص واوی ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان چاروں اسماء کا تثنیہ ابوان، اخوان، حموان اور هنوان آتا ہے، ان کی اصل فَعَلٌ کے وزن پر اَبَوٌ، اَخَوٌ، حَمَوٌ اور هَنَوٌ ہے۔

حمو شوہر کی جانب سے عورت کے قریبی رشتہ دار یعنی دیور کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اسی لیے مصنف نے اس کی اضافت کاف ضمیر مؤنث کی طرف کی ہے۔

اور هن شرم گاہ، ناپسندیدہ عادتوں اور افعال میں استعمال ہوتا ہے اور فوكَ دراصل اجوف واوی ہے، اس کی اصل فَوْهٌ فَعْلٌ کے وزن پر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ فم کی جمع اَفْوَاه آتی ہے بطریق شاذ، هاء یعنی لام کلمہ کو حذف کر دیا اور اضافت سے علیحدہ ہونے کی حالت میں واؤ کو میم سے بدل دیا تا کہ معرب

کاوزن سلامت رہے، البتہ اضافت میں فوك بولا جاتا ہے۔

اور ذو کی اصل ذَوَوٌ لفیف مقرون ہے ذو بجائے اسم ضمیر کاف کی طرف مضاف ہونے کے اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذو اسماء اجناس کو صفت بنانے کے لیے موضوع ہے اور ظاہری بات ہے کہ یہ مقصد ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں نہیں حاصل ہوسکتا، اس لیے وہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

اب آپ اسمائے ستہ کا اعرب سنیے! تو ان کا اعراب (درانحالیکہ یہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں اور مکبرہ اور موحدہ ہوں) حالت رفعی میں واؤ اور حالت نصبی میں الف اور حالت جری میں یاء ہوگا۔

مکبرہ اور موحدہ کی قیدیں ہر چند کی مذکور نہیں ہیں پر وہ ملحوظ ہیں، اگر اسمائے ستہ بجائے مکبرہ کے مصغرہ ہوں تو ان کا اعراب، اعراب بالحرکت ہوگا جیسے جاء نی اُخَیُّكَ رایت اُخَیَّكَ مررت بِاُخَیِّكَ اسی طرح اگر وہ موحدہ نہ ہوں بلکہ تثنیہ اور جمع ہوں تو بجائے مذکورہ اعراب بالحروف کے ان پر تثنیہ اور جمع کا اعراب ہوگا، جمع مکسر جیسے آباء، اخوۃ اور جمع سالم جیسے ابنون اور ابون کی تفصیل کے ساتھ۔

نیز ان اسماء کا مضاف ہونا ضروری ہے، کیوں کہ اگر یہ اسماء مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت لفظی ہوگا جیسے جاء نی اب، رایتُ اباً مررت باب نیز اضافت یاء متکلم کے علاوہ کی طرف ہو۔ کیوں کہ اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب، اعراب بالحرکت تقدیری ہوگا۔

اب رہی یہ بات کہ مصنف نے پہلی دو قیدوں کو بیان کیوں نہیں کیا، تو وجہ یہ ہے کہ مصنف نے مثالوں پر اکتفاء کیا اور ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی، البتہ اضافت کی قید کے سلسلے میں مثالوں پر اکتفاء نہیں کیا، اس لیے کہ اگر اضافت کے سلسلے میں بھی مثالوں پر قناعت کر لیتے تو لوگوں کو یہ وہم ہوتا کہ ان اسمائے ستہ کے لیے مذکورہ اعراب کی شرط یہ ہے کہ وہ مخاطب کی ضمیر کی طرف مضاف ہوں، حالاں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔

ابھی ایک راز کھلنے سے رہ گیا کہ ان اسماء ستہ کو مذکورہ اعراب کیوں دیا گیا، حالاں کہ یہ مفرد ہیں اور مفردات میں اصل اعراب بالحرکت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تمام مفردات کا اعراب، اعراب بالحرکت ہو جاتا اور تمام تثنیہ اور جمع کا اعراب، اعراب بالحروف ہو جاتا تو مفرد، تثنیہ اور جمع کے درمیان وحشت اور منافرت پیدا ہو جاتی، اس لیے بعض مفردات کو بھی اعراب بالحروف دے دیا، تا کہ ان کے درمیان سے منافرت اور وحشت تامہ ختم ہو جائے۔

ہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ پھر مذکورہ اعراب کے اسماء ستہ میں منحصر ہونے کی کیا وجہ ہے؟ دوسری بات ان ہی چھ اسموں کا ہی اس مقصد کے لیے انتخاب کیوں کیا؟ تو پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ جب تثنیہ اور جمع میں سے ہر ایک کی تین، تین حالتیں ہیں تو ہم نے ہر حالت کے مقابلہ ایک اسم کو کر دیا، اب رہی دوسری

بات کا جواب تو معاملہ یہ ہے کہ اسماء ستہ، تثنیہ اور جمع کے لفظاً اور معنًی مشابہ ہیں۔

لفظاً مشابہت تو یوں ہے کہ اسماء ستہ کا آخر تثنیہ اور جمع کی طرح اعراب بالحروف قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور معنًی تو اس لیے کہ ان اسماء ستہ کے معنی میں بھی تعدد ہے جیسے تثنیہ اور جمع کے معنی میں تعدد ہوتا ہے۔

المثنى و كلا مضافاً الى مضمرٍ و اثنان و اثنتان بالألف و الياء .

ترجمہ:- تثنیہ اور کلا درانحالیکہ ضمیر کی طرف مضاف ہو اور اثنان اور اثنتان کا اعراب حالت رفعی میں الف کے ساتھ اور نصبی اور جری حالت میں یاء کے ساتھ ہوگا۔

توضیح:- اب مصنفؒ تثنیہ اور اس کے ملحقات کا اعراب بیان کر رہے ہیں تو ان کا اعراب حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح اور حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح ہوگا جیسے جاء نی رجلان، رأیت رجلین، مررت برجلین.

مصنفؒ نے صرف کلا کو بیان کیا، حالاں کہ مذکورہ بالا اعراب کلتا کا بھی ہوتا ہے، ایسا اس لیے کیا کہ کلا اصل ہے اور کلتا اس کی فرع ہے اور اصل کا ذکر فرع کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ اثنان اور اثنتان صرف صورتاً تثنیہ ہیں معنًی نہیں ہیں، اس لیے کہ فی الحقیقت تثنیہ وہ مفرد کہلاتا ہے جس کے آخر میں الف یا یاء کو لاحق کیا گیا ہو اور یہ بات اثنان میں نہیں ہے کہ اس کا مفرد اثن ہو، پھر آخر میں الف کو لاحق کیا گیا ہو، کیوں کہ اثن کوئی چیز نہیں، ہاں اثنان دو مفردوں کے لیے وضع کیا گیا ہے باقی اثنتان و ثنتان اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

پھر مصنفؒ نے اثنتان کو بیان کیا، حالاں کہ وہ اثنان کی فرع ہے، لہٰذا چاہیے اس کے برعکس تھا، اس لیے کہ اصل کا تذکرہ فرع کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ تو ایسا اس لیے ہوا کہ چوں کہ تذکیر اور تانیث کا حکم عدد کے باب میں مختلف ہوتا ہے، اس لیے ان دونوں کے لفظ کے ساتھ باب اعراب میں صراحت کر دی کہ یہاں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔

و كلا مضافاً الى المضمر: کلا کا اعراب الف اور یاء کے ساتھ اضافت الی الضمیر کی قید کے ساتھ اس لیے مقید ہے کہ کلا کی دو حیثیتیں ہیں، کلا لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے تثنیہ، پس اس کا لفظ اعراب بالحرکت کا تقاضا کرتا ہے اور معنی اعراب بالحرف کا، لہٰذا کلا میں دونوں حیثیتوں کی رعایت کی گئی اس طور پر کہ اگر کلا اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو اعراب بالحرکت دیا جائے گا، کیوں کہ اضافت الی الاسم الظاہر اصل ہے۔ اور اعراب بالحرکت بھی اصل ہے۔ پس اصل کو اصل دے دیا گیا مناسبت کی رعایت کرتے ہوئے۔ اور اگر کلا مضاف ہو ضمیر کی طرف تو اعراب بالحرف دیا جائے گا،

اس لیے کہ اضافت الی الضمیر خلاف اصل ہے اور اعراب بالحرف نیز خلاف اصل ہے تو خلاف اصل کو خلاف اصل دے دیا گیا۔

جمع المذکر السالمُ واُلُو وعشرون واخواتها بالواو والیاء .

ترجمہ:- جمع مذکر سالم اور اُلُو اور عشرون اور اس کے اخوات کا اعراب رفعی حالت میں واؤ اور نصبی اور جری حالت میں یاء کے ساتھ ہوگا۔

توضیح:- اب جمع مذکر سالم کا اعراب بیان کر رہے ہیں، جمع مذکر سالم ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کا مفرد سلامت ہو اور اس کے آخر میں واؤ اور نون یا یاء اور نون کو مافوق الاثنین پر دلالت کرنے کے لیے لاحق کر دیا گیا ہے۔

اُلُو اور عشرون حقیقتاً جمع مذکر سالم نہیں ہیں، بلکہ اس کے ملحقات یعنی صورۃً جمع ہیں اس لیے کہ اُلُو کا من لفظہ کوئی مفرد نہیں ہے۔ اسی طرح عشرون وغیرہ کا بھی کیوں کہ اگر عشرون کا مفرد عشر کو قرار دیا جائے تو پھر عشرون کا اطلاق تیس پر لازم آئے گا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، اسی لیے جمع مذکر سالم کے ذکر کے بعد اُلُو اور عشرون اور اس کے اخوات کو مستقلاً بیان کیا۔

خیر: جمع مذکر سالم اُلُو اور عشرون وغیرہ کا اعراب حالت رفعی میں واؤ ماقبل مضموم اور حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مکسور ہوگا جیسے جاء نی مسلمون رأیت مسلمین مررت بمسلمین.

تثنیہ اور جمع کا اعراب، اعراب بالحرف اس لیے ہوگا کہ یہ دونوں مفرد کی فرع ہیں اور اعراب بالحروف اعراب بالحرکت کی فرع ہے پس اصل کو اصل اور فرع کو فرع دے دیا گیا۔

البتہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمع مؤنث سالم بھی تو مفرد کی فرع ہے، لہٰذا اس کو اعراب بالحرف دینا مناسب تھا، حالاں کہ ایسا نہیں ہوا ہے۔ جواب جمع مؤنث سالم کی بحث میں اس کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ہونا تو ایسا ہی چاہیے تھا، لیکن جمع مؤنث سالم کے آخر میں اعراب بالحرف کی صلاحیت والا کوئی حرف نہیں ہے تو اس کو اعراب بالحرکت مجبوراً دیا گیا۔

اب رہی یہ بات کہ تثنیہ اور جمع کا اعراب خلاف اصل ہے، اس لیے کہ تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ ہے، حالاں کہ قیاس واؤ کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا نصب یاء کے ساتھ ہے، حالاں کہ قیاس الف کا متقاضی ہے۔ دراصل یہ ہے کہ اعراب بالحروف تین ہیں اور تثنیہ اور جمع میں سے ہر ایک کے اعراب کی حالتیں بھی تین تین ہیں، پس اگر تینوں حروف تثنیہ کو دے دیئے جاتے تو جمع بلا اعراب کے باقی رہتا اور اگر تینوں جمع کو دے دیا جاتا تو تثنیہ بلا اعراب کے ہو جاتا اور اگر دونوں کے درمیان ان کو مشترک کر دیا جاتا تو پھر تثنیہ اور جمع کے درمیان اشتباہ لازم آتا لہٰذا اعراب بالحروف میں تقسیم کر دی گئی بایں طور کہ الف تثنیہ کو حالت رفعی میں

دے دیا گیا، اس لیے کہ الف افعال کی تثنیہ میں فاعل کی ضمیر ہوتا ہے اور واؤ حالت رفعی میں جمع کو دے دیا گیا، اس لیے کہ واؤ افعال کے صیغۂ جمع میں فاعل کی ضمیر ہوتا ہے۔ اور یاء کو ان دونوں کی حالت جری میں مشترک کردیا گیا پھر دونوں جگہ نصبی حالت کو جری حالت کے تابع کردیا، نصب اور جر کے درمیان مناسبت کی وجہ سے اس لیے کہ نصبی اور جری دونوں حالتیں فضلہ پر دلالت کرتی ہیں بخلاف رفعی حالت کے کہ وہ عمدہ پر دال ہے، پھر فرق کرنے کے لیے تثنیہ میں یاء ماقبل مفتوح اور جمع میں یاء ماقبل مکسور کردیا۔

التقدیر فیما تعذّرَ کعصا وغلامی مطلقاً او اُستُثقِلَ کقاضٍ رفعًا وجرًّا ونحو مسلمِیّ رفعاً واللفظیُّ فیما عداہُ.

ترجمہ:- اعراب کی تقدیر اس اسم معرب میں ہوتی ہے کہ جس میں اعراب لفظاً ناممکن ہو جیسے عصا اور غلامی مطلقاً، یا دشوار ہو جیسے قاضٍ، رفعی اور جری حالت میں اور مسلمِیّ جیسے میں رفعی حالت میں اور لفظی اس اسم معرب میں ہوگا جو تقدیری کے مواقع کے علاوہ ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ان اسماء کے اعراب کو بیان کررہے ہیں جن کا اعراب تقدیری ہوتا ہے۔ اعراب تقدیری کی لفظی پر تقدیم اختصار کی وجہ سے ہے، کیوں کہ اعراب کی تقدیر چند اسماء میں ہوتی ہے۔ لہٰذا پہلے کم والے کو بیان کردیا جائے پھر اس کے علاوہ جو کچھ ہوگا وہ لفظی ہوگا۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ تقدیری کے مواضع کم ہیں، لہٰذا وہ بمنزلۂ جز کے ہوا اور لفظی کے مواضع زیادہ ہیں پس وہ بمنزلۂ کل کے ہوا اور جزء کل پر فہم میں مقدم ہوتا ہے، لہٰذا ذکر میں بھی مقدم کردیا، تاکہ وضع، طبع کے مطابق ہوجائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اسم معرب جس میں لفظوں میں اعراب ناممکن ہو اس میں اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے عصا اور غلامی، عصا سے مراد ہر ایسا اسم ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو خواہ الف مقصورہ سلامت ہو یا حذف ہوگیا ہو۔

اس میں اعراب اس لیے تقدیر ہوتا ہے، کیوں کہ الف وضعاً ساکن ہوتا ہے اور وہ اعراب کو بالکل قبول نہیں کرتا، لہٰذا اس میں اعراب تقدیری ہوگا۔

اور غلامی سے مراد ہر ایسا اسم ہے جو جمع مذکر سالم نہ ہو اور یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں اعراب اس لیے تقدیری ہوگا کہ جب مضاف کا آخر حرکت کے ساتھ مشغول ہوگیا یاء کے تقاضہ کی وجہ سے تو اب اس پر دوسری حرکت کا دخول ناممکن ہوگیا، خواہ وہ حرکت مخالف ہو یا موافق ورنہ رفعی اور نصبی حالت میں حرف واحد پر بیک وقت دو مختلف حرکتوں کا ہونا لازم آئے گا اور جری حالت میں دو متماثل حرکتوں کا ہونا ظاہر ہے کہ اس کی گنجائش نہیں ہے۔

مطلقاً: مطلقاً کا مطلب ہے کہ مذکورہ اسماء میں اعراب کی تقدیر ہر سہ حالت میں ہوگی۔ نیز اعراب

کی تقدیر کا دوسرا مواقع ہر ایسا اسم ہے جس میں اعراب کا ظہور دشوار ہو جیسے قاضٍ رفعی اور جری حالت میں اور مسلمی جیسے میں رفعی حالت میں۔

قاضٍ سے مراد ہر ایسا اسم ہے کہ جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو اس میں رفعی اور جری حالت میں اعراب اس لیے مقدر ہوگا کہ کسرہ کے بعد یاء پر ضمہ اور کسرہ دونوں دشوار ہوتے ہیں بخلاف فتحہ کے کہ وہ خفیف الحرکت ہے۔

مسلمِی جیسے سے مراد ہر ایسی جمع مذکر سالم ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو، اس میں اعراب حالت رفعی میں تقدیری ہوگا، کیوں کہ حالت رفعی میں واؤ یاء سے بدل جاتا ہے اور قلب شئ کو اس کی حقیقت سے خارج کردیتا ہے۔ پس لفظاً واؤ کا وجود نہ ہوا، پس تقدیراً مانا گیا۔

جب کہ نصبی اور جری حالت میں یاء کا یاء میں ادغام ہوتا ہے اور ادغام شئ کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا۔

واللفظی فیما عداہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ اسم معرب کی بقیہ صورتوں میں اعراب لفظی ہوگا۔

غير المنصرف ما فيه علّتانِ من تسعٍ او واحدةٌ منها تَقومُ مقامَهُمَا وهي شعر: عَدلٌ وَّ وصفٌ وتانيثٌ ومعرفة ÷ وعجمةٌ ثم جمعٌ ثم تركيبٌ ❊ والنونُ زائدةٌ من قبلِها الفٌ ÷ ووزنُ الفعلِ وهٰذا القولُ تقريبُ ❊ مثل عُمَر و احمَر وطلحةَ وزينب و اِبراهيمَ و مساجدَ و معد يكربَ وعِمرَان واَحمَدَ.

ترجمہ:- غیر منصرف وہ ہے کہ جس میں دو علتیں ہوں نو علتوں میں سے یا ان میں سے ایک ہو جو ان دو کے قائم مقام ہو اور وہ نو (شعر) عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ اور عجمہ پھر ترکیب اور الف نون زائدتان اور وزن فعل ہیں۔ اور یہ قول قریب کرنے والا ہے جیسے عمر اور احمر اور طلحہ اور زینب اور ابراہیم اور مساجد اور معدیکرب، عمران اور احمد۔

توضیح:- یہاں سے مصنف غیر منصرف کی تعریف پھر اس کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ غیر منصرف کے بیان کو منصرف پر مقدم کیا، حالاں کہ اصل اسماء میں منصرف ہونا ہے، وجہ یہ ہے کہ غیر منصرف کے مباحث منصرف کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اس لیے قلیل کو پہلے نمٹا دیا۔

پس غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس میں اسباب تسعہ سے دو مؤثر علتیں یا ایک مؤثر علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہو مع شرائط کے پائی جائے۔

اسم کی قید سے فعل خارج ہو گیا جیسے ضربت کہ اس میں دو علتیں تانیث اور وزن فعل پائی جاتی ہیں،

لیکن یہ فعل ہے۔ جب کہ غیر منصرف اسم کی قسم ہے پس یہ مبحث سے خارج ہے۔ اور معرب کی قید سے حضار خارج ہوگیا، کیوں کہ یہ باوجود اس بات کے کہ اس میں دو علتیں، تانیث اور علمیت موجود ہیں مبنی ہے۔ اور مؤثر کی قید سے **حبلی** اور **مصابیح** کا حالت علم میں غیر منصرف کی پہلی قسم میں داخلہ منع ہوگیا، کیوں کہ حالت علم میں بھلے ان دونوں میں دو علتیں ہو جائیں لیکن، علمیت ان دونوں کے ساتھ یعنی جمع اور تانیث کے دونوں الفوں کے ساتھ مؤثر نہیں ہوا کرتی۔ اور مع شرائط کی قید سے نوح نکل گیا، کیوں کہ اگر چہ اس میں عجمہ اور تانیث دو علتیں موجود ہیں، لیکن عجمہ کے غیر منصرف ہونے کی جو شرط ہے تحرک الاوسط یا زائد علی الثلاثہ ہونا وہ یہاں فوت ہے۔

وھی شعر: ھی مبتدا ہے اور شعر میں مذکور اسباب تسعہ کا مجموعہ اس کی خبر ہے، یعنی یہاں پر عطف ربط پر مقدم ہے، کیوں کہ کل کی تقسیم جب اس کے اجزاء کی طرف ہوتی ہے تو عطف ربط پر مقدم ہوا کرتا ہے ورنہ بصورت دیگر ہر ہر علت کا اسباب تسعہ کا مجموعہ ہونا لازم آئے گا، ظاہر ہے کہ یہ خلاف واقعہ ہے نیز ثم ترکیب مع التراخی کے معنی کے لیے یہاں نہیں لایا گیا، بلکہ وزن شعری کی محافظت کے لیے مذکور ہے۔

زائدة: **زائدة** حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت ہے **وتمنع النونُ الصرف حَالَ کونِها زائدةً** اور **أَلِفٌ**، ظرف (**من قبلها**) کا فاعل ہے اور یا تو الف مبتدأ ہے اور خبر ظرف مقدم ہے، لیکن اس صورت میں الف کی زیادتی نہیں معلوم ہوتی، حالاں کہ نون کے ساتھ الف بھی زائد ہے، اس لیے مناسب بات یہ ہے کہ الف **زائدة** کا فاعل ہے اور ظرف **زائدة** کے متعلق ہے، اس صورت میں نون کے ساتھ الف کی بھی زیادتی مفہوم ہو جائے گی جو کہ مطلوب ہے۔

زائدة میں ایک دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ وہ نون کی صفت ہو، لیکن اس صورت میں موصوف اور صفت کے درمیان عدم مطابقت کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا، اس لیے کہ **زائدة** نکرہ ہے جب کہ النون معرف باللام ہے، اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ الف لام عہد ذہنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے پس حقیقتاً نہ سہی حکماً ہی مطابقت پائی گئی۔

ھذا القولُ تقریبٌ: اس جملہ کے تین مطلب ہیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ تقریب مقرب کے معنی میں ہے یعنی عدل تسعہ کا بصورت نظم ذکر کرنا بمقابلۂ نثر کے حفظ کے زیادہ قریب کرنے والا ہے۔ کیوں کہ نظم نثر سے سہل الحفظ ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ قول اقرب الی الصواب ہے یعنی درستگی کے زیادہ قریب ہے، اس لیے کہ علتوں کی تعداد میں اختلاف ہے، کیوں کہ بعض نے صرف دو علتوں حکایت فی وزن الفعل اور ترکیب کا قول کیا ہے۔ اور دوسرے بعض گیارہ کے قائل ہیں، مذکورہ نو کے ساتھ **مراعاۃ الوصف الاصلیه بعد**

التنكير اورشبہ الف تانیث المقصورہ کا اضافہ کرتے ہیں۔شبہ الف تانیث ایسا الف ہے جو تانیث کے لیے نہ ہو اور اسم کے آخر میں زیادہ کیا گیا ہو پھر اس اسم کو علم بنا دیا گیا ہو جیسے ارطی جو ایک درخت کا نام ہے یا قبعثری جو ایک آدمی کا نام ہے۔

اور بعضے تو تیرہ کے بھی قائل ہیں، وہ گیارہ پر لزوم تانیث اور عدم النظم فی الآحاد کا اضافہ کرتے ہیں جب کہ جمہور نو علتوں کے حق میں ہیں پس مصنف نے جمہور کے مسلک کو خیر الامور اوسطہا کے پیش نظر اختیار کیا۔

اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ تقریب مجازاً کے معنی میں ہے یعنی فروع تسعہ میں سے ہر ایک کا سبب اور علت نام رکھنا مجازاً ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جزءِ علت ہے نہ کہ علت تامہ، اس لیے کسی اسم کے غیر منصرف ہونے کا حکم دو فرعیتوں کے اجتماع کے بعد لگایا جاتا ہے۔

مثل عمر: عمر عدل کی مثال ہے اور احمر وصف کی مثال ہے اور طلحہ تانیث لفظی اور زینب تانیث معنوی کی مثال ہے، ابراہیم عجمہ اور مساجد جمع منتہی الجموع اور معدیکرب ترکیب کی مثال ہے اور عمران الف نون زائدتان اور احمد وزن فعل کی مثال ہے۔

مصنف نے تانیث کی دو مثالیں تانیث کی دونوں قسموں لفظی اور معنوی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بیان کی ہیں۔

وحكمه ان لا كسرة ولا تنوينَ ويجوز صرفه للضرورةِ او للتناسبِ مثل سلاسِلا واغلالا وما يقوم مقامَهُما الجمعُ والفا التانيثِ .

ترجمہ:- اور اس کا حکم یہ ہے کہ کسرہ اور تنوین اس میں نہ ہوگا اور جائز ہے اس کا منصرف پڑھنا ضرورت یا مناسبت کی وجہ سے جیسے سلاسل اور اغلال اور وہ ایک علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہوتی ہے جمع اور تانیث کے دونوں الف ہیں۔

توضیح:- حکم سے مراد اثر ہے، غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا، اس لیے کہ ہر علت کی کوئی نہ کوئی فرعیت ہے پس جب کسی اسم غیر منصرف میں دو علتیں پائی گئیں تو اس میں دو فرعیتیں حاصل ہوں گی، لہٰذا وہ اسم دو فرعیتوں کے پائے جانے کی وجہ سے دو فرعیتوں کے پائے جانے میں فعل کے مشابہ ہو گیا۔ اور فعل پر کسرہ اور تنوین منع ہے، لہٰذا کسرہ اور تنوین غیر منصرف پر بھی منع ہو جائے گا، اس لیے کہ کسرہ اور تنوین اسم کے اعظم خواص میں سے ہے۔

معلوم ہو کہ حکمہ مبتدأ ہے اور اس کی خبر ان لا كسرة ولا تنوين پورا جملہ ہے اور عائد فیہ محذوف ہے۔

فائدہ:- فعل کے لیے دو فرعیتیں اس کا فاعل کا محتاج ہونا اور مصدر سے مشتق ہونا ہے۔ اور

اسباب تسعہ میں سے عدل معدول عنہ کی فرع ہے اور وصف موصوف کی فرع ہے اور تانیث، تذکیر کی اور معرفہ نکرہ کی اور عجمہ کلام عرب میں عربیت کی فرع ہے اور جمع واحد کی اور ترکیب مفرد کی فرع ہے، جب کہ الف ونون زائدتان مزید علیہ کی یا الف مقصورہ وممدودہ کی فرع اور وزن فعل اسم میں وزن اسم کی فرع ہے۔

ویجوز صرفه: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے جو غیر منصرف کا حکم بیان کیا ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا ہے یہ حکم حضرت فاطمہ کے شعر **صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائبٌ لَوْ انَّمَا ÷ صُبَّتَ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيًا** سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت امام شافعی کا امام ابوحنیفہ کی منقبت میں ایک شعر ہے **اَعِدْ ذكرَ نُعمانٍ لنا انّ ذكرة ÷ هو المِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتضوَّعُ** اور حضرت علی کا شعر ہے **سَلَامٌ عَلَى خيرالانامِ وسيدٍ ÷ حَبِيْبِ الله العَالمينَ مُحمّدٍ * بشيرٍ نذيرٍ هَاشميٍ مكرّمٍ ÷ عَطوفٍ رؤفٍ من يسمٰى باحمدٍ.** پہلے شعر میں محل استدلال مصائب ہے، دوسرے شعر میں **نعمانٍ** اور تیسرے شعر میں محل استدلال **باحمد** ہے، تو مصنف نے اپنے قول **ویجوز صرفه للضرورة** سے اس کا جواب دیا کہ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا یعنی غیر منصرف کو منصرف کے کلمہ میں کر لینا ضرورت شعری کی وجہ سے درست ہے، اب خواہ ضرورت انکسار یا انزحاف کی صورت میں پائی جائے یا رعایت قافیہ کی شکل میں، چنانچہ پہلے شعر میں انکسار یعنی وزن شعر کے ٹوٹنے سے حفاظت ہے اور دوسرے شعر میں انزحاف یعنی سلاست کے ختم ہونے سے بچاؤ ہے اور تیسرے شعر میں قافیہ کی رعایت ہے۔ یعنی سابقہ اشعار کے مصرعوں کا آخری حرف چوں کہ کسرہ پر ختم ہو رہا ہے، لہٰذا اس مناسبت سے **باحمد** پر بجائے فتحہ کے کسرہ پڑھ دیا گیا۔

او للتناسب: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے کہ پھر بھی آپ کے غیر منصرف کا حکم اللہ تعالیٰ کے ارشاد **سلاسلاً و اغلالاً** سے ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ **سلاسل** غیر منصرف ہونے کے باوجود منون ہے۔ حالاں کہ یہ شعر نہیں ہے تو منصف نے اپنے قول **او للتناسب** سے جواب دیا کہ کبھی کبھی غیر منصرف پر منصرف کا حکم محض اس لیے جاری کر دیا جاتا ہے کہ دونوں میں معنٰی مناسبت پائی جاتی ہے۔ سلاسل اور اغلال میں مناسبت یہ ہے کہ ہتھکڑی اور زنجیر دونوں لوہے کی ہوتی ہیں اور چوں کہ اغلال کو منون پڑھا گیا ہے، اس لیے سلاسل کو بھی اس کی مناسبت سے منون پڑھا جائے گا۔

او ما یقوم مقامها: ایسا ایک سبب جو دو سببوں کے قائم مقام ہوتا ہے ایک جمع منتہی الجموع اور دوسرے تانیث کے دونوں الف ہیں، یعنی الف مقصورہ والف ممدودہ۔ جمع دو سببوں کے اس لیے قائم مقام ہوتی ہے کہ وہ جمع منتہی الجموع ہے اور اس میں دو باتیں پائی جاتی ہیں ایک جمع ہونا دوسرے لزوم جمع ہونا، پس گویا یہ دو علتیں ہیں۔ اور الف مقصورہ اور الف ممدودہ دو سببوں کے اس لیے قائم مقام ہیں ایک تو یہ خود

مؤنث ہیں دوسرے مؤنث کے لیے وضعاً لازم ہیں، پس یہ لزوم، تانیث ثانی کے منزلہ میں ہوگیا اور جب بات یہ ہے تو اس میں دو باتیں پیدا ہوگئیں تانیث اور لزوم تانیث جو بمنزلۂ دوسببوں کے ہے۔

فالعدلُ خروجُه عن صيغته الاصليّة تحقيقاً كثُلٰث و مثلث واُخَرَ وجُمعَ او تقديراً كعُمر وباب قَطَامَ في تميم .

ترجمہ:- پس عدل اس کا نکالا جانا ہے اس کے صیغے اصلی سے حقیقتاً جیسے ثلث اور مثلث، اُخر اور جُمعَ یا تقدیراً جیسے عمر اور باب قطام بنوتمیم کی لغت میں۔

توضیح:- سب سے پہلے چند باتیں سنیے! کہ عدل ان الاسم معدُولاً اور خروجُ کون الاسم مخرجاً کے معنی میں ہے اور صیغہ سے مراد صورت اور اسم سے مراد مادہ ہے اب تعریف سنیے! عدل نام ہے اس کا اپنے صیغۂ اصلی سے بلا کسی قاعدے صرفی کے مادہ کے بقا کے ساتھ ساتھ نکلنا خواہ یہ نکلنا تحقیقی ہو یا تقدیری۔

مصنف نے تحقیقاً اور تقدیراً سے عدل کو تقسیم کی ہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں، عدل تحقیقی اور عدل تقدیری، عدل تحقیقی ایسے عدل کو کہتے ہیں کہ جس کے معدول ہونے پر علاوہ غیر منصرف پڑھنے کے کوئی دوسری دلیل موجود ہو جیسے ثلث اور مثلث۔ اور عدل تقدیری ایسے عدل کو کہتے ہیں کہ اس کے معدول ہونے پر علاوہ غیر منصرف کے کوئی اور دلیل نہ ہو جیسے عمر اور زفر۔

كثلاث و مثلث: ثلاث اور مثلث میں غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کے معنی تین، تین کے ہیں، جو کہ مکرر ہیں اور معنی کا تکرار لفظ کے تکرار پر دلالت کرتا ہے، حالاں کہ ان دونوں کا لفظ مکرر نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ ایسے لفظ سے معدول ہیں جو مکرر ہے اور وہ ثلاثۃ ثلاثۃ ہے۔

اُخر: اور اُخر میں غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ اس کے معدول ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اُخر جمع ہے اُخری بروزن فعلٰی کا، اور اُخری مؤنث ہے آخر کا اور وہ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کا استعمال بحسب القاعدہ تین طرح ہوتا ہے لام کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ، یا من کے ساتھ اور اخر یہاں تینوں طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ساتھ بھی مستعمل نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ انہی تین طریقوں میں کسی سے معدول ہے۔

جُمَعْ: اور جُمع بھی عدلِ تحقیقی کی مثال ہے، کیوں کہ اس میں بھی غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ دوسری دلیل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جُمَعُ جمعَاء کی جمع ہے اور فعلاَء کا قاعدہ ہے کہ اگر وہ صفت ہو تو اس کی جمع فُعُلٌ کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع حُمر، اور اگر وہ اسم ہو تو اس کی جمع فَعَالیٰ یا فعلاوات کے وزن پر آتی ہے، جیسے صحراء کی جمع صَحارَیٰ یا صَحْراوات کے وزن پر

آتی ہے اور یہاں ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ جمع نہیں لائی گئی ہے پس معلوم ہوا کہ انھیں میں سے کسی سے معدول ہے۔

عمر: عمر اور زفر عدل تقریری کی مثال ہیں کہ ان دونوں میں فی الواقع صرف علم تھا جو غیر منصرف پڑھے جانے کے لیے کافی نہیں تھا، اس لیے اس میں عدل کا اعتبار کر لیا گیا کہ عمر، عامر اور زفر، زافر سے معدول ہے، تا کہ ان کا غیر منصرف پڑھا جانا صحیح ہو جائے۔

باب قطام: یہ بھی عدل تقدیری کی مثال ہے، باب قطام سے مراد ہر ایسا اسم ہے جو فعال کے وزن پر ہو اور کسی مؤنث ذات کا نام ہو، نیز غیر ذوات الراء ہو تو اس میں اکثر بنو تمیم عدل کا اعتبار ذوات الراء پر محمول کرنے کے لیے کرتے ہیں جیسے حضار وغیرہ ایسا اس لیے کرنا پڑا کہ جب وہ فعال جو ذوات الراء ہے عربوں کے کلام میں مبنی ہے اور مبنی ہونے کے لیے دو سبب علمیت اور تانیث ناکافی ہیں، کیوں کہ ان کا کلمہ کے مبنی اور معرب ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا ذوات الراء میں عدل مبنی اصل کے ساتھ تحقق مشابہت کے لیے مان لیا گیا اور جب اس میں عدل کا اعتبار کیا گیا تو غیر ذوات الراء میں بھی اس کا اعتبار کر لیا گیا، تا کہ جو حکم ذوات الراء کا ہے بسلسلۂ عدل وہی حکم غیر ذوات الراء کا بھی ہو جائے۔

الوصف شرطه ان يكونَ في الاصلِ فلا تضرُّهُ الغلبةُ فلذٰلك صُرِفَ اربعٍ في مررتُ بنسوةٍ اربعٍ وامتنعَ اَسْوَدُ وَارقَمُ للحيّةِ واَدْهَمُ للقيدِ.

ترجمہ:- وصف اس کی شرط اصل میں وصف ہونا ہے پس اس کو غلبہ نقصان نہیں دے گا پس اس وجہ سے اربع منصرف ہے مررت بنسوة اربع میں اور ناممکن ہے منصرف ہونا (یعنی غیر منصرف ہونا واجب ہے) اسود اور ارقم کا جو کہ سانپ کا نام ہے اور ادھم بیڑی کا نام ہے۔

توضیح:- وصف اس اسم کو کہتے ہیں جو مبہم ذات پر دلالت کرے خواہ وہ دلالت وضع کی وجہ سے ہو یا استعمال کے عارضی ہونے کی وجہ سے ہو، البتہ غیر منصرف کے سبب ہونے میں اعتبار وصفیت وضعیہ اصلیہ کا ہے، اسی لیے مصنف نے اس کو وصف کے سبب ہونے کے لیے شرط قرار دیا، فی الاصل میں فی ھند کے معنی میں ہے۔

فلا تضره الغلبة: لہٰذا اگر وصفیت اصلیہ پر اسمیت بصورت علم غالب آ جاتی ہے تو وصف مذکور کے اس غلبہ کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب ہونے پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اور وہ جس طرح قبل العلمیت غیر منصرف کا سبب تھی بعد العلمیت بھی وہ وصف غیر منصرف کا سبب ہو سکے گا۔

فلذالك صرف: اب مصنف شرطه ان يكون في الاصل پر تفریع کر رہے ہیں کہ چوں کہ اربع مررت بنسوة اربع کی ترکیب میں اصل وضع کے اعتبار سے چوتھی کے معنی یعنی وصفیت کے لیے

موضوع نہیں ہے بلکہ وہ عدد معین کے لیے موضوع ہے، پس وصف کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط فوت ہوگئی، لہٰذا اربع غیر منصرف وصفیت کی بنیاد پر نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اسود اور ارقم کے، کہ اول الذکر اصلاً ہر سیاہ چیز کے لیے اور ثانی الذکر ہر چتکبری چیز کے لیے وضع کیا گیا تھا، اسی طرح ادہم سیاہ چیز کے لیے موضوع تھا، لیکن اب اسود کالے سانپ اور ارقم چتکبرے سانپ اور ادہم بیڑی کا نام ہوگیا، پھر بھی اصل وضع کا لحاظ کرتے ہوئے ان اسماء کو وصفیت کی بنیاد پر غیر منصرف پڑھا جائے گا، کیوں کہ جب وصفیت اصل ہوتی ہے تو علمیت یعنی اسمیت کا غلبہ وصف کے اعتبار کیے جانے کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

وضُعُفَ مَنْعُ افعیٰ للحیّةِ و اجدَلُ للصقرِ وَاَخیلُ للطائر .

ترجمه:- اور ضعیف ہے افعیٰ کا غیر منصرف ہونا جو کہ سانپ کا نام ہے اور اجدل شکرے کا اور اخیل پرندے کا۔

توضیح:- جب وصف کے غیر منصرف کا سبب ہونے کا معیار اس کے وصفی معنیٰ کے لیے اصل وضع میں ہونا ہے، تو پھر افعیٰ جو کہ سانپ کا نام ہے اور اجدل جو کہ شکرے کا نام ہے اور اخیل جو کہ چیل کا نام ہے کا غیر منصرف ہونا کمزور ہوگیا، کیوں کہ افعیٰ کا فعوۃ سے اور اجدل کا جدل اور اخیل کا خیلان سے مشتق ہونا یقینی نہیں، لہٰذا ان اسماء کا اصل وضع میں وصف کے لیے ہونا بھی قائل نہیں، لہٰذا محض وہم کی بنیاد پر اگر غیر منصرف پڑھا جاتا ہے تو ان کا غیر منصرف ہونا کمزور ہوگا۔

اچھا، منصرف ہونا کمزور نہیں ہوگا، کیوں کہ اسماء میں اصل منصرف ہونا ہی ہوتا ہے۔

التانیثُ بالتاء شرطُهٗ العلمیّةُ و المعنویُّ کذالك وشرطُ تحتُّم تاثیرہٖ الزیادةُ علی الثلاثةِ او تحرُّكُ الاَوْسطِ او العُجمةُ فهندٌ یجوزُ صَرْفُهٗ و زینبُ وسَقَرُ وماہ وجور ممتنعٌ فان سمِّیَ به مذکرٌ فشرطه الزیادةُ علی الثلثة فقدَمٌ منصرف وعقرب ممتنعٌ .

ترجمه:- تانیث بالتاء اس کی شرط علم ہونا ہے اور معنوی اسی طرح، اور معنوی کے تاثیر کے وجوب کی شرط زائد علی الثلاثہ یا متحرک الاوسط ہونا ہے یا عجمہ ہونا ہے۔ پس ہند اس کا منصرف پڑھنا جائز ہے اور زینب اور سقر اور ماہ وجور ان کا منصرف ہونا ناممکن ہے۔ پس اگر مؤنث معنوی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی شرط زائد علی الثلاثہ ہونا ہے پس قدم منصرف ہے اور عقرب غیر منصرف۔

توضیح:- غیر منصرف کا تیسرا سبب تانیث ہے۔ تانیث کی دو قسمیں ہیں۔ تانیث بالالف اور تانیث بالتاء۔ تانیث بالالف یہ واجب التاثیر ہے اس کے غیر منصرف ہونے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے،

کیوں کہ تانیث الفی اس اسم کے لیے وضعاً لازم ہوجاتی ہے جس کو وہ لاحق ہوتی ہے اور تانیث بالتاء سے مراد تاء زائدہ ہے جو حالت وقف میں ہاء سے بدل جاتی ہے۔ تانیث بالتاء کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ اسم جس میں تاء لفظاً ہو خواہ مذکر کا نام ہو جیسے طلحة یا مؤنث کا جیسے فاطمة۔ اس کے غیر منصرف وجوباً ہونے کے لیے صرف علمیت شرط ہے۔ علمیت کو تائے تانیث لفظی کے لیے اس لیے شرط قرار دیا جاتا ہے کہ وہ بقدر امکان تبدیلی سے محفوظ رہے اور تانیث کی دوسری قسم وہ اسم ہے جس میں تاء مقدر ہو جس کا دوسرا نام تانیث معنوی ہے جیسے ہند، زینب وغیرہ، تانیث معنوی کے وجوباً غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے علمیت کے ساتھ ساتھ زائد علی الثلاثہ یا متحرک الاوسط یا عجمہ ہونا شرط ہے۔ تانیثِ معنوی میں علمیت اس کے جوازاً غیر منصرف ہونے کے لیے شرط ہے، اسی کو منصف نے و المعنوی کذالك سے بیان کیا ہے۔ پس تشبیہ دونوں میں علمیت کے نفسِ شرط ہونے میں ہے، باقی پہلے قسم میں اس کا شرط ہونا برائے وجوب اور دوسری میں برائے جواز ہے۔

خیر: تانیث معنوی میں علمیت کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ تین شرطوں میں سے کسی ایک کا ہونا وجوباً غیر منصرف ہونے کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ غیر منصرف دو علتوں کے ثبوت سے حاصل ہونے والے ثقالت کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے پس اگر تانیث معنوی میں علمیت کے ساتھ ساتھ تینوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو اسم ثلاثی، ساکن الاوسط، عربی ہوجائے گا، لہٰذا وہ انتہائی ضعیف ہوجائے گا جو کہ دو سببوں میں سے کسی ایک سبب کے ثقل کے معارض ہوگا پس اس کی تاثیر کے مزاحم ہوجائے گا تو ان امور میں سے کسی ایک کو شرط قرار دینا مؤنث کو ثقیل بنانے کے لیے ہے۔ پہلے امر کا ثقل ظاہر ہے۔ جب کہ ثلاثی متحرک الاوسط مفید الثقل ہونے میں چوتھے حرف کے حکم میں ہے، رہی بات عجمی ہونے کی تو اس لیے کہ عجمی زبان عربوں کے لیے دشوار ہوتی ہے۔ لہٰذا ہند کا منصرف پڑھا جانا جائز ہے، کیوں کہ یہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے پس اس میں خفت پیدا ہوگئی، البتہ غیر منصرف پڑھنے کی بھی اجازت ہے، اس لیے کہ دو سبب تانیث اور علمیت موجود ہیں۔ ہاں زینب، سقر، ماہ وجور غیر منصرف ہیں، پہلا کلمہ علمیت کے ساتھ ساتھ زائد علی الثلاثہ ہونے کی وجہ سے اور دوسرا متحرک الاوسط اور تیسرا اور چوتھا کلمہ عجمی ہونے کی وجہ سے۔

فان سمی به مذکر: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مؤنث معنوی کو کسی مذکر کا نام تجویز کردیا تو اس کا مذکر کا علم ہوجانے کے باوجود غیر منصرف ہونے کے لیے چہار حرفی ہونا ضروری ہے، تاکہ چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہوجائے۔ لہٰذا قَدَمٌ منصرف ہے کیوں کہ مذکر کا علم قرار پانے کی وجہ سے تانیث معنوی ختم ہوگئی، اور چوتھا حرف نہ ہونے کی وجہ سے اس کا قائم مقام بھی نہیں ہے، ہاں عقرب غیر منصرف ہے، اس لیے کہ اگرچہ مذکر کے علم کی وجہ سے تانیث معنوی زائل ہوگئی، لیکن چوتھا حرف اس کا

قائم مقام موجود ہے۔ پس وہ علمیت اور تانیث حکمی کی وجہ سے وجوباً غیر منصرف پڑھا جائیگا۔

المعرفة شرطها ان تكون علمية .

ترجمہ:- معرفہ اس کی شرط علم ہونا ہے۔

توضیح:- غیر منصرف کا چوتھا سبب معرفہ ہونا ہے۔ معرفہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو شئ معین پر دلالت کرے، معرفہ کے غیر منصرف ہونے کی شرط علم ہونا ہے۔ معرفہ کو علمیت کے ساتھ اس لیے مشروط کیا کہ اسماء اشارات اور مضمرات اور موصولات مبنی ہیں، جب کہ غیر منصرف ہونا معرب کے احکام میں سے ہے اور ان دونوں کے درمیان منافات ہے، اب جہاں تک لام تعریف اور اضافت کی بات ہے تو یہ بنے بنائے غیر منصرف کو منصرف یا منصرف کے حکم میں کر دیتے ہیں۔ پس ان کے ہوتے ہوئے ابتداءً کوئی اسم غیر منصرف کیسے ہوسکتا ہے۔ اب معرف بالنداء کا جہاں تک معاملہ ہے تو اس میں تھوڑی تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہے تو وہ مبنی ہونے کی وجہ سے بحث سے خارج ہے اور منادیٰ مضاف ہر چند معرب ہوتا ہے، لیکن اضافت کسی بھی کلمہ کے غیر منصرف ہونے کے لیے رکاوٹ ہے۔

اور منادیٰ نکرۂ غیر معین منادیٰ معرف باللام کے حکم میں ہے، چنانچہ **یا رجل یا ایھٰذا الرجل** کی جگہ پر مستعمل ہوتا ہے، اس لیے علم معرفہ کی اقسام میں سے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لے متعین ہوگیا، اب البتہ یہ امر لاحق توجہ ہے کہ مصنف نے علم کو غیر منصرف کا سبب اور معرفہ کو اس کی شرط کیوں نہیں قرار دیا ہے، ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ کہتے **العلمية شرطها ان تكون معرفة**، تو بات دراصل یہ ہے کہ کسی بھی اسم کے غیر منصرف کے سبب ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ کسی اصل کی فرع ہو اور معرفہ کا نکرہ کی فرع ہونا بمقابلۂ علم کے زیادہ واضح ہے۔

العُجمة شرطُها ان تكونَ علميّةً في العجمة وتحرُّكُ الاوسطِ والزيادةُ على الثلاثةِ فنوحٌ منصرفٌ وشتروا ابراهيمُ ممتنع.

ترجمہ:- عجمہ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ میں علم ہو اور متحرک الاوسط ہونا یا زائد علی الثلاثۃ ہونا پس نوح منصرف ہے اور شتر اور ابراہیم غیر منصرف۔

توضیح:- سب سے پہلے عجمہ کی تعریف سنیے! عجمہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو کسی معنی کے لیے لغت عجم میں وضع کیا گیا ہو، یہاں پر عجمہ کون الاسم موضوعاً من غیر العرب کے معنی میں ہے۔ عجمہ کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اسم عجمی عجم میں کسی کا نام رہا ہو، خواہ حقیقتاً یعنی عربوں کے اس کو استعمال کرنے سے پہلے جیسے ابراہیم یا حکماً نام ہو یعنی عربوں کے استعمال سے پہلے تو وہ علم نہ ہو، البتہ عربی میں علم ہو کر استعمال ہوا ہو، جیسے قالون کہ رومی زبان میں عمدہ کے معنی میں استعمال

ہوتا تھا، لیکن اب زبان عربی میں امام نافع مدنی کے مشہور شاگرد عیسیٰ کا قالون نام پڑ گیا۔تو قالون بطور علم کے عربی میں استعمال ہوا۔

علمیت کی شرط اس لیے لگائی کیوں کہ اعلام بقدر امکان کلمہ کو تبدیلی سے محفوظ رکھتے ہیں، پس عجمہ تبدیلی سے محفوظ ہونے کی وجہ سے تغیر کی خفت سے سالم رہے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کلمۂ عجمی علم ہونے کے ساتھ ساتھ یا تو ثلاثی متحرک الاوسط ہو یا زائد علی الثلاثہ ہو، کیوں کہ کلمہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ثلاثی ساکن الاوسط ہوگا۔پس اس میں خفت پیدا ہوجائے گی جو دوسببوں میں سے کسی ایک کے معارض ہوگی۔ چنانچہ نوح منصرف ہے دوسری شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے کیوں کہ نوح نہ تو ثلاثی متحرک الاوسط ہے، اور نہ ہی زائد علی الثلاثہ ہے اور لجام منصرف ہے پہلی شرط یعنی علمیت کے نہ ہونے کی وجہ سے جب کہ شتر اور ابراہیم غیر منصرف ہیں، اس لیے کہ دونوں میں دونوں شرطیں یعنی علمیت اور ثلاثی متحرک الاوسط ہونا پہلے میں اور علمیت اور زائد علی الثلاثہ ہونا دوسرے میں پایا جارہا ہے۔

ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ مصنف نے دوسری شرط پر تفریع کی جب کہ پہلی شرط پر کوئی تفریع نہیں کی وجہ یہ ہے کہ نوح کے بارے میں بعض نحویوں کا غیر منصرف ہونے کا رجحان ہے، حالاں کہ شرط فوت ہے تو مصنف نے دوسری شرط پر تفریع کر کے یہ واضح کر دیا کہ نوح کسی بھی حال میں غیر منصرف نہیں ہوسکتا، کیوں کہ جب شرط فوت ہے تو اس میں محض دوسببوں کا ہونا غیر منصرف ہونے کے بارے میں مؤثر نہیں ہوسکتا۔

الجمعُ شرطُهٗ صِيغَةُ مُنْتَهَى الجُمُوْعِ بِغير هَاءٍ كَمَساجِدَ و مَصَابِيْحَ واَمّا فرازِنَةٌ فمنصرفٌ وحَضَاجِرُ علمًا للضَبْعِ غيرُ منصرفٍ لانه منقولٌ عن الجمع وسَرَاوِيْلُ اذا لم يُصرفْ وهو الاكثر فقد قيلَ عجميٌّ حُمِلَ علٰى موازنه وقيل عربيٌّ جمعُ سراولةٍ تقديراً واذا صُرف فلا اشكالَ ونحو جوارٍ رفعاً وجراً كقاضٍ.

ترجمہ:- جمع اس کی شرط جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہونا ہے بغیر ہاء کے جیسے مساجد اور مصابیح. اور بہر حال فرازنۃ پس منصرف ہے اور حضاجر درآنحالیکہ بجو کا نام ہے غیر منصرف ہے، اس لیے کہ وہ جمع سے منقول ہے اور سراویل جب منصرف نہ پڑھا جائے (یعنی غیر منصرف پڑھا جائے) اور یہی اکثر ہے تو بلاشبہ کہا گیا ہے کہ وہ عجمی ہے جو اپنے ہم وزنوں پر محمول کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ عربی ہے جو تقدیراً سراولۃ کی جمع ہے اور جب منصرف پڑھا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہے اور جوار جیسا رفعی اور جری حالت میں قاضٍ کی طرح ہے۔

توضیح:- جمع سے مراد ہر وہ جمع جو جمع منتہی الجموع کے صیغے کے وزن پر ہو۔اور اس کے دو

وزن ہیں مفاعل اور مفاعیل، اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا پہلا حرف مفتوح ہوگا اور تیسرا حرف الف ہوگا اور الفِ جمع کے بعد یا تو ایک حرف ہوگا یا دو حرف ہوں گے یا تین، پہلی صورت میں وہ مشدد ہوگا جیسے دابّة کی جمع دوابٌّ ہے اور دوسری صورت میں الف جمع کے بعد والا حرف مکسور ہوگا جیسے مساجد اور تیسری صورت میں الف جمع کے بعد والا حرف مکسور ہوگا اور آخر سے پہلے والا حرف یائے ساکن ہوگا جیسے مصابیح.

جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہو، تاکہ وہ تبدیلی سے محفوظ ہو جائے، کیوں کہ جمع تکسیر جب ایک بار مفاعل یا مفاعیل کے وزن پر آجاتی ہے تو پھر دوبارہ اس کی جمع تکسیر نہیں آتی۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ جمع منتہی الجموع کے آخر میں وہ ہاء نہ ہو جو حالت وقف میں تائے تانیث سے بدلی ہوتی ہے، اس لیے کہ اگر کوئی جمع ہاء کے ساتھ ہو تو اس کا بعض مفردات کے ساتھ اشتباہ لازم آئے گا، اس لیے کہ کچھ مفردات مذکورہ بالا اوزان پر تائے تانیث کے ساتھ آتے ہیں جیسے طواعیة، کراهیة، لہٰذا فرزانة باوجود جمع منتہی الجموع کے، شرط فوت ہونے کی وجہ سے منصرف ہوگا۔

وحضاجر علماً للضبع: یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ صرف کسی اسم کا صیغۂ جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ فی الواقع اس کا جمع ہونا ضروری ہے، کیوں کہ غیر منصرف کے سبب ہونے میں مؤثر جمع کی جمعیت ہی ہے یہ الگ بات ہے کہ صیغۂ جمع اس کے لیے شرط ہے، لہٰذا حضاجر کو منصرف ہونا چاہیے کیوں کہ یہ حالت علم میں صیغۂ جمع تو ہے پر خود جمع نہیں ہے، کیوں کہ حضاجر بجو کے ہر فرد کو کہتے ہیں تو مصنف نے جواب دیا کہ حضاجر جو کہ بجو کا نام ہے غیر منصرف ہے، کیوں کہ وہ جمع سے منقول ہے، اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ جمع کی دو قسمیں ہیں جمع حالی اور جمع اصلی تو حضاجر گو فی الحال جمع نہیں ہے، لیکن وہ فی الاصل جمع ہے، اس لیے کہ حضاجر حضجر کی جمع ہے جس کے معنی عظیم البطن کے ہیں، پھر اس جنس کے ہر فرد کا نام حضاجر رکھ دیا گیا اس کے بڑے پیٹ والا ہونے کو بیان کرنے کے لیے گویا اس میں کا ہر فرد بمنزلہ اس جنس کی جماعت کے ہے۔

وسراويل اذ لم يصرف: یہاں سے بھی مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ آپ نے اپنی جان اس اعتراض سے جو حضاجر کے بارے میں جمع کے قاعدہ پر ہوا تھا جمع کی تعمیم حالی اور اصلی کی طرف کر کے بچالی، لیکن آپ سراویل کے بارے میں کیا کہیں گے جو نہ جمع حالی ہے اور نہ جمع اصلی۔ تو مصنف نے اپنے قول سراويل اذ لم يصرف کے سے جواب دیا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ سراویل کے منصرف اور غیر منصرف پڑھے جانے میں اختلاف ہے اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ سراویل غیر منصرف ہے پھر جو لوگ اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں ان میں بھی غیر منصرف پڑھے

جانے کی علت کو لے کر دو نقطۂ نظر ہو گئے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ سراویل کو غیر منصرف اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ یہ محض صیغۂ جمع نہیں ہے، لیکن وہ حکماً جمع ہے، اس لیے کہ یہ عجمی لفظ جب اس کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو اس کے ہم وزن جیسے **اناعیم** اور **مصابیح** وغیرہ غیر منصرف پڑھے جاتے تھے، لہٰذا اس کو بھی اس کے ہم وزنوں پر محمول کر لیا گیا پس اس میں بھی حکماً جمع کا ثبوت ہو گیا، لہٰذا صیغۂ جمع کے ساتھ جمع ہونا بھی پایا گیا اسی کو منصف نے **وقیل عجمی حمل علی موازنہ** سے بیان کیا ہے۔

اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ سراویل اس لیے غیر منصرف ہے کہ یہ عربی لفظ ہے جو **سروالة** کی تقدیراً جمع ہے۔ حاصل اس قول کا یہ ہے کہ جمعیت عام ہے خواہ حقیقی ہو یا تقدیری یعنی اعتباری اور سراویل اگرچہ حقیقتاً جمع نہیں ہے لیکن وہ جمع اعتباری ہے، اس لیے کہ **سراویل** کلام عرب میں غیر منصرف پڑھا جاتا تھا اور کوئی بھی جمع محض صیغۂ جمع کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ جمع نہ ہو، اس لیے اس میں جمع تقدیراً مانی گئی اور کہا گیا کہ یہ **سروالة** کی جمع ہے، لہٰذا صیغۂ جمع کے ساتھ ساتھ جمع ہونا بھی پایا گیا۔

واذ صرف فلا اشکال: اور اگر سراویل کو غیر منصرف کے بجائے منصرف پڑھا جائے تو پھر کوئی اعتراض ہی نہیں۔

نحو جوارٍ: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ **جوارٍ** جیسی مثال کا حکم رفعی اور جری حالت میں یاء کے حذف ہونے اور تنوین کے داخل ہونے میں **قاضٍ** کے حکم کی طرح ہے۔

جوارٍ جیسی مثال سے مراد ہر ایسی جمع منقوص ہے جو فواعل کے وزن پر ہو خواہ واوی ہو یا یائی جیسے **الدواعی** اور **الجواری**. معلوم ہونا چاہیے کہ **جوارٍ** جیسی مثال نصبی حالت میں بالاتفاق غیر منصرف ہے جمع ہونے کے ساتھ ساتھ صیغۂ جمع ہونے کی وجہ سے اور رفعی اور جری حالت تو اس میں تین مذہب ہیں۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ یہ مطلقاً منصرف ہے، خواہ تعلیل سے پہلے ہو یا تعلیل کے بعد۔ تعلیل سے پہلے تو اس لیے منصرف ہے کہ تعلیل کا تعلق جوہر کلمہ سے ہے، لہٰذا یہ غیر منصرف پڑھے جانے پر مقدم ہوگا جو کہ کلمہ کے عوارض میں سے ہے۔ اور تعلیل کے بعد تو اس لیے منصرف ہے کہ جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط صیغۂ جمع منتہی الجموع ہے اور وزن یعنی صیغۂ جمع منتہی الجموع تعلیل کے بعد باقی نہیں رہتا، اور دوسرا مذہب یہ ہے کہ جوار جیسی مثال رفعی اور جری حالت میں مطلق غیر منصرف ہے، تعلیل سے پہلے تو اس لیے کہ جمع ہونے کے ساتھ ساتھ صیغۂ جمع بھی موجود ہے، لہٰذا جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط پائی گئی اور تعلیل کے بعد اس لیے کہ المحذوف کالمذکور ہوتا ہے۔ پس تعلیل کے بعد بھی حکماً صیغۂ جمع، جمع ہونے کے ساتھ موجود ہے۔ اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ تعلیل سے پہلے منصرف اور تعلیل کے بعد غیر منصرف دلائل اوپر مذکور ہو چکے

ہیں۔ البتہ ایک سوال غیر منصرف پڑھنے کی صورت میں وارد ہوتا ہے کہ جب اس جیسی مثال غیر منصرف ہے تو پھر اس پر تنوین نہیں آنی چاہیے، حالاں کہ اس پر تنوین داخل ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں تنوین تنوینِ تمکن نہیں ہے جو کہ ممنوع الداخلہ ہوتی ہے، بلکہ عوض ہے۔

التركيب شرطه العلمية وان لا يكون باضافةٍ ولا اسنادٍ مثل بعلبك.

ترجمہ:- ترکیب اس کی شرط علم ہونا ہے اور یہ کہ وہ ترکیب نہ اضافی ہو اور نہ اسنادی جیسے بعلبك.

توضیح:- سب سے پہلے ترکیب کی تعریف سمجھئے۔ ترکیب سے مراد ہر ایسا مرکب ہے جس میں دو کلموں کو اس طرح ایک کیا گیا ہو کہ دوسرا کلمہ کسی حرف کو متضمن نہ ہو۔

ترکیب کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو، تا کہ ترکیب کلمہ کے لیے لازم ہو جائے، کیوں کہ اعلام بقدر امکان تبدیلی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب ترکیب اضافی نہ ہو، اس لیے کہ اضافت غیر منصرف کو منصرف یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے، لہٰذا وہ کسی کلمہ کو غیر منصرف بنانے کے لیے کوئی کردار کیسے ادا کر سکتی ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب ترکیب اسنادی نہ ہو، کیوں کہ وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں مبنیات کی قبل سے ہیں اور کسی اسم کا منصرف یا غیر منصرف ہونا معرب کے قبیل سے ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب توصیفی نہ ہو، لیکن اس کو مصنف نے ترکیب اضافی میں داخل ہونے کی وجہ سے بیان نہیں کیا، اسی طرح پانچویں شرط کہ وہ ترکیب ترکیبِ صوتی اور عددی نہ ہو، اس کو بھی بیان اس لیے نہیں کیا کہ اس کا مستقل تذکرہ مبنیات کی بحث میں آرہا ہے، لہٰذا جب یہ ساری شرطیں کسی ترکیب میں پائی جائیں گی تو وہ ترکیب غیر منصرف کا سبب ہوگی۔ جیسے بعلبك.

الالف والنونُ ان كانتا فى اسمٍ فشرطُه العلميةُ كعمران او صفةٍ فانتفاءُ فعلانةٍ وقيل وجودُ فعلٰى ومن ثَمَّ اختُلِفَ في رحمٰن دون سكرانَ وندمان.

ترجمہ:- الف اور نون اگر وہ دونوں کسی اسم میں ہوں تو اس کی شرط علم ہونا ہے جیسے عمران یا کسی صفت میں ہوں تو فعلانۃ کا نہ ہونا شرط ہے اور کہا گیا ہے فعلٰی کا ہونا شرط ہے، اسی وجہ سے رحمٰن میں اختلاف ہوا ہے، سکران اور ندمان میں نہیں۔

توضیح:- یہ غیر منصرف کا آٹھواں سبب ہے، یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ الف و نون زائدتان کیوں کر غیر منصرف کا سبب ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الف ونون زائدتان غیر منصرف کا سبب اس لیے ہیں کہ یہ دونوں مزیدتان ہیں اور مزید، مزید علیہ کی فرع ہوتا ہے، پس الف ونون زائدتان مزید علیہ کی فرع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب ہیں جب کہ دوسرے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ دونوں تاء کے قبول نہ کرنے میں الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے مشابہ ہیں اور مشبہ، مشبہ بہ کی فرع ہوتا ہے پس

الف ونون زائدتان الف مقصورہ اور ممدودہ کی فرع ہوئے۔اور یہی فرع ہونا غیر منصرف کے سبب ہونے کی بنیاد ہے۔اور یہی قوال راجح ہے۔

خیر: کچھ ہو۔الف ونون زائدتان دوحال سے خالی نہیں یا تو وہ دونوں کسی اسم میں پائے جائیں گے یا صفت میں۔پہلی صورت میں علم ہونا ضروری ہے،تا کہ تاء کا دخول اس پر ناممکن ہوجائے جس کی وجہ سے وہ الف مقصورہ وممدودہ کے مشابہ ہوجائے،کیوں کہ الف مقصورہ اور ممدودہ پر تائے تانیث کا دخول منع ہے۔ جیسے عمران اور اگر صفت میں ہوں تو اس کی شرط کچھ لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی مؤنث فعلانة کے وزن پر نہ ہو،اس لیے کہ مقصود تا کے عدم دخول میں الف ونون زائدتان کا الف مقصورہ وممدودہ کے ساتھ مشابہ ہونا ہے اور یہ بات بغیر انتفاء فعلانة کے حاصل نہیں ہوتی ہے،جب کہ دوسرے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ الف ونون زائدتان کے صفت میں ہونے کی صورت میں اس کی مؤنث فعلیٰ کے وزن پر آنی چاہیے، تا کہ تاء کے قبول نہ کرنے میں یہ صفت الف مقصورہ وممدودہ کے مشابہ ہوجائے۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جہاں کہیں مذکورہ صفت کی مؤنث فعلانة کے وزن پر نہ ہوگی وہاں وجود فعلیٰ یعنی فعلیٰ کے وزن پر ہوگی۔اسی طرح اس کے الٹا۔

بلاشبہ جن صفات کی مؤنث ہوتی ہوگی وہاں ایسا ہی ہوگا،لیکن وہ صفات جن کی سرے سے مؤنث ہی نہیں آتی ظاہری بات ہے کہ وہاں مؤنث نہ ہونے کی وجہ سے انتفائے فعلانة کی شرط پائی جارہی ہے،جب کہ وجود فعلیٰ معدوم ہے،پس ایسے مقامات پر مذکورہ صفت کو پہلے مذہب کی بنیاد پر غیر منصرف پڑھا جائے گا اور دوسرے مذہب کی بنیاد پر منصرف جیسے رحمٰن کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور چوں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے خواص سے منزہ ہے،اس لیے اس کی سرے سے کوئی مؤنث ہی نہیں ہے پس اس کی مؤنث کے فعلانة کے وزن پر ہونے کا بھی کوئی سوال نہیں ہے اور جب ایسا ہے تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہوگا جب کہ دوسرے مذہب کی بنیا پر چوں کہ اس کی مؤنث فعلیٰ کے وزن پر رحمیٰ نہیں آئی،اس لیے کہ مؤنث ہوتب نہ آئے،لہٰذا رحمٰن منصرف ہوگا اسی کو واختُلِف سے بیان کیا ہے۔ہاں سکران دونوں مذہبوں کے مطابق شرط پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے،کیوں کہ اس کی مؤنث سکریٰ فعلیٰ کے وزن پر آتی ہے جو انتفائے فعلانة کو مستلزم ہے۔اور ندمان بالاتفاق منصرف ہے۔

اس لیے کہ اس کی مؤنث ندمانة آتی ہے جو وجود فعلیٰ کے عدم کو مستلزم ہے پس دونوں مذہبوں کے بموجب شرط نہیں پائی جاتی۔

وزنُ الفعلِ شرطُهٗ ان یُّختصَّ به کَشَمَّرَ وضُربَ او یکونَ فی اوّلہٖ زیادةٌ کزیادتہٖ غیرَ قابلٍ للتاء ومن ثم امتنَعَ احمرُ وانصرفَ یعملٌ.

ترجمہ:- وزن فعل اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ مخصوص ہو جیسے شمّر اور ضُرِبَ یا اس کے شروع میں فعل کی زیادتی کی طرح کوئی زیادتی ہو اس حال میں کہ وہ تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو اور اسی وجہ سے ممتنع ہے احمر اور منصرف ہے یعملٌ.

توضیح:- اب غیر منصرف کے آخری سبب وزن فعل کو بیان کر رہے ہیں، وزن فعل سے مراد اسم کا ایسے وزن پر ہونا ہے جو وزن فعل کے اوزان میں سے شمار ہوتا ہو۔

وزن فعل کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ وزنِ فعل کے ساتھ مخصوص ہو۔ اور فعل کے ساتھ مخصوص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ وزن اسم میں ابتداءً نہ پایا جاتا ہو، بلکہ فعل سے منقول ہو کر پایا جاتا ہے۔ جیسے شمّر اور ضُرِب. اور اختصاص سے مراد عربی زبان میں خاص ہونا ہے، لہٰذا بَقَمَ اور شَلَمَ کو لے کر اعتراض نہیں کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ وہ اسمائے عجمیہ میں سے ہیں۔

اور اگر وہ وزن فعل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کے شروع میں حروف مضارع (اتین) میں سے کسی حرف کی زیادتی ہو اور وہ اسم کہ جس کا وزن فعل کے وزن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اس کے شروع میں کوئی حرفِ مضارع ہے تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ اور تاء سے مراد وہ تاء قیاسیہ ہے جو حالتِ وقف میں ہاء سے بدل جاتی ہے۔ اس کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ یہ تاء تاء متحرکہ ہوگی جو اسم کے خواص میں سے ہے، لہٰذا تاء متحرکہ کے اسم کے آخر میں لاحق ہونے کی وجہ سے اسمیت کی جہت طاقتور اور فعل کی جہت کمزور ہو جائے گا پس مذکورہ اسم کی فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑے جائے گی جو غیر منصرف پڑھے جانے کی اصل بنیاد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ احمر غیر منصرف ہے، کیوں کہ اس میں زیادتیٔ مطلوبہ کے ساتھ ساتھ تاء بھی اس کے آخر کو لاحق نہیں ہے، جب کہ یعمل منصرف ہے، اس لیے کہ بھلے اس میں زیادتی مطلوبہ ہے لیکن وہ تاء کو قبول کرتا ہے، اس لیے کہ اس کی مؤنث یعملة آتی ہے، چنانچہ ناقة یعملة بولا جاتا ہے۔

وما فيه علميّةٌ مؤثرةٌ اذا نكّرَ صُرِفَ لِمَا تبيَّنَ مِنْ أنّها لاَ تُجَامِعُ مؤثرةً إلاَّ مَا هِيَ شرطٌ فيهِ الا العَدْلَ وَوزْنَ الفِعْلِ وهُما متضاد ان فلا يكونُ معها الا احدُهُما فإذا نُكّرَ بَقِيَ بلاَسَببٍ أو علَى سببٍ واحدٍ.

ترجمہ:- وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علمیت مؤثر ہوتی ہے جب وہ نکرہ بنا لیا جائے تو منصرف ہو جاتا ہے، اس وجہ سے جو ظاہر ہو چکی ہے یعنی علمیت نہیں جمع ہوتی ہے مؤثر ہو کر مگر اس سبب غیر منصرف میں کہ جس میں وہ شرط ہے سوائے عدل اور وزن فعل کے۔ اور وہ دونوں آپس میں ایک دوسری کی ضد ہیں پس نہیں ہوگا علمیت کے ساتھ مگر ان میں سے ایک پس جب نکرہ بنائیں گے تو وہ بغیر کسی سبب

کے رہے گا یا ایک سبب پر۔

توضیح:۔ یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ وہ اسم غیر منصرف جس میں علمیت مؤثر ہوتی ہے جب اس کو نکرہ بنالیا جائے تو منصرف ہو جاتا ہے۔

کسی بھی علم کو نکرہ بنانے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ علم سے اس کی جماعت کا کوئی فرد غیر معین مراد لیا جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ علم سے علم والے کا وصف مشہور مراد ہو۔

علم کے کسی اسم میں مؤثر ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ علمیت سبب کی حیثیت سے مؤثر ہو اور دوسرے یہ کہ علمیت دوسرے سبب کے لیے بحیثیت شرط کے مؤثر ہو۔

پہلے کا مطلب یہ ہے علمیت کا اس اسم غیر منصرف میں جمع ہونا اس کے محض ایک سبب ہونے کے طور پر ہو وہ کسی دوسرے سبب کی تاثیر کے لیے سببِ سہارا اور شرط نہ ہو۔ اور دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ علمیت اس میں خود بھی مؤثر ہو اور دوسرے کے لیے شرط بھی ہو۔

لما تبین: یہاں سے ماقبل کے دعوے کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہ علمیت جس اسم غیر منصرف میں سبب محض یا سبب مستقل اور دوسرے سبب کی تاثیر کی شرط کی حیثیت سے پائی جاتی ہے جب اسے نکرہ بنائیں گے تو وہ منصرف ہو جائے گا۔

تو علمیت الف مقصورہ وممدودہ اور جمع منتہی الجموع کے ساتھ جمع نہیں ہوتی، کیوں کہ ان میں کا ہر ایک خود دو سببوں کے قائم مقام ہے پس علمیت کا ان میں کوئی کردار نہ ہوگا، نیز علمیت وصف کے ساتھ بھی مؤثر ہو کر نہیں پائی جاسکتی اس لیے کہ وصف اور علم میں تضاد ہے۔

البتہ علمت، تانیث لفظی اور معنوی، عجمہ، ترکیب اور الف ونون زائدتان، از کا نتافی اسم میں بحیثیت سبب اور شرط دونوں طرح مؤثر ہوتی ہے اور عدل و وزن فعل میں صرف سبب کی حیثیت سے مؤثر ہو کر پائی جاتی ہے۔

تو اب سنیے کہ وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علمیت بحیثیت شرط اور سبب کے لیے مؤثر ہو کر جمع ہے جب اس کو نکرہ بنالیا جائے گا تو اس میں کوئی سبب باقی نہ رہے گا اور وہ بلا سبب کے منصرف ہو جائے گا۔ اس لیے کہ علمیت اس میں خود ایک سبب تھی اور دوسرے سبب کے لیے شرط بھی پس جب علمیت ختم ہوگئی تو اس کے ختم ہونے کی صورت میں دونوں سبب بھی ختم ہو گئے اور جس میں علمیت بحیثیت سبب کے مؤثر تھی وہ تنکیر کی صورت میں منصرف بسببِ واحد ہوگا، اس لیے کہ نکارت کی وجہ سے صرف ایک ہی سبب ختم ہوا اور اس کا ایک سبب بدستور باقی ہے جو کہ عدل یا وزن فعل ہوگا۔

اب آخر میں ایک اعتراض اور اس کا جواب سمجھ لو۔ سوال یہ ہے کہ من انّها لا تجامع الاّ ما هي

شرط فيه الا العدل و وزن الفعل میں ایک مستثنیٰ منہ سے دو مستثنیٰ ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوئی حرف عاطف بھی نہیں لایا گیا ہے، حالاں کہ ایک مستثنیٰ منہ سے متعدد استثناء بغیر حرف عاطف کے لائے ہوئے درست نہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ مستثنیٰ منہ ایک ہے بلکہ متعدد ہیں، اس لیے کہ پہلا استثناء مجموع اسباب سے ہے اور دوسرا استثناء، استثناء سابق کے بعد باقی سے ہے۔ پس اصل عبارت ہوئی انّها لا تجامع مؤثرةً مَعَ مجموعِ الأسبابِ الا ما هي شرط فيه ولا تجامع مع غير ما هي شرط فيه الا العدل و وزن الفعلِ.

وهما متضادان: مذکورہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں بیان کردہ قاعدۂ کلیہ کہ علمیت جس اسم غیر منصرف میں سبب یا شرط کی حیثیت سے مؤثر ہو کر پائی جاتی ہے جب اس کو نکرہ بنالیا جائے گا تو وہ منصرف ہو جائے گا مسلم نہیں ہے، اس لیے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی اسم غیر منصرف ہو علمیت اور عدل و وزن فعل کی وجہ سے، لہٰذا ایسا اسم تو بعد التنکیر بھی دو سببوں کے موجود ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہونے کا حق رکھتا ہے۔ پس قاعدۂ سابقہ صحیح نہیں ہے۔

تو مصنف نے اپنے قول وہما متضادان سے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ عدل اور وزن فعل جو کہ آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اکٹھا ہو جائیں، اس لیے کہ فعل کے اوزان قیاسی ہیں اور عدل کے اوزان غیر قیاسی، لہٰذا علمیت کے ساتھ عدل اور وزنِ فعل میں سے کوئی ایک ہی پایا جا سکتا ہے۔ پس آپ کا مذکورہ امکان پیدا کرنا دور کی کوڑی لانا ہے۔

فاذا نكر بلا سبب: اس جملہ کی توضیح کا ماحصل ماقبل میں مذکور ہو چکا ہے۔

وخالف سيبويه الاخفش في مثل احمَرَ علماً اذا نُكِّرَ اعتباراً للصّفةِ الاصليةِ بعد التنكيرِ ولا يلزمُهُ بابُ حاتمٍ لما يلزَمُ مِن اعتبارِ المتضادَّينِ في حكمٍ واحدٍ وجميعُ البابِ باللّامِ او بالاضافةِ ينجرُّ بالكسرِ .

ترجمہ:- اور سیبویہ نے بحالت علم احمر جیسی مثال میں اخفش کی مخالفت کی ہے جب نکرہ بنالیا جائے نکرہ بنا لینے کے بعد صفتِ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے، اور نہیں لازم ہوتا ہے سیبویہ کو باب حاتم اس وجہ سے کہ دو متضاد چیزوں کا اعتبار ایک ہی حکم میں لازم آتا ہے۔ اور تمام باب اضافت اور لام کی وجہ سے مجرور ہو جاتے ہیں کسرہ کے ساتھ۔

توضیح:- آگے بڑھنے سے پہلے سمجھ لیجیے کہ احمر جیسی مثال سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں علمیت سے پہلے وصفیت کے معنی پائے جاتے تھے خواہ وہ افعل کے وزن پر ہو جیسے احمر اور خواہ وہ فعلان کے وزن پر ہو جیسے سکران۔

اب سمجھئے! یہ درحقیقت ماقبل میں بیان کردہ قاعدہ سے استثناء ہے کہ جس اسم غیر منصرف میں علمیت کسی بھی حیثیت سے مؤثر ہوکر پائی جاتی تھی جب اس کو نکرہ بنائیں گے تو وہ منصرف ہوجائے گا، البتہ احمر جیسی مثال حالت علم میں نکرہ بنالینے کے بعد سیبویہ کے نزدیک غیر منصرف ہی رہے گی نکارت کی وجہ سے منصرف نہیں ہوگی۔ سیبویہ کا کہنا یہ ہے کہ ان کلمات کے معنی اصلی وصف کے ہی ہیں، البتہ وصفیت علم ہونے کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی تو اب جب کہ علمیت نکرہ بنالینے کی وجہ سے زائل ہوگئی تو وصفیت کے اعتبار کرنے کی راہ میں جو رکاوٹ تھی وہ دور ہوگئی، لہٰذا اب کوئی وجہ نہیں ہے کہ احمر جیسی مثال میں بعد التنکیر وصفیتِ اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے اسے غیر منصرف نہ پڑھا جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اگر کوئی رکاوٹ نہیں ہے تو اعتبار کرنے کا کوئی باعث بھی تو نہیں ہے جب کہ اصل اسماء میں انصراف ہے تو ہم کہیں گے کہ باعث موجود ہے اور وہ اسود اور ارقم پر قیاس کرنا ہے، ہاں اخفش کا موقف اس سلسلے میں دوسرا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ احمر جیسی مثال کو بعد التنکیر بھی وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف نہیں پڑھا جا سکتا، کیوں کہ قاعدہ ہے الزائل لاَ یَعودُ جب وصفیت ایک بار علمیت کی وجہ سے ختم ہوگئی تو اب چاہے علمیت رہے نہ رہے وصفیت اصلیہ کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اخفش کی رائے طاقتور ہے اسی لیے مصنف نے مخالفت کی اسناد سیبویہ کی طرف کی، حالاں کہ وہ استاذ ہیں اور اخفش شاگرد۔ اس لیے بہتر یہی معلوم ہوتا تھا کہ مخالفت کی اسناد بجائے سیبویہ کے اخفش کی طرف ہوتی، لیکن یہ انصاف کے خلاف ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اظہار حق کے لیے اگر استاذ کی بھی مخالفت کرنی پڑے تو یہ سوئے ادب کے زمرہ میں نہیں آتا۔

و لا یلزمه باب حاتم: اس عبارت سے مصنف نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے جو اخفش کی طرف سے سیبویہ پر کیا گیا ہے۔ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اگر احمر جیسی مثال میں نکرہ بنانے کے بعد وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیا جا سکتا ہے تو پھر وصفیت کو باب حاتم میں حالت علمیت میں بھی معتبر ہونا چاہیے، جب کہ وصفیت حاتم جیسی مثال میں معتبر نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ احمر جیسے میں بھی بعد التنکیر وصفیت معتبر نہیں ہے تو مصنف نے اپنے قول **و لا یلزمه باب حاتم** سے جواب دیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ سیبویہ کے احمر جیسی مثال میں نکرہ بنانے کے بعد وصفیت کے اعتبار کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ بابِ حاتم میں بھی حالت علم میں وصفیت کا اعتبار کریں، کیوں کہ ایسا کرنے کی صورت میں باب حاتم کے اندر ایک ہی حکم اور ایک ہی لفظ میں دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے جو کہ غلط بات ہے۔ جب کہ احمر جیسی مثال میں حالت علم میں بعد التنکیر وصفیت کے اعتبار کرنے سے دو متضاد چیزوں کا اعتبار لازم نہیں آتا، کیوں کہ جب تک احمر جیسی مثال علم ہے تو وصف معتبر نہیں اور جب وصف کا اعتبار ہو رہا ہے تب وہ علم نہیں۔

فائدہ:- باب حاتم سے مراد ہر ایسا علم ہے جو بقائے علمیت کے ساتھ اصلاً وصف ہو۔

وحمیع الباب باللام: باللام میں الباء سبب کے لیے ہے اور با کا مدخول محذوف ہے یعنی اصل عبارت ہے **بدخول اللام** اور لام سے مراد لام تعریف ہے، اسی طرح اضافت سے مراد غیر منصرف کا دوسرے کلمہ کی طرف مضاف ہونا ہے۔

سوال: کسرہ تا کے ساتھ معرب اور مبنی کے القاب کے درمیان مشترک ہے جب کہ کسر بغیر تاء کے مبنی کے القاب کے ساتھ مخصوص ہے اور ہماری گفتگو معرب کے حرکات کے بارے میں ہو رہی ہے تو حق یہ تھا کہ مصنف بالکسرۃ کہتے؟

جواب یہ ہے کہ کسرہ سے مراد کسرے کی صورت ہے، اس کی حقیقت مراد نہیں ہے۔ لگے ہاتھ ایک بات اور سمجھ لیں کہ کسرہ عام ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری۔ مصنف نے صرف **ینجو** اس لیے نہیں کہا کہ مجرور ہونا، کبھی فتحہ کی صورت میں بھی ہوتا ہے حالاں کہ وہ مراد نہیں ہے، اس لیے **بالکسر** کا اضافہ کیا۔ نیز مصنف نے **ینصرف** نہیں کہا بلکہ **ینجو بالکسر** کہا، اس لیے کہ اس اسم غیر منصرف کے منصرف ہونے میں اختلاف ہے، اس سلسلے میں تین جماعتیں ہوگئی ہیں۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ وہ اسم غیر منصرف کہ جس پر الف لام داخل ہو یا وہ ترکیب میں مضاف واقع ہو۔ وہ مطلقاً منصرف ہو جاتا ہے، خواہ ان کے دخول کے بعد دو سبب باقی ہوں یا باقی نہ ہوں مؤخر الذکر صورت میں منصرف ہونا ظاہر ہے۔ رہی بات پہلی صورت کی تو اس لیے کہ الف لام اور اضافت اسم کے بڑے خواص میں ہیں۔ لہٰذا ان کے دخول کی صورت میں اسمیت کی جہت فعلیت کی جہت پر غالب ہو جاتی ہے، لہٰذا فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑ گئی۔ اور دوسرے بعض لوگوں کے نزدیک یہ مطلقاً غیر منصرف ہیں۔ بہر حال دو سببوں کے ہوتے ہوئے تو غیر منصرف ہونا ظاہر ہے اور دو سببوں کے فوت ہونے کے وقت غیر منصرف ہونا تو اس لیے کہ زوال عارضی کا اعتبار نہیں ہے۔ اور تیسرے طبقہ کی رائے ہے کہ جب دو سبب موجود ہوں تو غیر منصرف، کیوں کہ کوئی بھی اسم معرب دو سببوں کے پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہو جاتا ہے اور دو سببوں کے معدوم ہونے کی صورت میں منصرف، وجہ ظاہر ہے۔

جب آپ نے اتنا سن لیا تو اب سنو! کہ مصنف جمیع الباب سے یہ کہہ رہے ہیں، کہ وہ غیر منصرف جس پر لام تعریف داخل ہو جائے یا وہ ترکیب میں مضاف واقع ہو تو وہ کسرہ کے ساتھ مجرور ہو جائے گا، اس پر کسرہ کا دخول جو منع تھا، اب اس کی اجازت ہو جائے گی۔

المرفوعات: **المرفوعات** میں تین احتمال ہیں۔ ۱- المرفوعات خبر ہو مبتدا محذوف کی تقدیر عبارت ہوگی **هذا باب المرفوعات**. ۲- خبر محذوف ہو اور تقدیر عبارت ہو **المرفوعات هذہ**. ۳- وقف کے ساتھ ساکن ہو اس لیے کہ یہ موقع فصل میں واقع ہے۔ اور فصل کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مرفوعات آٹھ ہیں۔ اور دلیل حصر یہ ہے کہ مرفوع اس کا عامل لفظی ہوگا یا معنوی۔

ثانی پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مسند الیہ ہوگا یا مسند اول مبتدا ہے ثانی خبر۔ اور اگر عامل لفظی ہے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو عامل فعل ہوگا یا حرف اول پھر دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس کی نسبت مرفوع کی طرف **علی جهة القیام** ہوگی یا **علی جهة الوقوع** اول فاعل ہے اور ثانی نائب فاعل اور اگر عامل حرف ہے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا معمول مسند الیہ ہوگا یا مسند اگر اول ہے۔ تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ یا کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں۔ پہلا افعال ناقصہ کا اسم ہوگا سوائے **لیس** کے اور ثانی **ما** و **لا المشتبهین بلیس** اور **لیس** کا اسم ہوگا اور اگر مسند ہے تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں اول حروف مشبہ بالفعل کی خبر اور ثانی لائے نفی جنس کی خبر۔

هو ما اشتمل علی علم الفاعلية .

ترجمہ:- مرفوعات وہ اسم ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہو۔

توضیح:- **هو ما اشتمل** میں **هو** ضمیر کا مرجع یا تو **المرفوعات** ہوگا یا **المرفوع** ہوگا۔ اور دونوں احتمالوں کی صورت میں اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اگر **المرفوعات** کو مرجع قرار دیا جائے تو ضمیر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں رہتی اور اگر **المرفوع** کو قرار دیا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو درست نہیں لیکن اس کا حل ہے۔ پہلی صورت اس لیے درست ہے کہ ضمیر کا مرجع ہر چند **المرفوعات** ہے، جو کہ جمع مؤنث سالم ہے پر ضمیر کے لانے میں مرجع کے بجائے خبر کی رعایت کی گئی ہے، اس لیے کہ مشہور ضابطہ ہے **اذا دار الضمير بين المرجع والخبر فرعاية الخبر اولى.** لہٰذا **المرفوعات** کو **هو** کا مرجع قرار دینا درست ہے، البتہ **المرفوعات** کی طرف ضمیر کا لوٹانا ضعیف ہے، کیوں کہ اس صورت میں تعریف افراد کی لازم آتی، حالاں کہ تعریف شئ کے ماہیت کی ہوتی ہے۔ اور دوسرا احتمال بھی ٹھیک ہے، کیوں کہ مرجع کے لیے صراحتاً مذکور ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ ضمناً مذکور ہونا کافی ہے پس **المرفوع** **المرفوعات** کے ضمن میں مذکور ہے، کیوں کہ **المرفوعات** اس پر دلالت کرتا ہے اور اتنا مرجع کی صحت کے لیے کافی ہے۔

اب سنیے کہ فاعل اور ملحقات فاعل کی علامت مفردات جمع مؤنث سالم۔ جمع مکسر منصرف اور غیر منصرف میں ضمہ ہے اور تثنیہ میں الف اور اسماء ستہ اور جمع مذکر سالم میں واؤ ہے۔ فاعل کی علامت عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً اور **ما اشتمل** میں **ما** سے مراد اسم ہے نہ کہ لفظ اور شئ۔

اب سمجھیے کہ مرفوع ہر وہ اسم ہے جو فاعل ہونے کی مذکورہ بالا علامتوں میں سے کسی علامت پر مشتمل ہو یعنی اس میں فاعل کی کوئی علامت پائی جائے۔

فمنه الفاعل وهو ما اسند اليه الفعل او شبهه وقدم عليه على جهة قيامه به مثل قام

زید وزید قائم ابوہٗ.

ترجمہ:- تو مرفوعات میں سے فاعل ہے اور فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہو درانحالیکہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم پر مقدم ہو اس فعل یا شبہ فعل کے اس اسم کے ساتھ قائم ہونے کے طریقہ پر جیسے قام زید اور زید قائم ابوہ.

توضیح:- من جملہ مرفوعات کے فاعل ہے۔ فاعل کو تمام مرفوعات پر اس لیے مقدم کیا، کیوں کہ فاعل تمام مرفوعات میں اصل ہے اور دیگر مرفوعات اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ فاعل کے اصل ہونے کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ فاعل جملہ فعلیہ کا جزء ہے۔ اور جملہ فعلیہ خبر دینے میں تمام جملوں میں اصل ہے۔ اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ فعل کے ذریعہ ہی خبر دی جائے، کیوں کہ فعل کی وضع اسی مقصد کے لیے ہوئی ہے، بہر حال جب جملہ فعلیہ اصل ہوا تو فاعل اس کا جزء ہے، لہٰذا وہ بھی اصل ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ فاعل کا عامل لفظی ہے جب کہ مبتدأ کا فاعل معنوی ہے اور لفظی معنوی سے قوی ہوتا ہے اور عامل کی قوت معمول کی قوت پر دلالت کرتی ہے۔ پس فاعل بھی اپنے عامل کی طرح قوی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ فاعل مرفوعات میں اصل ہے۔ یہ اہل بصرہ کی رائے ہے۔ اہل کوفہ کا خیال ہے کہ مرفوعات میں مبتدا اصل ہے، ان کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ مبتدا مسند الیہ کی اصل حالت پر باقی رہتا ہے۔ یعنی تقدیم پر جب کہ فاعل مؤخر ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مبتدا حکم مطلق کے ساتھ محکوم الیہ ہوتا ہے خواہ حکم جامد ہو یا مشتق جیسے زید قائم. هذا حجر بخلاف فاعل کے کہ وہ حکم اشتمالی کے ساتھ صرف محکوم الیہ ہوتا ہے، لیکن چوں کہ مصنف کے نزدیک بصریین کا موقف زیادہ مناسب ہے اس لیے اسی کو اختیار کیا اور فاعل کو دیگر مرفوعات پر مقدم کیا۔

اب فاعل کی تعریف سنو۔ فاعل وہ اسم ہے خواہ صریحی ہو یا تأویلی کہ جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اصالۃً اسناد کی گئی ہو درانحالیکہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم پر وجوباً مقدم ہو اس اسم کے ساتھ فعل یا شبہ فعل کے قائم ہونے کے طریقہ پر۔ فعل کے قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ فعل، فعل معروف ہو مجہول نہ ہو۔ فاعل کی اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ فاعل کے لیے چند باتیں ضروری ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ اسم ہو خواہ صریحی ہو یا تاویلی۔ دوسرے یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کی اس کی طرف اصالۃً اسناد ہو۔ تیسرے یہ کہ فعل یا شبہ فعل وجوباً اس پر مقدم ہو۔ چوتھے یہ کہ فعل یا شبہ فعل کی اسناد علی جهة القيام ہو علی جهة الوقوع نہ ہو۔

سوال: فاعل کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے مات زید اور طال عمرو کا فاعل فاعلیت سے نکل گیا اس لیے کہ قیام سے ذہن قیام بالمعنی الحدوث کی طرف جاتا ہے اور موت اور طول دونوں فاعل سے صادر نہیں ہوتے۔

جواب یہ ہے کہ مراد فعل کے قیام سے اس کا صیغہ معروف ہونا ہے خواہ وہ فعل فاعل سے صادر ہو یا اس کے ساتھ قائم ہو، پس تعریف اپنے افراد کے لیے جامع ہے۔

والاصلَ ان یلی الفعلَ فلذلك جَازَضرَبَ غلامَه زیدٌ وامتَنعَ ضَربَ غلامُه زیدًا.

ترجمہ:- اور اصل یہ ہے کہ فاعل فعل سے متصل ہو پس اسی وجہ سے جائز ہے ضَرَبَ غُلَامَہٗ زیدٌ اور ممتنع ہے ضرب غلامه زیدًا.

توضیح:- سب سے پہلے سمجھئے کہ اصل یہاں پر راجح اور غالب کے معنی میں ہے۔ضابطہ اور قاعدہ کے معنی میں نہیں ہے اب اتنی بات جان لینے کے بعد عبارت سمجھئے۔ مصنف اس عبارت سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عام حالت میں فاعل فعل سے متصل ہوتا ہے، بشرطیکہ اتصال فعل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

فاعل فعل سے متصل اس لیے ہوتا ہے کہ فاعل فعل کے جزء کے درجہ میں لفظاً اور معنیً دونوں طرح ہے، لفظاً بمنزلۂ جزء کے اس لیے ہے کہ ضربتُ وغیرہ میں لام کلمہ ساکن ہوجاتا ہے اور معنًی اس لیے کہ فعل بغیر فاعل کے فائدہ نہیں دے گا۔لہٰذا جب فاعل فعل کے لیے بمنزلۂ جزء کے ہوگیا تو اب مناسب ہے کہ فاعل اس فعل سے متصل ہو جو فاعل کی طرف مسند ہو، البتہ اتصال فعل اور فاعل کا اسی وقت ہوگا جب فعل اور فاعل کے درمیان مفاعیل اور ان کے ملحقات میں سے کوئی چیز حائل نہ ہو۔

اس ضابطہ کی وجہ سے ضرب غلامَه زید کی ترکیب درست ہے اور ضرب غلامُه زیدًا کی ترکیب ناجائز ہے۔پہلی ترکیب اس لیے جائز ہے کہ زید، ضرب کا فاعل ہے جو رتبۃً غلامَه مفعول پر مقدم ہے، لہٰذا اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آیا رتبۃً نہیں اور یہ درست ہے پس غلامه کی ضمیر کا زید کی طرف لوٹانا جائز ہوگیا۔اور دوسری ترکیب اس لیے ناجائز ہے کہ غلامُه فاعل ہے اور فاعل میں اصل فعل سے متصل ہونا ہے پس غلامُهٗ کی ضمیر زید مرجع پر لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح مقدم ہوگی، لہٰذا اضمار قبل الذکر دونوں طرح لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔

وَاذا انتفَی الاعرابُ فیهما لفظاً والقرینۃُ او کَانَ مضمرا متصلاً او وقع مفعوله بعد إلّا او معناها وجبَ تقدیمُهٗ.

ترجمہ:- اور جب اعراب دونوں میں لفظاً نہ ہو اور قرینہ بھی نہ ہو یا فاعل ضمیر متصل ہو یا اس کا مفعول اِلّا یا معنی اِلّا کے بعد واقع ہو تو فاعل کا مقدم کرنا واجب ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فاعل کا کن کن مواقع پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب فاعل اور مفعول دونوں میں اعراب لفظاً نہ ہو اور متعین طور پر کسی ایک کے فاعل یا مفعول ہونے پر کوئی قرینہ بھی نہ ہو جیسے ضَرَبَ مُوسٰی عِیسٰی یا فاعل ضمیر متصل ہو جیسے

ضربتُ زیدًا یافاعل کامفعول اِلاّ کے بعدواقع ہوجیسےضرب زیدٌ اِلاّ عمرًوا یامعنیٰ الا یعنی إنما کے بعدواقع ہوجیسے إنماضرب زیدٌ عمروًاتوان چاروں صورتوں میں فاعل کی تقدیم مفعول پرواجب ہے۔

پہلی صورت میں فاعل کی تقدیم اس لیے واجب ہے کہ فاعل اورمفعول کے درمیان اشتباہ لازم آئے گا۔ اور دوسری صورت میں اس لیے تا کہ حصر مطلوب فوت نہ ہوجائے، کیوں کہ متکلم کا مقصود زید کی ضاربیت کا عمرو یعنی مفعول میں منحصر کرنا ہے،عمرو کے دوسرے شخص کے مضروب ہونے کے امکان کے ساتھ جب کہ فاعل نہ مقدم کرنے کی صورت میں اس کا الٹا ہوجاتا ہےاور چوتھی صورت میں بھی اسی لیے فاعل کی تقدیم واجب ہے، تا کہ حصر مطلوب فوت نہ ہو، اس صورت میں بھی زید کی ضاربیت کا عمرو میں انحصار مطلوب ہے،کیوں کہ انما کا حصر ترکیب کے آخری لفظ پر ہوتا ہے۔

فائدہ:- قرینہ عام ہے خواہ لفظی ہو جیسے رأیت عیسٰی رشدی یاعقلی ہو جیسے اکل الکمثری یحییٰ پہلی صورت میں فعل کی تانیث رشدی کے فاعل اور عیسٰی کے مفعول ہونے کی نشان دہی کررہی ہے جب کہ دوسری صورت میں کمثری (ناشپاتی کا پھل ہونا) اس کے مفعول ہونے کا عقلاً تقاضا ہے۔

نیز فاعل ضمیر متصل ہونے کی صورت میں فاعل کی تقدیم اس وقت واجب ہوگی جب مفعول فعل پر مقدم نہ ہو، بصورت دیگر فاعل مؤخر ہی ہوگا جیسے زیدًا ضربتُ مفعول کے الا کے بعدواقع ہونے کی صورت میں فاعل کی تقدیم اس صورت میں واجب ہوگی جب الا مفعول اور فاعل کے درمیان واقع ہو بصورت دیگر فاعل کی تقدیم واجب نہیں ہے۔جیسے ما ضرب الا عمرًا و زیدٌ. ایسااس لیے کہ حصر الا کے مابعد میں ہی ہوتا ہے۔

واذا اتصلَ به ضمیرُ مفعولٍ اَو وقعَ بعد إلاّ اَوْ معناها او اتّصل به مفعولُه وَهُوَ غیرُ متصلٍ وجَبَ تاخیرہُ.

ترجمہ:- اورجب متصل ہوفاعل سے مفعول کی ضمیر یافاعل واقع ہو الاّ یامعنیٰ الاّ کے بعد یا فعل اس کا مفعول متصل ہودرانحالیکہ فاعل غیر متصل ہوتو واجب ہے فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ان مواقع کو بیان کررہے ہیں کہ جہاں پر فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہوتا ہے۔پہلی جگہ یہ ہے کہ جب مفعول کی ضمیر فاعل سے متصل ہو۔مفعول کی ضمیر کے فاعل سے متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کا مضاف الیہ ضمیر ہواوراس ضمیر کا مرجع مفعول ہو۔جیسے واذا ابتلی ابراھیم ربہ تو یہاں پرمفعول کا مقدم کرنااور فاعل کی تاخیراس لیے واجب ہے،تا کہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔

دوسری جگہ ہے کہ فاعل الاّ کے بعد واقع ہو جیسے ما اکل تفاحاً الا خالدٌ اور انما اکل تفاحا خالدٌ ان دونوں مثالوں میں مفعول کی تقدیم اور فاعل کی تاخیر اس لیے واجب ہے، تا کہ حصر مطلوب بدل نہ جائے، کیوں کہ مطلوب دونوں مثالوں میں یہ ہے کہ سیب کا ماٗ کول ہونا خالد پر منحصر ہے اس بات کے امکان کے ساتھ کہ سیب کے علاوہ اور بھی چیزیں زید کی ماٗ کول ہوں۔ لیکن اگر فاعل کو مقدم کر دیا جائے تو مطلب اس کے الٹا ہو جاتا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یادر ہے کہ یہاں پر بھی فاعل اِلاّ کے بعد واقع ہونے کا مطلب اِلاّ کا فاعل اور مفعول کے درمیان واقع ہونا ہے ورنہ بصورت دیگر فاعل کی تقدیم سے مطلوب فوت نہیں ہوگا۔ جیسے ما اکل الا خالد تفاحًا. تیسری جگہ فاعل کی تاخیر واجب ہوئی کہ جب مفعول فعل سے متصل ہو اور فاعل غیر متصل ہو جیسے ضربك زيدٌ ایسا اس لیے ہے کہ فاعل کی تقدیم بغیر مفعول کو فعل سے جدا کیے ہوئے ممکن نہیں اور ظاہری بات ہے کہ ایسی صورت میں شئ متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا، جو کہ درست نہیں ہے۔

وقـد يُحـذَفُ الفعلُ لقيام قـرينةٍ جـوازًا في مثل زيد لمن قال من قام شعر:

ولِيبكِ يزيد ضارع لخصوصَمَة ومختبطٌ مما تطيح الطوائح.

ترجمہ:- اور کبھی حذف کر دیا جاتا ہے فعل قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے جوازاً زید جیسے میں اس شخص کے لیے کہ جس نے کہا من قام اور لبیك یزید ضارع الخ جیسے میں۔

توضیح:- اصل عبارت کے مطلب سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ قد تقلیل کے لیے ہے اور جوازاً جائزاً کے معنی میں ہے جو مجازاً مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اصل عبارت ہے حذفا جائزاً. شعر کا ترجمہ ہے: اور چاہیے کہ یزید رویا جائے یعنی بے بس آدمی جھگڑے کی وجہ سے روئے اور بغیر وسیلے کے مانگنے والا مسکین روئے جس کو حوادث زمانہ نے ہلاک کر دیا ہے۔

اب عبارت کا مطلب سماعت فرمائیے، کہ کبھی فعل کو قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں جیسے زیدٌ میں جو کہ اس شخص کے جواب میں واقع ہے جس نے من قام کہا۔ فعل کو حذف کر دیا گیا ہے۔ قرینہ سائل کا سوال ملفوظ ہے جو جواب میں وجود فعل پر دلالت کرتا ہے۔ پس سوال خواہ ملفوظ ہو جیسے مثال مذکور میں ہے۔ اور خواہ سوال مقدر ہو۔ جیسے ولیبك یزید ضارع لخصومة میں ہے۔ اس شعر میں ضارع فاعل ہے جو محل استدلال ہے کہ جس کا فعل سوال مقدر من یبکی کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، کیوں کہ سوال مقدر ضارع کے وجود فعل پر دال ہے۔ ایک بات اور یاد رہے کہ یہاں فعل سے مراد ہر وہ چیز ہے جو فاعل کو رفع دینے والی ہو خواہ فعل ہو یا شبہ فعل صرف فعل کا تذکرہ یہاں اصالۃً ہے۔

ووجوبًا فِي مثلِ وَان احدُ من المشركين استَجارك. وقف يُحذفان معًا في مثل نعم لمن قال اقامَ زيدٌ.

ترجمہ:- اور وجوباً حذف کیا جاتا ہے وان احد من المشركين استجارك جیسی مثال میں اور کبھی فعل فاعل ساتھ میں حذف کر دیئے جاتے ہیں نعم جیسے میں اس شخص کے جواب میں جس نے کہا اقام زيدٌ .

توضیح:- وجوباً واجباً کے معنی میں ہے۔ جو جواز پر معطوف ہے، یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کبھی فعل کو قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے وان احد من المشركين استجارك جیسی مثال سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں فاعل کو رفع دینے والے فعل کو حذف کر دیا گیا ہو۔ اور حذف شدہ ابہام کی دوسرے فعل سے تفسیر کی گئی ہو۔ قرینہ اس مثال میں ان شرطیہ کا داخل ہونا ہے، اس لیے کہ ان حرف شرط فعل پر وجوباً داخل ہوتا ہے اور یہاں فعل لفظاً نہیں ہے۔ معلوم ہوا فعل مقدر ہے اور قائم مقام مفسر استجارك ہے تقدیر عبارت إن استجارك احد من المشركين استجارك تو یہاں استجارك اول کو قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے وجوباً حذف کر دیا گیا اور استجارك ثانی قائم مقام ہو گیا، تاکہ بے ضرورت مفسَّر اور مفسِّر کا اجتماع لازم نہ آئے۔
اور کبھی ایسا ہوتا کہ قرینہ کے پائے جانے کی وہ سے نہ صرف فعل بلکہ فاعل کو بھی جوازاً حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے نعم اس شخص کے جواب میں جس نے اقام زيدٌ کیا۔ تو یہاں دونوں کا حذف درست ہے، کیوں کہ قرینہ سائل کا سوال موجود ہے، البتہ واجب نہیں، اس لیے کہ قائم مقام نہیں ہے، کیوں کہ نعم دونوں کا قائم مقام نہیں بن سکتا ہے، اس لیے کہ نعم حرف غیر مستقل ہے اور فعل و فاعل مستقل ہیں۔ اور غیر مستقل مستقل کا قائم مقام نہیں ہو سکتا ہے۔

واذ تَنازع الفِعلان ظاهرًا بعدَهما فقد يكونُ في الفَاعليةِ مثل ضَربني واكرمني زيدٌ. وفي المفعوليةِ مثل ضربتُ واكرمتُ زيدًا وفي الفَاعلية والمفعولية مختلفين.

ترجمہ:- جب دو فعل تنازع کریں کسی ایسے اسم ظاہر میں جو ان دونوں کے بعد ہو تو تنازع کبھی فاعلیت میں ہوگا جیسے ضربني واكرمني زيدٌ اور کبھی مفعولیت میں ہوگا۔ جیسے ضربتُ واكرمت زيدًا اور کبھی فاعلیت اور مفعولیت میں ہوگا درانحالیکہ تقاضے مختلف ہوں (پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا فعل مفعول کا جیسے ضربني واكرمت زيداً یا پہلا فعل مفعول کا تقاضہ کرے دوسرا فعل فاعل کا تقاضہ کرے جیسے ضربت واكرمني زيدٌ .

توضیح:- سب سے پہلے آپ یہ سمجھئے کہ تنازع کے معنی کیا ہیں؟ تنازع لغۃً کہتے ہیں کسی چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا۔ اور اصطلاح میں کہتے ہیں دو عاملوں کا بحسب المعنی ایسے اسم کی طرف متوجہ ہونا جو دونوں عاملوں کی علی سبیل البدل معمول بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ پس اس تعریف

سے معلوم ہوگیا کہ فعلین عاملین کے معنی میں ہے۔اب سوال یہ ہے کہ فعلین ہی کو کیوں بیان کیا جواب یہ ہے کہ فعلان کا تذکرہ اصالت فی العمل کی وجہ سے کیا۔ایک بات اور دھیان رہے کہ فعلان بطور حصر مذکور نہیں بلکہ یہ بتانے کے لیے کہ تنازع کے ثبوت کے لیے کم از کم دو عامل ضروری ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

اب سنیے کہ تنازع ایسے اسم ظاہر میں ہوگا جو دونوں عاملوں کے بعد واقع ہو، مصنف نے ظاہراً کی قید اس لیے لگائی کہ اگر دونوں عاملوں کے بعد ضمیر متصل ہو تو فعل ثانی کا معمول ہونا متعین ہے۔اس لیے کہ وہ فعل ثانی کا جزء ہوگا اور دونوں فعلوں میں سے کسی کو دوسرے کے جزء پر عمل دلانا درست نہیں۔حاصل یہ نکلا کہ ضمیر متصل کی صورت میں تنازع متحقق نہیں ہو پائے گا اور اگر ضمیر منفصل ہے، جیسے ماضرب واکرم الا انا پس اس وقت اگرچہ تنازع ممکن ہے لیکن رفع تنازع ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ چاہے دونوں میں سے جس کو عمل دلاؤ دو حال سے خالی نہیں ضمیر یا تو مع الا کے لاؤگے یا بغیر الا کے تو پہلی صورت میں حرف کا اضمار لازم آئے گا اور دوسری صورت میں تضاد لازم آئے گا۔

بعدهما کی قید سے احتراز ہوگیا اس اسم سے جو دونوں عاملوں پر مقدم ہو یا دونوں کے وسط میں واقع ہو، کیوں کہ اس صورت میں پہلے فعل کا عمل طے ہے، اس لیے کہ وہ دوسرے سے پہلے عمل کا حق دار ہوجائے گا۔بہر حال جب تنازع دو عاملوں کا کسی ایسے اسم ظاہر میں ہو جو ان دونوں کے بعد واقع ہو رہا ہے، تو اس کی چار صورتیں ہیں جو اوپر ترجمہ میں مذکور ہیں، آگے بڑھنے سے پہلے ایک سوال اور اس کا جواب بھی سمجھ لیجیے۔

سوال یہ ہے کہ جب تنازع دو فعلوں کا فاعلیت اور مفعولیت میں ہوگا، تو دونوں من حیث الاقتضاء مختلف ہی ہوں گے اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب دو فعلوں کا تنازع بين الفاعلية والمفعولية دو قسموں پر ہے۔پہلی قسم یہ ہے کہ دونوں فعلوں کا تقاضہ ایک ہو جب کہ متنازع فیہ متعدد ہو۔جیسے ضرب وأهان زيدٌ عمروًا. اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں فعلوں کا تقاضہ مختلف ہو، لیکن متنازع فیہ واحد یعنی ایک ہو جیسے ضربني واكرمت زيداً پس مصنف کا قول مختلفین اس بات کو بتانے کے لیے ہے کہ یہاں پر دوسری صورت مراد ہے۔

فَيختارَ البصريون اعمالَ الثاني والكوفيُّون الأولَ فان اعملتَ الثاني اضمرتَ الفاعل في الاول على وفق الظاهر دون الحذف خلافاً للكسائي وجَازَ خلافاً لِلفَرّاءِ احذفتَ المفعول ان استُغني عنهُ والّا اظهرت .

ترجمہ:- پس بصری دوسرے فعل کے عمل دینے کو پسند کرتے ہیں اور کوفی لوگ کہتے ہیں کہ پہلے کا عمل بہتر ہے پس اگر عمل دیا تو نے دوسرے کو تو ضمیر لے آ فاعل کی پہلے میں اسم ظاہر کے موافق نہ کہ حذف اختلاف کرتے ہوئے کسائی سے اور جائز ہے، مخالفت کرتے ہوئے فراء کی اور حذف کر دے تو

مفعول کو اگر اس کی ضرورت نہ ہو ورنہ ظاہر کردے تو۔

توضیح:- باب تنازع کی چار صورتیں آپ نے پڑھی ہیں، چاروں صورتوں میں دونوں فعلوں کو عمل دینا جائز ہے یا ناجائز اس بارے میں دو گروہ ہیں۔ پہلا گروہ نحاۃ بصرہ و کوفہ کا ہے۔ جو چاروں صورتوں میں فعلوں کا عمل درست مانتے ہیں۔ جس کو مصنف نے وجاز سے بیان کیا ہے۔ دوسرا گروہ فراء کا ہے جو دوسری اور چوتھی صورت میں تو دونوں کے عمل کے قائل ہیں لیکن پہلی اور تیسری صورت میں دوسرے فعل کے عمل دلانے کو روا نہیں سمجھتے اسی کو مصنف نے خلافا للفراء سے بیان کیا ہے اور یہی اس کا مطلب ہے اب فراء کی دلیل سنیے۔

فراء کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ دوسرے فعل کو عمل دیں گے جب کہ پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو رفع تنازع کے لیے پہلے فعل میں فاعل کا ذکر تو بالاتفاق ناجائز ہے۔ اس لیے کہ تکرار لازم آئے گا جو کہ فصاحت کے خلاف ہے۔ اب دو ہی صورتیں بچی ہیں فاعل کا حذف یا ضمیر لانا تو دونوں ناجائز ہیں۔ اس لیے کہ پہلی صورت میں عمدہ کا حذف اور دوسری صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے پس معلوم ہوا کہ پہلی اور تیسری صورت میں دوسرے فعل کو عمل دلانا منع ہے اور پہلے فعل کو عمل دلانا متعین۔ یہ تو بات ہوئی فراء کی۔

اب پھر چلیے جمہور کی طرف تو جمہور میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کا اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ دونوں میں سے کس کو عمل دلانا بہتر ہے دوسرے کے جواز کے ساتھ۔ تو بصریوں کے نزدیک قرب و جوار کا لحاظ کرتے ہوئے دوسرے فعل کو عمل دلانا اولی ہے۔ اور کوفیوں کے نزدیک الأقدم فالاقدم کا اعتبار کرتے ہوئے پہلے کو عمل دلانا بہتر ہے۔

لیکن چوں کہ مصنف کو بصریوں کا مذہب زیادہ پسند ہے، اس لیے وہ پہلے بصریوں کے مذہب کو بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اگر آپ بصریوں کے مذہب کے مطابق دوسرے فعل کو عمل دیں تو سب سے پہلے دیکھئے کہ پہلا فعل تقاضہ کا ہے کا کر رہا ہے اگر وہ فعل فاعل کا تقاضہ کر رہا ہے تو پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر لے آئیں۔ جو اسم ظاہر کے موافق ہو، کیوں کہ رفع تنازع کی تین ہی صورتیں ہیں فاعل کا حذف۔ فاعل کی ضمیر۔ فاعل کا ذکر۔ تو اگر فعل کو حذف کر دیا جائے تو فاعل کا حذف جو کہ عمدہ ہے بغیر قائم مقام لازم آئے گا۔ اور اگر ذکر کیا جائے تو فاعل کا تکرار لازم آئے گا جو کہ خلاف فصاحت ہے، لہٰذا یہ دونوں صورتیں تو چلنے سے رہیں۔ پس ضمیر کا لانا ضرورتاً متعین ہو گیا۔ اب رہی یہ بات کہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا تو عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے لیکن کسائی کا اس میں اختلاف ہے۔ کسائی کہتے ہیں کہ جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے فاعل کو تو حذف کیا جا سکتا ہے لیکن پہلے فعل میں ضمیر نہیں لائی جائے گی کیوں کہ بقول کسائی اضمار قبل الذکر بہر صورت ناجائز ہے۔ کسائی کے اسی نظریہ کو مصنف نے خلافا للکسائی سے بیان کیا ہے۔ خیر یہ تو تفصیل ہوئی

جب پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہو لیکن جب پہلا فعل مفعول کا تقاضا کرتا ہو اور پہلا فعل افعال قلوب میں سے نہ ہو تو رفع تنازع کے لیے مفعول کو محذوف مانا جاسکتا ہے، کیوں کہ وہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف درست ہے۔ ضمیر اور ذکر کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش ہے، کیوں کہ یہاں عمدہ میں بشرط تفسیر کا فائدہ اضمار قبل الذکر سے بچاؤ کے معاملہ میں نہیں مل سکے گا۔ اور اگر پہلا فعل افعال قلوب میں سے ہے تو مفعول کو ظاہر کرنا پڑے گا، کیوں کہ اگر پہلے کی طرح پہلے فعل کے مفعول کو حذف کر دیتے ہیں، تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف لازم آئے گا جو درست نہیں ہے۔ جیسے حسبني منطلقا وحسبت زيداً منطلقاً.

وَان اعملتَ الْاَولَ اَضمرتَ الفَاعل في الثاني والمفعول على المختار إلّا ان يمنعَ مانعُ فَتُظْهِرَ.

ترجمہ:- اور اگر تو پہلے فعل کو عمل دے تو فاعل کی ضمیر دوسرے فعل میں لے آ۔ اور مفعول کی ضمیر پسندیدہ قول کے مطابق دوسرے فعل میں لے آ۔ مگر یہ کہ کوئی مانع منع کرے تو مفعول کو دوسرے فعل میں ظاہر کر دے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف کوفیوں کے مسلک کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ نے پہلے فعل کو عمل دلایا تو یہ دیکھئے کہ دوسرا فعل کس چیز کا تقاضہ کرتا ہے، تو اگر فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو فاعل کی ضمیر اسم ظاہر کے موافق دوسرے فعل میں لے آؤ، کیوں کہ فاعل کا ذکر بالاتفاق منع ہے اور حذف بھی بلا قائم مقام درست نہیں تو اب فاعل کی ضمیر متعین ہے اور اضمار قبل الذکر کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے، کیوں کہ اسم ظاہر اول فعل کا معمول ہونے کی وجہ سے رتبۃً دوسرے فعل پر گویا مقدم ہو چکا گو لفظوں میں دونوں کے بعد ہے۔

اور اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضہ کرتا ہو اور افعال قلوب میں سے نہ ہو تو دو صورتیں جائز ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دوسرے فعل کے مفعول کو حذف کر دیجیے، کیوں کہ مفعول فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف درست ہے، جب کہ ذکر کی بالاتفاق تکرار کی وجہ سے گنجائش نہیں اور دوسری صورت مفعول کی ضمیر لانا ہے جیسے ضربت واكرمتهٗ زيداً ضمیر لانا اس لیے درست ہے کہ اضمار قبل الذکر لازم نہیں آرہا ہے مزید یہ وہم بھی نہیں رہتا کہ فعل ثانی کا مفعول فعل اول کے مفعول یعنی مفعول مذکور کے خلاف ہے، اس لیے مصنف کے نزدیک ضمیر کا لانا افضل ہے۔

اور اگر دوسرا فعل افعال قلوب میں سے ہو تو مفعول کا ذکر کرنا ضروری ہے جیسے حسبني وحسبتها منطلقين الزيدان منطلقا یہاں مفعول کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ جھگڑا ختم کرنے کی وہی تین صورتیں ہیں حذف، اضمار، ذکر۔ پس اگر دوسرے فعل کے مفعول کو حذف کرے جب کہ وہ افعال قلوب میں سے ہے تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے۔ اور اگر دوسرے فعل

میں مفعول کی ضمیر لاتے ہیں تو ضمیر دو حال سے خالی نہیں یا تو مفرد کی ضمیر لائیں گے یا تثنیہ کی، پہلی صورت میں فعل ثانی کے دونوں مفعولوں کے درمیان واحد اور تثنیہ ہونے میں مطابقت نہ ہوگی جیسے حسبني وحسبتها اياه الزيدان منطلقا. جب کہ دوسری صورت میں ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں رہتی کیوں کہ دوسرے فعل کا مفعول ثانی کی ضمیر پہلے فعل کے مفعول ثانی کی طرف لوٹے گی، جو کہ واحد ہے جیسے حسبني وحسبتهما اياهما الزيدان منطلقا پس ذکر متعین ہو گیا جیسے کہ اوپر مثال مذکور ہو چکی ہے۔

وقول امرء القيس ع كفاني ولَم اطلبْ قليلٌ من المَال ÷ ليسَ منه لِفسادِ المعنىٰ

ترجمہ:- اور امرء القیس کا قول كفاني ولم اطلب من المال نہیں ہے باب تنازع سے معنی کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔

توضیح:- کوفیوں نے پہلے فعل کے عمل دلانے کی افضلیت پر امرء القیس کے مذکورہ بالا شعر سے استدلال کیا کہ دیکھو كفاني اور لم اطلب نے تنازع کیا۔ كفاني نے چاہا کہ قليل من المال کو اپنا فاعل بنالے اور لم اطلب نے اس کو اپنا مفعول بنالینا چاہا۔ لیکن شاعر نے پہلے فعل کو عمل دلاتے ہوئے قلیل کو مرفوع پڑھا، پس معلوم ہوا کہ پہلے فعل کو عمل دینا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ امرء القیس فصیح ہے اور فصیح آدمی افصح لغت ہی استعمال کرتا ہے۔

تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بصریوں کی جانب سے اپنے قول ليس منه لفساد المعنى سے اس کا جواب دیا کہ شعر باب تنازع سے ہے ہی نہیں، کیوں کہ اگر اس کو باب تنازع سے مانا جاتا ہے تو شعر کے معنی فاسد ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس شعر کا پہلا مصرعہ ہے ولو انما اسعٰى لادنى معيشةٍ. پہلے مصرعہ میں لو ہے لو انتفاع ثانی کے لیے انتفاع اول کی وجہ سے آتا ہے تو لو اگر مثبت پر داخل ہوتا ہے تو اس کو منفی کر دیتا ہے اور اگر منفی پر داخل ہوتا ہے تو اس کو مثبت کر دیتا ہے اور اسی کے ساتھ ایک بات اور ہے کہ جو حکم لو کے جواب کا ہوتا ہے وہی لو کے جواب کے معطوف کا ہوتا ہے، جب بات یہ ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر كفاني اور لم اطلب، قليل من المال میں تنازع کرتے ہیں تو من حیث المعنی اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔ اس لیے کہ شاعر کا قول انما اسعٰى لادنى معيشة مثبت ہے، پس وہ لو کے داخل ہونے کے بعد منفی ہو جائے گا تو اب اس کی کوشش ادنى معيشة کے لیے نہ ہوگی۔ تو وہ قليل من المال کا طالب بھی نہیں ہوگا اور جب لم اطلب قليل من المال معطوف ہونے کی وجہ سے لو کے جواب کے حکم میں ہے۔ تو وہ مثبت ہو جائے گا۔ تو اب وہ قلیل من المال کا طالب بھی ہو جائے گا اور یہی اجتماع نقیضین ہے، اس لیے کہ ایک طرف تو وہ تھوڑے مال کا طالب نہیں اس کا ساعی نہ ہونے کی وجہ سے اور دوسری طرف اس کا خواستگار بھی ہے۔ اور اجتماع نقیضین محال ہے پس معلوم ہوا کہ شعر باب تنازع سے ہے ہی نہیں بلکہ الم

اطلب کا مفعول الملك والمجد ہے جو محذوف ہے اور جس پر اگلا شعر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے
ولكنما اسعى لمجد مؤثل وقد يدرك لك المجد المؤثل امثالي.

مفعولُ مالم يُسمَّ فاعلُه كلُ مفعول حذف فاعلُه وَاُقِيمَ هو مقامَه وشرطُه اَن تُغيَّر صيغةُ الفِعل الى فُعِلَ او يُفْعَلُ .

ترجمه:۔ مفعول مالم یسمّ فاعلہٗ ایسا فاعل ہے جس کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہو۔ اور مفعول کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہو، اور اس کی شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فُعِلَ یا یُفْعَلُ کی طرف بدل جائے۔

توضیح:۔ یہاں سے مصنف مرفوعات کی دوسری قسم نائب فاعل کو بیان کرر ہے ہیں۔ نائب فاعل کی تعریف سننے سے پہلے چند باتیں سن لیجیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ لم یسم فاعله لم یذکر فاعله کے معنی میں ہے۔ دوسری بات فاعل کی مفعول کی طرف اضافت ادنی تعلق کی وجہ سے ہے۔ تیسری بات مفعول کے فاعل کے قائم مقام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب فعل کی اسناد بجائے فاعل کے مفعول کی طرف ہوگی اور آخری بات یہ ہے کہ یہاں فاعل سے مراد فاعل نحوی ہے فاعل حقیقی نہیں ہے۔

اب سنیے تعریف۔ نائب فاعل ایسے مفعول کو کہتے ہیں جس کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہو۔ فاعل کے حذف اور مفعول کے اس کے قائم مقام ہونے کی شرط یہ ہے کہ صیغۂ معروف صیغۂ مجہول سے بدل جائے خواہ وہ کسی بھی باب سے ہو اور کوئی بھی فعل ہو یہ تفصیل اس وقت ہے جب نائب فاعل کا عامل فعل ہو اور جب اس کا فاعل شبہ فعل ہو تو اس کی شرط صیغۂ اسم فاعل کا اسم مفعول ہو جانا ہے۔ فاضل مصنف کی فَعَلَ سے فُعِلَ اور یُفْعَلُ سے بدل جانے کا یہی مطلب ہے کہ فُعِلَ سے مراد ماضی مجہول اور یُفْعَلُ سے مراد مضارع مجہول ہے۔

اب ایک فائدہ اور سمجھ لیجیے کہ مصنف نے فُعِلَ اور یُفْعَلُ کا انتخاب اس لیے کیا کہ نائب فاعل کے معنی انوکھے کے ہیں، تو اس کے لیے انوکھے وزن کا بھی انتخاب کیا، تاکہ لفظ کا انوکھا پن معنی کے انوکھے پن پر دلالت کرے۔

ولا يقعُ المفعولُ الثانى من باب عَلِمْتُ والثَّالثُ من بَابِ اعلمتُ والمفعولُ له والمفعولُ معه كذالك .

ترجمه:۔ اور نہیں واقع ہوتا ہے باب علمت کا دوسرا اور باب اعلمت کا تیسرا مفعول نائب فاعل اور مفعول لہ اور مفعول معہ بھی نائب فاعل نہیں ہوسکتا۔

توضیح:۔ یہاں سے مصنف ان مفاعیل کو بتار ہے ہیں جو نائب فاعل نہیں بن سکتے، چنانچہ

فرماتے ہیں کہ باب علمت کا دوسرا مفعول اور باب اعلمت کا تیسرا مفعول نائب فاعل نہیں ہوسکتا۔ باب علمت کا دوسرا مفعول نائب فاعل اس لیے نہیں ہوسکتا کہ اس کا مفعول ثانی اس کے مفعول اول کی طرف ہمیشہ اسناد تام کے ساتھ مسند ہوتا ہے، کیوں کہ یہ دونوں اصل میں مبتدا اور خبر ہیں، پس اگر دوسرا مفعول فاعل کی جگہ میں واقع ہوجائے یعنی نائب فاعل بن جائے تو اس کا ایک ہی حالت میں مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا، جو کہ درست نہیں اسی طرح باب اعلمت کا تیسرا مفعول نائب فاعل نہیں ہوسکتا اس کے نائب فاعل نہ ہونے کی دلیل بعینہٖ وہی ہے جو باب علمت کے دوسرے مفعول کی ہے۔ نیز مفعول لہ اور اور مفعول معہٗ بھی نائب فاعل نہیں بن سکتے۔ یاد رہے کہ مفعول لہ سے مراد وہ مفعول لہ ہے جو بغیر لام کے ہو۔ مفعول لہ اس لیے نائب فاعل نہیں بن سکتا کہ اس کا نصب اس کے مفعول کی خبر دیتا ہے تو اگر نائب فاعل بنا دیا جائے تو نصب ختم ہوجائے گا جو کہ مفعول لہ ہونے کی علامت ہے۔ اور مفعول معہ تو اس لیے نائب فاعل نہیں بن سکتا ہے کہ مفعول معہٗ یا تو واؤ کے ساتھ نائب فاعل بنائیں گے یا بغیر واؤ کے۔ واؤ کے ساتھ تو نائب فاعل نہیں بنا سکتے، اس لیے کہ واؤ انفصال کی دلیل ہوتا ہے جب کہ فاعل فعل کے جزء کے درجہ میں ہوتا ہے اور اگر بغیر واؤ کے فاعل کا قائم مقام بنایا جائے تو ایسی صورت میں اس کا مفعول معہ ہونا معلوم نہیں ہوگا اور اس کی حقیقت تبدیل ہوجائے گی۔

واذا وُجدَ المفعولُ به تعيَّنَ لَه تَقُولُ ضُرِبَ زَيْدٌ يوم الجُمعَة امامَ الاَمير ضربًا شَديداً في دارِهٖ فَتعَيَّنَ زَيْدٌ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فَالْجَمِيْعُ سَوَآءٌ والأوّلُ من بابِ اَعطيتُ اولى من الثاني.

ترجمہ:- اور جب مفعول بہ پایا جائے تو فاعل کے قائم مقام ہونے کے لیے متعین ہے تم کہو ضُرب زید یوم الجمعہ امام الامیر ضربا شدیدا فی دارہ پس زید متعین ہوگیا پس اگر نہ ہو مفعول بہ تو سب برابر ہیں۔ اور اعطیت کا پہلا مفعول زیادہ بہتر ہے دوسرے کے مقابلہ میں۔

توضیح:- یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ جب مفعول بہ کلام میں ان مفاعیل کے ساتھ پایا جائے جو نائب فاعل ہو سکتے ہیں تو مفعول بہ کا نائب فاعل ہونا متعین ہے، کیوں کہ تمام کے مقابلہ مفعول بہ فاعل کے زیادہ مشابہ ہے، اس بات میں کہ فعل سمجھنا دونوں پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ ضرب مثال کے طور پر جیسے اس کا سمجھنا ضارب کے بغیر ممکن نہیں ٹھیک اسی طرح مضروب کے بغیر بھی اس کا سمجھنا ممکن ہے۔ مصنف نے اس ضابطہ مذکورہ کی مثال ضرب زید یوم الجمعة امام الامیر ضربا شدیداً فی دارہ. سے دی ہے اس میں زید مفعول بہ ہے جس کو نائب فاعل بنایا گیا ہے۔

اور اگر کلام میں مفعول بہ کے علاوہ دیگر ایسے مفاعیل ہوں، جو فاعل کے قائم مقام ہو سکتے ہیں تو پھر

نائب فاعل ہونے میں سب برابر ہیں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں ہے۔

وَالْاَوَّلُ من بَابِ اعطيتُ اَولٰى منَ الثانى: اور باب اعطيت کا مفعول اول نائب فاعل ہونے کے بارے میں باب اعطیت کے دوسرے مفعول سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ مفعول اول میں فاعلیت کے معنی بلحاظ دوسرے کے زیادہ ہیں۔ باب اعطیت سے مراد ہر ایسا فعل ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو اور ان میں کا پہلا دوسرے کا غیر ہو۔

وَمِنهَا المبتدأ والخبرُ. فَالْمُبْتَدأ هُو الاسْمُ المجردُ عَن العَوامل اللفظيةِ مسندًا اليه او الصفة الواقعةُ بعد حرف النفى او الف الاستفهام رافعةً لظاهرٍ مثل زيدٌ قائمٌ وما قائم الزيدان واقائم الزيدان فان طابقت مفرداً جَازَ الامران .

ترجمه:- اور مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر ہیں، پس مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو درانحالیکہ وہ مسند الیہ ہو یا مبتدا وہ صفت کا صیغہ ہے جو حرف نفی یا ہمزۂ استفہام کے بعد واقع ہو درانحالیکہ وہ صیغۂ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو جیسے زيد قائم اور ماقائم ن الزيدان و اقائم ن الزيدان پس اگر وہ صیغۂ صفت مطابق ہو مفرد کے تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں۔

توضيح:- مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر بھی ہیں۔ مبتدا اور خبر کو مرفوعات کی الگ الگ قسم ہونے کے باوجود ایک ہی فصل میں اس لیے بیان کیا کہ دونوں کا عامل معنوی ہوتا ہے، نیز ان میں آپس میں تلازم پایا جاتا ہے، لیکن تعریف دونوں کی جداگانہ بیان کیا۔ اس لیے کہ ماہیت میں دونوں مختلف ہیں۔

فالمبتدا: سے مصنف مبتدا کی تعریف بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو درانحالیکہ وہ مسند الیہ ہو۔ دھیان رہے کہ اسم عام ہے خواہ اسم صریحی ہو یا تأویلی۔ صریحی کی مثال جیسے زيد قائم اور تأویلی کی مثال جیسے ان تصوموا خير لكم. واضح ہو یہ مبتدا کی پہلی قسم کی تعریف ہے۔

فائده:- مبتدا کی تعریف میں المجرد لم يوجد کے معنی میں ہے اور عامل لفظی سے مراد وہ عامل لفظی ہے جس کے لیے معنی تاثیر ہو۔

او الصفة الواقعة: یہاں سے مصنف مبتدا کی دوسری قسم کی تعریف بیان کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نیز مبتدا وہ صیغۂ صفت بھی ہے جو حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہو درانحالیکہ وہ صیغۂ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو۔ جیسے ما قائم الزيدان اور اقائم الزيدان صفت سے مراد عام ہے خواہ حقیقتاً صفت ہو یا قائم مقام صفت کے ہو۔ جیسے اقريشى زيد اسی طرح اسم ظاہر بھی عام ہے خواہ حقیقتاً اسم ظاہر ہو یا حکماً اسم ظاہر ہو پہلے کی مثال اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ دوسرے کی مثال جیسے اراغب انت عن الهتى.

فان طابقت مفردًا: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ وہ صیغۂ صفت جو حرف نفی یا استفہام کے بعد واقع ہوتا ہے اسم ظاہر کے مفرد ہونے میں مطابق ہو جیسے اقائم زید اور ما قائم زید تو اس میں دو احتمال درست ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ صفت مسند بہ ہو اور اس کا مابعد فاعل قائم مقام خبر ہو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت خبر مقدم ہو اور مابعد یعنی اسم ظاہر مبتدا مؤخر۔ اور اگر وہ صفت موافق ہو اسم ظاہر کے تثنیہ اور جمع ہونے میں جیسے اقائمان الزیدان اور ما قائمان الزیدان. اقائمون الزیدون اور ما قائمون الزیدون. تو ان صورتوں میں صرف ایک احتمال ہے صفت کا خبر مقدم ہونا اور اسم ظاہر کا مبتدا مؤخر ہونا۔

والخبر هو المجرد المسند به المغائر للصفة المذكورة .

ترجمہ:- اور خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے جو مسند بہ ہو اور جو صفت مذکورہ کے خلاف ہو۔

توضیح:- مسند بہ سے احتراز ہو گیا مبتدا کی پہلی قسم سے اور المغائر للصفة المذكورة کے ذریعہ احترام ہو گیا مبتدا کی دوسری قسم سے۔ یہاں سے مصنف خبر کی تعریف بیان کر رہے ہیں، کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو مسند بہ ہو یعنی مسند الیہ نہ ہو جو اس صفت کے خلاف ہو جو کہ ہمزہ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہوتی ہے۔

سوال: مسند اسناد سے مشتق ہے اور اسناد براہ راست متعدی ہوتا ہے، لہٰذا مسند کو با کے ساتھ متعدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؟

جواب: مسند کا باء کے ساتھ متعدی ہونا اس لیے ہے کہ مسند وقوع کے معنیٰ کو شامل ہے اور چوں کہ وقوع باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، لہٰذا مسند جو وقوع کے معنیٰ کو شامل ہے وہ بھی باء کے ساتھ متعدی ہوگا۔

سوال: مبتدا خبر میں عامل ہے اور خبر مبتدا میں عامل ہے پس یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ مبتدا اور خبر ایسے اسم ہیں جو عامل لفظی سے خالی ہوتے ہیں۔

جواب: اس سلسلے میں تین مذہب ہیں۔ ١ مبتدا خبر میں عامل ہے اور خبر مبتدا میں۔ ٢ مبتدا میں عامل معنوی ہے اور خبر میں عامل مبتدا ہے۔ ٣ مبتدا اور خبر دونوں میں عامل معنوی ہوتا ہے مصنف کے نزدیک یہی تیسرا مذہب مختار ہے۔

واصلُ المبتدأ التقديمُ ومن ثم جاز في داره زيدٌ وامتنع صاحبُها في الدّار .

ترجمہ:- اور مبتدا کی اصل مقدم ہونا ہے اور اسی وجہ سے جائز ہے في داره زيد کی ترکیب اور ناجائز ہے صاحبها في الدار کی ترکیب۔

توضيح:- سب سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ اصل راجح کے معنی میں ہے۔قاعدہ کلیہ کے مفہوم میں نہیں ہے پس مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب مبتدا کے خبر پر مقدم ہونے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتو مبتدا کا خبر پر مقدم ہونا اولیٰ ہے اس لیے کہ مبتدا ذات ہے اور خبر حال ہے اور ذات احوال پر مقدم ہی ہوتی ہے۔

سوال: اس دلیل سے تو پتہ چلتا ہے کہ فاعل بھی فعل پر مقدم ہوا کرے، کیوں کہ فعل فاعل کے احوال میں سے ایک حال ہے، حالاں کہ فعل مقدم ہوتا ہے اور فاعل مؤخر۔

جواب: جی ہاں فعل فاعل کے احوال میں سے ایک ہے، لیکن اس کے باوجود فاعل کی فعل سے تاخیر اشتباہ کے عارض ہونے کی وجہ سے واجب ہوتی، کیوں کہ اگر فاعل فعل پر مقدم کر دیا جائے تو مبتدأ کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔ بہر حال جب اصل مبتدا میں مقدم ہونا ہے تو **فی دارہ زید** کی ترکیب درست ہے، اس لیے کہ زید رتبۃً مقدم ہے بس اضمار قبل الذکر رتبۃً لازم نہیں آئے گا، بلکہ صرف لفظاً لازم آئے گا جو کہ منع نہیں ہے اور **صاحبها فی الدار** کی ترکیب ناجائز ہے، اس لیے کہ **صاحبها** مبتدا ہونے کی وجہ سے لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح مقدم ہے پس یہاں اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً دونوں لازم آتا ہے، اس لیے کہ ضمیر مؤنث کا مرجع دار ہے جو کہ خبر ہونے کی وجہ سے لفظاً اور رتبۃً ہر طرح مؤخر ہے۔

وقَدْ يكونَ المُبتدأُ نكرةً اِذَا تَخصَّصت بِوجهٍ ما مثل ولعبدٌ مومن خيرٌ مِن مشركٍ وَارجلٌ فى الدار اَم امرأةٌ وما احدٌ خيرٌ مِنْكَ وَشرٌ اَهرَّ ذَا نَابٍ وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ وَسَلَامٌ عَليك.

ترجمه:- اور کبھی مبتدا نکرہ ہوتا ہے جب وہ خاص ہو جائے کسی وجہ سے جیسے **ولعبد مؤمن خير من مشرك** اور **ارجل فى الدار ام امرأة** اور **وما احد خير منك** اور **شر اهر ذا ناب** اور **فى الدار رجل** اور **سلام عليك**۔

توضيح:- یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مبتدأ میں اصل معرفہ ہونا ہے، کیوں کہ مبتدا محکوم علیہ ہوتا ہے اور حکم امر متعین پر لگایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی معرفہ میں ہی ہوتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی نکرہ بھی مبتدا بن جاتا ہے بشرطیکہ اسے وجوہ تخصیص میں سے کسی وجہ کے ساتھ خاص کر لیا جائے جیسے **ولعبد مؤمن خير من مشرك** میں **عبد** نکرہ مبتدا ہے جو کہ **مؤمن** صفت کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے اور جیسے **ارجل فى الدار ام امرأة** میں تخصیص ہے متکلم کے علم کے اعتبار سے کیوں کہ متکلم اس کلام کے ذریعہ **رجل** اور **امرأة** میں سے کسی ایک کے گھر میں ہونے کے بارے میں لا

علی التعیین جانتا ہے، پس وہ مخاطب سے ان کی تعیین کے بارے میں سوال کرتا ہے۔اور جیسے و ما احد خیر منك اس میں تخصیص ہے عموم نفی کے اعتبار سے پس احد نکرہ مبتدا ہے جو تحت النفی واقع ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے اور عام من احیث العام متعین اور متشخص ہوتا ہے، کیوں کہ تمام افراد کا مجموعہ امر واحد ہوتا ہے جو کہ خاص ہے، پس مبتدا واقع ہونا درست ہے۔

سوال: تخصیص اور تعمیم میں تضاد ہے پس کیسے تخصیص تعمیم سے حاصل ہوگی؟

جواب: تخصیص کے دو معنی ہیں۔ تخصیص بمعنی قطع شرکت اور دوسرے تخصیص بمعنی رفع ابہام اور مراد یہاں تخصیص سے دوسرے معنی ہیں جو تعمیم کے منافی نہیں۔

سوال: یہ قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول تمرة خیر من جرادة سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ نکرہ اس میں مثبت واقع ہونے کے باوجود مبتدا واقع ہے۔

جواب: نکرہ سے مراد مطلق نکرہ نہیں ہے بلکہ وہ نکرہ ہے جس سے عموم کا ارادہ کیا جائے خواہ نکرہ تحت النفی ہو جیسے متن کی مثال میں ہے اور خواہ نکرۂ مثبت ہو جیسے کہ اس مثال میں ہے۔اور جیسے شر اهر ذا ناب اس میں دو اعتبار سے تخصیص ہے۔ایک تو صفت مقدرہ کے اعتبار سے بایں طور کہ شرٌ کی تنوین تعظیم کے لیے ہے پس صفت مقدرہ عَظِیمٌ ہوگی یعنی تقدیر عبارت شر عظیم ہوگی اور دوسری تخصیص شر کے فاعل کے معنی میں ہونے کے اعتبار سے بایں طور کہ شرٌّ مبتدا نکرہ ہے جو مخصوص ہو گیا ہے اس چیز کے ساتھ کہ جس کے ساتھ فاعل اپنے مذکور ہونے سے پہلے مخصوص ہوتا ہے یعنی فعل اس لیے کہ جب آپ نے ضرب کہا تو یہ بات طے ہوگئی کہ جو کچھ اس کے بعد مذکور ہوگا اس میں اس پر ضرب کا حکم لگائے جانے کی صلاحیت ہوگی، پس جب آپ نے رجل کہا تو رجل رجل صالح بصحة الحکم علیه بالضرب کے حکم میں ہو گیا اور اور فاعل ضرب کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔پس شر اهر ذا ناب میں اسی قسم کی تخصیص پائی جاتی ہے، اس لیے کہ شر اهر ذا ناب کے معنی وہی ہیں جو ما اهر ذا ناب الاشر کے ہیں اور اس میں تخصیص ہے، لہٰذا اس میں بھی تخصیص ہوگی البتہ تخصیص کی نوعیت میں فرق ہے کہ ما اهر ذا ناب الاشر میں تخصیص ما اور الا کی وجہ سے ہے اور شر اهر ذا ناب میں تقدیم ما حقه التاخیر یقید الحصر و التخصیص کے قاعدہ کے اعتبار سے ہے۔اس قاعدہ کے اعتبار سے تخصیص اس لیے ہے کہ شر اهر ذا ناب اصل میں اهر ذاناب شر ہے پس اهر فعل ماضی معروف ہے اور ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے جو مبدل منہ ہے اور شر اس سے بدل ہے اور بدل مبدل منہ کے حکم میں ہوتا ہے اور مبدل منہ میں تخصیص فعل کے اسناد کی وجہ سے ہے تو بدل میں بھی تخصیص مذکورہ اسناد کی وجہ سے ہوگی پھر شر کو اهر ذا ناب پر حصر کے فائدہ کی غرض سے مقدم کر دیا، کیوں کہ ضابطہ ہے تقدیم ما حقه التاخیر یقید الحصر

و التخصیص. پس شر کا تخصیص میں فاعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبتدا واقع ہونا درست ہے۔

اور فی الدار رجل میں تخصیص خبر کے مبتدا پر مقدم ہو جانے کی وجہ سے ہے پس رجل نکرہ مبتدا ہے جس کے اوپر خبر جو کہ ظرف ہے مقدم ہے، لہٰذا اس کا مبتدا بننا درست ہے، کیوں کہ جب فی الدار بولا گیا تو کلیئر ہو گیا کہ جو چیز اس کے بعد مذکور ہوگی تو اس کا گھر میں ہونے کی وجہ سے محکوم علیہ ہونا درست ہے، پس جب رجل کہا گیا تو ان کے قول رجل صالح لصحة الحکم علیه فی داره کے حکم میں ہوگا۔

اور جیسے سلام علیك اس میں تخصیص ہے متکلم کے اپنی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے پس سلام نکرہ مبتدا ہے جو متکلم کی طرف نسبت کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی اصل سلمتُ سلاماً علیك ہے پس سلاماً مصدر تاکید کے لیے ہے۔ اور مؤکد فی الواقع شی واحد ہے جو متکلم کی طرف نسبت کی وجہ خاص ہے تو اس طرح مؤکِد بھی خاص ہو گیا۔ پھر جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف دوام اور استمرار پر دلالت کرنے کے لیے عدول کیا گیا۔ پس فعل کو حذف کر دیا گیا۔ اور مبتدا کی صفت کے لیے نصب کو رفع سے بدل دیا گیا پس سلام علیك ہو گیا۔

والخَبر قد یَکونُ جملةً مثل زیدٌ ابوه قائمٌ وزَیْدٌ ابُوه فلا بُدَّ من عائدٍ وقد یحذف وما وقع ظرفًا فالاکثرُ علی أنّه مقدرٌ بجُمْلَةٍ.

ترجمہ:- اور خبر کبھی جملہ ہوتی ہے جیسے زید ابوه قائم اور زید قام ابوه پس ضروری ہے ایک عائد کا ہونا اور کبھی کبھی عائد کو حذف کر دیا جاتا ہے اور وہ خبر جو بطور ظرف کے واقع ہو تو اکثر لوگ اس بات پر ہیں کہ وہ جملے کے ساتھ مقدر ہوتی ہے۔

توضیح:- والخبر قد یکون جملة. یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو، لہٰذا مناسب ہے کہ جملہ خبر نہ واقع ہو تو مصنف نے اپنے قول والخبر قد یکون جملةً سے جواب دیا کہ ایسا ضروری نہیں بلکہ خبر جس طرح مفرد ہوتی ہے جملہ بھی ہو سکتی ہے جیسے زیدٌ ابوه قائمٌ اور زَیدٌ قامَ ابوه جملہ عام ہے، خواہ کوئی بھی جملہ ہو سوائے انشائیہ کے اس لیے کہ انشاء بلا تاویل خبر نہیں بن سکتا۔ بہر حال جب خبر جملہ ہو تو ایک عائد کا ہونا ضروری ہے، کیوں کہ جملہ مستقل بنفسہ ہوتا ہے، لہٰذا اس میں ربط کا ہونا ضروری ہے اور ربط سوائے عائد کے کچھ نہیں ہوتا اور عائد کبھی ضمیر ہوتا ہے۔ جیسے کہ مثال مذکور میں ہے اور کبھی الف لام ہوتا ہے جیسے نعم الرجل زید اور کبھی وضع المظهر موضع الضمیر ہوتا ہے جیسے الحَاقّةُ ما الحاقّةُ اور کبھی خبر کا مبتدا کی تفسیر ہونا ہے جیسے قل هو الله احد.

وقد یحذف العائد: یہ عبارت بھی سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال ہے کہ مذکورہ بالا قاعدہ البر الکربستین درهما جیسے سے ٹوٹ گیا۔ کہ خبر جملہ بلا عائد کے ہے تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا

کہ البر الکر بستین درھما وغیرہ میں جملہ خبر بلا عائد کے نہیں ہے بلکہ قرینہ کی وجہ سے ضمیر محذوف ہے
پس معلوم ہوا کہ جب عائد کے حذف پر کسی قسم کا کوئی قرینہ ہو تو عائد کو جوازاً حذف کیا جا سکتا ہے، چنانچہ
قرینہ یہاں پر یہ ہے کہ گھی اور گندم کا فروخت کرنے والا انہیں چیزوں کا بھاؤ بتائے گا دوسری چیزوں کا نہیں
پس اصل عبارت البر الکر منہ بستین درھما اور السمن منوان منہ بدرھم ہے۔

وما وقع ظرفا: یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ جب ظرف خبر واقع ہو تو اکثر لوگوں
کے نزدیک ظرف جملہ کی تاویل میں ہوگا، یعنی جار مجرور جملہ یعنی فعل کے متعلق ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ
ظرف کا متعلق ظرف میں عامل ہوگا اور عمل میں اصل فعل ہے، کیوں کہ فعل عمل کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے
پس جب تقدیر واجب ہو رہی ہے تو اصل اولیٰ بالتقدیر ہے یہ بصریوں کی رائے ہے جو منصف کا مختار ہے اور
کوفی حضرات ظرف کو شبہ فعل یعنی اسم فاعل کے متعلق کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف محلِ خبر میں
ہے اور خبر میں اصل مفرد ہوتا ہے اور مفرد کی رعایت تبھی ہوگی جب ظرف کو شبہ فعل کے متعلق کیا جائے۔

وَاِذَا كَانَ الْمُبتدأُ مُشتملاً علي مَا لَهُ صَدرُ الكلَامِ مثل مَنْ ابوكَ او كَانَ مَعرفتين اَو متساوِيَين نحو افضَلُ منكَ اَفضَلُ مِنّي اَو كان الخبر فِعلا له مثل زيدٌ قَامَ وَجَبَ تقديمه.

ترجمہ:- اور جب مبتدا مشتمل ہو اس چیز پر جس کے لیے صدارت کلام ہے جیسے من ابوك یا
دونوں کے دونوں معرفہ ہوں یا دونوں برابر ہوں۔ جیسے افضل منك افضل منی یا خبر فعل ہو جیسے زید
قام تو مبتدا کی تقدیم واجب ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ان مقامات کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ جہاں پر مبتدا کی خبر پر
تقدیم واجب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب مبتدا اس اسم پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو مبتدا کا
خبر پر مقدم کرنا واجب ہے، تا کہ اس کی صدرات کلام نہ فوت ہو جائے جیسے من ابوك.

سوال: من ابوك میں من نکرہ ہے پس اس کا مبتدا ہونا کیسے درست ہوگا؟

جواب: من اگرچہ صورۃً نکرہ ہے، لیکن وہ معنیً معرفہ ہے، اس لیے کہ وہ ھذا ابوك ام ذاك کی
تاویل میں ہے، دوسری جگہ جہاں مبتدا کی تقدیم واجب ہوتی ہے یہ ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور
ان میں سے کسی ایک کے مبتدا اور دوسرے کے خبر ہونے پر کوئی قرینہ بھی نہ ہو یا مبتدا اور خبر دونوں اصل
تخصیص میں برابر ہوں تو مبتدا کی تقدیم واجب ہوگی۔ اس لیے تا کہ مبتدا اور خبر میں اشتباہ پیدا نہ ہو جیسے
اللّٰہ الٰھنا افضل منك افضل منی غلام رجل صالح خیر منك. تیسری جگہ جہاں مبتدا کی تقدیم
واجب ہے یہ ہے کہ خبر فعل ہو تو مبتدا کا خبر پر مقدم کرنا واجب ہے، تا کہ مبتدا کا فاعل کے ساتھ اشتباہ پیدا نہ ہو
جیسے زید قام.

سوال: آپ نے جو یہ کہا کہ خبر کے فعل ہونے کی صورت میں مبتدا کی تقدیم فاعل کے ساتھ اشتباہ سے بچنے کے لیے ضروری ہے تو یہ فعل کے مفرد ہونے کی حد تک تو درست ہے لیکن جب فعل تثنیہ یا جمع ہو۔ جیسے الزیدان قاما اور الزیدون قاموا تو آپ کی بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی، اس لیے کہ اس صورت میں مبتدا کا فاعل کے ساتھ اشتباہ نہ ہوگا۔

جواب: فائل کے ساتھ صورت مذکورہ میں بھلے اشتباہ نہ ہو، لیکن اس کے بدل کے ساتھ تو اشتباہ لازماً رہے گا، نیز وہ شخص جن کے نزدیک الف اور واؤ کا فاعل کے تثنیہ اور جمع ہونے پر دلالت کرنے والا حرف ہونا درست ہے کے نزدیک عین فاعل کے ساتھ اشتباہ ہوگا۔ اس لیے مبتدا کی تقدیم ان صورتوں میں واجب ہی ہوگی۔

وَاِذَا تَضَمَّنَ الخَبرُ مَا لَهُ صَدْرُ الكَلَامِ مِثل اينَ زيدٌ اَو كَانَ مُصَحِّحًا له مثلُ فِي الدَّارِ رجلٌ او كَانَ لِمُتَعلّقِه ضَميرٌ فى الْمُبتداء مثل على التمرةِ مثلُها زبدًا او كان الخبرُ خبر ان نحو عندِىْ اَنكَ قائمٌ وجب تقديمُهٗ.

ترجمہ:- اور جب خبر مفرد اس چیز کو متضمن ہو جس کے لیے صدارت کلام ہے جیسے این زید یا خبر صحیح کرنے والی ہو مبتدا کو جیسے فی الدار رجل یا خبر کے متعلق کے لیے مبتدا میں کوئی ضمیر ہو جیسے التمرة مثلها زیدًا خبراَن کی خبر ہو جیسے عندی انك قائم تو خبر کی تقدیم مبتدا پر واجب ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف خبر کے تقدیم کے مواقع کو بیان کررہے ہیں، چنانچہ جب خبر مفرد وہ اسم ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو خبر کا مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسے این زید پس این خبر ہے جو استفہام کے معنی کو شامل ہے اور استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لیے این خبر کو مقدم کر دیا، تاکہ صدارتِ کلام نہ باطل ہو۔

یاد رکھئے کہ خبر مفرد سے مراد وہ خبر ہے جو صورتاً مفرد ہو بھلے معنیً جملہ ہو۔ دوسری جگہ یہ ہے خبر اپنی تقدیم کے ذریعہ مبتدا کے مبتدا ہونے کی صحیح کرنے والی ہو جیسے فی الدار رجل خبر کی تقدیم اس لیے واجب ہے، تاکہ مبتدا کا نکرہ ہونا لازم نہ آئے، کیوں کہ خبر کی تقدیم کی وجہ سے مبتدا میں تخصیص پیدا ہوگئی۔ مشہور ضابطہ ہے تقدیم ما حقه التاخیر یقید الحصر والتخصیص. تیسری جگہ ہے کہ جب خبر کے متعلق (بشرطیکہ خبر کا متعلق خبر کا ایسا تابع ہو کہ اس کی تبعیت کے ساتھ وہ خبر پر مقدم نہ ہوسکتا ہو) کے لیے مبتدا میں کوئی ضمیر ہو۔ جیسے علی التمرة مثلها زیداً تو خبر کی تقدیم واجب ہے پس مثلها مبتدا ہے اور ها ضمیر کا مرجع التمرة ہے جو کہ علی التمرة خبر کا مبتدا مثلها زیداً پر مقدم کرنا واجب ہے، تاکہ اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً لازم نہ آئے۔ چوتھی جگہ جب خبر اَنَّ کی خبر واقع ہو یعنی اَنَّ اپنے اسم وخبر کے ساتھ مفرد کی تاویل

میں ہو کر مبتدا ہو تو ایسے مبتدا کی خبر اس مبتدا پر مقدم ہوگی، تا کہ انَّ مفتوحہ اور اِنَّ مکسورۃ کے درمیان تلفظ میں بھول کے امکان کی وجہ سے اشتباہ پیدا نہ ہو۔

وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الخبرُ مثل زَيْدٌ عَالِمٌ عَاقِلٌ .

ترجمہ:- اور کبھی خبر متعدد ہوتی ہے جیسے زید عالم عاقل.

توضیح:- سب سے پہلے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خبر جس طرح ایک ہوتی ہے اسی طرح متعدد ہوتی ہے۔اب تعدد کبھی لفظ و معنی دونوں اعتبار سے ہوگا۔یا صرف لفظ کے اعتبار سے ہوگا پہلے کی مثال زید عالم عاقل فاضل۔دوسری کی مثال ہذا حلو حامض کیوں کہ حلو اور حامض سے مقصود اس کیفیت متوسط کا ثابت کرنا ہے جو میٹھے اور کھٹے کے درمیان ہے۔اور وہ ہے مُزٌّ یعنی کھٹ مٹھا ہونا پس تقدیر ہوگی هذا مُزٌّ البتہ پہلی صورت میں بہتر عاطف کا لانا ہے، عطف کے ترک کے جواز کے ساتھ۔عاطف کو لفظ اور معنی میں تعدد کی وجہ سے لایا جائے گا جب کہ عاطف کا ترک خبروں کے بحسب المصداق متحد ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اور دوسری قسم میں بہتر اس کے برعکس ہے یعنی ترک عاطف اولیٰ ہے خبروں کے متحد ہونے کی وجہ سے معنی میں اور عاطف کا جواز بھی ہے اس لیے کہ خبریں لفظ میں متغائر ہیں، البتہ ایک سوال ہے کہ جب تعدد بحسب اللفظ والمعنی دو قسموں پر ہے ایک عاطف کا لانا دوسرے اس کا ترک تو مصنف نے دوسری قسم کی ہی مثال کو کیوں ذکر کیا۔تو جواب یہ ہے کہ تعدد بالعاطف میں کوئی خفا نہیں ہے خواہ مبتدا ہو خواہ خبر۔اور تعدد بغیر عاطف میں خفا تھا کہ مبتدا کا تعدد بلا عاطف کے تو بالکل درست نہیں تو وہم ہوا کہ خبر کا تعدد بھی بلا عطف درست نہ ہوگا تو مصنف نے تعدد فی الخبر کی مثال لا کر وہم کو دور کر دیا کہ خبر کا تعدد بلا عاطف کے درست ہے۔

وَقَدْ يتضمّنُ المُبتدأ معنى الشرطِ فيصحّ دُخُول الفاء فى الخبر وذٰلك الإسمُ الموصولُ بفعلٍ او ظرفٍ او النكرةُ الموصوفةُ بهما مثل الذى ياتينى او فى الدّار فلهٗ درهم وكلُّ رجلٍ ياتينى او فى الدار فله درهمٌ وليتَ ولعل مانعان بالاتفاق والَحق بعضهم اِنَّ بهما.

ترجمہ:- اور مبتدا کبھی کبھی شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے۔پس صحیح ہوتا ہے فا کا داخل ہونا خبر میں اور وہ اسم موصول ہے جو فعل کے ساتھ یا ظرف کے ساتھ ہو یا وہ نکرہ ہے جو ان دونوں کے ساتھ موصوف ہو جیسے الذی یاتینی فی الدار فله درهم و کل رجل یاتینی او فی الدار فله درهم اور لیت لعل بالاتفاق مانع ہیں اور بعض لوگوں نے لاحق کیا ہے انَّ کو ان دونوں کے ساتھ۔

توضیح:- کبھی مبتدا شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے یعنی مبتدا خبر کے حصول کے لیے یا خبر پر حکم کے لیے سبب ہوتا ہے۔جیسے وما بکم من نعمة الله فمن الله. پس یہاں اگر چہ اول ثانی کے حصول

کے لیے سبب نہیں ہے، البتہ وہ ثانی پر حکم کے لیے سبب ہے پس فا کا دخول خبر پر صحیح ہے۔ خیر! تو ہر ایسی صورت میں خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہے، اس لیے کہ جب مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو گیا تو وہ مبتدا شرط کے اور خبر جزاء کے مشابہ ہو گئی اور جزاء پر فا داخل ہوتی ہے پس ایسی خبر پر بھی داخل ہو گئی۔

اب سمجھئے کہ مبتدا شرط کے معنی کو تب شامل ہو گا جب مبتدا ایسا اسم موصول ہو کہ جس کا صلہ فعل یا ایسا ظرف ہو جس کی تاویل جملہ فعلیہ کے ساتھ ہوتی ہو۔ جیسے **الذی یاتینی فله درهم** اور **الذی فی الدار فله درهم** اسی طرح مبتدا ایسا موصوف ہو کہ جس کی صفت مذکورہ بالا اسم موصول ہو یعنی جس کا صلہ فعل یا ظرف ہو جیسے **ان الموت الذی تفرون منه فانه ملاقیکم** اس میں **الذی تفرون منه** موصول صلہ سے مل کر **الموت** کی صفت ہے (دھیان رہے یہ صورت متن میں مذکور نہیں ہے البتہ ملحوظ ہے)۔

او النکرة الموصوفة بهما: یا مبتدا ایسا نکرہ ہو کہ جس کی صفت فعل یا ظرف ہو جیسے **کل رجل یاتینی فله درهم** اور **کل رجل فی الدار فله درهم**. یا مبتدا وہ اسم ہو جو مذکورہ بالا نکرہ کی جانب مضاف ہو یعنی ایسے نکرہ کی طرف مضاف ہو کہ جس کی صفت فعل یا ظرف ہو۔ جیسے **کل غلام رجل یاتینی فله درهم** اور **کل غلام رجل فی الدار فله درهم**. (معلوم رہے کہ یہ آخری صورت بھی متن میں مذکور نہیں البتہ ملحوظ ہے۔) تو ان تمام صورتوں میں خبر پر فا آئے گی۔

اب سن لیجیے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں فعل یا ظرف کے کہیں صلہ اور کہیں صفت ہونے کی شرط اس لیے لگائی ہے، تاکہ مبتدا کی مشابہت فعل کے ساتھ طاقتور ہو جائے اس لیے کہ شرط فعل ہوا کرتی ہے۔

ولیت ولعل: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ضابطہ بیان کیا کہ جب مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہوتا ہے تو یہ قاعدہ **لیس الذی یاتینی فله درهم** اور **لعل الذی یأتینی فله درهم** سے ٹوٹ گیا۔ کیوں کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے باوجود اس کے اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا درست نہیں ہے تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو ضابطہ بیان کیا ہے وہ اپنی جگہ پر مسلم ہے رہی بات مذکورہ مثالوں میں فا کے دخول کے درست نہ ہونے کی تو اصل بات یہ ہے کہ فا کا خبر پر داخل ہونا مبتدا کے شرط اور خبر کے جزاء کے مشابہ ہونے کی وجہ سے صحیح ہوتا ہے اور **لیت** اور **لعل** اس مشابہت کو ختم کر دیتے ہیں، کیوں کہ **لیت** اور **لعل** کلام کو خبریت سے نکال کر انشائیت کی طرف لے آتے ہیں جب کہ شرط اور جزاء اخبار کے قبیل سے ہیں۔

اب ایک دوسرا سوال ہے جس کا تعلق بالاتفاق کی عبارت سے ہے اور وہ یہ ہے کہ باب کان اور باب علمت بھی فا کے خبر پر داخل ہونے کی راہ میں بالاتفاق رکاوٹ ہیں۔ پس مصنف نے لیت اور لعل کو ہی کیوں اتفاق کے ساتھ خاص کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لیت اور لعل کو بالاتفاق کے ساتھ خاص کرنا تمام حروف

مشبہ بالفعل کے مقابلہ میں ہے کہ ان میں ان دو کے سوا کوئی نہیں۔ یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ لیت اور لعل کے ماسوا کوئی اور فا کے خبر پر دخول کی راہ میں متفقہ طور پر روڑا نہیں، لہٰذا اگر باب کان وغیرہ رکاوٹ ہیں تو ہوا کریں ہم کون اس کے منکر ہیں۔

الحق بعضه: کچھ لوگوں نے اِنَّ مکسورہ کو لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے یعنی جس طرح لیت اور لعل فا کے خبر پر دخول کے بارے میں رکاوٹ ہیں، اسی طرح اِنّ مکسورہ بھی مانع ہے، کیوں کہ فا کا خبر پر دخول مبتدا کے شرط اور خبر کے جزا کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے اور اِنّ اس مشابہت کو ختم کر دیتا ہے، اس لیے کہ شرط اور جزاء متردد یات کے قبیل سے ہیں، جب کہ اِنّ بجائے تردد کے تحقیق اور یقین کے لیے ہوتا ہے اور ان دونوں میں منافات ہے۔

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں نے اَنّ مفتوحہ اور لٰکنّ کو بھی ان دونوں کے ساتھ لاحق کیا ہے پس مصنف نے اِنَّ مکسورہ کے الحاق کو ہی کیوں بیان کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اِنّ مکسورہ کا الحاق لیت اور لعل کے ساتھ سیبویہ کے نزدیک ہے تو مصنف نے سیبویہ کی بات پر اس کے عمدہ ہونے کی وجہ سے اعتماد کیا اور اسے بیان کیا اور اَنَّ مفتوحہ اور لٰکن کا الحاق لیت اور لعل کے ساتھ یہ سیبویہ کے علاوہ کا مسلک ہے پس مصنف نے ان کی بات پر اعتماد نہیں کیا، اس لیے بیان کرنے سے گریز کیا۔

ویسے قرآن کریم اور فصحاء کا کلام دونوں قولوں کے مخالف ہے بہر حال اِنَّ مکسورہ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد إنّ الذين كفروا وماتوا وهم كفار فلن تقبل توبتهم اس کے خلاف ہے۔ اور اَنَّ مفتوحہ تو اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واعلموا أنما غنمتم من شيئ فان لله خمسه اور لکنّ تو اس کے خلاف شاعر کا یہ شعر ہے فواللّه ما رفاتكم قاليا لكم ÷ لكن ما يقضي فسوف يكون نجدا.
میں نے آپ کو کسی دشمنی کی وجہ سے نہیں چھوڑا ہے پر نوشتۂ تقدیر تو ہو کر رہتا ہے۔

وَقد يُحذَف المبتدأ لقيام قرينة جوازًا كقول المستهلّ الهِلَالُ وَاللّهِ والخبر جوازًا مثل خرجت فكذا السبع.

ترجمه:- اور کبھی کبھی مبتدا کو قرینہ کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے چاند دیکھنے والے کا قول الهلال والله اور خبر کو جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے خرجت فاذا السبع.

توضیح:- یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ مبتداء کبھی کبھی قرینہ پائے جانے کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ قرینہ عام ہے خواہ لفظی ہو یا عقلی۔ نیز مبتدا کا حذف کبھی جوازاً اور کبھی وجوباً بھی ہوتا ہے، البتہ مصنف نے مبتدا کے جوازاً حذف کو بیان کیا ہے مبتدا کے وجوباً حذف کو اس کی قلت کی وجہ سے بیان نہیں کیا یعنی مبتدا کا وجوباً حذف بہت کم ہوتا ہے، مبتدا کا وجوباً حذف ہر ایسی جگہ پر ہوتا ہے کہ

جہاں پر صفت کو رفع لازمی کر دیا جائے، تا کہ وہ مدح اور ذم اور ترحم پر دلالت کرے جیسے الحمد للّٰہ اھل الحمد کہ اھل الحمد سے پہلے ہو مبتدا وجوبا محذوف ہے، مبتدا کے جوازاً حذف کی مثال چاند دینے والے کا قول الھلال و اللّٰہ ہے۔ پس یہاں مبتدا محذوف ہے تقدیر عبارت ہے ھذا اَلْھلالُ و اللّٰہ مبتدا کے حذف پر قرینہ چاند دیکھنے والے کی حالت ہے، کیوں کہ اس کا مقصود اولاً اسم اشارے سے شئ کو متعین کرنا ہے پھر اس شئ معین پر چاند ہونے کا حکم لگاتا ہے و اللّٰہ قسم کو اس لیے لے آئے ہیں کہ چاند دیکھنے والوں کی قسم کھانے کی عادت ہوتی ہے۔

والخبر جوازاً جس طریقے سے مبتدا کے حذف کی جوازاً اور وجوباً دو قسمیں ہیں اسی طرح خبر کے حذف کی بھی دو قسمیں ہیں جوازاً اور وجوباً تو خبر کے حذف پر صرف قرینہ پایا جاوے تو خبر کا حذف کرنا جائز ہوگا اور قرینہ کے ساتھ قائم مقام بھی پایا جائے تو حذف واجب ہوگا۔ جوازاً کی مثال خرجت فاذا السبع ہے اور واقف اس کی خبر محذوف ہے قرینہ اذا مفاجاتیہ ہے اس لیے کہ وہ عموماً جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوتا ہے اور سبع مفرد ہے پس معلوم ہوا کہ اس کی خبر محذوف ہے۔

وَوُجوبًا فیمَا التزِمَ فی موضعه غیره مثل لولاَ زیدٌ لکانَ کَذَا وَمِثْلُ ضَرْبِیْ قائماً وکُلُّ رجلٍ وضَیعَتُهٗ وَلَعَمْرُكَ لاَ فُعَلَنَّ کَذَا.

ترجمہ:- وجوباً حذف کیا جاتا ہے اس چیز میں کہ لازم کر دیا جائے اس کی جگہ میں اس کے علاوہ کو جیسے لولا زید لکان کذا اور جیسے ضربی زیداً قائما اور کل رجل ضیعتهٗ اور جیسے ولعمرك لافعلن کذا.

توضیح:- یہاں سے مصنف ان مقامات کی تفصیل بیان کر رہے ہیں جہاں خبر کا حذف واجب ہوتا ہے ایسی جگہیں چار ہیں۔ پہلی جگہ یہ ہے کہ مبتدا لولا کے بعد واقع ہو پھر اس کی خبر کو حذف کر دیا گیا ہو اور لولا کے جواب کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہو۔ جیسے لولا زید لکان کذا پس یہاں خبر کا حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے ہے، بہرحال قرینہ وہ لولا کا داخل ہونا ہے کیوں کہ وہ برائے امتناعِ شئ ثانی، اول کے وجود کی وجہ سے ہے۔ پس یہ موجود پر دلالت کرتا ہے اور خبر کا قائم مقام لولا کا جواب ہے تقدیر عبارت ہوگی لولا زید موجود لکان کذا.

اور دوسری جگہ جہاں پر خبر کا حذف واجب ہوتا ہے ہر ایسا مبتدا ہے جو مصدر صریحی یا تاویلی ہو نیز وہ فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل یا مفعول یا دونوں سے کوئی حال واقع ہو یا مبتدا ایسا اسم تفضیل ہو جو اس مصدر صریحی یا تاویلی کی طرف مضاف ہو کہ جس کا مضاف الیہ فاعل یا مفعول ہو اور اس کے بعد حال واقع ہو پھر خبر کو حذف کر دیا گیا ہو اور حال کو اس کے قائم مقام بنا دیا ہو۔ جیسے ضربی زیدًا

قائمًا پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے بہرحال قرینہ تو اس لیے کہ مفردات کا استعمال کلام عرب میں معیوب ہے اور قائم مقام تو وہ حال کا خبر کے قائم مقام ہونا ہے۔ پس تقدیر عبارت ہوگی ضربی زیداً حاصل اذا کان قائماً تو حاصلٌ کو حذف کردیا گیا جیسا کہ ظروف کے متعلقات کو حذف کردیا جاتا ہے پس اذا کان قائماً باقی بچا پھر اذا کو فعل شرط کے ساتھ حذف کردیا گیا۔ اور حال کو ظرف کا قائم مقام بنادیا گیا اور ظرف کو خبر کے قائم مقام بنادیا گیا پس ظرف کے واسطے سے حال خبر کا قائم مقام ہوگیا۔ جب آپ نے پورا قاعدہ سمجھ لیا تو اب مثال سنئے۔ مصدر صریحی مضاف الی الفاعل والمفعول کی مثال ضرب زید عمرواً قائمین اور مصدر تاویلی مضاف الی الفاعل کی مثال ان ذهبت راجلا اور مصدر تاویلی مضاف الی المفعول کی مثال ان ضرب زید عریاناً اور مصدر تاویلی مضاف الی الفاعل والمفعول جیسے ان ضرب زید عمراً قائمین اور اسم تفضیل مضاف الی ہذہ الاقسام الستۃ کی مثال اکثر ذهابی راجلا، اکثر ضرب زید عریانًا. اکثر ضرب زید عمراً قائمین اور اکثر ان ذهبت راجلا. اکثر ان ضرب زید عمراً قائمین.

اور تیسری قسم جگہ جہاں پر حذف واجب ہوتا ہے ہر ایسا مبتدا ہے جس کی خبر مقارنۃ کے معنی پر مشتمل ہو اور اس مبتدا پر کسی چیز کا اس واؤ کے ذریعہ عطف کردیا جائے جو مع کے معنی میں ہو تو یہاں پر خبر کو حذف کردیا جاتا ہے اور معطوف خبر کا قائم مقام ہوجاتا ہے جیسے کل رجل وضیعته ہر آدمی اپنے پیشہ کے ساتھ ہوتا ہے یہاں خبر کا حذف قرینہ اور قائم مقام ہونے کی وجہ سے واجب ہے پس قرینہ وہ واؤ ہے جو مع کے معنی میں واؤ کے مقارنت کے معنی پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہے اور قائم مقام خبر کا معطوف ہے، پس تقدیر عبارت ہوگی کل رجل مقرون مع ضیعته.

اور چوتھی جگہ جہاں خبر کا حذف واجب ہے ہر ایسا مبتدا ہے جو مقسم بہ ہو اور خبر فعل قسم ہو جیسے لعمرك لافعلن كذا پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے پس قرینہ مقسم بہ کا مذکور ہونا ہے جو فعل قسم پر دلالت کرتا ہے اور قائم مقام جواب قسم ہے پس تقدیر عبارت ہوگی لعمرك قسمي لافعلن كذا.

خبرُ إنَّ وَاخواتها هُو المسندُ بعدِ دخولِ هٰذهِ الحُروفِ مثل إنَّ زيدًا قائمٌ وأمرهٗ كامر خبرِ المُبتَدإ إلاّ إذا كان ظرفًا.

ترجمہ:- إنّ اور اس کے اخوات کی خبر وہ اسم ہے جو مسند ہوتی ہے انّ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد جیسے انّ زيدًا قائمٌ اور اس کی خبر کا معاملہ مبتدا کے خبر کے معاملہ کی طرح ہے، مگر خبر کے مقدم ہونے میں مگر جب کہ خبر ظرف ہو۔

توضیح:- اِنّ اور اس کے اخوات کی خبر نیز مرفوعات میں سے ہے حروف مشبہ بالفعل چھ

ہیں۔ اِنَّ، اَنَّ، کانَّ لکنَّ، لَیتَ، لَعَلَّ. ان کا حروف مشبہ بالفعل اس لیے نام پڑا کہ یہ فعل کے لفظاً اور معنیً مشابہ ہیں، لفظاً مشابہت تو ثلاثی اور رباعی اور ادغام ہونے میں ہے اور معنیً مشابہت یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کے معنی افعال کے معانی ہیں، اس لیے کہ اِنَّ اور اَنَّ کے معنی تحقق کے ہیں۔ اور کَانَّ کے معنی تشبیہ کے ہیں اور لکنَّ کے معنی اِستَدرَاك کے ہیں اور لَیتَ کے معنی تمنّی اور لعلّ کے معنی ترجّی کے ہیں۔ اور فعل کے لیے دو عمل ہیں ایک اصلی اور دوسرا فرعی پس فعل کا اصلی عمل مرفوع کی منصوب پر تقدیم ہے جب کہ فرعی عمل منصوب کی مرفوع پر تقدیم ہے اور چوں کہ فعل مشبہ بہ ہے اور یہ حروف مشبہ اور مشبہ بہ اصل ہوتا ہے اور مشبہ فرع پس حروف مشبہ بالفعل کو فرع ہونے کی وجہ سے فرع والا عمل دے دیا گیا، چنانچہ ان کا اسم منصوب اور خبر مرفوع ہوتی ہے، پس اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر وہ اسم کہلاتا ہے جو ان حروف کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے اِنَّ زیداً قائمٌ حروف مشبہ بالفعل کے داخل ہونے کے بعد خبر کے مسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خبر ان حروف کے دخول کے بعد ان کا اثر قبول کرتی ہے لفظ اور معنی دونوں میں۔

وامرہ کامر خبر المبتدا یہاں سے مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح مبتدا کی خبر مفرد اور جملہ ہوتی ہے اور واحد اور متعدد ہوتی ہے، کبھی مذکور اور کبھی محذوف ہوتی ہے پھر بصورت جملہ خبر ہونے کی صورت میں عائد ہوتا ہے، اسی طرح انَّ اور اس کے اخوات کی بھی خبر ہر طرح ہوتی ہے، البتہ ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز مبتدا کی خبر بن سکتی ہے وہ انَّ اور اس کے اخوات کی بھی خبر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، حالاں کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ این زید میں این کا زید کی خبر بننا درست ہے جب کہ ان این زید، ان من ابوك نہیں بولا جاسکتا پس ان اور اس کے اخوات کی خبر کا مبتدا کے خبر کی طرح کہنا درست نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا تب ہے جب کوئی رکاوٹ نہ ہو اور شرائط موجود ہوں اور یہاں مانع ہے اور وہ یہ کہ انَّ تحقیق کے لیے ہوتا ہے اَین اور مَن استفہام کے لیے ہیں اور دونوں میں منافات ہے اس لیے ان کلمات پر اِنَّ کا دخول منع ہے۔

الا فی تقدیمہ ہاں مبتدا اور حروف مشبہ بالفعل کی خبر میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ مبتدا کی خبر مبتدا پر مقدم ہوسکتی ہے جب کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر ان کے اسماء پر نہیں مقدم ہوسکتی تا کہ عمل فرعی کا باطل ہونا لازم نہ آئے، اس لیے کہ حروف مشبہ بالفعل عامل ضعیف ہیں۔ البتہ جب حروف مشبہ بالفعل کی خبر ظرف ہو تو وہ ان کے اسماء پر مقدم ہوسکتی ہے کیوں کہ مشہور قاعدہ کہ الظرف یتوسع فیہ مالا یتوسع فی غیرہ

ایک بات اور ذہن نشین کر لیجیے کہ جب حروف مشبہ بالفعل کی خبر ظرف ہو اور اس کا اسم معرفہ ہو تو خبر کی تقدیم صرف جائز ہے جیسے اِنَّ الینا ایابھم اور اگر اسم نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم واجب ہے جیسے اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا اور اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً.

خَبر لا التی لِنَفی الجنسِ، هُو المسندُ بعد دُخولِها مثل لا غلام رجلٍ ظریفٌ فیها ویُحذفُ کثیرًا وَبنو تمیم لا یثبتونَهٗ.

ترجمہ:- لائے نفی جنس کی خبر وہ مسند ہوتی ہے لائے نفی کے داخل ہونے کے بعد جیسے **لا غلام رجل ظریف فی الدار** اور **لا** کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے اور بنو تمیم اس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف لائے نفی جنس کی خبر کو بیان کر رہے ہیں۔ جو منجملہ مرفوعات میں سے ہے لائے نفی جنس کی خبر مرفوعات میں سے اس لیے ہے کہ وہ اَنّ مفتوحہ کے لفظاً اور معنًی مشابہ ہے لفظاً مشابہت تو شروع حرف کے مفتوح ہونے میں ہے اور معناً مشابہت دو طرح سے ہے یا تو تضاد کے علاقہ یا مناسبت کے علاقہ کی وجہ سے جہاں تک علاقۂ تضاد کی بات ہے تو وہ نقیض کا نقیض پر محمول کرنا ہے اور علاقۂ مناسبت تو اس لیے کہ لانفی کی تاکید کے لیے ہے اور انّ اثبات کی تاکید کے لیے ہے پس لائے نفی جنس انّ کے لفظاً اور معنًی مشابہ ہوگیا تو لا کو انّ کا عمل دے دیا گیا اب آپ سنئے کہ لائے نفی جنس کی خبر وہ اسم ہے جو لائے نفی جنس کے اوپر داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔ جیسے **لا غلام رجل ظریف فیها**۔

مصنف نے لائے نفی جنس کی مشہور مثال **لا رجل فیها** کو اس لیے چھوڑ دیا کہ مثال مشہور میں اس بات کا وہم ہوسکتا ہے کہ خبر محذوف ہو اور فی الدار بجائے خبر کے رجل کی صفت ہو پس اس مثال میں خبر کے صفت ہونے کے وہم کا اندیشہ موجود ہے لیکن جو مثال مصنف نے بیان کیا ہے اس میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔

فیها یہ خبر بعد الخبر ہے نہ تو ظریف کا ظرف ہے اور نہ ہی حال ہے، اس لیے کہ ظرفیت دار کے ساتھ مقید نہیں ہوتی۔

مصنف نے دو خبریں اس لیے ذکر کی ہیں، تا کہ جنس غلام رجل سے ظرافت کی نفی میں کذب لازم نہ آئے، کیوں کہ **فیها** لانے کے بعد مطلب ہوگیا کہ آدمی کا غلام گھر میں خوش مزاج نہیں ہوتا اور یہ ہوسکتا ہے جب کہ بغیر **فیها** لائے مطلب ہوا کہ آدمی کا غلام خوش مزاج ہوتا ہی نہیں اور یہ واقع کے خلاف ہے۔

اور دوسرے اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ لائے نفی جنس کی خبر ظرف اور غیر ظرف دونوں طرح ہوسکتی ہے۔

ویحذف: لائے نفی جنس کی خبر عموماً محذوف ہوتی ہے، بشرطیکہ خبر افعال عامہ میں سے ہو ایسا اس لیے کہ لائے نفی جنس خبر پر دلالت کرتا ہے پس اس کے مذکور ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وبنو تمیم لایثبتونه اصلاً: اس عبارت کے دو مطلب ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر کو لفظ میں ظاہر نہیں کرتے خواہ خبر عام ہو یا خاص، اس لیے کہ بنو تمیم کے نزدیک کثرت حذف وجوب

حذف کی دلیل ہے پس خبر لفظ میں وجوباً مذکور نہیں ہوگی۔ بلکہ مقدر ہوگی۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ بنوتمیم کے نزدیک لائے نفی جنس کی خبر کا نہ لفظاً اور نہ تقدیراً کسی طرح کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہوتا بلکہ لا ان کے نزدیک اسم فعل ہے جو انتفی کے معنی میں ہے اور جو فاعل سے پورا ہوجاتا ہے، لہٰذا خبر کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

اسمُ ما ولاَ المشبهتين بِلَيسَ هُو المسندُ اِليهِ بَعدَ دخولِهما مثل مَا زيدٌ قائماً وَلاَ رَجل أفضَلُ مِنكَ عملُ لا شَاذ .

ترجمہ:- ما اور لا المشبهتين بليس کا اسم وہ اسم ہے جو مسند الیہ ہوتا ہے دونوں کے داخل ہونے کے بعد جیسے مازيد قائماً و لا رجل افضل منك اور لا کا عمل شاذ ہے۔

توضیح:- مرفوعات میں سے ما اور لا المشبهتين بليس کا اسم بھی ہے ما اور لا ليس کے نفی میں مشابہ ہوتے ہیں، نیز مبتدا پر داخل ہونے میں مشابہ ہوتے ہیں۔ما ولا المشبهتين بليس کا اسم ایسا اسم ہے جو دونوں کے اس پر داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے مازيد قائما اور لا رجل افضل منك۔

پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ما اور لا کے عمل میں دو مذہب ہیں ایک اہل حجاز کا اور دوسرا بنوتمیم کا۔ بنوتمیم کا خیال ہے کہ ما اور لا دونوں کے لیے دو سببوں سے کوئی عمل نہیں ہے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ عامل کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ کسی ایک نوع کے ساتھ مخصوص ہو جب کہ ما اور لا کسی ایک نوع کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ چنانچہ یہ دونوں جیسے اسماء پر داخل ہوتے ہیں ویسے افعال پر بھی داخل ہوتے ہیں۔

اور دوسری وجہ شاعر کا قول و مُهفهفِ كالغصن قلت له انتسب ÷ فاجابَ ما قتلُ المحب حرام. اس میں محل استدلال حرام ہے۔ جو رفع کے ساتھ ہے اور یہی دلیل ہے کہ ما عمل نہیں کرتا ورنہ حرامُ نصب کے ساتھ ہوتا۔

اور اہل حجاز کا کہنا ہے کہ ما اور لا کا عمل کرنا دو وجہوں سے ثابت ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ ما اور لائے نفی مبتدا پر داخل ہونے میں ليس کے مشابہ ہے۔اور دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ما هذا الا بشرًا ہے بشرًا منصوب ہے یہ دلیل ہے کہ ما عمل کرتا ہے ورنہ بشرًا کے منصوب ہونے کی اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی ہے۔اب جہاں تک بنوتمیم کی دلیلوں کا معاملہ ہے تو وہ سب باطل ہیں۔پہلی دلیل کی بنیاد اس پر ہے کہ ما اور لا کسی نوع کے ساتھ مخصوص نہ ہوکر اسما اور افعال سب پر داخل ہوتے ہیں، تو ایسا نہیں ہے بلکہ ما اور لا مشابہ بليس یہ نوع خاص کے ساتھ مختص ہیں۔ چنانچہ وہ ما اور لا جو اسماء پر داخل ہوتے ہیں۔ وہ اس ما اور لا کے

علاوہ ہوتے ہیں۔ جو افعال پر داخل ہوتے ہیں یہ اور بات ہے کہ دونوں کی شکلیں ایک سی ہیں، اس لیے فرق مخاطب پر مشتبہ ہو گیا۔

اب رہی بات شاعر کے شعر کی تو وہ شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا لگے ہاتھ ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ جب ما اور لا مشابہ بلیس کے عمل کے سلسلے میں دو مسلک تھے تو مصنف نے صرف اہل حجاز کے مسلک کو بیان کر کے اس لیے چھٹی کر دی کہ اہل حجاز کے نظریہ کی قرآن حمایت کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہے اور قرآن سے بڑھ کر کوئی اور ثبوت نہیں ہو سکتا۔

وعمل لا شاذ: اور **لا** بہت کم عمل کرتا ہے اس لیے **لا** کی لیس سے مشابہت کمزور اور ناقص ہے، کیوں کہ **لیس** حال کی نفی کے لیے ہوتا ہے جب کہ **لا** مطلق نفی کے لیے ہوتا ہے لہٰذا جب **لا** حال کی نفی کے لیے ہوگا تبھی اس کی **لیس** سے مشابہت ہوگی گویا **لا** کی لیس سے بعض اوقات میں ہی مشابہت ہوگی جب کہ **ما** حال ہی کی نفی کے لیے آتا ہے۔ لہٰذا **لا** کا عمل سماع پر موقوف ہوگا جیسے

مَنْ صَدَّ عَنْ فیرانها　　　فانا ابن قیس لا براح

ما اور **لا** میں ایک فرق یہ ہے کہ **ما** معرفہ اور نکرہ دونوں میں عمل کرتا ہے جب کہ **لا** صرف نکرہ میں عمل کرتا ہے۔

اَلْمَنْصُوْبَاتُ

منصوبات بارہ ہیں۔ مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ، حال، تمیز، مستثنیٰ، انّ اور اس کے اخوات کا اسم، لائے نفی جنس کا اسم، کان اور اس کے اخوات کی خبر، ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر۔

دلیل حصر یہ ہے کہ منصوب اس کا عامل یا تو فعل ہوگا یا حرف، اگر فعل ہے تو پھر اس کا معمول اصول منصوبات سے ہے یا ملحقات منصوبات سے، اگر فعل کا معمول اصول منصوبات سے ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ جزء فعل ہوگا یا نہیں اول مفعول مطلق ہے، ثانی اس میں چار احتمال ہیں یا فعل اس پر واقع ہے یا اس میں واقع ہے یا اس کے واسطے واقع ہے یا اس کے ساتھ واقع ہے اول مفعول بہ ثانی مفعول فیہ ثالث مفعول لہ رابع مفعول معہٗ اور اگر معمول ملحقات سے ہے تو معمول بین ہے یا نہیں ثانی مستثنیٰ اور اول دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ بین للذات ہے یا بین للصفات اول تمیز اور ثانی حال ہے۔

اور اگر منصوب کا عامل حرف ہے تو اس کا معمول یا مسند الیہ ہے یا مسند اور اگر مسند الیہ ہے تو کلام موجب میں ہے یا غیر موجب میں اول اَنّ اور اس کے اخوات کا اسم اور ثانی لائے نفی جنس کا اسم اور اگر معمول مسند ہے تو پھر کلام موجب میں ہے یا غیر موجب میں اول افعال ناقصہ کی خبر سوائے لیس کے اور ثانی

لیس اور ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر۔

اَلْمَنْصُوْبَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَى عَلَمِ الْمَفْعُوْلِيَّةِ.

ترجمہ:- منصوبات وہ اسم ہے جو مفعولیت کی علامت پر یعنی شئی کے مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف منصوبات کی تعریف بیان کر رہے ہیں۔ پس منصوب وہ اسم ہے جو شئ کے مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ یعنی جس چیز میں مفعول ہونے کی علامتیں پائی جائیں گی وہ چیز منصوب کہی جائے گی۔

اور مفعول ہونے کی علامت مفردات اور غیر منصرف میں فتحہ اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ ہے اور اسماء ستہ میں الف ہے جب کہ تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں یا ہے۔

ھُوَ ضمیر سے متعلق تفصیل بعینہ وہی ہے جو آپ نے المرفوعات ھو مااشتمل میں پڑھا ہے۔

المَفْعُوْلُ الْمُطلقِ هُوَ اسمُ مَا فَعلَهُ فَاعِلُ فعلٍ مذكورٍ بِمَعناه وَقَدْ يَكونُ لِلتَّاكيدِ وَالنَّوْعِ والعَدَدِ نحو جَلَسْتُ جُلوسًا وجِلسَةً وَجلسة فَالاوّلُ لَا يثنى ولَا يُجْمَعُ بخِلَافِ أَخَوَيْهِ وَقَدْ يَكُوْنُ بغَيْرِ نَحو قَعدتُ جُلوسًا.

ترجمہ:- مفعول مطلق وہ اسم ہے کہ جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو درانحالیکہ وہ فعل مذکور کے معنی میں ہو۔ اور مفعول مطلق بھی تاکید کے لیے اور کبھی نوع اور عدد کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے جلوساً و جلسة و جَلسة پس اول نہ تثنیہ ہوتا ہے اور نہ جمع بخلاف اس کے اخوین کے اور کبھی مفعول مطلق من غیر لفظہ ہوتا ہے جیسے قعدت جلوساً.

توضیح:- سب سے پہلے آپ مفعول مطلق کی وجہ تسمیہ سن لیں، مفعول مطلق اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر مفعول کے صیغہ کا اطلاق یعنی لہٗ، معہٗ کی قید کے بغیر درست ہے۔ اب تعریف سنئے مفعول مطلق وہ اسم ہے کہ جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو درانحالیکہ مفعول مطلق فعل مذکور کے معنی میں ہو۔

فاعل کے فعل سے مراد فعل کا فاعل کے ساتھ قائم ہونا ہے، کیوں کہ فاعل فعل میں مؤثر اور اس کا موجد ہوتا ہے نیز فعل کے فعل مذکور کے فاعل کے ساتھ قائم ہونے سے مراد فعل کی اسناد کا فاعل کی طرف صحیح ہونا ہے، خواہ اسناد ایجاباً ہو یا سلباً۔ اور فعل سے مراد فعل لغوی ہے۔ پھر بھی ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں۔ اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے ضربتُ ضرباً جیسا مفعول مطلق سے نکل جاتا ہے، اس لیے حدث یعنی مصدر یہاں مذکور نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکور

عام ہے خواہ مطابقۃً ہو یا تضمناً اور مثال مذکور میں مصدر تضمناً موجود ہے بایں ہمہ ایک سوال اور ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، اس لیے کہ اس تعریف سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فضرب الرقاب مفعول مطلق سے نکل جاتا ہے، کیوں کہ فعل یہاں مذکور نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً پس فعل مثال مذکور میں گو لفظاً نہیں ہے پر تقدیراً مذکور ہے۔ تقدیر عبارت فضرب ضرب الرقاب ہے۔ ایک بات دھیان رہے کہ فعل خواہ حقیقیۃً فعل ہو یا شبہ فعل ہو۔

اب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مفعول مطلق چند معانی کے لیے آتا ہے تاکید کے لیے نوعیت بیان کرنے اور تعداد کو بتانے کے لیے۔ مفعول مطلق ان ہی تین معانی کے لیے اس لیے آتا ہے کہ مفعول مطلق کا مفہوم فعل کے مفہوم سے زیادہ ہوگا یا نہیں دوسرے احتمال کی صورت میں تاکید کے لیے ہوگا اور پہلے احتمال کی صورت یا تو مفعول مطلق میں زیادتی نوع کے لیے ہوگی یا عدد کے لیے ہوگی پس اول نوع کے لیے اور ثانی عدد کے لیے ہے۔ تاکید کی مثال جلست جلوساً ہے اور نوع کی مثال جلست جلسۃً اور عدد کی مثال جلست جَلسۃً ہے جو مفعول مطلق تاکید کے لیے ہوتا ہے اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا ہے، اس لیے کہ تاکید ایسے مفہوم پر دلالت کرتا ہے جو دلالت علی التعدد سے بے نیاز ہوتا ہے، جب کہ تثنیہ اور جمع تعدد کو مستلزم ہیں۔ البتہ جو مفعول مطلق نوعیت اور عدد کے بیان کے لیے آتا ہے وہ تثنیہ اور جمع ہو سکتا ہے، کیوں کہ یہ دونوں ایسی ماہیت پر دلالت کرتے ہیں جس میں تعدد ہوتا ہے پس تثنیہ اور جمع اور ان دونوں کے مفہوم میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کبھی کبھی مفعول مطلق من غیر لفظہ ہوتا ہے خواہ بحسب المادہ ہو جیسے قعدت جلوساً یا بحسب الباب ہو جیسے انبتہ اللہ نباتاً۔ البتہ سیبویہ من غیر لفظہ کے قائل نہیں ہیں۔ وہ مذکورہ بالا دونوں مثالوں میں من لفظہ فعل مقدر مانتے ہیں، چنانچہ بقول ان کے تقدیر عبارت قعدت وجلست جلوساً اور انتبہ اللہ فنبت نباتاً ہے، لیکن سیبویہ کا مذہب کمزور ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولا یضرونہ شیئًا۔ ان کی رائے کے صحت کی نفی کرتا ہے کیوں کہ شیئًا من غیر لفظہ مفعول مطلق ہے۔

وَقَدْ يُحذَفُ الفعلُ لِقيامِ قرينةٍ جَوازًا كقولك لِمَن قَدمَ خيرَ مَقدمٍ ووجوبًا سماعًا مثل سقياً ورعيًا وخيبةً وجدعًا وحمدًا وشكرًا وعجبًا وقياسًا في مواضِعَ.

ترجمہ:- اور کبھی فعل کو قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تمہارا قول آنے والے شخص کے لیے خیر مَقدمٍ اور وجوابًا سماعاً حذف کیا جاتا ہے جیسے سقیًا ورعیًا وخیبۃً وجدعًا وحمدًا وشکرًا وعجبًا اور قیاسًا متعدد جگہوں میں حذف کیا جاتا ہے۔

توضیح:- یہاں سے منصفؒ مفعول مطلق کے فعل کے حذف کے بارے میں احکام ذکر کرنا

چاہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مفعول مطلق کے فعل کے حذف کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جوازاً دوسرے وجوباً۔ مفعول مطلق کے فعل کو جوازاً اس وقت حذف کرتے ہیں جب مفعول مطلق کے حذف پر کوئی قرینہ موجود ہو خواہ قرینہ لفظی ہو یا عقلی پس آنے والے شخص کے لیے آپ کا خیر مقدم کہنا درست ہے، کیوں کہ یہاں آنے والے کا حال فعل کے وجود پر قرینہ ہے، چنانچہ قدمت فعل کو حذف کر دیا گیا تقدیر عبارت ہے قَدمتَ قَدوماً خَیر مَقدمٍ. خیر مقدم کا مفعول مطلق کہنا مجازاً ہے ورنہ درحقیقت مفعول مطلق قدوماً موصوف ہے جس کو حذف کر کے صفت کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔

ووجوباً سماعاً: فعول مطلق کے فعل کے وجوباً حذف کی دو صورتیں ہیں **سماعاً** اور **قیاساً**
سماعا جیسے **سقیًا، ورعیًا، خیبةً، جدعًا، حمدًا، شکرًا** کہ اصل میں **سقاك اللّٰه سقیا** اور **رعاك اللّٰه رعیا، خاب خیبةً، جدع جدعًا حمدت حمدًا، شکرت شکرًا** ہے۔

سماعاً کا مطلب یہ ہے کہ ان مفاعیل مطلقہ کا استعمال ان کے افعال عاملہ کے ساتھ کلام عرب میں نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ ان کا استعمال ان کے افعال کے حذف کے ساتھ ہی عربوں سے سنا گیا ہے، لہٰذا اب اس کا استعمال ہمیشہ فعل کے حذف کے ساتھ ہی ہوگا۔

فائدہ: - یہ بات دھیان رہے کہ مذکورہ بالا مفاعیل مطلقہ کا استعمال ان کے افعال کیساتھ فصحائے عرب کے کلام میں موجود نہیں ہے ورنہ غیر فصیح لغت میں ان کا استعمال ان کے افعال کے ساتھ ہوتا ہے۔

وقیاسًا فی مواضع: مفعول مطلق کے فعل کا حذف وجوباً قیاساً متعدد جگہوں پر ہوتا ہے جن میں سے وہ مواقع کتاب میں مذکور ہیں۔ جن کے ابحاث زیادہ ہیں۔ آگے پڑھنے سے پہلے سن لیجیے کہ قیاساً کا مطلب ہے حسب ضابطہ معاملہ کرنا۔ اب سماعت فرمائیے کہ جن مقامات پر مفعول مطلق کے فعل کا حذف وجوباً ہوتا ہے ان میں ایک جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق نفی یا معنیٰ نفی کے بعد مثبت واقع ہو اور وہ نفی یا معنیٰ نفی ایسے اسم پر داخل ہوں کہ مفعول مطلق جس کی خبر نہ ہوسکتا ہو۔ یا مفعول مطلق ایسے اسم کی خبر کی جگہ میں مکرر واقع ہو کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ ہوسکتا ہو۔ تو مفعول مطلق کے فعل کا ایسی جگہوں پر حذف واجب ہے جیسے **ما انت الا سیراً** پس **سیرًا** مفعول مطلق ہے جو کہ نفی یعنی **ما** کے بعد مثبت واقع ہے اور **ما** ایسے اسم یعنی **انت** پر داخل ہے کہ مفعول مطلق اس کی خبر نہیں بن سکتا ورنہ وصف محض کا ذات پر حمل لازم آئے گا اور یہ درست نہیں کیوں کہ **انت** ذات ہے اور **سیرًا** مصدر ہے اور مصدر وصف محض ہوتا ہے پس اگر مفعول مطلق کو **انت** کی خبر قرار دیا جائے تو حسب ضابطہ **سیرًا انت** پر محمول ہوگا۔ اور آپ اس کا انجام سن چکے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ **سیرًا** بجائے خبر ہونے کے مفعول مطلق ہی ہوگا، البتہ فعل محذوف ہوگا تقدیر عبارت ہوگی **ما انت الا تسیر سیرًا** اور **ما انت الاسیر البرید** کی تفصیل کو **ما انت الا سیرًا** کی تفصیل پر قیاس کیجیے۔

البتہ اس قاعدے کی مصنف نے دومثالیں اس امر پر تنبیہ کرنے کے لیے دی کہ وہ مفعول مطلق جو موقع خبر میں واقع ہوتا ہے دوقسموں پر ہے ایک نکرہ۔ دوسرا معرفہ۔ پس اول نکرہ کی مثال ہے اور ثانی معرفہ کی مثال ہے اور انما انت سیرًا میں سیرًا مفعول مطلق ہے جوکہ معنیٰ نفی کے بعد مثبت واقع ہے اور معنیٰ نفی انما ہے جوکہ انت پر داخل ہے جس کی سیرًا مفعول مطلق خبر نہیں ہوسکتا ورنہ وصف محض کا ذات پر حمل لازم آئے گا پس تقدیر عبارت ہوگی انما انت تسیر سیرًا۔ اور زید سیرًا سیرًا یہ موقع خبر میں مفعول مطلق کے مکرر واقع ہونے کی مثال ہے۔ پس سیرًا مفعول مطلق ہے جوکہ مکرر واقع ہے اور خبر کی جگہ میں ہے لیکن زید کی خبر نہیں بن سکتا، ورنہ مذکورہ بالا خرابی لازم آئے گی۔

ان مقامات پر فعل ناصب کا حذف اس لیے واجب ہے کہ قاعدہ ہے کہ جب مصدر ذات پر محمول ہوتا ہو اور قرینہ مجاز کے مراد نہ ہونے پر دال ہو تو عقل مصدر کے مفعول مطلق ہونے کا حکم لگاتی ہے پس یہاں حذف قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے واجب ہے۔ جہاں تک قرینہ کا تعلق ہے تو قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام تو معمول کا اپنے عامل کی جگہ لینا ہے۔ ایک بات اور ذہن نشین کر لیجیے کہ دو مستقل قاعدوں کو علیحدہ بیان کرنے کے بجائے ایک ساتھ یعنی ایک منہا میں اس لیے بیان کر دیا کہ دونوں کی قید ایک ہے نیز دونوں موقع خبر میں واقع ہوتے ہیں۔

وَمِنها مَـا وقَـعَ تَفصيـلا لأثرِ مضمُـون جُملةٍ مُتَقَدمةٍ مثـل فَشُـدُّوا الوَثاقَ فإمّا منًّا بـعد وَاِمَّا فدَآءً .

ترجمہ:- اور ان مقامات میں کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ایک مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کے اثر کی تفصیل واقع ہو جو مفعول مطلق سے مقدم ہو جیسے فشدوا الوثاق فإمّا منًّا بـعد وَاِمَّا فدَآءً .

توضیح:- یہاں سے مصنف ان مواقع میں سے کہ جہاں پر مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ایک اور مقام کو بیان کر رہے ہیں اور وہ مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملے کے مضمون کے اثر کی تفصیل یعنی بیان واقع ہو جو جملہ مفعول پر مقدم ہو۔ آگے پڑھنے سے پہلے سمجھ لیجیے کہ مضمونِ جملہ سے مراد جملہ سے مفہوم ہونے والا وہ مصدر ہے جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور اثر سے مراد وہ غرض ہے جو مضمونِ جملہ سے مطلوب ہوتی ہے اور اثر کی تفصیل سے مراد انواع محتملہ کا بیان ہے۔

اب دیکھئے فَشَدُّ الوثَاق فإمّا مَنًّا بعدُ واما فدآءً میں فشدوا جملہ ہے جو مفعول مطلق سے پہلے ہے اور شدالوثاق مضمون جملہ ہے اور وہ غرض جو شد الوثاق سے مطلوب ہے یا تو احسان کرنا ہے یا فدیہ دینا اور منا اور فدآءً مضمون جملہ کے غرض کے انواع محتملہ کا بیان ہے۔ پس یہاں فعل کا حذف

واجب ہے قرینہ اور قائم مقام دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے۔ بہر حال قرینہ تو وہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام تو وہ جملہ سابقہ ہے جو اس مصدر پر دلالت کرتا ہے جو کہ مفعول مطلق ہے۔ پس تقدیر عبارت ہے "فشدوا الوثاق فاما تمنون مناً و اما تفدون فدَاءً ."

فائدہ:- اور فشدوا الوثاق الخ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جب فعل صیغۂ امر سے طلب کیا جائے اور پھر امر کے فائدے کو بصورت مصدر علی سبیل التردید بیان کیا جائے۔

وَمِنهاَ مَا وقَع لِلتّشبيهِ عِلاجاً بعد جُملةٍ مُشتَملةٍ علی اسم بِمعنَاهُ وَصَاحِبِه نحو مررتُ به فاذا له صوتٌ صوتَ حمارٍ وصَراخٌ صَراخ الثكلٰی .

ترجمه:- اوران مقامات میں سے جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ایک مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق بطور علاج تشبیہ کے لیے واقع ہوا یسے جملہ کے بعد جو جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو کہ وہ اسم مفعول مطلق کے معنٰی میں ہو اور اسم والے پر مشتمل ہو جیسے **مررت به فاذا له صوتٌ صوتَ حمارٍ وصراخٌ صراخَ الثكلٰی .**

توضیح:- سب سے پہلے تشبیہ کے معنٰی سمجھ لیں تشبیہ کہتے ہیں **هو الدلالة علی مشاركة امر لامر فی المعنٰی.**

یعنی ایک امر کا دوسرے امر کے لیے معنٰی میں شرکت پر دلالت کرنا اور علاجاً کا مطلب ہے کہ وہ مصدر حدوث پر دلالت کرتا ہو یعنی اس مفعول مطلق کا تعلق اعضاء اور جوارح سے ہو۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب سنئے کہ جن جگہوں پر مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ان میں سے ایک جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لیے بطور علاج کے ایسے جملے کے بعد واقع ہو کہ وہ جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو کہ وہ اسم مفعول مطلق کے معنٰی میں ہو اور اس اسم والے پر مشتمل ہو۔ پس ان کے قول للتشبیہ سے احتراز ہو گیا اور **لزَيدٍ صوت حسن** سے کیونکہ یہاں صوت حسن تشبیہ کے لیے نہیں ہے اور ان کے قول علاجاً سے احتراز ہو گیا لزید زہد زہد الصلحاء جیسے سے کیونکہ زہد معالجہ یعنی حدوث پر دلالت کے لیے نہیں ہے اور اس کا قول **بعد جملة** سے احتراز ہو گیا **صوت زيد صوت حمار** سے کیوں کہ **صوت حمار** جملہ کے بعد نہیں ہے اور ان کا قول **علی اسم بمعناه** سے احتراز ہو گیا **مررت بزيد فاذا له صفة صوت حمار** جیسے سے، کیوں کہ صفت ایسا اسم ہے جو مفعول مطلق کے معنٰی میں نہیں ہے اور ان کا قول **وصاحبه** سے احتراز ہو گیا **مررت بالبلد فاذا له صوت صوت حمار** جیسے سے، کیوں کہ اس مثال میں جملہ صاحب اسم پر مشتمل نہیں ہے۔ خیر اب قاعدے کو مثال سے سمجھئے جیسے **مررت به فاذا له صوت صوت حمارٍ وصراخ صراخ الثكلٰی** پس **صوت حمار** مفعول مطلق ہے تشبیہ کے لیے

ہے جو افعال جوارح میں سے ایک فعل پر دلالت کرتا ہے نیز جملہ یعنی له صوت کے بعد واقع ہے اور جملہ ایسے اسم یعنی صوت پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے نیز جملہ اسم کے صاحب پر مشتمل ہے اور وہ لہ میں ضمیر مجرور ہے پس یہاں حذف وجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام جملہ سابقہ ہے پس تقدیر عبارت ہوگی مررت به فاذا له صوت يصوت صوتاً مثل صوت حمار اور مررت به فاذا له صراخ يصرخ صراخاً مثل صراخ الثكلى.

مصنف نے اس ضابطے کی دو مثالیں اس بات پر تنبیہ کے لیے دی ہے کہ مفعول مطلق کی مذکورہ نوع دو قسموں پر ہے ایک نکرہ دوسرے معرفہ تو پہلی مثال نکرہ کی ہے اور دوسری مثال معرفہ کی ہے۔

وَمنها مَا وَقَعَ مضمونُ جملةٍ لا محتمل لها غيرُهُ نحوَ لَه عليَّ الفُ درهمٍ اعترافًا وتسمّٰى تاكيدًا لِنفسِهٖ.

ترجمہ:- اوران جگہوں میں سے ایک جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ جملے کے لیے اس کے علاوہ کا احتمال نہ ہو جیسے لہ عَلَیّ الفٌ درهم اعترافًا اوراس کا نام تاکید لنفسہٖ رکھا جاتا ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ایک اور ایسے مقام کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف کرنا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ جملے کے لیے مفعول مطلق کے علاوہ کا احتمال نہ ہو۔ جیسے له علی الف درهم اعترافًا پس اعترافًا مفعول مطلق واقع ہے جو کہ جملہ کا ایسا مضمون ہے کہ جملہ کے لیے اس کے علاوہ کا احتمال نہیں ہے، کیوں کہ له عليّ فقہاء کی اصطلاح میں علی سبیل الاعتراف لزوم مال کی صراحت ہے پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے قرینہ تو معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام جملہ سابقہ ہے۔

مفعول مطلق کی اس قسم کا نام تاکید لنفسہٖ بھی ہے، اس لیے کہ یہ اپنی تاکید کرتا ہے تقدیر عبارت ہوگی له على الف درهم اعترفتُ اعترافًا.

وَمِنهَا وَقَعَ مضمونُ جملةٍ لها محتملٌ غيره نحو زيدٌ قائمٌ حقا ويُسمّٰى تاكيدًا لِغيرِهٖ.

ترجمہ:- اورانھیں میں سے ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ اس جملہ کے لیے مفعول مطلق کے علاوہ کا احتمال ہو۔ جیسے زيد قائم حقًّا اوراس کا نام تاکید لغیرہ رکھا جاتا ہے۔

توضیح:- یہ بھی ان مقامات میں سے ہے کہ اگر مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ اس جملہ کے لیے بطور مضمون جملہ مفعول مطلق کے علاوہ کا بھی احتمال ہو تو فعل کا حذف واجب ہے جیسے زید قائم

حقًّا پس حقًّا مفعول مطلق ہے جو جملہ کا ایسا مضمون واقع ہے کہ جملہ کے لیے اس کے علاوہ کا بھی احتمال ہے، کیوں کہ زید قائم جملہ خبریہ ہے اور جملہ خبریہ کذب وصدق حق و باطل دونوں کا احتمال رکھتا ہے پس یہاں حذف قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے واجب ہے۔ قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام جملہ سابقہ ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی زید قائم حقّ حقا مفعول مطلق کی اس قسم کا تاکید لغیرہ نام رکھا جاتا ہے۔

یہاں اس پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ تاکید لغیرہ محال ہے، کیوں کہ تاکید لفظ واحد کو دو مرتبہ تلفظ کرنے کو کہتے ہیں اور یہ معنی مغائرۃ کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مغائرۃ حقیقیہ مراد نہیں ہے بلکہ مغائرۃ اعتباریہ مراد ہے، کیوں کہ جب حقًّا لفظ مصدر کے ساتھ منصوص علیہ ہے تو وہ اس حق کا مؤکد ہوگا جس کا جملہ احتمال رکھتا ہے۔

وَمِنها ما وَقعَ مثنى مثل لَبَّيك وسَعْدَيْكَ.

ترجمہ:- اور انھیں مقامات میں سے ہے کہ مفعول مطلق تثنیہ واقع ہو۔ جیسے لَبَّيْكَ وسَعْديكَ.

توضیح:- آگے بڑھنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیجیے کہ تثنیہ سے حقیقتاً تثنیہ ہونا مراد نہیں ہے، بلکہ عام ہے خواہ حقیقۃً تثنیہ ہو یا تکریراً وتکثیراً ہو۔ نیز تثنیہ سے مراد یہاں وہ تثنیہ ہے جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو جیسے لبيك وسعديك. لبيك اصل میں الب لك البابين تھا پھر فعل کو حذف کر دیا اور مفعول مطلق کو فعل کا قائم مقام بنا دیا پس البابين لك ہو گیا پھر مفعول مطلق مصدر کو ثلاثی مجرد کی طرف لوٹا دیا زوائد کے حذف کے ساتھ پس لَبَيْن لك ہو گیا پھر لام جارہ کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ پس لبيك ہو گیا۔ پھر باء کا باء میں ادغام کر دیا لبيك ہو گیا۔

اسی طرح سعديك اسعدك اسعادين تھا۔ پس فعل کو حذف کر دیا گیا اور مصدر یعنی مفعول مطلق کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ اور مزید سے مجرد کر لیا زوائد کے حذف کے ساتھ اور نون اضافت کی وجہ سے گر گیا پس سعديك ہو گیا۔ تو یہاں فعل کا حذف قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے واجب ہے قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے۔ اور مفعول مطلق خود قائم مقام ہے۔

اَلْمفعولُ بِهِ هُوَ مَا وقعَ عَلَيْهِ فِعلُ الفَاعِلِ نحو ضَربتُ زيدًا وقَد يتَقدمُ علَى الفِعْلِ نحو زَيدًا ضربتُ وَقَدْ يُحذفُ الفعلُ لِقيامِ قَرِينَةِ جوازًا كقولك زيدًا لِمن قال مَن اَضرِب وَوُجوبًا فِي أَرْبعَةِ مواضِع الاول سماعى نحو امرأً ونفسه وانتهُوا خَيرًا لّكُم واَهلاً وسهلاً .

ترجمہ:- مفعول بہ وہ اسم ہے کہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضربت زیدًا اور مفعول بہ فعل پر کبھی مقدم ہوتا ہے جیسے زیدًا ضربتُ. اور کبھی فعل کو قرینہ کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تیرا قول زیدًا اس شخص کے لیے جس نے کہا من اضرب اور وجوبا چار جگہوں میں حذف کیا جاتا ہے۔ پہلا سماعی ہے، جیسے امرأ ونفسه وانتهوا خيرلكم اهلًا وّسهلًا.

توضیح:- مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے یعنی مفعول بہ وہ اسم ہے جس سے فاعل کا وہ فعل بالذات متعلق ہوتا ہے کہ جس کی اسناد فاعل کی طرف معتبر ہوتی ہے فاعل عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔

ان قیود کے ملحوظ رکھنے کی وجہ سے متعدد اعتراض ختم ہو جاتے ہیں، مثلاً تعلق کی قید سے اياك نعبدکو لے کر اعتراض نہیں ہوسکتا ہے کہ فاعل کا فعل اياک پر واقع نہیں ہے، حالاں کہ وہ مفعول بہ ہے، کیوں کہ وقوع فعل سے مراد اس کا مفعول بہ سے تعلق مراد ہے پس تعلق یہاں موجود ہے نیز بالذات کی قید سے مررت بزید سے وارد ہونے والا سوال ختم ہو گیا، کہ فاعل کے فعل کا تعلق زید سے ہے۔ لہٰذا اس کو مفعول بہ ہونا چاہئے، حالاں کہ وہ نہیں ہے تو معاملہ صاف ہے کہ تعلق سے مطلقاً تعلق نہیں مراد ہے، بلکہ فعل کا وہ تعلق مراد ہے جو تعلق مفعول بہ سے بلا واسطہ ہو اور مررت بزید میں فعل کا تعلق باء کے واسطے سے ہے۔

نیز اسناد کے معتبر ہونے کی قید سے ضُرِبَ زَیْدٌ کو لے کر جو سوال کیا جاتا تھا کہ مفعول بہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ زید سے فاعل کا فعل براہ راست متعلق ہے، لہٰذا اس کو بھی مفعول بہ کہنا چاہئے، حالاں کہ وہ نائب فاعل ہے تو اس کا جواب قید مذکور سے ہو جاتا ہے کہ مفعول بہ کی تعریف میں فعل سے وہ فعل مراد ہے کہ جس کی اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو اور ضُرِبَ زیدٌ میں ضرب ان افعال میں سے نہیں ہے کہ جن کی فاعل کی طرف اسناد معتبر ہو۔

وقد يتقدم على الفعل: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مفعول بہ کی اس کے عامل فعل پر تقدیم سے کوئی مانع موجود نہیں ہوتا تو جوازاً مفعول بہ کو فعل پر مقدم کر دیا جاتا ہے جیسے اياك نعبد واياك نستعين اور اگر مفعول بہ ایسا لفظ ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو مفعول بہ کی تقدیم واجب ہے جیسے من ضربت، مفعول بہ کی فعل پر تقدیم اس لیے درست ہے کہ فعل قوی العمل ہوتا ہے پس وہ مفعول مقدم اور مؤخر دونوں میں عمل کرے گا۔

اچھا جب مفعول کی اس کے عامل پر تقدیم سے کوئی رکاوٹ ہو تو تقدیم ممکن نہ ہوگی جیسے مِن البر ان تكفَّ لسانك میں پس اَن موصول حرفی ہے اور تكف اس کا صلہ ہے اور صلہ کی تقدیم موصول پر درست نہیں ہوگی، لہٰذا صلہ کے معمول یعنی لسانك کی تقدیم موصول پر بدرجۂ اولیٰ نہیں ہوگی پس مفعول کی تقدیم

کی راہ میں رکاوٹ ان موصول حرفی ہے۔

وقد يحذف الفعل لقيام قرينة جوازا: جب فعل کے وجود پر قرینہ خواہ عقلی ہو یا لفظی موجود ہوتا ہے تو مفعول بہ کے فعل کا حذف کرنا درست ہوتا ہے، جیسے کسی نے آپ سے پوچھا ماذا أكلت تو آپ نے اس کے جواب میں خبزاً کہہ دیا تو یہاں اكلتُ فعل حذف کر دیا گیا ہے کہ جس کے وجود پر سائل کا سوال قرینہ ہے۔ البتہ چار مقامات ایسے ہیں جہاں مفعول بہ کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے۔ ایک بات یہیں نوٹ کر لیجیے کہ مفعول بہ کے فعل کا وجوباً حذف ہونا چار مقامات ہی میں منحصر نہیں ہے، بلکہ باب اغراء جیسے اخاك اخاك یعنی خذ اخاك اور منصوب على المدح جیسے الحمد لله الحميد یعنی اعنی الحميد اور منصوب علی الذم جیسے اعوذ بالله من الشيطن الرجيم یعنی اعنی الرجيم اور منصوب علی الترحم جیسے مررت بزيد نالمسكين یعنی اعنی المسكين میں بھی فعل وجوباً محذوف ہوتا ہے۔ ہاں مباحث کی طوالت ان چار مقامات میں زیادہ ہے۔ اس لیے مصنف نے ان چار مقامات کو ہی بیان کیا ورنہ مصنف مطلقاً حصر نہیں بیان کرنا چاہتے۔

پہلی جگہ سماعی ہے یعنی اس کا کوئی ضابطہ نہیں، بلکہ عربوں سے اس مثال کو فعل کے حذف کے ساتھ ہی سنا گیا ہے جیسے امرأ نفسه اصل میں اُتْرُك امرأ نفسه ہے اور انتهوا خير الكم اصل میں انتهوا من التثليث واقصدوا خيرًا لكم ہے۔ دھیان رہے کہ انتهوا کو خيرا لكم کا عامل نہیں قرار دیا جا سکتا ورنہ معنیً تضاد و فساد لازم آئے گا۔ اور تیسری مثال اهلاً وّسهلاً ہے جو اصل میں اتيت اهلا اور وطيت سهلاً ہے آخری جملہ مہمانوں کی آمد کے موقع سے بولا جاتا ہے۔

وَالثَّاني الْمُنادىٰ وَهُو الْمَطْلوبُ اِقبَالُهٗ بِحرفٍ نائب مُنَابَ اَدْعُو لفظًا او تقديرًا وَيُبْنٰى على مَا يُرفَعُ به اِنْ كَانَ مفردًامَعرِفَةً نحو يَازَيْدُ ويَارَجلُ ويَازَيْدَانِ وَيَازَيْدُوْنَ وَيُخفضُ بِلَامِ الإسْتِغَاثَة نحو يَا لَزَيدٍ ويُفتحُ لالحاق الفها وللا لام فيهِ نَحو يَا زيداه ويُنصبُ مَا سواهُمَا نَحو يَا عبدَالله ويا طالعًا جبلاً ويارجلاً لغير معيّن.

ترجمہ:- دوسری جگہ منادیٰ ہے اور منادیٰ وہ اسم ہے جس کی توجہ ایسے حرف کے ذریعہ مطلوب ہوتی ہے جو ادعو کے قائم مقام ہوتا ہے خواہ وہ حرف لفظاً ہو یا تقدیراً اور منادیٰ اس علامت پر مبنی ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے۔ اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہو جیسے يازيد اور يارجل اور يازيدان اور يازيدون. اور منادیٰ مجرور ہوتا ہے لام استغاثہ کی وجہ سے جیسے يالَزيدِ اور منادیٰ مفتوح ہوتا ہے الف استغاثہ کے لاحق کرنے کی وجہ سے اور اس میں لام استغاثہ نہیں ہوتا ہے جیسے يازيداه اور منادیٰ منصوب ہوتا ہے ان صورتوں کے علاوہ میں جیسے يا عبدالله اور يا طالعًا جبلًا اور يا رجلًا رجل غیر معین کی صورت میں۔

توضیح:- یہاں سے مصنف اس دوسری جگہ کی نشاندہی کر رہے ہیں، کہ جہاں پر مفعول بہ کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول بہ منادیٰ ہو منادیٰ وہ اسم ہے کہ جس کی توجہ مطلوب ہو ایسے حرف کے ذریعہ جو ادعو کے قائم مقام ہوتا ہے خواہ وہ حرف لفظاً ہو یا تقدیراً۔ منادیٰ کی اس تعریف پر ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ منادیٰ کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے وہ منادیٰ خارج ہو گیا کہ جس میں نداء دینے والے اور منادیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ توجہ عام ہے خواہ بوجہ ہو یا بقلب ہو۔ اب بھی مَطلَع پوری طرح صاف نہیں ہوا اور وہ ہے کہ پھر بھی منادیٰ کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے یا سماء اور یا جبل جیسے منادیٰ سے خارج ہو گئے، کیوں کہ ان کی توجہ نہ بوجہ ممکن ہے اور نہ بقلب تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلب توجہ بوجہ اور بقلب عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً پس اگر چہ توجہ ان مثالوں میں حقیقتاً نہیں ہے لیکن حکماً ہے۔

لفظاً اور تقدیراً کا نصب مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے ہے اصل عبارت طلباً لفظیاً اور تقدیریاً ہے۔

منادیٰ منصوب کیوں ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں تین مذہب ہیں۔ سیبویہ، مبرد، بوعلی، سیبویہ کا خیال ہے کہ منادیٰ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ منادیٰ اس حرف ندا کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے جو فعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور ابوعلی کا کہنا ہے کہ منادیٰ حرف ندا کی وجہ سے اس اعتبار سے منصوب ہے کہ وہ اسمائے افعال کے قبیل سے ہے، لیکن مصنف کے نزدیک مختار سیبویہ کا مسلک ہے۔

اب منادیٰ کے احکام سنو! پہلا حکم یہ ہے کہ منادیٰ علامت رفع پر مبنی ہوگا اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی اس لیے ہوگا کہ منادیٰ مذکور کاف اسمی کی جگہ پر واقع ہے جو کاف حرف خطابی کے مشابہ ہے پس مبنی اصل کے ساتھ مناسبت ہو گئی، لہٰذا مبنی ہوگا۔ اور بجائے سکون کے حرکت پر اس لیے مبنی ہے کہ سکون مبنی اصل کی علامت ہے اور بجائے ضمہ کے علامت رفع پر اس لیے ہے تا کہ الف اور واؤ کو بھی عام ہو جائے۔ اور علامت رفع پر ہی مبنی اس لیے ہوگا کہ اگر فتحہ پر مبنی قرار دیا جاتا تو اس منادیٰ سے اشتباہ پیدا ہو جاتا جس کے آخر میں الف ہو پھر الف کو حذف کر دیا گیا ہو۔ اور ماقبل کے فتحہ پر اکتفا کیا گیا ہو۔ جیسے یا غلام کہ اصل میں یا غلاما تھا وہ الف جو یائے متکلم کے عوض میں تھا حذف ہو گیا اور ماقبل فتحہ باقی رہ گیا اور اگر کسرہ پر مبنی کیا جاتا تو اس منادیٰ کے ساتھ اشتباہ لازم آتا جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔ پھر یا کو حذف کر کے ماقبل کے کسرہ پر اکتفا کیا گیا ہو، جیسے یاَ ربِّ کہ اصل میں یا ربّی تھا یا تخفیفاً حذف ہو گئی اور ماقبل کسرہ باقی رہ گیا۔

یاد رہے کہ منادیٰ کے باب میں مفرد سے مراد یہ ہے کہ جو نہ مضاف ہو اور نہ شبہ مضاف مذکورہ بالا

قاعدے کی مصنف نے چند مثالیں اس لیے دیں کہ معرفہ ہونا عام ہے خواہ ندا سے پہلے ہو یا ندا کے بعد ہو پہلی مثال معرفہ قبل النداء کی ہے اور دوسری مثال معرفہ بعد الندا کی ہے بشرطیکہ منادیٰ سے مخصوص آدمی مراد ہو اور تیسری مثال مبنی باالالف اور چوتھی مثال مبنی علی الواؤ کی ہے۔

منادیٰ کا دوسرا حکم یہ ہے کہ جب منادیٰ پر لام استغاثہ ہو تو منادیٰ مجرور معرب ہوگا۔ معرب اس لیے ہوگا کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے اور لام جارہ اسم کے بڑے خواص میں سے ہے اور بڑے خواص میں سے ہونے کی وجہ سے اسمیت کی جہت طاقتور ہوگئی اور حرف سے مشابہ ہونے کا پہلو کمزور ہوگیا۔ لہٰذا منادیٰ کی یہ قسم معرب ہوگی۔ اور مجرور اس لیے ہوگی کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے۔ اور لام جارہ اپنے مدخول کو کسرہ دیا کرتا ہے البتہ خود لام استغاثہ باوجود لام جارہ ہونے اور اسم تام پر داخل ہونے کے مفتوح ہوگا۔ تاکہ مستغاث کے محذوف ہونے کی صورت میں مستغاث اور مستغاث لہ میں اشتباہ پیدا نہ ہو، کیوں کہ مستغاث لہ کے قائم مقام ہو جانے کی وجہ سے اس کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

رہی بات کہ استغاثہ کے لیے لام کو ہی کیوں مخصوص کیا تو اصل بات یہ ہے کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے۔ اور لام جارہ اختصاص کے لیے ہوتا ہے۔ اور مستغاث بھی اپنے امثال کے درمیان دعا کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے پس ان دونوں کے درمیان مناسبت ہے۔

منادیٰ کا تیسرا حکم یہ ہے کہ منادیٰ مفتوح ہوگا جب اس کو الف استغاثہ لاحق ہو جائے منادیٰ پر لام استغاثہ نہیں آتا، اس لیے کہ لام اپنے مدخول کے مجرور ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور الف اپنے ماقبل مفتوح کا تقاضا کرتا ہے اور ان دونوں میں منافات ہے۔

ایک سوال ہے کہ منادیٰ کی اس قسم کو مبنی کیوں قرار دیا باوجود یکہ اسم میں اصل معرب ہونا ہے۔ نیز فتحہ پر مبنی کیوں قرار دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ منادیٰ کی یہ قسم مبنی اس لیے ہے کہ منادیٰ کاف اسمی کی جگہ پر واقع ہے، جو کاف حرفی کے مشابہ ہے۔ اور فتحہ پر اس لیے مبنی قرار دیا کہ الف اپنے فتحہ کا متقاضی ہوتا ہے۔

منادیٰ کا چوتھا حکم یہ ہے کہ منادیٰ منصوب ہوگا جب کہ وہ مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ ہو **ماسواھما** کی ضمیر کا مرجع منادیٰ مفرد معرفہ اور مطلق مستغاث ہے خواہ وہ باللام ہو یا باالالف۔

منادیٰ مفرد معرفہ کا ماسوا چار قسموں پر ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ مضاف ہو جیسے **یاعبداللّٰہ** دوسری قسم مشابہ مضاف ہو جیسے **یاطالعًا جبلًا**. اور تیسری قسم معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو جیسے **یارجلا** جب کہ غیر متعین فرد کے لیے بولا گیا ہو۔ اور چوتھی قسم نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو جیسے **یا حسن و جھہ ظریفاً**. مصنف نے چوتھی قسم کی مثال بیان نہیں کی، اس لیے کہ دوسری قسم کی مثال میں چوتھی قسم کی مثال بننے کا احتمال پایا جاتا ہے۔

اب سنئے مضاف اور مشابہ مضاف اس لیے معرب اور منصوب ہوں گے کہ یہ دونوں اسم کے اعظم

خواص میں سے ہیں پس اسمیت کا پہلو طاقتور اور حرف سے مشابہ ہونے کا پہلو کمزور ہوگیا اور منصوب اس لیے کہ منادیٰ فی الواقع مفعول بہ ہے اور جب کوئی مانع نہ ہو تو مفعول بہ منصوب ہوتا ہے۔

اچھا جب منادیٰ نکرہ غیر معین ہو تو اس لیے معرب ہوگا کہ وہ کاف اسمی کی جگہ پر واقع نہیں ہے، کیوں کہ نکرہ معرفہ کی جگہ میں واقع نہیں ہوتا۔

وَتوابعُ المنادی المبنی المُفرَدَةُ مِنَ التاکید والصِفَةِ وعَطف وَالمعْطُوفِ بِحرفِ نِالممتنعِ دخولُ یَا عَلیهِ ترفعُ علیٰ لفظہٖ وتنصَبُ علی محلّہٖ مَثل یازَید نِالعاقلُ والعَاقِلَ .

ترجمہ:- منادیٰ مبنی کا مفرد تابع یعنی تاکید اور صفت اور عطف بیان اور معطوف ایسے حرف کے ذریعہ کہ جس پر یا کا دخول محال ہے۔ کو رفع دیا جاتا ہے اس کے لفظ پر اور نصب دیا جاتا ہے اس کے محل پر جیسے یازیدُ نِالعاقل والعاقلَ .

توضیح:- جب مصنف منادیٰ کے احکام سے فارغ ہوئے تو اب منادیٰ کے توابع کے احکام بیان کررہے ہیں۔ تو آپ توابع منادیٰ کا اصل حکم سمجھنے سے پہلے اس حکم کی قیدوں کو سمجھ لیجیے پس مصنف کا قول وتوابع المنادی المبنی احتراز ہے منادیٰ معرب کے توابع سے اس لیے کہ معرب کا تابع لفظ میں تابع ہوتا ہے۔ اور ان کا قول علی الضم احتراز ہے منادیٰ مبنی علی الفتح کے توابع سے اس لیے کہ اس کے تابع میں نصب متعین ہے، کیوں کہ اس صورت میں منادیٰ کا لفظ اور محل ایک ہی چیز کا تقاضا کرتا ہے اور وہ نصب ہے اور ان کا قول المفردۃ احتراز ہے مضاف تابع سے اس لیے کہ اس میں بھی نصب متعین ہے، کیوں کہ جب وہ براہ راست منادیٰ ہوتا ہے تب تو منصوب ہی ہوتا ہے تو تابع ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

اب اصل حکم کی طرف آیئے! مصنف فرماتے ہیں کہ منادیٰ مبنی علی الضم کا مفرد تابع خواہ مفرد حقیقتاً ہو یا حکماً کا حکم یہ ہے کہ وہ تابع منادیٰ کے لفظ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے مرفوع بھی ہوگا۔ اور منادیٰ کے محل کا اعتبار کرنے سے منصوب بھی ہوسکتا ہے۔ لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے رفع اس لیے پڑھا جائے گا کہ منادیٰ کا مبنی ہونا عارضی ہے پس وہ معرب کے مشابہ ہوگیا اور معرب کا تابع معرب کے لفظ کے تابع ہوتا ہے اور نصب اس لیے پڑھیں گے کہ مبنی کا تابع مبنی کے محل کے تابع ہوتا ہے اور منادیٰ مفرد معرفہ محلاً منصوب ہے، اس لیے کہ وہ مفعول بہ ہے پس اس کا تابع بھی منصوب ہوگا۔

چوں کہ مذکورہ بالا حکم منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الضم کے تمام مفرد توابع میں نہیں پایا جاتا ہے، اس لیے تمام توابع کو بیان نہیں کیا نیز مطلقاً نہیں پایا جاتا اس لیے جن میں قید ضروری تھی ان کی قید کو بھی بیان کیا۔

جن توابع میں مذکورہ حکم پایا جاتا ہے وہ تاکید ہے۔ جیسے یاتیم اجمعون واجمعین صفت ہے جیسے

یازید نِ العاقلُ و العاقلَ عطف بیان ہے جیسے یاغلام بشر وبشرًا معطوف معرف باللام ہے جیسے یازید نِ الحارثُ والحارثَ. فاضل مصنفؒ نے صرف صفت کی مثال بیان کی اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔یا تو اس لیے کہ صفت کی مثال مشہور تھی یا واہم کے وہم کے ازالہ کے لیے صرف صفت کی مثال بیان کیا وہم یہ ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ کاف اسمی کی جگہ پر واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی ضمیر ہے اور ضمیر موصوف نہیں ہوا کرتی ہے پس وہم ہوا کہ منادیٰ مذکور بھی موصوف واقع نہیں ہوسکے گا۔ کیوں کہ یہ ضمیر کی جگہ پر واقع ہے۔تو مصنف نے صفت کی مثال منادیٰ مفرد معرفہ کے موصوف ہونے کے جواز پر تنبیہ کرنے کے لیے ذکر کیا۔

وَالخَليل في المعطُوفِ يختارُ الرفعُ وابوعَمرِ والنَّصبَ وَاَبُو العبّاسِ إن كَانَ كَالحسنِ فَكَالْخَلِيْلِ وَإلاَّ فكَابِيْ عَمْرِو .

ترجمہ:- اور خلیل معطوف میں رفع کو پسند کرتے ہیں۔اور ابوعمرو نصب کو اور ابوالعباس اگر معطوف معرف باللام الحسن کی طرح ہے تو خلیل کی طرح رفع پسد کرتے ہیں ورنہ ابوعمرو کی طرح نصب پسند کرتے ہیں۔

توضیح:- سب سے پہلے یہ سمجھئے کہ معطوف سے مراد ایسا معطوف ہے کہ جس پر حرف ندا کا داخل ہونا ناجائز ہے یعنی معطوف معرف باللام پر حرف ندا کا داخلہ اس لیے منع ہے کہ الف لام تعریف کے لیے آتا ہی ہے اب اگر حرف ندا جو تعریف کے لیے ہوتا ہے وہ بھی اس پر داخل ہو جائے تو ایک اسم پر بیک وقت دو آلۂ تعریف ہونا لازم آئے گا۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب اصل مسئلے کی طرف لوٹئے تو معلوم ہونا چاہئے کہ منادیٰ مبنی علی الضم کے مفرد تابع معطوف معرف باللام میں تین مذہب ہیں۔خلیل کے نزدیک معطوف معرف باللام میں نصب کے جواز کے ساتھ رفع مختار ہے،اس لیے کہ یہ معطوف مذکور درحقیقت منادیٰ مستقل ہے،لہٰذا مناسب ہے کہ یہ اس حال پر جاری رہے جس حال پر حرف ندا کے اتصال کی تقدیر پر جاری ہوتا ہے یعنی منادیٰ مفرد ہونے کی وجہ سے علامت رفع پر مبنی ہو۔لیکن چوں کہ اس پر حرف ندا داخل نہیں ہے الف لام کی وجہ سے لہٰذا وہ ویسا منادیٰ تو نہیں بن پائے گا۔ جو حرف ندا کے منادیٰ مفرد پر دخول کی صورت میں ہوتا ہے۔البتہ بالکل تابع نہ کرکے منادیٰ کا کچھ نہ کچھ اثر تو باقی رکھا جاسکتا ہے۔لہٰذا مبنی نہ سہی معرب بنا دیجیے اور مرفوع کر دیجیے۔

اور دوسرا مذہب ابوعمرو کا ہے۔ابوعمرو کے نزدیک معطوف معرف باللام میں رفع کے جواز کے ساتھ نصب مختار ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب معطوف مذکور پر حرف ندا کا دخول منع ہے تو وہ منادیٰ مستقل نہ ہوگا۔ پس وہ منادیٰ کا تابع ہوگا اور مبنی کا تابع اپنے محل کے تابع ہوتا ہے۔اور منادیٰ مبنی علی الضم مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے،لہٰذا اس کا تابع بھی منصوب ہوگا۔

تیسرا مذہب ابوالعباس کا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ دیکھو بھائی جھگڑا نہ کرو۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اگر مذکورہ معطوف معرف باللام کا الف لام الحسن کے لام کی طرح اس سے زائل ہوسکتا ہے۔ تو پھر رفع مختار ہے نصب کے جواز کے ساتھ جیسا کہ خلیل ابن احمد کی رائے ہے اور اگر مذکورہ معطوف کا الف لام اس معطوف سے الگ نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے لازم ہے جیسے النجم اور الصعق تو پھر نصب مختار ہے۔ رفع کے جواز کے ساتھ اس لیے کہ منادیٰ مستقل بنانے کا بحالات موجودہ کوئی چانس نہیں ہے۔ جیسا کہ ابوعمرو کی رائے ہے۔

والمضافة تنصب والبدل والمعطوف غير ما ذكر حكمه حكم المستقل مطلقاً.

ترجمہ:- اور (منادیٰ مبنی کا) مضاف تابع منصوب ہوگا۔ اور بدل اور وہ معطوف (جو اس کے علاوہ ہے کہ جس کا حکم بیان ہو چکا ہے) کا منادیٰ مستقل کا مطلقاً حکم ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف منادیٰ مبنی کے مضاف تابع کا حکم بیان کررہے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب منادیٰ مفرد مبنی علی الضم کا تابع مضاف ہو اضافت معنوی کے طور پر تو وہ منصوب ہوگا، کیوں کہ مضاف جب عین منادیٰ واقع ہوتا ہے تو وہ حرف ندا کے اتصال کے باوجود منصوب ہوتا ہے۔ لہٰذا جب مضاف منادیٰ مبنی کا تابع واقع ہو تو بدرجہ اولیٰ وہ منصوب ہوگا۔

مضاف صفت کی مثال یا زید ذالمال. اور مضاف تاکید کی مثال یاتھم کلھم اور مضاف عطف بیان کی مثال یازید اخا عمرو.

اور جب منادیٰ مبنی کا تابع بدل یا معطوف غیر معرف باللام ہو تو اس کا حکم مطلقاً منادیٰ مستقل کا حکم ہے۔ مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ خواہ بدل اور معطوف غیر معرف باللام مفرد ہوں یا مضاف ہوں خواہ دونوں معرفہ ہوں یا نکرہ۔ بدل مضاف کی مثال جیسے یازید ابا عبداللّٰہ. شبہ مضاف کی مثال یازید طالعًا جبلًا بدل معرفہ کی مثال یازید عمروا اور بدل نکرہ کی مثال یازید رجلًا صالحًا.

معلوم ہونا چاہیے کہ بدل کی مثالیں اگر واو کے ساتھ استعمال کی جائیں تو وہ معطوف غیر معرف باللام کی مثالیں بن جاتی ہیں۔ اب منادیٰ مستقل کے حکم میں ہونے کی دلیل سنئے تو بدل منادیٰ مستقل کے حکم میں اس لیے ہوتا ہے کہ بدل ہی مقصود بالحکم ہوتا ہے اور مبدل منہ کا ذکر تو برائے تمہید ہوتا ہے۔ پس گویا منادیٰ مستقل تابع ہی ہوگا اور معطوف غیر معرف باللام منادیٰ مستقل کے حکم میں اس لیے ہوتا ہے کہ جب حرف نداء کا داخلہ اس پر منع نہیں ہے تو گویا کہ حرف ندا اس میں مقدر ہے۔

والعَلمُ الموصوفُ بابنٍ او ابنةٍ مضافًا الى علَمٍ اٰخرَ يَختار فَتحهٗ.

ترجمہ:- اور علم جو موصوف ہو ابن اور ابنة کے ساتھ درانحالیکہ وہ ابن اور ابنة دوسرے علم

کی طرف مضاف ہوں تو اس میں فتحہ مختار ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الضم ہوتا ہے تو یہ قاعدہ یازید بن عمرو جیسے سے ٹوٹ گیا۔اس لیے کہ زید منادیٰ مفرد معرفہ ہے باوجودیکہ اس میں فتحہ مختار ہے۔تو مصنف نے جواب دیا کہ وہ علم جو موصوف ہو ابن اور ابنة کے ساتھ درانحالیکہ وہ ابن اور ابنة دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو اس میں فتحہ مختار ہوتا ہے،مگر قیاس ضمہ کا تقاضا کرتا ہے،اس لیے کہ منادیٰ کی یہ قسم کثیر الاستعمال ہے اور کثرت خفت کا تقاضا کرتی ہے۔تو لوگوں نے فتحہ کو اختیار کر کے اس میں تخفیف کر دی۔

وَاذا نُودی المعرفُ بالام قیلَ یَا ایها الرجلُ وَیَا هٰذَا الرجل ویا ایّهٰذا الرجلُ.

ترجمہ:- اور جب منادیٰ بنایا جائے معرف باللام کو تو کہا جائے گا۔ یاایها الرجل اور یاهٰذا الرجل اور یا ایهٰذاالرجل .

تشریح:- یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ حرف ندا کا داخلہ معرف باللام پر محال ہے تو یہ قاعدہ مذکورہ بالا مثالوں سے ٹوٹ گیا،کیوں کہ الرجل ان مثالوں میں معرف باللام ہے۔اس کے باوجود حرف ندا کا داخلہ ان پر صحیح ہے۔تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ معرف باللام پر براہ راست حرف ندا کا داخلہ منع ہوتا ہے بالواسطہ نہیں اور مذکورہ بالا مثالوں میں حرف ندا کا داخلہ بالواسطہ ہے،چنانچہ یاایها الرجل میں ایّ اور ها کے توسط سے اور یا هٰذا الرجل میں ها اور ذا کے توسط سے اور یا ایهٰذا الرجل میں ایّ اور هذا کے توسط سے حرف ندا معرف باللام پر داخل ہے، تاکہ دو آلۂ تعریف کا اجتماع بلا فصل کے لازم نہ آئے۔

وَالتزمُوا رَفعَ الرَجل لانّه المقصود بالنّداءِ .

ترجمہ:- اور لوگوں نے رجل کے رفع کو لازم قرار دیا ہے۔اس لیے کہ وہ مقصود بالنداء ہے۔

توضیح:- مصنف نے مذکورہ بالا عبارت سے سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔سوال یہ ہے کہ ایّ منادیٰ مفرد معرفہ ہے۔اور الرجل اس کا تابع ہے۔اور منادیٰ مفرد معرفہ کے تابع میں رفع اور نصب دونوں جائز ہوتے ہیں۔لہٰذا حسب قاعدہ الرجل میں بھی دونوں اعرابوں کو جائز ہونا چاہیے،حالاں کہ لوگوں نے الرجل کے رفع کو لازم قرار دیا ہے تو مصنف نے اپنے قول و التزموا سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ ایّ منادی مفرد معرفہ ہے اور الرجل اس کا تابع ہے،لہٰذا اس پر دونوں وجہیں جائز ہونی چاہئیں لیکن چوں کہ ندا سے مقصود بالنداء الرجل ہی ہے اس لیے الرجل کے رفع کو نحاۃ نے لازم قرار دے دیا۔

وَتوابعِهِ لانّها توابعُ معرب .

ترجمه:- اورلازم قرار دیا ہےلوگوں نے اس کے تابع کے رفع کواس لیے کہ وہ معرب کا تابع ہے۔

توضیح:- یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ جب الرجل مقصود بالنداء ہے تو وہ منادیٰ مفرد معرفہ کے حکم میں ہوااور قاعدۂ منادیٰ مفرد معرفہ کے تابع میں دو وجہیں جائز ہیں۔حالاں کہ ایسا نہیں ہے تو مصنف نے اپنے قول وتوابعہ سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں نے اس کے توابع کے رفع کولازم قرار دیا ہے، کیوں کہ وہ معرب کا تابع ہےاورمعرب کا تابع لفظ میں تابع ہوتا ہے۔

وَقَالُوا يَا اللّٰهَ خَاصَّةً.

ترجمه:- اورلوگوں نے کہا کہ یا اللّٰہ خاص طور سے۔

توضیح:- یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ معرف بالام پر حرف ندا کا داخلہ براہ راست منع ہے تو یہ قاعدہ یا اللّٰہ جیسےٹوٹ گیا،اس لیے کہ اللّٰہ معرف بالام ہے باوجود یکہ حرف ندااس پر براہ راست داخل ہے تو مصنف نے اپنے قول وقالوا سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ حرف ندا کا معرف بالام پر براہ راست داخلہ تب منع ہے جب الف لام لازم عوضی نہ ہوااور اللّٰہ میں الف لام لازم عوضی ہے،اس لیے منع نہیں ہے۔لام لازم اس لیے ہے کہ وہ علم کا جزء ہےاورعوضی اس لیے ہے کہ وہ اصل میں اَلاِلٰه تھا۔الاله سے ہمزہ مکسورہ کوحذف کر دیا اوراس کے عوض میں لام تعریف لے آئے پس ہوگیا اَلْ لَاهٗ پس لام کالام میں ادغام کر دیا تو ہوگیا اللّٰہ اور خاصة کا مطلب یہ ہے کہ اللّٰہ ہی ایک ایسا مادہ ہےجس میں لام لازم اورعوضی دونوں ہےورنہ فصیح اور کثیر الاستعمال لفظ عربی میں لام لازم عوضی معدوم ہے۔

وَلَكَ فِي مثلِ ياتيمُ تيمَ عَدِيٍّ الضم والنّصبُ

ترجمه:- اورتمہارے لیےاختیار ہے یا تیم تیم عدیّ جیسے میں ضمہ اورنصب کا۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ منادیٰ مفرد معرفہ ضمہ پرمبنی ہوتا ہےتو مذکورہ قاعدہ یاتیمُ تیمَ عدیٍّ جیسے سےٹوٹ گیا،اس لیے کہ یاتیم جومنادیٰ مفرد معرفہ ہےاس کے باوجوداس میں دو وجہیں جائز ہیں ضمہ اور نصب تو مصنفؒ نے اپنے قول ولك في مثل يا تيم تيم عديّ سےجواب دیا جس کا حاصل بیان کرنے سے پہلے آپ سمجھ لیجئے کہ اس جیسی ترکیب سے مراد ہرایسی ترکیب ہےجس میں منادی مفرد معرفہ مکرر ہواور دوسرا اسم مجرور سے متصل ہو اضافت کی وجہ سےتو اس جیسی ترکیب میں ضمہ اس لیے ہے کہ یاتیم منادیٰ مفرد معرفہ ہےاور منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الضم ہوتا ہےاورنصب اس لیے ہے کہ تیم اول عدیّ مذکورکی طرف مضاف ہےاورتیم ثانی تاکید لفظی ہے جوکہ فاصل ہے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان یا یہ ہے کہ تیم اول عدی محذوف کی

طرف مضاف ہے عدی مذکور کے قرینہ سے اور منادیٰ مضاف منصوبات کے قبیل سے ہے۔

وَالمُضَافُ اِلٰی یَاءِ المُتکلم یَجُوزَ فِیهِ یَا غُلَامِیْ وَیَا غلامِیَ وَیَاغُلَامِ وَیَاغلامًا وَبالهاءِ وَقفًا وقالُوا یَا ابی وَیَا اُمِّیَ وَیَا اَبَتِ وَیَا اَمّتِ فتحًا و کسرًا وبالاَلفِ دَونَ الیَاءِ وَیَا ابنَ امّ وَیا ابنَ عمّ خَاصّةً مثل باب یاغُلامی وقالوا یا ابن اُمّ ویا ابن عمٍّ.

ترجمہ:- اور منادیٰ جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو جائز ہے، اس میں یاغلامی اور یاغُلامِیَ اور یا غُلامِ اور یَاغلاماً اور ہا کے ساتھ وقفاً اور لوگوں نے کہا ہے یا ابی یا امی اور یا ابت اور یا اُمّت فتحاً وکسراً اور الف کے ساتھ نہ کہ یا کے ساتھ اور کہا ہے یا ابن اُمّ اور یا ابن عمِّ خاص طور سے یا غلامی کے باب جیسے میں اور لوگوں نے کہا ہے یا ابن امٌّ اور یا ابن عمٌّ۔

توضیح:- یہاں سے مصنف یہ بیان کر رہے ہیں کہ وہ منادیٰ جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں چار وجہیں جائز ہیں یاغلامی یاء کے سکون کے ساتھ اور یاغلامی یاء کے فتحہ کے ساتھ اور یا غلامِ یاء کے حذف کے حذف اور اکتفاء بالکسرہ کے ساتھ اور یاغلاما یا کو الف اور کسرہ کو فتحہ سے بدلنے کے ساتھ۔ یہ ساری وجہیں اس لیے جائز ہیں کہ یہ مثال کثیر الاستعمال ہے اور کثرت استعمال خفت کا تقاضا کرتا ہے۔

نیز یہ چار وجوہ ہاء کے ساتھ وقفاً درست ہیں۔ حالت وقف اور وصل میں فرق کرنے کے لیے پس تم کہو یا غُلَامِیَہْ اور یاغلَامِیَہْ اور غلامہْ اور یا غلاماہ۔

وقالوا: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ منادیٰ جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو درانحالیکہ منادیٰ اب یا ام ہو تو ایسے منادیٰ میں مذکورہ بالا ساری وجہوں کے جائز ہونے کے ساتھ مزید کچھ وجہیں اور جائز ہیں۔ اس لیے اب اور ام کی نداز یادہ کثیر الاستعمال ہے غلام کی ندا کے مقابلے میں، لہٰذا اس میں تخفیفاً مزید گنجائش پیدا کر دی گئی۔ پس یاابتَ اور یاامتَ بولتے ہیں یا کو تا مفتوح سے بدلنے کے ساتھ اس لیے کہ تائے مفتوح یاء کی حرکت کے موافق ہے اور یا ابتِ اور یا امّتِ یا کو تا مکسورہ سے بدلنے کے ساتھ اس لیے کہ تا مکسورہ یا کے مناسب ہے۔ اور تا کے بعد الف کے ساتھ بھی ان کا استعمال منقول ہے جیسے یاابتا اور یا امتا اس لیے کہ جمع بین العوضین درست ہے۔ البتہ تا اور یاء کے ساتھ استعمال نہیں ہو سکتا، کیوں کہ تاء یاء کا بدل ہے۔ پس اگر یاابتی اور یا امتی کہا جائے تو عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے۔

ویا ابن امِ ویا ابن عمِ خاصة: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب منادیٰ ام یا عم کی طرف مضاف ہو دراں حالیکہ وہ ام یا عم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں وہ تمام وجوہ جائز ہوتی ہیں۔ جو منادیٰ مضاف الی یاء المتکلم میں درست ہوتی ہیں۔ البتہ اس میں مزید ایک وجہ اور درست ہے جو باب غلامی میں درست نہ

تھی اور وہ ہے یا ابن امّ ویا ابن عمّ یا کو الف سے بدلنے اور الف کو حذف کر کے الف کے ماقبل فتحہ پر اکتفاء کے ساتھ ایسا اس لیے درست ہے کہ یہ منادیٰ منادیٰ مضاف الی یاء المتکلم سے زیادہ ثقیل ہے۔ اور کثیر الاستعمال ہے۔

خاصة کا مطلب یہ ہے کہ جو وجوہ منادیٰ مضاف الی یاء المتکلم میں درست ہیں۔ وہ عم اور ام کی مذکورہ صورت کے سوا کسی اور قسم کے منادیٰ میں درست نہیں خواہ مضاف غیر ابن ہو جیسے یاغلام امی یاغلام عمی یا مضاف الیہ غیر عم اور ام ہو جیسے یاابن اخی یا مضاف اور مضاف الیہ دونوں ابن اور ام اور عم کے علاوہ ہوں جیسے یاغلام اخی اور یاغلام غلامی. ام اور عم کو مذکورہ اسم کے ساتھ اس لیے ذکر کیا کہ اہل عرب کے نزدیک دونوں کثیر الاستعمال ہیں۔

وَترخيمُ المُنادى جَائزٌ وَفي غَيره ضَرورةٌ وَهُو حَذفٌ في اخره تخفيفًا وَشَرطُهُ اَن لا يَكونَ مضافًا ولا مستغاثًا ولا جُملةً ويكونَ إمّا عَلَمًا زَائدًا على ثلثةِ احرفٍ وَإمَّا بتَاءِ التَانيثِ فَانْ كانَ فِي اخرهٖ زيادتان فِي حُكمِ الوَاحدةِ كاسمآءَ ومروانَ أو حرفٌ صحيحٌ قبلهُ مَدّةٌ وهو اكثرُ من اَربعةِ اَحرُفٍ حُذِفتا واِن كانَ مركبًا حُذِفَ الاسمُ الاخيرُ.وَان كانَ غير ذالك فحرفٌ واحدٌ.

ترجمه:- اور منادیٰ کی ترخیم جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ میں ضرورۃً اور وہ حذف کرنا ہے منادیٰ کے آخر میں تخفیفاً اور اس کی شرط یہ ہے کہ منادیٰ مضاف نہ ہو اور نہ مستغاث ہو اور نہ جملہ ہو اور یہ کہ منادیٰ یا تو علم ہو جو تین حروف پر زائد ہو یا تانیث کی تا کے ساتھ ہو پس اگر اس کے آخر میں دو زیادتیاں ہوں ایک حکم میں جیسے کہ اسماء اور مروان یا ایک حروف صحیح ہو جس سے پہلے مدہ ہو درانحالیکہ وہ اسم چار حرف سے زائد ہو تو دو حرف حذف کیے جائیں گے اور اگر منادیٰ مرکب ہو تو آخری اسم حذف کیا جائے گا۔ اور اگر مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ ہو تو ایک حرف حذف کیا جائے گا۔

توضیح:- جب مصنف منادیٰ کے احکام سے فارغ ہو گئے تو اب منادیٰ کے خصائص یعنی ترخیم کا بیان شروع کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ منادیٰ کی ترخیم مطلقاً جائز ہے۔ خواہ ضرورت شعری ہو یا نثر کلام ہو اور غیر منادیٰ میں بھی ضرورۃً ترخیم جائز ہے۔ ترخیم کے لغوی معنی ہیں دم کاٹنا، اور اصطلاح میں ترخیم کہتے ہیں منادیٰ کے آخر میں تخفیفاً حذف کرنا۔ تخفیفاً کا مطلب یہ ہے کہ حذف برائے تخفیف ہو کسی دوسری علت کی وجہ سے نہ ہو جو حذف کا تقاضا کرتی ہو۔

اب ایک سوال اور اس کا جواب سنو۔ سوال یہ ہے کہ ترخیم کی تعریف مذکورہ اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف سے غیر منادیٰ کی ترخیم خارج ہو گئی۔ تو جواب یہ ہے کہ تعریف منادیٰ کی

ترخیم کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر منادیٰ کی ترخیم قیاس سے معلوم ہو جائے گی۔ یا یہ کہ تعریف بالا مطلق ترخیم کی ہے، کیوں کہ ہُو ضمیر ترخیم مطلق کی طرف راجع ہے اور فی آخرہ میں ضمیر مجرور اسم کی طرف راجع ہے پس مطلب ہوگا ہو ای الترخیم مطلقاً حذف فی آخر الاسم تخفیفاً، یعنی ترخیم اسم کے آخر میں مطلقاً برائے تخفیف حذف کرنا۔

اور منادیٰ مرخم کی شرط یہ ہے کہ وہ مضاف نہ ہو، اس لیے کہ اگر منادیٰ مرخم مضاف ہے تو دو حال سے خالی نہیں کہ حذف مضاف کے آخر میں کریں گے۔ یا مضاف الیہ کے آخر میں تو پہلی صورت میں ترخیم وسط کلمہ میں لازم آئے گی بلحاظ معنی کے اور دوسری صورت میں ترخیم غیر منادیٰ میں لازم آئے گی بلحاظ لفظ کے۔
اور دوسری شرط یہ ہے کہ منادیٰ مستغاث نہ ہو نہ باللام اور نہ بالالف مستغاث باللام کا نہ ہونا اس لیے شرط ہے کہ اس میں حرف ندا کا اثر ضمہ اور نصب ظاہر نہیں ہوتے، لہٰذا اس میں وہ ترخیم بھی جائز نہ ہوگی، جو منادیٰ کے خصائص میں سے ہے اور مستغاث بالالف کا نہ ہونا اس لیے شرط ہے کہ الف کی زیادتی اس کے آخر میں درازیٔ آواز کی غرض سے ہے اور حذف اس کے منافی ہے۔
اور تیسری شرط یہ ہے کہ منادیٰ مرخم جملہ نہ ہو۔ اس لیے کہ جملہ اپنے حال کی حکایت کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا یہ بمنزلۂ کہاوت کے ہوا اور کہاوت میں تبدیلی نہیں ہوتی، لہٰذا اس میں بھی ترخیم کر کے تبدیلی نہیں ہوگی۔
اور چوتھی شرط یہ ہے کہ منادیٰ مرخم یا تو علم ہو۔ جو زائد علی الثلاثہ ہو یعنی چار حرفی ہو۔ علم ہونا اس لیے شرط ہے کہ علم اپنے شہرت کی وجہ سے حذف کیے گئے حرف پر دلیل ہوگا اور زائد علی الثلاثہ ہونا اس لیے شرط ہے تا کہ اسم معرب کا اقل مقدار سے کم ہونا لازم نہ آئے یعنی اسم معرب کا تین حرف سے کم ہونا لازم نہ آئے۔
اور آخری شرط یہ ہے کہ وہ منادیٰ مرخم تاء تانیث کے ساتھ ہو بھلے وہ علم اور زائد علی الثلاثہ نہ ہو، اس لیے کہ تاء کو زائل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے پس تانیث کے زوال کی وجہ سے سقوط کا کم از کم تقاضا پورا ہو جائے گا۔

فان کان فی آخرہ: جب مصنف ترخیم کے شرائط سے فارغ ہو گئے تو اب مرخم کی مقدار کا بیان شروع کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں، کہ اگر منادیٰ کے آخر میں ایسی دو زیادتیاں ہوں جو ایک زیادتی کے حکم میں ہوں یعنی وہ دونوں ساتھ ساتھ زیادہ کیے گئے ہوں جیسے اسماء اور مروان یا منادیٰ کے آخر میں کوئی ایک ایسا حرف صحیح ہو کہ جس سے پہلے مدہ ہو اور وہ چار حرف سے زائد ہو تو ایسے منادیٰ کے آخر میں دو حرف ساتھ ساتھ حذف کیے جائیں گے۔ پہلی صورت میں تو اس لیے تا کہ وضع کی مطابقت رہے اور دوسری صورت میں اس لیے تا کہ مثل مشہور لازم نہ آئے کہ **صلت علی الاسد وبلتَ من النقد**. کہ شیر پر تو حملہ کر دیا اور بکری کو دیکھ کر موت کھسک گیا۔

اور اگر منادیٰ مرکب ہو۔ مرکب سے مراد غیر اسنادی اور غیر اضافی ہے تو آخری اسم کو حذف کر دیا جائے گا، کیوں کہ آخری اسم بمنزلہٗ تاء تانیث ہے عارض ہونے میں اور زائل ہونے میں اور اگر منادیٰ ان تینوں صورتوں کے علاوہ ہو تو ایک حرف کو حذف کیا جائے گا اس لیے کہ ایک سے زائد کے حذف کا کوئی سبب نہیں ہے۔

وَهُوَ فِي حُكم الثَابتِ عَلَى الاكثرِ فَيُقَالُ يَا حارِ ويا ثَمُو ويا كَرَوَ وقد يُجْعَل اِسمًا براسِهٖ فيُقالُ يا حارُ وياثِمي ويا كرا.

ترجمہ:- اور وہ ثابت کے حکم میں ہے اکثر لوگوں کے نزدیک پس کہا جائے گا یا حارِ یاثمو اور یا کَرَوَ اور کبھی مرخم کو مستقل کر دیا جاتا ہے پس کہا جائے گا یا حارُ یا ثمی اور یا کرا.

تشریح:- جب آپ نے ترخیم کی تعریف اور ترخیم کی مقدار کو جان لیا تو اب منادیٰ مرخم کا حکم سن لیں تو اکثر استعمال کے مطابق منادیٰ مرخم موجود کے حکم میں ہوگا یعنی المحذوف کالمذکور کا معاملہ ہوگا پس آخر کا ماقبل جیسا تھا ویسا ہی رہے گا اور منادیٰ مرخم کا آخر وسط کلمہ کے درجہ میں حکماً ہوگا۔ پس بولا جائے گا یا حارِ راء کے کسرہ کے ساتھ اور یاثمو واؤ متطرفہ کے سکون کے ساتھ اور یا کَرَوَ واؤ متحرکہ ماقبل فتحہ کے ساتھ۔

اقل استعمال میں منادیٰ مرخم کے اخیر کو معرب اور مبنی ہونے میں مستقل اسم قرار دے دیا جاتا ہے اس لیے کہ مفرد معرفہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے پس مناسب ہے کہ یا حار کو بھی ضمہ پر مبنی قرار دیا جائے۔ اور جیسے یا ثمی واؤ متطرفہ کے یاء سے اور ماقبل کے ضمہ کے کسرہ سے بدلنے کے ساتھ اس لیے کہ واؤ طرف میں واقع ہے اور اس کا ماقبل مضموم ہے اور ضابطہ ہے کہ جب واو کنارے میں واقع ہو تو واؤ یاء سے اور ماقبل کا ضمہ کسرہ سے بدل جاتا ہے۔

اور جیسے یَا کَرَا، اس لیے کہ بحالت موجودہ واؤ متحرکہ ماقبل مفتوحہ الف سے بدل جائے گا کیوں کہ واؤ کے الف سے بدلنے کی راہ میں جو رکاوٹ تھی یعنی ساکن کا واؤ کے بعد واقع ہونا وہ ختم ہوگئی کہ جس کے ہوتے ہوئے واؤ کو الف کرنے کی صورت میں اجتماع ساکنین لازم آتا۔

وَقد اسْتَعملُوا صِيغَةَ النّداء فِي المَندُوبِ وَهُو المتفجَّعُ عليه بِيَا اَو وَا واختصَّ بواوٍ حكمه في الاعراب والبناءِ حُكمُ المُنادىٰ وَلَكَ زيادةُ الاَلف في اٰخِرِهٖ.

ترجمہ:- اور عربوں نے استعمال کیا ہے۔ ندا کے صیغہ کو مندوب میں اور مندوب وہ اسم ہے جس پر اظہار غم کیا گیا ہو یاء، یا واؤ کے ساتھ اور مندوب مخصوص ہے واؤ کے ساتھ اور مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں منادیٰ کا حکم ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف مندوب کی تعریف اور اس کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ مندوب

لغت میں ایسے میت کو کہتے ہیں۔جس پر رویا جائے اور اس کے محاسن کو شمار کیا جائے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ اس کی موت کا حادثہ بہت عظیم ہے اور لوگ اسے رونے میں معذور سمجھیں۔

اور اصطلاح میں اسے مندوب کہتے ہیں کہ جس پر وجوداً یا عدماً یاء یا واؤ کے ذریعہ سے اظہار غم کیا جائے۔یاء کا استعمال مندوب میں اس لیے ہوتا ہے کہ یاء ندا کے دیگر صیغوں یعنی حروف کے مقابلہ میں زیادہ مشہور ہے، اس لیے اسی کو تعمیم کے لائق سمجھا گیا، چنانچہ جس طرح یاء منادیٰ میں مستعمل ہے اس طرح مندوب میں بھی البتہ منادیٰ میں استعمال حقیقت ہوگا۔اور مندوب میں مجاز۔

نیز معلوم ہو کہ مندوب ملحقات منادیٰ میں سے ہے۔یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس کو منادیٰ سے مؤخر کرنے اور علیحدہ بیان کرنے کے بجائے منادیٰ کی بحث کے درمیان میں ہی اس کا بیان شروع کر دیا۔

واختص بواو: یہاں سے منادیٰ اور مندوب کا فرق بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ واؤ کا استعمال مندوب کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا واؤ منادیٰ کے ساتھ نہیں استعمال ہو سکتا جب کہ مندوب مستعمل ہوگا۔ پس دونوں میں قدرے فرق ہو گیا اسی لیے مندوب کو منادیٰ میں باضابطہ داخل نہیں مانا گیا۔

وحكمه حكم المنادى: مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں وہی ہے جو منادیٰ کا ہے۔البتہ شرط ہے کہ مندوب منادیٰ کے اقسام میں سے کسی کی صورت پر واقع ہو۔آگے فرماتے ہیں، کہ مندوب کے آخر میں الف کا اضافہ ہو سکتا ہے، کیوں کہ ندبہ میں درازئ صوت مطلوب ہوتی ہے اور زیادتیٔ الف سے یہ مقصود بدرجۂ اتم حاصل ہوتا ہے۔

فان خفت اللبس: یہ سوال مقدر کا جواب ہے آپ نے مندوب کے آخر میں الف کے اضافہ کی اجازت دی ہے تو الف کی زیادتی کی صورت میں مخاطب کے غلام کے ندبہ کے درمیان اور مخاطبۃ کے غلام کے ندبہ کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تثنیہ کے غلام کے ندبہ اور جمع کے غلام کے ندبہ کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے تو مصنف نے جواب دیا کہ اگر اشتباہ کا اندیشہ ہو تو مندوب کے آخری حرکت کے مناسب حرف مد الف کی جگہ میں لے آؤ۔لہٰذا جہاں مذکر کے لیے **واغلا مكاه** کہتے ہو وہیں مونث کے لیے **واغلا مكيه** کہو اور تثنیہ کے لیے **واغلا مكماه** اور جمع کے لیے **واغلامكموه** کہو۔

ولك الهاء: اب بتاتے ہیں کہ مندوب کے آخر میں ہائے سکتہ کو بھی لایا جا سکتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حرف کا بیان بھی ہو جائے گا، کہ وہ الف ہے یا یاء ہے یا واؤ نیز مدات کی حفاظت بھی ہو جائیگی۔

وَلَا يُندبُ إلّا المعروف فلا يُقال وارجُلاه وامتنع وَازيدُ الطّويلَاه خِلَافًا لِيُونُس ويجوز حَذفُ حَرفِ النداء إلّا مَعَ اسم الجنسِ والاشارةِ والمُستَغاثِ والمندوب

نحو یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وایّها الرجُل وشَذّ اصبحْ لیلُ وافْتَدِ مخنوْقُ واَطرِقْ کَرَا وَقَدْ یُحْذَفُ المُناديٰ لِقیام قرینةٍ جوازًا مِثل إلا یا اسْجُدُوا.

ترجمہ:- اورندبہ نہیں کیا جائے گا، مگرمشہورکا۔ پس نہیں کہا جائے گا۔ وارجلاہ اور ممتنع ہے وازید الطویلاہ مخالفت کرتے ہوئے یونس کی۔اور جائز ہے حرف ندا کا حذف کرنا مگراسم جنس اوراسم اشارہ اورمستغاث اورمندوب کے ساتھ جیسے یوسف اعرض عن ھٰذا اور ایھا الرجل اورشاذ ہے۔ اصبح لیلُ اور افتد مخنوق اور اطرق کرا. اور کبھی حذف کردیا جاتا ہے منادیٰ قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے جوازاً جیسے الا یا اسجدوا.

توضیح:- آگے فرماتے ہیں کہ ندبہ صرف مشہورکا ہی ہوگا۔غیرمشہورکا ندبہ نہیں ہوسکتا ایسا اس لیے ضروری ہے تاکہ لوگ مندوب کی شہرت کی وجہ سے اسے ندبہ میں معذر سمجھیں خواہ مندوب علم ہو یا نہ ہو بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اگر مندوب علم ہے اور غیرمشہور ہے تو اس کا ندبہ نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس صورت میں ندبہ کا مقصود فوت ہوجاتا ہے لہٰذا وارجلاہ نہیں کہہ سکتے کیوں کہ کوئی خاص مندوب رجل کے ساتھ مشہورنہیں ہے۔یعنی معاملہ کریلا نیم چڑھا کا ہے۔

وامتنع وازیدا الطویلاہ: یہاں سے بتارہے ہیں کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کا لاحق کرنا درست نہیں ہے یہ مسلک خلیل نحوی کا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وازید الطویلاہ درست ہے۔ یعنی الف کا الحاق مندوب کی صفت کے آخر میں جائز ہے تو پھر جاء نی زید الطویلاہ یعنی زید کی صفت الطّویل کے آخر میں بھی الف کا لحوق صحیح ہونا چاہئے کیونکہ الطّویل دونوں ترکیبوں میں مندوب نہیں ہے، حالانکہ ترکیب ثانی میں صفت کے آخر میں الف کا لحوق منع ہے، پس پہلی ترکیب میں بھی صفت کے آخر میں الف کا لحوق صحیح ہونا چاہئے، کیوں کہ الطّویل دونوں ترکیبوں میں مندوب نہیں ہے، حالاں کہ ترکیب ثانی میں صفت کے آخر میں الف کا لحوق منع ہے۔

لیکن اس میں یونس نحوی کا اختلاف ہے ان کا کہنا ہے کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کا اضافہ درست ہے۔دلیل یہ ہے کہ مندوب کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کا لحوق ہوتا ہے، حالاں کہ مضاف اورمضاف الیہ کے درمیان معنی میں مغائرت ہوتی ہے پس جب مغائرت کے باوجود مندوب کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کا لحوق درست ہے تو کیا وجہ ہے کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کا لحوق جائز نہ ہو، حالاں کہ یہاں تو دونوں یعنی موصوف اور صفت کے درمیان معنی اتحاد ہوتا ہے۔لہٰذا مندوب کی صفت کے آخر میں الف کا لحوق بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

یونس کی دوسری دلیل عربوں کا قول واجمجمی الشّامیتیناہ ہے کہ یہاں پر مندوب کی صفت

کے آخر میں الف آیا ہے۔ خلیل کی طرف سے جو در حقیقت جمہور نحاۃ کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مندوب کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کے لحوق سے یہ لازم نہیں آتا کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کے لحوق کی گنجائش پیدا ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں بھلے معنًی تغایر ہو لیکن لفظاً اتحاد تام پایا جاتا ہے اور موصوف وصفت کے درمیان اگرچہ معنًی اتحاد تام ہوتا ہے لیکن لفظاً اتصال نہیں ہوتا جب کہ نحویوں کا مقصود الفاظ کی بحث ہے نہ کہ معانی کی اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ مقولہ واجمجمی الشَّامِیتیناہ شاذ ہے۔

ویجوز حرف النداء: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ منادیٰ سے حرف ندا کو قرینہ کے پائے جانے کے وقت حذف کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ قرینہ حرف ندا کے حذف اور منادیٰ کی حیثیت پر دال رہے گا۔

البتہ کچھ مقامات ہیں کہ جہاں سے حرف ندا کا حذف درست نہیں مثلاً منادیٰ اسم جنس ہو تو حرف ندا کا حذف درست نہیں ہے، اس لیے کہ اسم جنس کا حرف تعریف حرف نداء ہی ہے جب اسے حذف کر دیں گے، تو پھر وہ اسم جنس منادیٰ مفرد نکرہ کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حرف ندا لام تعریف کا قائم مقام ہے۔ تو اگر حرف ندا کو حذف کیا جاتا ہے تو اصل اور نائب دونوں کا حذف لازم آئے گا۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ علم کی طرح اسم جنس کا منادیٰ ہونا شائع اور رائج نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیں گے تو ذہن اسم جنس کے منادیٰ ہونے کی طرف نہیں جائے گا۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ منادیٰ اسم اشارہ نہ ہو، کیوں کہ وہ ابہام میں اسم جنس کے حکم میں ہے پس حرف ندا اسم جنس سے محذوف نہیں ہوتا تو پھر اسم اشارہ کے منادیٰ ہونے کی صورت میں اس سے بھی حذف نہیں ہوگا۔

اور تیسرا اور چوتھا مقام یہ ہے کہ منادیٰ مستغاث اور مندوب نہ ہو اس لیے کہ ان دونوں کے آخر میں مطلوب زیادتی اور کلام کی طوالت ہے اور حذف ان دونوں مقاصد کے منافی ہے۔

باقی معارف جن سے حرف ندا کا حذف درست ہے چار قسموں پر ہیں۔ پہلا علم ہے خواہ میم مشددہ کے ابدال کے ساتھ ہو۔ جیسے اللّٰھم یا بغیر اس کے ہو جیسے یوسف اعرض عن ھذا. دوسری جگہ لفظ ای کہ جس کی صفت معرف بالام ہو جیسے یا ایھا الرجل یا اس ای کے صفت کی صفت معرف بالام ہو جیسے ایھذا الرجل. تیسری جگہ منادیٰ مطلقاً مضاف الی المعرفۃ ہو جیسے ربنا آتنا. غلام زید افعل کذا اور چوتھی جگہ یہ ہے کہ منادیٰ موصول ہو جیسے، مَنْ لا یزال مُحسِنًا اب جہاں تک ضمائر کی بات ہے تو ضمائر کا منادیٰ واقع ہونا شاذ ہے جیسے یا انت وغیرہ۔

وافتد مخنوق: یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ اصبح لیلُ میں لیلُ اور وافتد مخنوق میں مخنوق اور اطرق کرا میں کرا اسم جنس ہیں۔ اس

کے باوجود ان کے شروع میں حرف ندا کو حذف کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ کا سابق میں قاعدہ بیان کرنا کہ جب منادی اسم جنس ہو تو اس کے شروع سے حرف ندا کا حذف درست نہیں ہے غلط ہے۔ اور آپ کا قاعدہ صحیح نہیں ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ ہمارا قاعدہ اپنی جگہ پر مسلم اور درست ہے باقی مندرجہ بالا کلمات سے اسم جنس کے باوجود حرف ندا کا حذف ہو جانا یہ شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار ہی کون ہوتا ہے۔

وقد یحذف المنادیٰ: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ حرف ندا نہیں، بلکہ نفس منادیٰ کو بھی قرینہ پائے جانے کے وقت حذف کیا جا سکتا ہے، جیسے **الا یااسجدوا** میں منادیٰ قوم کو حذف کر دیا گیا ہے یہاں پر قرینہ یہ ہے کہ حرف ندا کا دخول اسم پر ہوتا ہے اور یہاں فعل پر ہے۔ معلوم ہوا کہ منادیٰ جو کہ اسم ہی ہو سکتا ہے مقدر ہے۔

یہ تب ہے جب الا کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے ورنہ بصورت تشدید **الاّ** مذکورہ ضابطہ کی مثال میں اسے پیش کرنا درست نہ ہوگا بلکہ **الا** **ان** ناصبہ اور لائے نفی سے مرکب سمجھا جائے گا اور **یسجدوا** فعل مضارع جس کا نون اعرابی ناصب کی وجہ سے محذوف مانا جائے گا۔

الثالثُ مَا اُضمِرَ عَامِلُهٗ علی شریطَةِ التّفسیر وهو کلّ اسم بعده فعلٌ او شِبْهُهٗ مشتغلٌ عنه بضمیرِهٖ او متعلِّقِهٖ لو سُلّط علیه هو او مُناسبهٗ لَنصَبهٗ مثل زیدًا ضربتهٗ وزیدًا مررت به وزیدًا ضربتُ غلامَه وزیدًا حُبِسْتُ عَلیه یُنصَبُ بفعلٍ مُضمرٍ یفسّرهٗ ما بعده ای ضربتُ وجاوزتُ واهنتُ ولا بَسْتُ.

ترجمہ:- تیسرا مقام **ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر** ہے اور وہ ہر ایسا اسم ہے کہ اس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو جو اس اسم سے اس کی ضمیر یا متعلق کی وجہ سے اعراض کر رہا ہو، لیکن اگر وہ فعل (یا شبہ فعل) یا اس کا مناسب اسم پر مسلط کر دیا جائے تو وہ اس اسم کو نصب دیدے۔ **زیدًا ضربتهٗ وزیدًا مررت به** اور **زیدًا ضربت غلامَه وزیدًا حُبست علیه** جیسے کو نصب دیا جاتا ہے ایسے فعل مضمر کی وجہ سے کہ جس کی تفسیر اس کا مابعد کر رہا ہے یعنی **ضربت** اور **جاوزت** اور **اهنتُ** اور **لابستُ**.

توضیح:- تیسرا مقام جہاں مفعول بہ کے فعل کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے **ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر** ہے۔ آگے اس کی تعریف کر رہے ہیں کہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہر ایسا اسم ہے کہ جس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو۔ اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کی ضمیر یا اس اسم کے متعلق میں عمل کر لینے کی وجہ سے اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو، لیکن فعل یا شبہ فعل اس طرح ترکیب میں واقع ہوں کہ اگر ان کو اس اسم پر مسلط کر دیا جائے یعنی بجائے اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل دلانے کے خود اس مذکور کو معمول بنا دیا جائے اور فعل یا شبہ فعل کو اس کا عامل قرار دے دیا جائے تو وہ فعل یا شبہ فعل یا ان کا

مناسب فی الترادف یا فی اللزوم اسم مذکور کو بحیثیت مفعول بہ ہونے کے منصوب بنا دے اگر ایسا ہو تو مفعول بہ کے فعل کا حذف واجب ہے، تاکہ بے فائدہ مفسَّر اور مفسِّر کا اجتماع لازم نہ آئے۔

فائدہ:- آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسم مذکور کے بعد فعل یا شبہ فعل کے واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جزء ترکیباً واقع ہوں جو کلام اسم ما اضمر عاملہ کے بعد واقع ہے۔ پس زیدًا عمرو ضربه و زیدًا انت ضاربه ما اضمر عاملہ کے باب سے ہی ہوئے بھلے زیدًا کے بعد بجائے ضربهٗ کے عمر ہے جو کہ اسم محض ہے، اس لیے کہ ضربه عمرو کا جز ہے پس گویا ضربه، زیدًا کے بعد ہی ہے۔

اسی طرح اسم مذکور میں فعل یا شبہ فعل کے عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ صرف فعل یا شبہ فعل کا اسم مذکور کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کر لینا ہو اور کوئی دوسرا مانع عمل کرنے سے موجود نہ ہو، اگر اشتغال بالضمیر اور اشتغال بالمتعلق کے علاوہ اور کوئی مانع ہوا تو وہ باب ما اضمر عاملہ سے نہیں مانا جائے گا۔ جیسے زید اضربته اس لیے کہ مثال مذکور میں ضربتُه کے عمل کی راہ میں رکاوٹ تنہا اشتغال بالضمیر ہی نہیں ہے، بلکہ ابتداء بھی ہے، جو کہ عامل معنوی ہوتا ہے۔

اب اصل بحث کی طرف لوٹئے اور مثالیں سماعت کیجیے جیسے زیدًا ضربتهٗ اور زیداً مررت به اور زیدًا ضربته غلامه اور زیدًا حبست علیه۔

مصنف نے متعدد مثالیں ممثل لہ کے تعدد کی وجہ سے دیا ہے دراصل یہاں چار باتیں ہیں (۱) فعل کا اشتغال ضمیر کے ساتھ اور فعل بعینہٖ ممکن التسلیط ہو جیسے کہ پہلی مثال سے ظاہر ہے۔ کہ اشتغال ضمیر کے ساتھ ہے اور ضربت کو بنفسِ نفیس مسلط کیا جا سکتا ہے۔ (۲) فعل کا اشتغال ہو تو ضمیر ہی کے ساتھ لیکن فعل بعینہٖ ممکن التسلیط نہ ہو بلکہ اس کا مناسب فی الترادف مسلط کیا جا سکتا ہو۔ جیسا کہ دوسری مثال میں ہے کہ زیدًا مررت به میں اشتغال ضمیر کے ساتھ ہے لیکن مررت کو بعینہٖ مسلط نہیں کر سکتے، کیوں کہ اس کی تسلیط دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو مررتُ کو حرف جار کے ساتھ زیدًا پر مسلط کریں گے یا بغیر اس کے۔ پہلی صورت میں حرف جر کی وجہ سے اسم مذکور بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہوگا، کیوں کہ حرف جر کا مدخول مجرور ہوتا ہے، حالاں کہ بصورت تسلیط فعل، نصب شرط ہے اور دوسری صورت میں مررت لازم ہونے کی وجہ سے مفعول سے بے نیاز ہوگا، لہٰذا اسم مذکور کو نصب نہ دے سکے گا، کیوں کہ مررت بغیر حرف جر کے متعدی نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ بعینہٖ مررت کا مسلط کرنا ممکن نہیں، لہٰذا اس کے مرادف جاوزت کو مسلط کریں گے جو نصب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(۳) فعل کا اشتغال اسم ما اضمر عاملہ کے متعلق کے ساتھ ہو اور اس کا مناسب باللزوم مسلط ہوتا ہو۔ جیسے زیدًا ضربت غلامه مثال مذکور میں بعینہٖ ضربت فعل کو زیدًا پر مسلط نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ مقصود

غلام کی مضروبیت کو بتاتا ہے جب کہ فعل کو بعینہٖ مسلط کرنے کی صورت میں زید کا مضروب ہونا لازم آتا ہے، لہٰذا بجائے ضربت فعل کو مسلط کرنے اس کے لازم اهنتُ کو مسلط کریں گے، کیوں کہ زید کے غلام کا مضروب ہونا زید کی اہانت کو مستلزم ہے، اس لیے کہ غلام کے ضرب سے اس کے آقا کی توہین ضروری ہے۔

(۴) فعل کا اشتغال ضمیر کے ساتھ ہو لیکن بجائے فعل مذکور کی تسلیط کے اس کا مناسب باللازم مسلط ہوتا ہو، اس لیے حُبستَ فعل مجہول ہے، جسے یا تو بغیر علیٰ حرف کے مسلط کریں گے یا علیٰ کے ساتھ۔ صورتِ اول میں اسم مذکور بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہوجائے گا، کیوں کہ وہ حرف جار کا مدخول ہوا جارہا ہے اور صورتِ ثانی میں چوں کہ وہ مجہول ہے، لہٰذا وہ بجائے نصب کے رفع دے گا، حالاں کہ نصب شرط ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حُبستُ ممکن التسلیط نہیں ہے، لہٰذا اس کے مناسب باللزوم کو مسلط کردیا اور وہ ہے لابستُ، حُبِسْتُ کے لیے لَابَسْتُ اس لیے لازم ہے کہ شیٔ کا شیٔ پر حبس، محبوس علیہ کے ملابس ہونے کو مستلزم ہے۔

ویُختارُ الرفعُ بالابتداء عِند عَدَمِ قرینةِ خِلَافِهٖ او عند وجودِ اقوٰی منها کاَمّا مَعَ غیر الطلب واذا للمُفاجَاةِ ویُختارُ النصبُ بالعَطفِ عَلٰی جُملةٍ فعلیةٍ للتناسُب وبعدَ حَرْفِ النفی وَالاستِفهامِ واذَا الشرطیّةِ وحَیث وفی الأمر وَالنهیِ اذ هِیَ مواقِعُ الفِعل وعِند خوفِ لبس المُفَسِّر بالصفة مثل اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بقَدَرٍ .

ترجمه:- اور رفع مختار ہوتا ہے ابتداء کی وجہ سے اس کے خلاف قرینہ نہ ہونے کے وقت یا اس سے زیادہ طاقتور قرینہ کے پائے جانے کے وقت جیسے اَمّا غیر طلب اور اذا مفاجائیہ کے ساتھ۔

اور نصب مختار ہوتا ہے عطف کی وجہ سے جملہ فعلیہ پر مناسبت کے لیے اور حرف نفی اور استفہام اور اذا شرطیہ اور حیث کے بعد اور امر و نہی میں اس لیے کہ یہ فعل کے مواقع ہیں اور صفت کے ساتھ مفسر کے اشتباہ کے خوف کے وقت جیسے انا کل شیٔ خلقناه بقدر۔

توضیح:- معلوم ہو کہ وہ اسم جو ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کے موقع گمان میں واقع ہو وہ پانچ قسموں پر ہے۔ (۱) رفع مختار ہو نصب کے جواز کے ساتھ (۲) نصب مختار ہو رفع کے جواز کے ساتھ (۳) رفع متعین ہو (۴) نصب متعین ہو (۵) رفع اور نصب دونوں برابر ہوں۔

ویختار فیه الرفع: سب سے پہلے مصنف ان مواقع کو بتاتے ہیں کہ جہاں رفع مختار ہوتا ہے تو رفع دو موقعوں سے مختار ہوتا ہے۔ پہلا موقع تو یہ ہے کہ نصب پڑھنے کا قرینہ مصححہ مرجحہ معدوم ہو اور رفع کا قرینۂ مصححہ مرجحہ موجود ہو تو مبتدا ہونے کی بنیاد پر نصب کے جواز کے ساتھ رفع پڑھنا اولیٰ ہے۔ جیسے زید ا ضربته کہ زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینۂ مصححہ ہے اور ایسے لفظ کا موجود ہونا جو تفسیر کی صلاحیت

رکھتا ہو نصب کا قرینۂ مصححہ ہے، لیکن نصب کے قرینہ کے لیے کوئی مرجح نہیں ہے، جب کہ رفع کے قرینۂ مصححہ کے لیے مرجح، سلامتی عن الحذف موجود ہے، کیوں کہ رفع پڑھنے کی صورت میں فعل کو اسم مذکور سے پہلے مقدر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں جب کہ نصب کی صورت میں فعل کی تقدیر ضروری ہے اور قاعدہ ہے کہ سلامتی عن الحذف حذف سے اولیٰ ہے۔

اور دوسرا موقع یہ ہے کہ رفع کا قرینہ مصححہ مرجحہ نصب کے قرینۂ مصححہ مرجحہ سے طاقتور ہو اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اسم مذکور امّا غیر طلب کے بعد یا اذا مفاجائیہ کے بعد واقع ہو جیسے **لقیت القوم اما زید فاکرمته** اور **خرجت فاذا زید یضربه عمرو.**

پہلی مثال میں زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینۂ مصححہ اور مفسر کا وجود نصب کا قرینۂ مصححہ ہے، اور امّا کا اسم مذکور پر داخل ہونا رفع کا قرینۂ مرجحہ ہے اور عطف علی الفعلیہ نصب کا قرینۂ مرجحہ ہے۔

لیکن رفع کا قرینہ مرجحہ بمقابلۂ نصب کے قرینۂ مرجحہ کے طاقتور ہے، اس لیے کہ امّا غیر طلب عموماً اسم پر ہی داخل ہوتا ہے اور یہ تبھی ہوسکتا ہے جب اسم مذکور کو مبتدا کی بنیاد پر مرفوع پڑھا جائے ورنہ جب اسم مذکور کو منصوب پڑھیں گے تو پھر اس سے پہلے فعل مقدر ماننا پڑے گا پس امّا غیر طلب کا دخول بجائے اسم کے فعل پر ہو جائے گا، مزید مرفوع پڑھنے کی صورت میں سلامتی عن الحذف بھی ہے۔

اور دوسری مثال میں زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینۂ مصححہ اور مفسر کا پایا جانا نصب کا قرینۂ مصححہ ہے اور اذا مفاجائیہ کا دخول رفع کا قرینۂ مرجحہ ہے، جب کہ عطف علی الفعلیہ نصب کا قرینۂ مرجحہ ہے، لیکن رفع کا قرینۂ مرجحہ نصب کے قرینہ سے طاقتور ہے، اس لیے کہ اذا مفاجائیہ بیشتر اسم پر ہی داخل ہوتا ہے دوسرے رفع کی صورت میں سلامتی عن الحذف بھی ہے۔

ویختار النصب: اب دوسرے قسم کو بیان کر رہے ہیں کہ اسم مذکور کو اس وقت نصب پڑھنا رفع کے جواز کے ساتھ ساتھ اولیٰ ہوتا ہے۔ جب اس جملہ کا کہ جس میں اسم مذکر واقع ہے کا عطف جملہ فعلیہ پر ہو رہا ہو جیسے **خرجت فزیدًا لقیته** نصب اس لیے مختار ہے تاکہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فعلیہ ہونے میں مناسبت کی رعایت ہو جائے ورنہ رفع کی صورت میں ایک فعلیہ اور دوسرا اسمیہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ پہلی صورت بہتر ہے۔

نیز اسم مذکور میں نصب اس وقت مختار ہوتا ہے جب اسم مذکور حرف نفی کے بعد واقع ہو جیسے **مازیدا ضربته** استفہام کے بعد واقع ہو جیسے **ازیدا ضربته** یا **اذا** شرطیہ کے بعد واقع ہو جیسے **اذا عبداللّٰه تلقیه فاکرمه** یا **حیث** کے بعد واقع ہو جیسے **حیث زیدا تجده فاکرمه** یا امر اور نہی سے پہلے واقع ہو جیسے **زیدا اِضربه** اور **اسامة لا تقتله.** نصب ان مواقع میں اس لیے مختار ہوگا کہ یہ عموماً فعل کے مواقع ہوتے

ہیں، چنانچہ حرف نفی، حرف استفہام اور اذا شرطیہ اور حیث شرطیہ اکثر افعال پر داخل ہوتے ہیں اور جب ان حروف کے بعد فعل ملفوظ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ وہ مقدر ہے اور امر و نہی کی صورت میں نصب اس لیے مختار ہوگا کہ اگر اسم مذکور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو تو پھر امر و نہی کا اس کی خبر ہونا لازم آئے گا، حالاں کہ یہ دونوں انشاء کے قبیل سے ہیں اور انشاء بلا تاویل بعید کے خبر نہیں واقع ہوتا۔ پس رفع کی صورت تکلف سے خالی نہیں۔

و عند خوف لبس المفسر: نیز جب اسم مذکور پر رفع پڑھنے کی صورت میں صفت کے ساتھ مفسر کے اشتباہ کا خوف پیدا ہو جائے تو بھی نصب مختار ہوتا ہے۔ جیسے **انا کل شیئ خلقناه بقدر.**

اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ اگر اسمیں اسم مذکور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہو تو اس سے معنیٰ صحیح کا فائدہ حاصل ہو۔ اور اگر اسم مذکور مرفوع ہو مبتدا ہونے کی بنیاد پر تو اس میں دو احتمال ہوں ایک یہ کہ اسم مذکور مبتدا ہو اور مابعد اس کا پورا کا پورا خبر ہو اس تقدیر پر بھی معنی درست ہوں گے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسم مذکور مبتدا ہو اور اس کا مابعد قریب یعنی خلقناه مبتدا کی صفت ہو اور اس کا مابعد بعید یعنی بقدر خبر ہو تو اس تقدیر پر معنی بگڑ جاتے ہیں اس لیے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو چیزیں ہم نے پیدا کیں ہیں وہ تو ٹھیک ہیں معلوم ہوا کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ خالق نہیں حالاں کہ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوق نہ ہو پس یہاں نصب مختار ہے اس لیے کہ نصب کی جہت احتمال فساد سے خالی ہے جب کہ رفع کی بعض شق میں فسادِ معنی کا احتمال ہے اور کلام کو ایسے طریق پر محمول کرنا جو احتمالِ فاسد سے مبراء ہو اولیٰ ہے بہ نسبت اس طریق پر محمول کرنے سے کہ جس میں فسادِ معنی کا دغدغہ ہو۔

ويستوي الامر ان في مثل زيدٌ قام وعمرًا اكرمته.

ترجمہ:- اور دونوں امر برابر ہیں **زيد قام وعمرا اكرمته** جیسے میں۔

توضیح:- یہاں سے مصنف **ما اضمر عامله علي شريطة التفسير** کی تیسری قسم بیان کر رہے ہیں کہ **مااضمر عامله علي شريطة التفسير** میں رفع اور نصب دونوں برابر درجہ کے ہوں۔ نہ رفع کا پڑھنا نصب کے مقابلہ میں اولیٰ ہو اور نہ ہی اس کا عکس اولیٰ ہو بلکہ دونوں کی حیثیت برابر ہو۔

زيد قام وعمرًا اكرمته جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ وہ جملہ جس میں اسم مذکور واقع ہے اس کا عطف ایسے جملہ پر ہو جو ذو جہتین ہو یعنی وہ جملہ باعتبار مبتدا کے اسمیہ ہو اور باعتبار خبر کے فعلیہ ہو۔ چنانچہ مثال مذکور میں **عمروًا كرمته** کا عطف **زيد قام** پر ہے جو باعتبار مبتدا یعنی **زيدٌ** کے اسمیہ ہے اور باعتبار خبر یعنی **قام** کے فعلیہ ہے پس عطف علی الکبریٰ یعنی **زيد قام** کا مجموعہ رفع کا تقاضہ کرتا۔ ہے کیوں کہ **قام** جو کہ معطوف علیہ ہے فعلیہ ہے پس اسم مذکور پر نصب پڑھنے کی صورت میں وہ جملہ جس میں اسم مذکور واقع ہے

فعلیہ ہو جائے گا۔ پس دونوں میں جملوں فعلیہ ہونے کی مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ اب معاملہ یہ ہے کہ عطف الکبریٰ اور عطف الصغریٰ میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں ہے، لہٰذا ان کے مقتضاء یعنی رفع اور نصب میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ اولیٰ اور بہتر نہیں کہا جا سکتا، لہٰذا دونوں کا حکم برابر ہے۔

ویجب النصبُ بعد حرفِ الشرطِ وحرفِ التحضیض مثل اِن زیدًا ضربتَهٗ ضَرَبَكَ والَّا زَیدًا ضربتهٗ ولیس ازیدٌ ذُهِبَ بِہٖ منہ فالرفعُ وکذلك کُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْہُ فِي الزُّبُرِ ونحو اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ الفاء بمعنی الشرط عند المبرّد وجُملتان عندَ سِیبوَیْهِ والا فالمُختارُ النصبُ.

ترجمہ:- اور نصب واجب ہوتا ہے حرف شرط اور حرف تحضیض کے بعد جیسے ان زیدًا ضربته ضَربكَ اور الّا زیدًا ضربته. اور ازید ذُهِبَ به اس سے نہیں ہے پس رفع لازم ہے اور ایسے ہی کل شئ فعلوہ فی الزبر اور الزّانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة فاء اس میں شرط کے معنی میں مبرد کے نزدیک ہے اور دو جملہ ہیں سیبویہ کے نزدیک ورنہ پس مختار نصب ہے۔

ویجب النصب: اب ما اضمرع عامله کا چوتھا حکم بیان کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ما اضمر عامله جب حرف شرط یا حرف تحضیض کے بعد واقع ہو تو اس میں نصب واجب ہے رفع کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ حرف شرط اور حرف تحضیض وجوبا فعل پر داخل ہوتے ہیں اور یہاں فعل لفظوں میں نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ وہ مقدر ہے جیسے ان زیدا ضربته ضربک اور الا زیدا ضربته.

ولیس مثل ازید ذُهِبَ به منه: یہاں سے مصنف مااضمرعامله علی شریطة التفسیر کا آخری اور پانچواں حکم بتا رہے ہیں اور وہ ہے رفع کا وجوب جو بصورت سوال و جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ماقبل میں بتایا کہ اگر اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہو تو اس میں رفع کے جواز کے ساتھ نصب اولیٰ ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ مثال مذکور ازید ذهب به سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ زید یہاں حرف استفہام ہمزہ کے بعد واقع ہے، اس کے باوجود بجائے نصب کے اولیٰ ہونے وجوبا مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ آپ کا قاعدۂ سابق درست نہیں، اس کا جواب مصنف نے دیا کہ ہمارا قاعدہ اپنی جگہ پر مسلم ہے، رہی بات مثال مذکور کی تو یہ باب مااضمر عامله سے ہے ہی نہیں اس لیے کہ ما اضمر عامله میں شرط ہے کہ وہ فعل جو اسم مذکور کے بعد واقع ہو وہ خود یا اس کا مناسب اس اسم پر مسلط ہو سکتا ہو اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں اس لیے کہ ذہب فعل لازم ہے جو اسم مذکور میں بناءً علی المفعول بہ نصب کا عمل نہیں کر سکتا۔ رہی بات اس کے مناسب اذہب کی تو یہ بھی ممکن التسلیط نہیں ہے، اس لیے کہ اُذهب فعل مجہول ہے جو بجائے نصب

کے مفعول بہ کو رفع دے گا جو باب مااضمر عامله کی شرط کے خلاف ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ مثال مذکور میں نہ تو خود فعل اور نہ ہی اس کا مناسب اسم مذکور پر مسلط ہو سکتا ہے، لہٰذا یہ باب ما اضمر عامله سے ہوا ہی نہیں پس نصب کے مختار ہونے نہ ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں، البتہ مبتدا ہونے کی وجہ سے وہ مرفوع ہوگا۔

و مثل قوله تعالٰی و کل شیٔ فعلوه فی الزبر: اس عبارت کا تعلق بھی پانچویں حکم سے ہے اور سابق کی طرح یہ بھی بصورت سوال و جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ماقبل میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب رفع اور نصب دونوں کا قرینہ مصححہ موجود ہو، لیکن قرینۂ مصححہ رفع کا نصب کے قرینۂ مصححہ سے طاقتور ہو تو بھلے رفع مختار ہوتا ہو، لیکن نصب پڑھنا پھر بھی جائز ہوتا ہے، لیکن آپ کا یہ قاعدہ کل شیٔ فعلوه فی الزبر سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ مثال مذکور قاعدۂ مذکور کے قبیل سے ہے لیکن اس کے باوجود رفع واجب اور نصب کی کوئی گنجائش نہیں پس معلوم ہوا کہ آپ کا قاعدۂ سابق درست نہیں؟ تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ اعتراض تب ہوگا جب یہ مثال باب ما اضمر عامله سے ہو یہاں مسئلہ یہ ہے کہ یہ مثال باب ما اضمر عامله سے ہے ہی نہیں اس لیے کہ باب مذکور کی مشہور شرط فعل یا اس کے مناسب کا ممکن التسلیط ہونا ہے جو یہاں فوت ہے، اس لیے کہ اگر فعل کو مسلط کیا تو تقدیر عبارت ہوگی فعلو کلّ شیٔ فعلو الزبر جو فساد معنیٰ کو مستلزم ہے، اس لیے کہ بریں صورت مطلب ہوگا کہ لوگوں نے تمام اعمال نامۂ اعمال میں کیا، حالاں کہ نامۂ اعمال بندوں کے افعال کا محل نہیں ہے، بلکہ کراماً کاتبین کے فعل کا محل ہے۔

نحو الزانية و الزانی: یہ عبارت بھی پانچویں حکم کے متعلق ہے اور سابق کی طرح سوال اور جواب کی صورت میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے سابق میں بیان کیا کہ اگر اسم مذکور کے بعد امر ہو تو نصب مختار ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ مسلّم نہیں، اس لیے کہ مثال مذکور میں اسم مذکور کے بعد امر واقع ہے اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ نصب مختار نہیں ہے، بلکہ نصب کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ رفع باتفاق قراسبعہ متعین ہے۔ تو اس کا مصنف نے دو طرح کا جواب دیا۔ پہلے کا تعلق مبرد سے ہے اور دوسرے کا تعلق سیبویہ سے ہے۔ مبرد کا کہنا ہے کہ فاء شرط کے معنی میں ہے یعنی شرط کے معنی کے ساتھ مربوط کرنے والی ہے، کیوں کہ الزانية و الزانی کا لام موصولہ ہے جو الذی کے معنی میں ہے اور زانية و زانی صلہ ہیں اور وہ مبتدا جو موصول ہو اور اس کا صلہ فعل ہو تو وہ شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے، لہٰذا الزانية و الزانی الف لام کے موصول اور اسم فاعل کے فعل کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مذکورہ بالا شرط پر پورا اترتے ہیں، لہٰذا یہ شرط کے معنیٰ کو شامل ہوئے پس فاجلدوا کی فاء جزائیہ ہوئی اور فا جزائیہ اپنے مابعد کو اپنے ماقبل میں عمل کرنے سے باز رکھتی ہے، لہٰذا فاجلدوا کو الزانية و الزانی پر مسلط نہیں کیا جا سکتا پس مااضمر عامله کی تسلیط کی شرط فوت ہوگئی، لہٰذا یہ مثال باب ما اضمر عامله سے ہوئی ہی نہیں کہ اعتراض کیا جائے۔

اور سیبویہ کے جواب کا بھی یہی حاصل ہے کہ آیت مذکورہ باب ما اضمر عامله سے ہے ہی نہیں، کیوں کہ فعل فاجلدوا کی الزانية و الزاني پر تسلیط بنیادی شرط ہے وہ پائی ہی نہیں جاتی اس لیے کہ یہ آیت دو مستقل جملہ ہے، ایک جملہ الزانية و الزاني جو مضاف کی تقدیر کے ساتھ یوں ہے حكمُ الزانيةِ والزاني فيما سيتلي عليكم۔ اور فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة۔ دوسرا جملہ ہے جسے حکم موعود کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ ایک جملہ کا جزء دوسرے جملہ کے جزء میں عمل نہیں کرتا پس فعل ممکن التسلیط نہ ہوا، لہٰذا یہ شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے باب ما اضمر عامله سے بھی نہ ہوا۔

اور اگر فاء کو شرط کے معنی میں نہ لیا جائے جیسا کہ مبرد کا خیال ہے یہ آیت دو جملے نہ تسلیم کی جائے جیسا سیبویہ کا خیال ہے تو نصب ہی حسب قاعدہ مختار ہوگا، لیکن نصب کا مختار ہونا باتفاق قراء باطل ہے پس یا تو فاء شرط کے معنی میں ہے اور یا آیت دو مستقل جملہ ہے۔

الرابعُ التحذيرُ وهو معمولٌ بتقدير اِتّق تحذيرًا ممّا بعدَهُ او ذُكِرَ المُحَذَّرُ منهُ مُكرّرًا مثل ايّاكَ والاسدَ وايّاك واَن تحذِفَ والطريقَ الطريقَ وتقول ايّاك مِنَ الاسَدِ ومِنْ ان تحذِفَ وَايّاكَ ان تحذِفَ بتقدير من ولا تقول اِيَّاك الاَسَدَ لامتناع تقدير من.

ترجمہ:- چوتھے تحذیر ہے اور وہ معمول ہے اتق کے تقدیر کے ساتھ ڈرانے کے لیے اس کے مابعد سے یا ذکر کیا جائے محذر منہ مکرر جیسے ایاك الاسدَ اور ایاك و ان تحذِف اور الطريق الطريق اور تم کہو ایاك من الاسد و من ان تحذف اور ایاك ان تحذف من کی تقدیر کے ساتھ اور نہ کہو گے ایاك الاسد من کی تقدیر کے ممتنع ہونے کی وجہ سے۔

توضیح:- یہ چوتھا مقام ہے جہاں مفعول بہ کے فعل کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے اور یہ وجوب فرصت نہ ہونے اور وقت کی تنگی کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے۔ اس چوتھی قسم کا نام تحذیر ہے تسمیۃ المفعول باسم المصدر کے طور پر یعنی جو نام مصدر کا تھا وہ مفعول یعنی محذر اور محذر منہ کا رکھ دیا گیا۔

تحذیر لغت میں ایک چیز کو دوسری چیز سے ڈرانے اور ایک کو دوسرے سے دور رکھنے کا نام ہے۔ اور اصطلاح میں تحذیر ایسے معمول یعنی ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جس میں نصب کا عمل مفعول بہ ہونے کی بنیاد پر اتق یا بَعِّدْ کی تقدیر کی وجہ سے ہو مفعول بہ کو اس کے مابعد سے ڈرانے کے واسطے یا تحذیر اتقِ یا بَعِّدْ کی تقدیر کی وجہ سے ایسے معمول محذر منہ کو کہتے ہیں جسے مکرر ذکر کیا گیا ہو۔

پس حاصل تعریف کا یہ نکلا کہ تحذیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محذر اور دوسرے محذر منہ۔ پس اگر تحذیر محذر ہو تو اس کے بعد محذر منہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، تا کہ مخاطب کو بیدار اور ہوشیار کیا جا سکے اور اگر تحذیر محذر

منہ ہوتو اس کا مکرر ذکر کرنا برائے تاکید ضروری ہے۔

اب سنو اگر تحذیر محذر ہو تو محذر منہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ اسم صریحی ہوگا یا اسم تاویلی اگر وہ اسم صریحی ہے تو اس کا استعمال دو طرح ہوتا ہے واؤ اور من لفظی کے ساتھ پہلے کی مثال جیسے ایاك و الاسَدَ اور دوسرے کی مثال ایاكَ من الاسدِ. پہلے کی مثال مصنف نے پہلے نمبر پر ذکر کیا ہے اور دوسرے کی مثال چوتھے نمبر پر بیان کیا ہے۔ اور اگر محذر منہ اسم تاویلی نہ ہو تو اس کا ذکر تین طرح ہوتا ہے واؤ لفظی اور من لفظی اور من تقدیری کے ساتھ۔ پہلے کی مثال جیسے ایّاك و ان تحذف اور دوسرے کی مثال ایّاكَ من ان تحذف اور تیسرے کی مثال ایّاك ان تحذف. تیسرے طریقۂ استعمال میں من بجائے لفظی ہونے کے تقدیری اس لیے ہوگا کہ من حروف جارہ میں سے ہے اور حرف جارہ کا حذف انّ اور اَنْ کے ساتھ قیاسی ہے، کیوں کہ انّ موصول حرفی ہے اور اس کا مابعد صلہ ہے اور صورت، جملہ کی صورت ہے جو مفرد کے معنی ادا کرتا ہے پس اس سے من کے حذف کو تخفیفاً روا رکھا گیا۔

لہٰذا اگر محذر منہ اسم صریحی ہو تو وہاں من کی تقدیر درست نہ ہوگی، کیوں کہ من کا حذف انّ اور ان کے علاوہ کے ساتھ شاذ ہے۔ اسی لیے مصنف نے کہا کہ ایاك الاسد مت کہو، کیوں کہ من کی تقدیر تفصیل سابق کی وجہ سے ناممکن ہے۔ پہلے کی مثال مصنف نے دوسرے نمبر پر اور دوسرے اور تیسرے طریقۂ استعمال کی مثال پانچویں اور چھٹے نمبر پر ذکر کی ہے۔ اور اگر تحذیر محذر منہ ہو تو اس کو مکرر ذکر کیا جائے گا اس کی مثال مصنف نے تیسرے نمبر پر بیان کی ہے۔ انہی وجہوں سے مصنف نے متعدد مثالیں ذکر کی ہیں، کیوں کہ تفصیل مذکورہ کی روشنی میں متعدد ممثل لہ کا ہونا ظاہر ہوگیا۔

ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ تحذیر کی پہلی قسم کے تمام اور نوع ثانی کے بعض افراد میں بَعِدْ کو مقدر مانا جائے گا جیسے نفسك اور نوع ثانی کے بعض افراد میں اتّق مقدر مانا جائے گا جیسے الطریق الطریق.

فائدہ:- جب آپ نے نفس مسئلہ سمجھ لیا تو اب عبارت کی لفظی تحلیل کا فریضہ بھی ادا کر لیجیے۔ کہ تحذیر کا نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہوگا تو فعل حَذّر مقدر مانا جائے گا۔ یا اس کا نصب مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہوگا تو ذُکِرَ فعل مقدر مانا جائے گا۔

اَوْ ذُکِرَ الْمُحَذّرُ منه کا عطف بجائے معمولٌ پر حُذّرَ یا ذُکِرَ مقدر پر ہے اور معطوف علیہ میں ضمیر ہونے کے باوجود معطوف میں اس ضمیر کی جگہ اسم ظاہر یہ بتانے کے لیے لے آئے ہیں کہ معمول سے مراد محذر منہ ہے محذر نہیں۔

ایک بات اور سمجھ لیں کہ ایاك و الاسد اصل میں اتقك و الاسد تھا، چوں کہ قاعدہ ہے کہ جب فاعل اور مفعول کی ضمیروں کا مصداق ایک ہی چیز ہو جائے تو مفعول کی ضمیر کا افعالِ قلوب کے علاوہ میں نفس

سے بدلنا واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ اتق نفسك و الاسد ہو گیا۔ پس جب مقام کی تنگی کی وجہ سے اتق کو حذف کیا تو نفس کو بھی حذف کر دیا گیا، کیوں کہ اب فاعل اور مفعول کی ضمیروں کے اجتماع کی ضرورت بھی ختم ہو گئی یعنی ضمیر مفعول کو نفس سے بدلنے کا جو باعث تھا وہ اب باقی نہیں رہا، لہٰذا نفس کی بھی کوئی ضرورت نہ رہی، پس ضمیر متصل کو منفصل سے بدل دیا کیوں کہ جب وہی نہ رہا کہ جس سے ضمیر متصل، متصل ہوا کرتی تھی تو ضمیر متصل کا وجود کیوں کر باقی رہ سکتا ہے۔ اور الاسد، ایاك پر معطوف ہے۔ مطلب ہے اتق نفسك ان تتعرض لك الاسد و اتق الاسد ان تهلكك.

المفعولُ فيه هُو مَا فُعِلَ فيه فِعْلٌ مذكورٌ مِن زمَان او مكان وشرطُ نصبه تقديرُ في وظُروفُ الزمان كلُّها تَقبَلُ ذٰلكَ وظرُوفُ المكَان اِنْ كَانَ مُبهمًا قَبل ذلِكَ واِلاَّ فلا وفُسِّر المبهم بالجهات السّتّ وحُمِلَ عليه عِنْدَ ولَدٰى وشبههما لا بهامِهما ولفظ مكان لكثرتِهٖ وما بعد دَخَلتُ عَلى الْاَصحّ ويُنْصَبُ بعاملٍ مضمرٍ وعلٰى شريطةِ التفسير .

ترجمه:- مفعول فیہ وہ اسم زمان یا اسم مکان ہے جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو اور اس کے منصوب ہونے کی شرط فی کی تقدیر ہے۔ اور ظروف زمان سب کے سب اس کو قبول کرتے ہیں اور ظروف مکان اگر مبہم ہوں تو فی کی تقدیر قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں اور مبہم کی جہات ستہ کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے اور محمول ہے اس پر عند اور لدیٰ اور ان دونوں کے مشابہ ان دونوں کے مبہم ہونے کی وجہ سے اور لفظ مکان محمول ہے اس پر اس کے کثرت استعمال کی وجہ سے اور دخلت کا مابعد اصح ترین قول پر (اسی پر محمول ہے) اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے عامل مضمر کی وجہ سے اور تفسیر کی شرط پر۔

توضیح:- اب مفعول فیہ کی تعریف بیان کر رہے ہیں مفعول فیہ ایسے ظرف زمان یا مکان کو کہتے ہیں جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو۔ فعلِ مذکور عام ہے خواہ مطابقۃً ہو یا تضمناً اور خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً اور خواہ فعل ہی ہو یا شبہ فعل۔ ایک بات اور ملحوظ خاطر رہے کہ فعل مذکور سے مراد فعل لغوی ہے یعنی مصدر۔ فعل اصطلاحی مراد نہیں ہے۔ اب ایک سوال اور اس کا جواب سمجھ لیجیے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ اس میں مفعول بہ (شهدتُ يوم الجمعة جیسی مثال میں) داخل ہوا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ یوم الجمعۃ ایسا اسم ہے جس میں فعل مذکور یعنی شہود کیا گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیثیت کی قید تعریف میں ملحوظ ہے اور وہ یہ کہ مفعول فیہ ایسا اسم ہے کہ جس میں فعل مذکور اس حیثیت سے کیا گیا ہو کہ وہ اسمیں کیا گیا ہے اس اعتبار سے نہ کیا گیا ہو کہ وہ اس پر واقع ہے اور یوم الجمعۃ کا ذکر کیا جانا اس اعتبار سے

ہے کہ شہود اس پر واقع ہے اس حیثیت سے نہیں ہے کہ شہود اس میں کیا گیا ہے، لہٰذا یہ مفعول فیہ نہیں ہوا اور تعریف کا دخول غیر سے مانع نہ ہونے کا اعتراض ختم ہو گیا۔

من زمان او مکان: اس سے مصنفؒ مفعول فیہ کی دونوں قسموں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں مبہم اور محدود۔ مبہم کہتے ہیں ایسے ظرف کو جس کی کوئی حد نہ ہو۔ اور محدود کہتے ہیں کہ جس کی کوئی حد ہو۔

مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ فی مقدر ہو گا اس لیے کہ اگر فی لفظوں میں ہو تو پھر مفعول فیہ بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہو گا۔ اس سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ مصنف کے نزدیک مفعول فیہ کا منصوب ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ بشکل مجرور بھی مفعول فیہ پایا جا سکتا ہے، البتہ جمہور نحاۃ کا خیال یہ ہے کہ مفعول فیہ وہی ہو گا جو فی کے مقدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گا۔ ورنہ وہ بجائے مفعول فیہ ہونے کے مفعول بہ ہو گا۔

ظروف الزمان: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ ظروف زمان خواہ مبہم ہوں یا محدود سب کے سب فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں اور منصوب ہوتے ہیں۔ ظروف زمانِ مبہم تو اس لیے فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں کہ زمانِ مبہم فعل کے مفہوم کا جزء ہوتا ہے جیسے کہ مفعول مطلق فعل کے مفہوم کا جزء ہوتا ہے، لہٰذا یہ مفعول مطلق کے مشابہ ہو گیا اور مفعول مطلق کا بالذات فعل سے تعلق ہوتا ہے پس اسی طرح زمانِ مبہم بھی فعل سے بالذات بغیر فی کے واسطے کے متعلق ہو گا۔ اب رہی بات زمان محدود کی تو وہ زمانِ مبہم پر محمول ہے، کیوں کہ دونوں (ذات) یعنی زمان ہونے میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

اور ظرف مکانِ مبہم اس لیے فی کی تقدیر کے ساتھ ہو گا، کیوں کہ وہ زمان مبہم پر محمول ہے زمانِ مبہم اور مکانِ مبہم دونوں کے وصف یعنی ابہام میں شریک ہونے کی وجہ سے البتہ مکان محدود فی لفظی کے ساتھ ہو گا، کیوں کہ وہ زمانِ مبہم کا نہ ذات میں شریک ہے اور نہ وصف میں۔

وفسر المبھم: بتا رہے ہیں کہ مکان مبہم سے مراد جہات ستہ ہیں، خلف، قدام، تحت، فوق، یمین، وشمال۔

وحمل علیه عند ولدی: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ نے اوپر بتایا کہ مکان مبہم تو فی کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، البتہ مکان محدود تو وہ چوں کہ زمان مبہم کے ساتھ نہ ذاتاً اور نہ ہی صفۃً کوئی اشتراک رکھتا ہے، لہٰذا وہ فی کے لفظ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو گا تو آپ کا یہ قاعدہ لفظِ مکان سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ وہ مکانِ محدود ہے پھر بھی وہ فی کی تقدیر کے ساتھ ہے۔

تو مصنف نے جواب دیا کہ جہات ستہ پر لفظ مکان بھی محمول ہے اور چونکہ جہات ستہ فی کی تقدیر کے

ساتھ استعمال ہوتے ہیں لہٰذا جب لفظ مکان کثرت استعمال کی وجہ سے جہات ستہ کے مشابہ ہو گیا تو وہ بھی فی کی تقدیر کے ساتھ استعمال ہوگا بھلے وہ مکان محدود ہے۔

وما بعد دخلت على الاصح: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ دخلت کا مابعد مثلاً دخلت الدار مکان محدود ہے اس کے باوجود فی مقدر ہے تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ دخلت کا مابعد دخلت کے کثرت استعمال کی وجہ سے مبہم ہونے میں جہات ستہ کی طرح ہے اور چونکہ جہات ستہ میں فی مقدر ہوتا ہے، لہٰذا مذہب اصح کے مطابق دخلت کے مابعد میں فی مقدر ہوگا۔

مذہب غیر اصح یہ ہے کہ دخلت کا مابعد فی لفظی کے ساتھ مجرور ہوکر استعمال ہوگا، کیونکہ مابعد دخلت مفعول فیہ نہیں ہے، البتہ مفعول بہ ہے، لیکن مذہب اصح یہ ہے کہ مابعد دخلت مفعول فیہ ہے اور اصل میں فی کا ذکر ہے لیکن اسے کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

وينصب بعامل مضر: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ مفعول فیہ عامل پوشیدہ کی وجہ سے کبھی جوازاً بغیر تفسیر کی شرط کے منصوب ہوتا ہے جیسے یوم الجمعة اس شخص کے جواب میں جس نے پوچھا متی سرت آپ کب چلے تو دیکھئے یوم الجمعة منصوب ہے عامل پوشیدہ سرتُ کی وجہ سے اور اس کی تفسیر کرنے والا کوئی دوسرا فعل موجود نہیں ہے۔

نیز کبھی کبھی مفعول فیہ تفسیر کی شرط پر عامل پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور اس کی بھی مفعول بہ کی قسم مااضمر عامله على شريطة التفسير کی طرح پانچ قسمیں ہیں انہی مواقع کی تفصیل کے ساتھ جو مفعول بہ کی بحث میں مذکور ہو چکے ہیں یہاں صرف نمونہ کے طور پر مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم رفع کا مختار ہونا نصب کے جواز کے ساتھ۔ جیسے يوم الجمعة سرت فيه اور دوسری قسم نصب کا مختار ہونا رفع کے جواز کے ساتھ جیسے يوم الجمعة صم فيه. اور حيث يوم الجمعة سافرت فيه اور تیسری قسم دونوں کا برابر ہونا جیسے يوم الجمعة سار فيه عبدالله ويوم الخميس سار فيه اور چوتھی قسم نصب کا واجب ہونا جیسے ان يوم الجمعة سرت فيه اور پانچویں قسم رفع کا واجب ہونا جیسے هكذا يوم الجمعة صمت فيه.

المفعُول لهٗ هو ما فُعِلَ لاجلهٖ فعلٌ مذكورٌ مثل ضربتهٗ تاديبًا وقعدتُ عَن الحرب جُبْنًا خلافًا للزّجّاج فانهٗ عندهٗ مصدرٌ وشرطُ نصبِهٖ تقديرُ اللام وانما يجُوز حَذفها اذا كانَ فِعلاً لفاعل الفِعْل المُعَلّل بهٖ وَمُقارنًا لهٗ فِي الْوُجُوْدِ .

ترجمه:- مفعول لہ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے فعل مذکور کیا گیا ہو جیسے ضربته تاديبًا اور قعدت عن الحرب جُبنًا اختلاف کرتے ہوئے زجاج سے، کیوں کہ مفعول لہ ان کے نزدیک مصدر ہے

اور اس کے نصب کی شرط لام کی تقدیر ہے اور بلا شبہ لام کا حذف جائز ہے جب وہ فعل ہو اس فعل کے فاعل کا کہ جس کی علت اس کے ذریعہ بیان کی گئی ہے اور وہ فعل مذکور کو مقارن ہو وجود میں۔

توضیح:- مفعول لہٗ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے یعنی جس کے حصول کے ارادے یا جس کے وجود کے سبب فعل مذکور کیا گیا ہو۔ فعل مذکور عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً، لہٰذا اعتراض اس مفعول لہ سے نہیں وارد کیا جا سکتا کہ جس کا فعل مقدر ہو جیسے **تادیبًا** اس شخص کے جواب میں جس نے کہا **لما ضربتَ زیدًا**. مصنف کے قول مذکور سے احتراز ہو گیا **اعجبنی التأدیب** میں **التأدیب** سے کیوں کہ اس کا فعل مذکور نہیں ہے مفعول لہٗ کے ساتھ فعل کے مذکور ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ فعل اسی ترکیب میں مفعول لہ میں اثر پیدا کرنے کے لیے مذکور ہوا ہو جس ترکیب میں مفعول لہ واقع ہے۔

چونکہ مفعول لہ کی دو قسمیں ہیں ایک علت غائی اور ایک علت مؤثرہ اس لیے مصنف نے دو مثالیں دی ہیں **ضربته تادیبًا** پہلی قسم کی مثال ہے اور **قعدتُ عن الحرب جبنًا** دوسری قسم کی مثال ہے۔

خلافًا للزجاج: **خلافًا** ترکیب میں مفعول مطلق واقع ہے، اس سے پہلے **یخالف** فعل مقدر ہے۔ جمہور کی رائے کے برعکس مفعول لہٗ کے بارے میں زجاج کا کہنا ہے کہ وہ مفعول مطلق ہے، کیونکہ مفعول لہ ان کے نزدیک مستقل معمول نہیں ہے، بلکہ وہ مفعول مطلق میں داخل ہے، لہٰذا مذکورہ مثالوں میں **تادیباً** اور **جُبنًا** بجائے مفعول لہ مفعول مطلق ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے **ادبته بالضرب تادیبًا وجبنتُ فی القعود عن الحرب جبنًا** یا **ضربته ضربَ تادیب** اور **قعدت عن الحرب قعودَ جُبنٍ** ہے۔

لیکن جمہور نحاۃ زجاج کی بات سے اتفاق نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ ایک نوع کی تاویل کا صحیح ہونا دوسری نوع کے ساتھ شئ کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حال کی تاویل ظرف کے ساتھ درست ہے باوجود اس کے وہ حقیقتاً حال ہی ہے، ظرف نہیں ہو جاتا، لہٰذا مفعول لہ، مفعول مطلق کی تاویل میں اگر ہو بھی جائے تو وہ مفعول لہ ہی رہے گا مفعول مطلق نہیں ہو جائے گا۔

وشرط نصبه تقدیر اللام: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط لام کا مقدر ہونا ہے، کیوں کہ اگر لام ملفوظ ہو تو مفعول لہ مجرور ہو جائے گا اور حرف جر کے ساتھ اس کا نصب ناممکن ہو جائے گا اور جب لام کی تقدیر کے ساتھ وہ منصوب نہ ہوگا تو پھر اس سے وہ علت مفہوم نہ ہو سکے گی جو کہ مفعول لہ کی شرط ہے۔

یہاں پر ایک سوال ہے کہ جس طرح لام تعلیل کے لیے ہوتا ہے اسی طرح ''مِن''، ''باء'' اور ''فی'' بھی تعلیل کے لیے ہوتے ہیں تو بطور خاص مفعول لہ میں لام کی تقدیر کو ہی کیوں ذکر کیا، ''من'' کی مثال جیسے **لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرأیته خاشعًا متصدعًا من خشیة اللّٰه.** اور ''باء'' کی مثال جیسے

فَبِظُلْمٍ الذين هادوا حرمنا عليهم طيّباتٍ. اور فی کی مثال جیسے نبی صلی اللہ علیہ کا ارشاد ان امراۃ دخلت النار فی ھرۃ.

تو جواب یہ ہے کہ لام کو بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ لام کا استعمال عامۂ افعال کی تعلیلات میں ہوتا ہے۔ جب کہ ''من''، ''باء'' اور ''فی'' کی تقدیر اکثر اسماء کی تعلیلات میں ہوتی ہے۔ لہٰذا مفعول لہٗ میں ان سب کو مقدر نہیں مانا گیا۔

ویجوز حذفھا: اب بتا رہے ہیں کہ لام کا حذف کب ہوگا تو اس کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ مفعول لہ مصدر ہو عین یعنی ذات نہ ہو، لہٰذا جئتك للسمن سے حذفِ لام درست نہ ہوگا اور دوسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو بالفاظ دیگر فعلِ عامل کا فاعل اور مفعول لہ کا فاعل ایک ہو، لہٰذا جئتُك لمجیئكَ إیّایَ سے لام کا حذف درست نہ ہوگا، کیوں کہ فعل عامل کا فاعل متکلم اور مفعول لہ کا فاعل مخاطب ہے، پس مفعول لہ اور اس کے عامل دونوں کا فاعل متحد ہونے کے بجائے الگ الگ ہو گئے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل عامل کا وجوداً زمانہ ایک ہو یا کم از کم ایک کا زمانہ دوسرے کے زمانہ کا جزء ہو، لہٰذا اکرمتك الیوم لوعدی بذالك امسِ اس سے لام کا حذف درست نہ ہوگا، کیوں کہ فعلِ عامل اور مفعول لہ کا زمانہ ایک نہیں ہے یہ شرائط حذف لام کے لیے اس لیے ضروری ہیں کہ ان شرائط کے وجود کے وقت مفعول لہ، مفعول مطلق کے مشابہ ہوجاتا ہے۔ اور چوں کہ مفعول لہ سے فعل بالذات ملتا ہے، لہٰذا مفعول لہ سے بھی براہ راست مل سکے گا۔

فائدہ:- فائدہ کے طور پر ایک بات سمجھ لیجیے کہ مصنف نے بجائے ویجوز کے ویجوز حذفھا فرمایا تقدیرُ اللام کی طرف ضمیر کے لوٹانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ حذفھا کا اضافہ فرمایا، اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ دونوں لفظوں کا اصطلاحاً ایک مفہوم میں استعمال رائج ہے۔ دوسری وجہ ایک اور جو زیادہ دل لگی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کہتے ہیں لفظ سے ساقط کر دینا اور نیت میں باقی رکھنا اور حذف مطلق اسقاط کو کہتے ہیں کہ خواہ ابقاء فی النیۃ کے ساتھ ہو یا نہ ہو، تو اب اگر صرف ضمیر کے لوٹانے پر اکتفاء کر لیتے تو کسی کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اسقاط عن اللفظ اور ابقاء فی النیۃ دونوں کے لیے مذکورہ بالا شرائط درکار ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے بلکہ بقائے لام تو اصل ہے، اس کے لیے کسی شرط کی ضرورت نہیں۔

المفعول معهُ هُوَ مذكورٌ بعد الواو لمُصَاحَبَةِ معمولِ فعلٍ لفظًا او معنًى فان كانَ الفِعلُ لفظًا وجاز العطفُ فالوَجْهان مثل جئتُ انا وزيدٌ وزيدًا والا تعيّن النصبُ مثل جئتُ وزيدًا وإن كان معنًى وجازَ العطفُ تعيّنَ العطفُ نحو ما لزيدٍ وعمرٍو والاّ تعيّن النصبُ مثل مَالكَ وزيدًا وَما شانكَ وعمرًا لانَّ المَعْنٰى ما تصنع.

ترجمہ:- مفعول معہ وہ ہے جسے واؤ کے بعد ذکر کیا گیا ہو فعل کے معمول کی مصاحبت کے لیے خواہ لفظاً ہو یا معنیً پس اگر فعل لفظاً ہو اور عطف درست ہو تو دو وجہیں جائز ہیں جیسے جئتُ انا و زیدٌ و زیدًا ورنہ نصب متعین ہوگا جیسے جئتُ و زیدًا اور اگر فعل معنیً ہو اور عطف درست ہو تو عطف متعین ہوگا جیسے مالزیدٍ وعمروٍ ورنہ نصب متعین ہوگا۔ جیسے مالك و زیدًا اور ما شأنك و عمرًا اس لیے کہ معنی ماتصنع ہیں۔

توضیح:- معلوم ہونا چاہیے کہ المفعول میں الف لام الذی کے معنی میں ہے اور معہ جو کہ المفعول کا نائب فاعل ہے، اس کی ضمیر الف لام بمعنی الذی کی طرف لوٹ رہی ہے، اتنا سمجھ لینے کے بعد اب مفعول معہٗ کی تعریف سنئے، مفعول معہ ایسا اسم ہے کہ جس کو واؤ بمعنی مع کے بعد فعل کے معمول کی مصاحبت کے واسطے ذکر کیا گیا ہو خواہ فعل لفظاً ہو یا معنًی۔ مصاحبت کبھی فعل کے صدور یعنی معنی فاعل میں ہوگی جیسے استوی الماء و الخشبةُ اور کبھی وقوع یعنی معنیٔ مفعول میں ہوگی جیسے کفاك و زیدًا درھمٌ.

فعل کے لفظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل لفظوں میں پایا جاتا ہو یا عبارت میں مقدر ہو اور فعل کے معنوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل مضمون کلام سے مستفاد ہوتا ہو عبارت میں نہ تو وہ صراحتاً ہو اور نہ تقدیراً۔

آگے بڑھنے سے پہلے چند باتیں اور ذہن نشین کر لیجیے کہ مصاحبۃ معمول فعل کی قید سے احتراز ہو گیا اس سے جو فعل کا معمول نہ ہو جیسے زید و عمرو اخوك یا ہو تو فعل کا معمول لیکن فعل کی مصاحبت کے لیے نہ ہو جیسے جاء نی زید و عمرو.

دوسری بات فعل کے معمول کے مصاحب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مفعول معہ کے معمول کا شریک ہو فعل کے صدور اور وقوع میں زمان کے اتحاد کے ساتھ جیسے سرت زیدًا اور مکان کے اتحاد کے ساتھ جیسے لو ترکت الناقةُ و فصیلتُها لرضَعتُها.

تیسری بات مصنف نے مع کی جگہ پر واؤ کا انتخاب کیا اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو واؤ مختصر ہے دوسرے یہ کہ اس واؤ کی اصل واؤ عطف ہے جو کہ جمع کے معنی کے لیے ہوتا ہے اور جمع کے معنی معیت کے معنی کے مناسب اور شایان شان ہوتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مفعول معہ کا عامل جمہور نحاۃ کے نزدیک واؤ کے واسطے سے فعل یا معنی فعل ہوتا ہے۔

فان کان الفعل لفظاً و جاز العطف: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ اگر مفعول معہ کا فعل یا شبہ فعل لفظاً ہو اور مفعول معہٗ کا اس کے معمول پر عطف جائز ہو واجب نہ ہو نیز ممتنع بھی نہ ہو تو اس مفعول معہ کا معطوف ہونا بھی درست ہے اور مفعول معہ ہونا بھی، اس لیے کہ دونوں احتمالوں کے اعتبار کرنے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جیسے جئت انا و زیدًا و زیدٌ پس زیدًا کو منصوب مفعول معہ ہونے کی وجہ سے پڑھ سکتے ہیں اور ضمیر مرفوع متصل پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اس مثال میں عطف اس لیے درست ہے کہ عطف ضمیر مرفوع متصل پر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب عطف ضمیر مرفوع متصل پر ہوتو اس کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل سے لانا ضروری ہوتا ہے اور یہاں اس کی رعایت پائی جاتی ہے کہ تاکید کے لیے انا ضمیر ہے عطف کی صورتِ مذکورہ میں تاکید اس لیے ضروری ہوتی ہے تاکہ جزءِ کلمہ پر عطف لازم نہ آئے اس لیے کہ ضمیر مرفوع شدتِ اتصال کی وجہ سے جزءِ کلمہ کے درجہ میں ہے، جو کہ بحیثیت جزء کے ناقص ہے، جب کہ معطوف مستقل کلمہ ہونے کی وجہ سے تام اور معطوف علیہ سے افضل ہے جب کہ معطوف علیہ کو اس سے کمتر نہ ہونا چاہئے۔

اور اگر فعل لفظی تو ہو پر اس کے معمول پر مفعول معہ کا عطف درست نہ ہو تو نصب متعین ہے، کیوں کہ عطف کی جب کوئی گنجائش نہیں تو پھر نصب پڑھنے کے سوا چارہ کیا ہے؟ جیسے جئت و زیدًا یہاں پر زید کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں، لہٰذا اب صرف مفعول معہ ہونے کی بنیاد پر نصب کی گنجائش ہے۔

و ان کان الفعل معنی: اور اگر مفعول معہ کا فعلِ عامل معنوی ہو اور عطف کی گنجائش ہو تو پھر عطف متعین ہے، تاکہ عامل لفظی کے ہوتے ہوئے عاملِ معنوی پر حمل لازم نہ آئے۔ جیسے **مالزیدٍ وعمرٍو.** اور اگر عطف روا نہ ہو پھر نصب متعین ہے اس لیے کہ اس کے سوا چارہ کیا ہے؟ جیسے **مالكَ وزیدًا.** اور **شانُكَ وعمرًا.** پہلی صورت میں عطف اس لیے درست نہیں کہ عربوں کے یہاں ضمیر مجرور پر بلا اعادۂ حرفِ جار عطف نہیں ہوا کرتا اور یہاں حرف جار کا اعادہ نہیں ہے اور دوسری صورت میں اس لیے کہ متکلم کا مقصود مخاطب اور عمرو دونوں کی حالت دریافت کرنا ہے، اب اگر عطف کر دیتے ہیں تو پھر سوال کا مقصود مخاطب کی حالت اور عمرو کی ذات کا دریافت کرنا ہو جائے گا۔ ظاہر ہے یہ متکلم کے مقصود کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے عطف کی کوئی گنجائش نہیں، تاکہ قلبِ مقصد کے ارتکاب سے بچا جا سکے۔

ان تمام مذکورہ مثالوں میں فعل معنوی ہوگا، اس لیے کہ تمام امثلۂ بالا کے معنی ماتصنع کے ہیں۔

الحالُ ما يُبَيِّنُ هَيْئَةَ الفاعِلِ او المفعولِ بهٖ لفظًا اَو معنًى نحو ضربتُ زيدًا قائمًا وزيدٌ في الدّارِ قائمًا وهٰذا زيدٌ قائمًا وعامِلُها الفعلُ او شبهُهُ او مَعْناهُ وشرطُها اَنْ تكونَ نكرةً وصاحِبُها مَعْرفةً غالبًا وارسَلها العِرَاكَ ومررتُ بِهٖ وحدَهُ ونحوُهُ متاوَّلٌ فان كَانَ صاحبُها نكرةً وَجَبَ تقديمُهَا ولا يتقدّمُ على العامِلِ المعنوىّ بخلافِ الظرف ولا على المجرور على الاصحّ. وكلُّ ما دَلَّ على هَيئةٍ صحَّ ان يّقعَ حالاً مثلُ هٰذا بُسْرًا اطيَبُ مِنهُ رُطَبًا.

ترجمہ:- حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر لفظًا یا معنًی دلالت کرے جیسے ضربت

زيدًا قائمًا اور زيد في الدار قائمًا اوراس کا عامل فعل یا شبہ فعل یا معنی فعل ہوگا اوراس کی شرط یہ ہے کہ حال نکرہ ہواور ذوالحال عموماً معرفہ۔اور ارسلها العراك اور مررت به وحده اوراس جیسے تاویل شدہ ہیں پس اگر ذوالحال نکرہ ہوتو اس کی تقدیم واجب ہے اور حال عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف کے اور نہ مجرور پر صحیح ترین قول کے مطابق اور ہروہ اسم جو حالت پر دلالت کرے اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے جیسے هٰذا بُسرًا اطيب منه رُطبًا.

توضیح:- اب مصنف حال کی تعریف اوراس کے متعلقہ احکام بیان کرنا چاہتے ہیں۔تو حال ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو فاعل یا مفعول بہ یا دونوں کی حالت پر بحیثیت ان کے فاعل یا مفعول بہ کے دلالت کرے خواہ فاعل یا مفعول بہ لفظاً ہو یا حکماً۔

فاعل اور مفعول بہ عام ہے خواہ حقیقتاً فاعل یا مفعول بہ ہوں یا حکماً اس تعمیم کا فائدہ یہ ہے کہ وہ حال جو مفعول مطلق سے واقع ہے اس کا بھی حال واقع ہونا درست ہے، کیوں کہ اگر وہ سچ مچ مفعول بہ نہیں ہے، لیکن حکماً مفعول بہ ہے، چنانچہ ضربت الضربَ شديدًا احدثت الضرب شدید کے معنی میں ہے پس شديدًا کا الضرب مفعول مطلق سے حال واقع ہونا صحیح ہے۔اسی طرح وہ حال جو مفعول معہ سے ہو، کیوں کہ وہ مفعول بہ یا فاعل، حکماً ہے، کیوں کہ اگر مفعول معہ فعل کے معمول کا صدور میں مصاحب ہے تو وہ فاعل کے درجہ میں حکماً ہوگا۔اور اگر وہ فعل کے معمول کا وقوع میں مصاحب ہے تو وہ حکماً مفعول بہ ہوگا، جیسے جئت وزيدًا راكبين. اسی طرح سے وہ لفظ جو مضاف الیہ سے حال واقع ہو بشرط کہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور مضاف کے حذف کے بعد مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنانا درست ہو حکماً فاعل یا مفعول بہ سے حال مانا جائے گا جیسے بل نتبع ملة ابراهيم حنيفًا کہ حنيفًا ابراهيم مضاف الیہ سے حال واقع ہے۔

فوائد قیود: مزید کچھ اور قیدوں کا فائدہ سمجھ لیجیے تو ہیئت کے ذکر سے تمیز سے احتراز ہوگیا اس لیے کہ وہ شئی کی ذات کو بیان کرتا ہے۔اور ہیئت کی فاعل اور مفعول بہ کی طرف اضافت سے مبتدا کی صفت سے احتراز ہوگیا جیسے زيد نالعالم اخوك پس العالم زید کی ہیئت کو بیان تو کرتا ہے، لیکن زید نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ۔اور حیثیت کی قید سے فاعل اور مفعول بہ کی صفت سے احتراز ہوگیا کیوں کہ وہ بھلے فاعل اور اور مفعول بہ کی حالت کو بتاتی ہیں، لیکن فاعل اور مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے نہیں جیسے جاء نی رجلٌ عالمٌ اور رأيت رجلا عالمًا.

ایک بات اور یاد رہے کہ تعریف میں مذکور اَوْ منع الخلو کے لیے ہے منع الجمع کے لیے نہیں ہے۔

لفظًا او معنی: فاعل لفظی اور مفعول بہ لفظی ایسے فاعل اور مفعول بہ کو کہتے ہیں کہ جس فاعل کی فاعلیت اور مفعول بہ کی مفعولیت باعتبار کلام کے لفظ کے ہو بغیر کسی معنیٰ خارج کا اعتبار کیے ہوئے۔اور ملفوظ

اعم ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔

اور فاعل اور مفعول بہ معنوی کہتے ہیں ایسے فاعل کو کہ جس فاعل کی فاعلیت اور مفعول بہ کی مفعولیت اس معنی کے اعتبار سے ہو جو مضمونِ کلام سے مستفاد ہوتی ہے۔ کلام کی عبارت میں بغیر کسی تقدیر و تصریح کے۔

اب مصنف مثال بیان کر رہے ہیں پس ضربت زیدًا قائمًا یہ فاعل اور مفعول بہ لفظی کی مثال ہے جو حقیقتاً ملفوظ ہے، بلا شبہ تائے متکلم کی فاعلیت اور زید کی مفعولیت کلام کے لفظ کے اعتبار سے ہے کسی معنیٰ خارج کو نکالے بغیر وہ دونوں حقیقتاً ملفوظ ہیں۔

اور زید فی الدار قائمًا یہ فاعل لفظی کی مثال ہے جو حکماً ملفوظ ہے، کیوں کہ ظرف میں ضمیر مستتر کی فاعلیت کلام کے لفظ کے اعتبار سے ہے، اس لیے کہ ضمیر پوشیدہ حکماً ملفوظ سمجھی جاتی ہے۔ اور هذا زیدٌ قائمًا یہ معنوی کی مثال ہے، اس لیے کہ زید کی مفعولیت اس معنی کے اعتبار سے ہے جو مضمونِ کلام سے سمجھا جاتا ہے نظمِ کلام میں بغیر اس کی تقدیر و تصریح کے، یعنی اُشیر اور اُنبِہُ جو هذا سے سمجھا جاتا ہے قائمًا اس سے حال ہے۔

وعاملها الفعلُ او شبهه: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ حال کا عامل فعل یا شبہ فعل یا معنیٔ فعل ہوتا ہے۔ فعل کسے کہتے ہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ اور شبہ فعل اس اسم کو کہتے ہیں جو فعل سا عمل کرے اور فعل کی ترکیب سے ہو، البتہ معنیٔ فعل کسے کہتے ہیں؟ اس سلسلے میں ایک رائے تو فاضل مصنف کی ہے اور دوسری علامہ رضی کی ہے۔ مصنف کا خیال یہ ہے کہ عامل معنوی وہ ہے جس کے لیے لفظ میں حصہ ہوتا ہے خواہ وہ کلام کی عبارت میں مقدر ہو یا مضمون کلام سے مستفاد ہوتا ہو، اور علامہ رضی کا مذہب یہ ہے کہ فعل معنوی وہ فعل ہے جو مضمون کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ نظم کلام میں بغیر تقدیر اور تصریح کے۔ پس ضربت زیدًا قائمًا جیسی مثال میں عامل بالاتفاق لفظاً ہے اور هذا زید قائمًا جیسی مثال میں بالاتفاق عامل معنوی ہے اور زید فی الدار قائمًا جیسی مثال میں عامل محل نزاع ہے پس مصنف کے نزدیک اس میں عامل معنوی ہے اور رضی کے نزدیک اس میں عامل لفظی ہے۔

وشرطها ان تكون نكرة: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حال کے لیے نکرہ ہونا ضروری ہے، کیوں کہ حال سے مقصود اس معنیٔ مصدری کو مقید کرنا ہے جو ذوالحال کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اتنی بات نکرہ سے حاصل ہو جاتی ہے پس حال کے معرفہ لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ذوالحال کے لیے معرفہ ہونے کی شرط اس لیے قرار دی کی ذوالحال درحقیقت محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ میں اصل معرفہ ہونا ہے غالبًا کی قید بڑھا کر مصنف نے بتا دیا کہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

وارسلها العراك الخ: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ حال کے لیے نکرہ

ہونا شرط ہے تو یہ قاعدہ شاعر کے قول وارسلہا العراك اور عربوں کے قول مررت به وحده سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ العِراك حال ہے باوجود یکہ وہ معرف باللام ہے اور وحده حال ہے باوجود یکہ وہ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ سب نکرہ کی تاویل میں ہیں دو وجہوں سے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ العِراك اور وحده افعالِ محذوفہ کے مصادر ہیں یہ افعال مصادر کے ساتھ جملہ فعلیہ ہوکر حال واقع ہیں تقدیر عبارت ہے وارسلها تعترك العراكَ ہے ومررت به ينفرد وحدَه اور جملہ من حیث الجملہ نکرہ ہوتا ہے، لہٰذا شرط کے خلاف معاملہ نہیں ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی صورت اگر چہ معرفہ کی صورت ہے، لیکن وہ معنیٰ نکرہ ہیں جیسے کہ العراك اس میں الف لام زائدہ ہے اور جب الف لام زائدہ ہوگیا تو وہ نکرہ ہوگیا۔ رہی بات وحده کی تو وہ اضافت لفظیہ ہے اور اضافت لفظی مفید للتعريف والتخصیص نہیں ہوتی پس تقدیر عبارت ہوگی وارسلها معتركة اورمررت به منفردًا.

فان كان صاحبها نكرة: یہاں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ذوالحال نکرہ ہو تو حال کا ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہے، جیسے جاء نی راكبا رجل. صورت مذکورہ میں ذوالحال کی حال پر تقدیم اس لیے واجب ہے کہ اگر حال مؤخر ہے تو نصبی حالت میں حال کا صفت کے ساتھ اشتباہ لازم آئے گا جیسے ضربت رجلا مجرداً عن ثیابہ تو اس اشتباہ سے بچنے کے لیے حال کی تقدیم مطلقاً باب کی موافقت میں ضروری کر دیا ہر چند کہ رفعی اور جری حالت میں یہ خدشہ نہیں ہے۔ اچھا جب حال کو مقدم کر دیں گے تو صفت کے ساتھ اشتباہ کا خطرہ اس لیے نہیں ہوگا کہ صفت بحیثیت صفت کے موصوف پر مقدم نہیں ہوتی۔

ولا يتقدم على العامل المعنوى: مطلب یہ ہے کہ جب کسی حال کا عامل عاملِ معنوی ہو تو وہ حال اپنے عاملِ معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ عامل معنوی ضعیف العمل ہے لہٰذا وہ معمول متاخر میں تو عمل کرے گا، لیکن معمول متقدم میں عمل نہیں کرے گا، البتہ دھیان رہے کہ جب دو حال دو چیزوں سے دو مختلف اعتباروں سے واقع ہوں تو دونوں حالوں کا اپنے ذوالحال سے متصل ہونا ضروری ہے۔ بھلے حال کو اپنے عاملِ معنوی پر مقدم ہونا پڑے جیسے زيد قائمًا كعمرو قاعدًا.

بخلاف الظرف: اس کا مطلب یہ ہے کہ حال اگر چہ عامل معنوی پر نہیں مقدم ہوسکتا، لیکن وہ ظرف پر مقدم ہوسکتا ہے، اس لیے کہ ظرف میں بڑی وسعت ہوتی ہے۔

ولا على المجرور: اس ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا اسی طرح ذوالحال مجرور خواہ وہ مجرور بالاضافت ہو یا مجرور بحرف الجر اس پر بھی حال کی تقدیم درست نہیں۔

اگر ذوالحال مجرور بالاضافت ہو تو اس کی تقدیم حال پر بالاتفاق اس لیے منع ہے کہ حال ذوالحال کی فرع ہے اور ذوالحال یہاں مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کی تقدیم مضاف پر ناممکن ہے تو جب مضاف الیہ کی تقدیم

مضاف پر نہیں ہوسکتی تو مضاف الیہ کے متعلقات یعنی حال کی تو بدرجہ اولیٰ تقدیم منع ہوگی جیسے جاء تنی مجردًا عن الثیاب ضاربةُ زید پس یہ ترکیب حال کے مضاف پر مقدم ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

اور اگر مجرور بحرف الجر ہوتو اس میں دو مذہب ہیں مذہب اصح ، اور غیر اصح ، مذہب اصح یہ ہے کہ حال کی تقدیم ذوالحال مجرور بحرف الجر پر درست نہیں، کیوں کہ جب مجرور کی تقدیم حرف جر پر ناممکن ہے تو مجرور کے متعلقات کی تو بدرجۂ اولیٰ تقدیم منع ہوگی۔

اور مذہب غیر اصح یہ ہے کہ حال کی تقدیم مجرور بحرف الجر پر ٹھیک ہے، کیوں کہ حرف جر فعل لازم کو متعدی بنایا کرتا ہے پس گویا وہ فعل کے حروف کا جزء ہوگیا اور حال کی تقدیم فعل پر درست ہے۔

لہٰذا مجرور بحرف الجر پر بھی درست ہوگی، چنانچہ قرآن کریم میں ذوالحال مجرور بحرف الجر پر حال کی تقدیم کا استعمال موجود ہے جیسے وما ارسلناك الا كافة للنّاس کہ كافة، للناس مجرور سے حال واقع ہے اور للناس پر مقدم ہے۔لیکن جمہور کی جانب سے اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ كافةً مصدر محذوف کی صفت سے حال نہیں ہے، چنانچہ تقدیر عبارت ہے وما ارسلنَاكَ الا رسالة كافة للناس اور دوسرا جواب یہ ہے کہ كافةً خود فعل محذوف کا مفعولِ مطلق ہے پس تقدیر عبارت ہوگی وما ارسلناك الا ان تكف كافــة للناس پس اس آیت کے ذریعہ مجرور بحرف الجر پر حال کی تقدیم کے جائز ہونے پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

وكل ما دل على هيئة: اس عبارت سے مصنف درحقیقت ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ حال کے لیے مشتق ہونا ضروری ہے، چنانچہ اگر کہیں جوامد حال کی صورت میں نظر آتے ہیں تو وہ اس کی تاویل مشتق سے کرنے سے باز نہیں آتے۔

مصنف کے رد کا حاصل یہ ہے کہ کوئی بھی لفظ ہو اگر وہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت پر دلالت کرتا ہے تو اس کا حال بننا درست ہے چاہے وہ جامد ہو یا مشتق جیسے هذا بُسرا اطيب منه. پس بُسرًا اور رُطبا کے باوجود جامد ہونے کے حال ہونا درست ہے۔محققین کے نزدیک رطبا اور بُسرا میں عامل اطیب ہے۔

قد تكونُ جُملةً خبريةً فالاسميَّةُ بالواوِ والضميرِ، اوبالواو او بالضمير عَلٰى ضعفٍ والمضَارعُ المثبتُ بالضمير وحدهُ وَمَا سِوَاهُمَا بالواوِ والضمير او باحدِهما ولا بُدّ فى الماضِى المُثبت مِن قد ظاهِرَةٍ او مُقدّرَةٍ ويجوزُ حَذفُ العامِلِ كقولك للمسافر راشدًا مهديًا ويجب فى المؤكدةِ مثل زيدٌ ابوك عَطوفًا اى اُحقّهُ وَشرطُها انْ تكونَ مقررةً لمضمُونِ جُملةٍ اسميةٍ.

ترجمہ:- اور کبھی حال جملہ خبریہ ہوتا ہے پس اسمیہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ یا واؤ کے ساتھ یا ضمیر

کے ساتھ ضعیف قول پر اور مضارع مثبت ضمیر کے ساتھ تنہا حال واقع ہوگا۔ اور جو ان دونوں کے علاوہ ہے واؤ یا ضمیر کے ساتھ یا ان میں سے کسی کے ساتھ (حال واقع ہوگا) اور ماضی مثبت میں قد ضروری ہے خواہ ظاہر ہو یا مقدر اور عامل کا حذف درست ہے جیسے مسافر سے آپ کا قول راشدیًا مهدیًا اور مؤکدہ میں حذف واجب ہوتا ہے جیسے زید ابوك عطوفًا یعنی احقه اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کو ثابت کرنے والا ہو۔

وقد تکون جملة خبرية: حاصل عبارت یہ ہے کہ جس طرح مفرد حال واقع ہوسکتا ہے، اسی طرح جملہ خبریہ بھی حال ہوسکتا ہے، کیوں کہ جس طرح مفرد فاعل اور مفعول بہ کی حالت پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ سے بھی یہ مقصود حاصل ہوتا ہے، لہٰذا جملہ کا بھی حال واقع ہونا درست ہے، البتہ جملہ خبریہ ہونا چاہئے، کیوں کہ حال ذوالحال سے مربوط ہے جب کہ انشاء ربط کو قبول نہیں کرتا۔

فالاسمية بالواو والضمير: آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حال ذوالحال سے مربوط ہوتا ہے، تو جب جملہ حال واقع ہو تو رابط کی ضرورت ہے، اس لیے کہ جملہ مستقل ہونے کی وجہ سے ذوالحال سے لاپرواہ ہوگا تو چونکہ جملہ خبریہ کی مختلف صورتیں ہیں، اس لیے اب مصنف تفصیل سے بتا رہے ہیں کہ کونسا جملہ حال واقع ہو تو کون حرف رابط ہوگا پس فرماتے ہیں کہ جملہ اسمیہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ حال واقع ہوگا کیوں کہ جملہ اسمیہ مستقل ہونے میں زیادہ مؤکد ہوتا ہے، لہٰذا رابط قوی چاہئے اور وہ واؤ اور ضمیر کا ساتھ میں ہونا ہے۔ جیسے جاء نی زید وهو راکب یا دوسری صورت یہ ہے کہ تنہا واؤ کے ساتھ جملہ اسمیہ حال واقع ہو، کیوں کہ واؤ شروع کلام میں وجوباً واقع ہوتا ہے، لہٰذا وہ شروع ہی کلام سے ربط پر دال ہوگا پس تنہا واؤ سے بھی ربط قوی کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے جیسے کنتُ نبیاً و آدمُ بین الماءِ و الطینِ .

البتہ اگر جملہ اسمیہ تنہا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو یعنی ربط قوی کی ضرورت تنہا ضمیر سے پوری کی جائے تو پھر یہ ضرور تکلف کیساتھ پوری ہوگی۔ اسی کو مصنف نے علی ضعفٍ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اچھا تکلف کیوں ہے اس لیے کہ ضمیر واؤ کے مانند شروع کلام میں تو وجوباً واقع نہ ہوگی تو جب یہ شروع کلام میں وجوباً واقع نہ ہوگی تو اول وہلہ ہی سے ربط پر دلالت بھی نہ ہوگی۔ جیسے کلمتُه فوه الی فیّ.

وما سواهما بالواو الخ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر جملہ خبریہ جو حال واقع ہو رہا ہے وہ جملہ اسمیہ اور مضارع مثبت کے علاوہ ہے خواہ وہ مضارع منفی ہو یا ماضی منفی ہو اور چاہے ماضی مثبت۔ تو وہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ یا ان میں سے کسی ایک یعنی تنہا واؤ یا تنہا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہوگا۔ کل ملا کر اس کی نو صورتیں ہیں، کیوں کہ ماسوا کا مصداق تین چیزیں ہیں پھر تینوں جملوں کا استعمال تین طرح سے ہوسکتا ہے اور جب تین کو تین سے ملائیں گے تو نو قسمیں بن جائیں گی ذیل میں مثالیں لکھی جارہی ہیں۔

مضارع مثبت[1] منفی جوواؤاور ضمیر کے ساتھ حال واقع ہوجیسے جاء نی زید و ما یتکلم غلامه. اور مضارع منفی[2] جوواؤ کے ساتھ تنہا حال واقع ہوجیسے جاء نی زید و ما یتکلم عمرو، اور مضارع منفی[3] جو تنہا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہوجیسے جاء نی زید ما یتکلم غلامه. ماضی مثبت[4] جوواؤاور ضمیر دونوں کے ساتھ حال ہو۔ جیسے جاء نی زید وقد خرج غلامه. ماضی مثبت[5] جوصرف واؤ کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید وقد خرج عمرو. ماضی مثبت[6] جوتنہا ضمیر کے ساتھ حال ہوجیسے جاء نی زید قد خرج غلامه. ماضی منفی[7] جوضمیر اور واؤ دونوں کے ساتھ حال ہوجیسے جاء نی زید و ماخرج غلامهٗ. ماضی منفی[8] جوتنہا واؤ کے ساتھ حال ہوجیسے جاء نی زید وما خرج عمرو ماضی منفی[9] جوصرف ضمیر کے ساتھ حال ہوجیسے جاء نی زید ما خرج غلامهٗ.

اب سنوان تین اقسام کا استعمال مذکورہ تین طرح سے اس لیے جائز ہے کہ جملہ فعلیہ استقلال میں مؤکد نہیں ہوتا، پس رابطِ قوی کا متقاضی بھی نہیں ہے، لہٰذا اس کا استعمال مذکورہ تین طریقوں میں سے چاہے جس طریقہ کے ساتھ کیا جائے اس سے ربطِ محض کی ضرورت پوری ہوجائے گی اور اس کا حال واقع ہونا درست سمجھا جائے گا۔

ولا بد فی الماضی المثبت: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ماضی مثبت حال واقع ہو پھر اس پر لفظ قد کا دخول ضروری ہے خواہ لفظ قد ظاہر ہوجیسے جاء نی زید وقد خرج غلامه یا قد مقدر ہوجیسے جاءوکم حصرت صدورهم یعنی قد حصرت صدورهم. پس قد مقدر ہے۔

اچھا: قد کا دخول ماضی مثبت پر دریں صورت اس لیے ضروری ہے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہونا لازم ہے اور ظاہر ہے کہ ماضی مثبت کے حال واقع ہونے کی صورت میں اس شرط کی رعایت باقی نہیں رہتی، اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا لفظ ہو جو ماضی کو زمانۂ حال سے قریب کردے اور ایسا لفظ، لفظ قد ہے کیوں کہ واضع نے قد کو اصلاً زمانہ ماضی کو زمانۂ حال سے قریب کرنے کے لیے وضع کیا ہے پس ماضی مثبت کے حال واقع ہونے کی صورت میں جب اس پر قد داخل ہوگا تو وہ حال کے عاملِ ذوالحال سے قریب ہونے پر دلالت کرے گا۔

ویجوز حذف العامل: فرماتے ہیں حال کے عامل پر جب کوئی قرینہ لفظی یا عقلی موجود ہوتو اس کے عامل کا حذف درست ہے، قرینہ لفظی کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ، بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ" پس قادرین حال سے پہلے نجمعها فعل کو قرینہ لفظی ان لن نجمع عظامه کی وجہ سے حذف کردیا اور قرینۂ عقلی کی مثال جیسے مسافر سے راشداً مهدیا کهنا. پس قرینہ یہاں مسافر کی حالت ہے جو عقلی چیز ہے تقدیر عبارت ہوئی سرتَ راشدا مهدیا.

ویجب حذف عامل الحال: اب بتا رہے ہیں کہ حال کے عامل کا حذف واجب کب ہوتا ہے تو اصل مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ حال کی دو قسمیں ہیں ایک حالِ مؤکدہ کہ جس کا اپنے ذوالحال سے عموماً جدا ہونا ناممکن ہوتا ہے اور دوسرے حالِ منتقلہ جو عموماً اپنے ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے تو حال کے عامل کا حذف پہلی قسم میں واجب ہوتا ہے جیسے زیدًا ابوك عطوفًا پس عامل اُحِقُّه محذوف ہے۔

پھر حال مؤکدہ سے مطلقاً عامل کا حذف واجب نہیں ہوتا ہے، بلکہ چند شرطیں ہیں جن کی رعایت ضروری ہے۔ اور وہ شرطیں یہ ہیں کہ حال مؤکد جملہ اسمیہ کے مضمون یعنی مدلول کی تثبیت یعنی تاکید کر رہا ہو۔ اور اس جملہ اسمیہ میں کوئی ایسا جزء نہ ہو جو حال میں عمل کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جملہ کی قید سے وہ حال مؤکد خارج ہو گیا جو جملہ کے پورے مضمون کی تو نہیں البتہ بعض اجزائے جملہ کی تاکید کر رہا ہو جیسے انا ارسلناك للناس رسولاً اور اسمیہ کی قید سے اس حال سے احتراز ہو گیا جو جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہے جیسے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ اور اخیر کی قید (کہ اس جملہ کا کوئی جزء حال میں عمل کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو) سے احتراز ہو گیا اللّٰه شَاهِدٌ قَائِمًا بِالقسطِ سے اس لیے کہ اس مثال مذکور میں شاہد عمل کی صلاحیت رکھتا ہے۔

خیر جب کسی حال مؤکدہ میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جائیں گی تو حال کے عامل کا قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے حذف واجب ہوگا۔ قرینہ معمول کا منصوب ہونا اور قائم مقام تو خود اس کا معمول ہوگا۔

التميزُ مَا يَرفعُ الابهامَ المُستقرَ عَنْ ذاتٍ مَذكُورةٍ اَوْ مقدّرةٍ فالاوّلُ عَنْ مُفردِ مِقْدَارٍ غالبًا اِمَّا فِي عَدَدٍ نحو عِشْرُونَ دِرْهمًا وسَيَاتِيْ وَامّا فِي غَيرِهٖ نَحْوُ رَطلٌ زيتًا ومَنوانِ سَمْنًا وقفيزَانِ بُرًّا وعَلَى التمرةِ مِثْلُهَا زُبْدًا فَيُفرَدُ اِنْ كانَ جنسًا الا اَنْ يُقصَدَ الانواعُ ويُجمَعُ فِيْ غَيْرِهٖ ثمّ اِن كانَ بتنوِينٍ اوْ بنُونِ التثنية جَازتِ الْاِضَافةُ والاَ فلَا وعَن غير مقدارٍ مثلُ خاتمٌ حديدًا والخفضُ اكثرُ.

ترجمہ:- تمیز وہ اسم ہے جو موضوع لہ میں ثابت شدہ ابہام کو دور کرتا ہو۔ ذاتِ مذکورہ یا ذاتِ مقدرہ سے پس اول مفرد مقدار سے اکثر (ابہام دور کرتا ہے) بہر حال عدد میں جیسے عشرون درهما اور عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ اور بہر حال عدد کے علاوہ میں جیسے رطلٌ زیتًا اور منوان سمنًا اور قفیزان برا اور علی التمرة مثلها زُبدًا پس تمیز کو مفرد لایا جائے گا اگر وہ تمیز جنس ہو مگر یہ کہ انواع کا قصد کیا جائے اور جمع لائی جائے گی اس کے علاوہ میں۔

پھر اگر وہ تمیز تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ ہو تو اضافت درست ہے ورنہ پس نہیں اور ابہام غیر مقدار سے (دور کرتا ہے) جیسے خاتمٌ حديدًا اور اس تمیز کا مجرور ہونا اکثر ہے۔

توضیح:- تمیز ایسے اسم کو کہتے ہیں جو ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے اس ابہام کو دور کرتا ہو جو موضوع لہ میں بحیثیت موضوع لہ کے راسخ ہو۔

اسم کی قید سے قطع رزقُه اَیْ ماتَ جیسی ترکیب سے احتراز ہو گیا، کیونکہ ماتَ بھلے قطعَ رزقُه میں ثابت شدہ ابہام کو دور کرتا ہے، لیکن وہ فعل ہے۔اور المستقر بمعنی الثابت فی الموضوع له کی قید سے احتراز ہو گیا اس صفت سے جو ابہام کو مشترک سے دور کرتی ہے۔جیسے رأیت عینًا جاریةً. اسی طرح مبہمات کی صفت جیسے هٰذا الرجلُ اور عطف بیان جیسے ابوحفص عمر سے احتراز ہو گیا، کیوں کہ اوّل میں ابہام وضع کے تعدد اور ثانی میں مستعمل فیہ کے تعدد اور ثالث میں عدم شہرت کی وجہ سے ہے باقی موضوع لہ میں اس اعتبار سے کہ وہ لفظ اس معنی کے لیے موضوع ہے کوئی ابہام نہیں ہے۔

مذکورة او مقدرة: اس عبارت سے تمیز کی دونوں قسموں کی طرف اشارہ ہے تمیز کی پہلی قسم ذات مذکورہ سے اور دوسری قسم ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

پہلی قسم پھر دو قسموں پر ہے مفرد[1] مقدار۔اور مفرد[2] غیر مقدار۔آگے بڑھنے سے پہلے آپ مفرد مقدار کی تعریف سمجھ لیجیے اور جان لیجیے کہ مفرد مقدار کن چیزوں سے تام ہوتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ تمیز کے باب میں مفرد، جملہ اور شبہ جملہ نیز اضافت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔اس باب میں کسی چیز کے مفرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ اور شبہ جملہ اور مضاف نہ ہو۔

مقدار اس چیز کو کہتے ہیں جس سے اشیاء کا اندازہ کیا جاتا ہے اور یہ پانچ چیزیں کہلاتی ہیں کیل اور وزن، عدد، ذراع اور قیاس۔

مفرد کبھی تنوین سے تام ہوتا ہے خواہ تنوین لفظاً ہو جیسے رطلٌ اور خواہ تقدیراً ہو جیسے ثلثة عشر.

اور کبھی نون تثنیہ سے جیسے منوان اور کبھی نون جمع سے جیسے مسلمون اور کبھی ایسے نون سے جو نون جمع کے مشابہ ہوتا ہے جیسے عشرون یا اضافت سے جیسے خاتم حدید.

مفرد مقدار جو بصورت عدد ہوتا ہے، اس کی مثال جیسے عندی عشرون درهمًا. اور وہ مفرد مقدار جو عدد نہیں ہوتا اس کی چار صورتیں ہیں کل مفرد مقدار کی پانچ صورتیں ہیں، جیسا کہ ایک قسم اوپر مذکور ہو چکی ہے پس عندی رطل زیتًا اور عندی منوان سمنًا وزن کی مثال ہے اور عندی قفیزان برًا کیل کی مثال ہے اور علی التمرة مثلها زُبدًا قیاس کی مثال ہے اور ذراع کی مثال عندی ذراع ثوبا ہے۔

البتہ مصنف نے ذراع کی مثال کو بیان نہیں کیا، کیونکہ مصنف کا مقصود دراصل مثال بیان کرنا نہیں تھا بلکہ ان صورتوں کی نشاندہی مقصود تھی جن سے مفرد کی تمیم ہوتی ہے تا کہ مفرد مقدار کی تمیز منصوب ہو سکے، اس لیے کہ مفرد مقدار فعل کے مشابہ ہوتا ہے اور اس کا متمم یعنی تنوین وغیرہ فاعل کے اور تمیز بمنزلہ مفعول کے

ہوتی ہے۔
واضح ہو کہ مصنف نے نون جمع سے تمیم کی مثال اس لیے نہیں بیان کی کہ نون جمع نونِ تثنیہ کے حکم میں ہے۔

فیفرد ان کا جنسًا: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مفرد مقدار کی تمیز اگر جنس ہو تو اس کو وجوبا مفرد لائیں گے، کیوں کہ جنس کہتے ہیں جو مجرد عن التاء ہو اور قلیل وکثیر سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہو پس تمیز کے تثنیہ اور جمع لانے کا مقصد دلالت علی الکثرت ہے اور جنس دلالت علی الکثر ۃ کے سلسلہ میں کافی ہے، یعنی تثنیہ اور جمع لانے کا فائدہ بصورت جنس بغیر تثنیہ اور جمع لائے حاصل ہو رہا ہے تو پھر تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت کیا ہے، جیسے **عندی رطل زیتًا**. ہاں اگر اس جنس سے جو کہ مفرد مقدار کی تمیز واقع ہو رہی ہے انواع کا ارادہ کیا جائے یعنی جنس کے حصص کا خواہ وہ حصص کلی ہوں یا شخصی تو ایسی صورت میں اس جنس کا بھی تثنیہ اور جمع حسب تقاضا لایا جائے گا جیسے **عندی رطل زیتن عندی رطلٌ زیوتًا** ایسا اس لیے ضروری ہے کہ جنس بھلے کثرت پر دلالت کرتی ہو، لیکن انواع کی کثرت پر دلالت نہیں کرتی پس صورتِ مذکورہ میں تثنیہ اور جمع لانا ضروری ہے، تاکہ انواع کی کثرت پر دلالت ہو سکے۔

ویجمع فی غیرہ: اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر مفرد مقدار کی تمیز جنس نہ ہو تو حسب ممیز تمیز لائی جائے گی پس اگر ممیز جمع ہے تو تمیز جمع لائی جائے گی اور اگر تثنیہ ہو تو تمیز تثنیہ لائی جائے گی۔ مصنف نے **ویجمع** کے ساتھ **ویثنی** یعنی تمیز کے تثنیہ لانے کا تذکرہ نہیں کیا، اس لیے کہ ممیّز کے جمع ہونے کی صورت میں تمیز جمع لانا ضروری ہوتا ہے، تو ممیّز کے تثنیہ ہونے کی صورت میں تمیز کا مثنّٰی ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔
حسب ممیز دریں صورت تمیز اس لیے ضروری ہے کہ اصل یہی ہے کہ ممیّز اور تمیز میں مفرد اور مثنّٰی اور جمع ہونے میں موافقت رہے جیسے **عندی عدل ثوبا، عندی عدلان ثوبین، عندی عدلون اثوابًا**.

ثم ان کان بتنوین الخ: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ اگر مفرد مقدار کی تمامیت تنوین یا نون تثنیہ سے ہو تو اس کو اس کی تمیز کی طرف مضاف کر سکتے ہیں، کیونکہ تمیز کا مقصد مفرد مقدار سے ابہام کا دور کرنا ہے۔ اور یہ مقصد بصورت اضافت مزید تخفیف کے فائدہ کے ساتھ حاصل ہے، لہٰذا اضافت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اگر وہ مفرد مقدار نونِ جمع یا اضافت سے تام ہوتا رہا تو اس کی اضافت اس کے تمیز کی طرف نہیں کر سکتے نونِ جمع کی صورت میں تو اس لیے کہ جمع ممیز کی اضافت تمیز کے علاوہ کی طرف بھی ممکن ہے پس اگر اس کا استعمال تمیز کی طرف مضاف ہو کر رائج ہو جائے تو پھر بعض صورتوں میں اشتباہ لازم آئے گا جیسے عشرون رمضان کہ یہاں یہ فائل نہیں ہے کہ عشرون اپنے تمیز کی طرف مضاف ہے، پس اس کے معنی بیس رمضان کے ہوئے، یا غیر تمیز کی طرف مضاف ہے، لہٰذا اس کے معنٰی بیسواں رمضان ہو۔ لہٰذا باب کی

موافقت میں اشتباہ کے علاوہ کی صورتوں میں بھی اضافت کو منع کر دیا گیا۔

اور اضافت سے تام ہونے کی صورت میں اضافت اس لیے منع ہے کہ کلمہ اضافت سے ہی تو تمام ہوا تھا، لہٰذا ایک بار مضاف ہونے کے بعد اضافت ثانی کا کیا مطلب؟ لہٰذا وہ ممیز جو اضافت کی وجہ سے تام ہوا ہو وہ تمیز کی طرف مضاف نہیں ہوگا ورنہ حالت اضافت میں مضاف کا دوبارہ مضاف ہونا لازم آئے گا حالاں کہ یہ مقصود نہیں ہے۔

وعن غير مقدار: اب مصنف ذات مذکورہ کی دوسری قسم کو بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی تمیز مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اور مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرنے والی تمیز عموماً مجرور ہوتی ہے، کیونکہ تمیز کا مقصد ابہام کو دور کرنا ہے اور وہ اضافت کے ساتھ بھی حاصل ہے، مزید برآں اضافت کی صورت میں تخفیف بھی ہے جیسے عندي خاتم حديدٍ.

والثاني عَنْ نسبةٍ في جُملةٍ او ما ضَا هاها مثل طابَ زيدٌ نفسًا وزيدٌ طيبٌ ابًا وابوةً ودارًا وعلمًا او في اضافةٍ مثلُ يعجِبُني طيبُهُ ابًا وابوةً ودارًا وعلمًا ولله دَرُّهُ فارسًا ثم اِنْ كَانَ اسمًا يصحُّ جعلُهُ لما انتُصِب عنهُ جازان يكونَ لهُ ولمتعلقِهِ والافهو لمتعلّقِهِ فيُطابِقُ فيهما ما قصد اِلَّا اِذا كان جنسًا الا ان يُقصَدَ الانْوَاعُ وَاِنْ كانت صفةً كانَتْ لهُ وَطبقَهُ واحتملت الحالَ ولا يتقدّمُ التميزُ عَلى عَامِلِهِ والاصحُّ ان لا يتقدم عَلي الفعل خلافًا للمَازنيّ وَالمبرّد ..

ترجمه:- اور دوسری (قسم) اس نسبت سے ابہام کو دور کرتی جو جملہ یا شبہ جملہ میں ہو جیسے طَابَ زيدٌ نفسًا وزيدٌ طيبٌ ابًا وابوّةً ودارًا وعلمًا یا اس نسبت سے جو اضافت میں ہو جیسے يعجبني طيبه ابًا وابوة ودارًا وعلمًا، ولله دَرّه فارسًا. پھر اگر تمیز ایسا اسم ہو جس کو منتصب عنہ کے لیے کرنا درست ہوتا ہے تو جائز ہے کہ وہ تمیز منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے ہو ورنہ پس وہ متعلق کے لیے ہوگی پس تمیز دونوں صورتوں میں مطابق ہوگی اس کے جس کا قصد کیا جائے۔ ہاں جب تمیز جنس ہو مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے اور اگر تمیز صفت ہو تو وہ منتصب عنہ کے لیے ہوگی اور منتصب عنہ کے مطابق ہوگی۔ اور وہ صفت حال کا بھی احتمال رکھتی ہے اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوگی، اور صحیح ترین مذہب یہ ہے کہ تمیز فعل پر مقدم نہ ہو اختلاف کرتے ہوئے مازنی اور مبرد سے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف تمیز کی دوسری قسم (یعنی تمیز جو ذات مقدرہ یعنی اس نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے جو جملہ یا شبہ جملہ یا اضافت میں ہوتی ہے) کو بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تمیز کی دوسری قسم وہ ہے جو ابہام کو اس نسبت سے دور کرے جو نسبت جملہ یا شبہ جملہ یا اضافت میں ہوتی ہے۔ جیسے

طاب زید نفسًا و زید طیب ابا ابوۃً و دار و علمًا.

یہاں پر ایک سوال ہے۔ کہ دوسری قسم کا اجمال بتاتا ہے کہ تمیز کی دوسری قسم ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے اور تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیز کی قسم ثانی کا تعلق نسبت فی الجملہ اور نسبت فی شبہ الجملۃ سے ہے، پس اجمال اور تفصیل میں توافق نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابہام فی طرف النسبۃ ابہام فی نفس النسبۃ کو مستلزم ہے۔ اور نفس النسبۃ سے ابہام کا رفع ابہام عن طرف النسبۃ کے رفع کو مستلزم ہے، لیکن مصنف نے صرف نسبت پر اکتفاء کیا اس بات پر تنبیہ کے لیے کہ تمیز کی دونوں قسموں میں مقابلہ ذات مقدرہ اور ذات مذکورہ کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ ذات اور نسبت کے اعتبار سے ہے۔ پس اگر تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے تو وہ قسم اول ہے۔ خواہ ذات مذکور ہو جیسے عندی رطل زیتًا اور خواہ مقدر ہو جیسے نعم رجلا اور اگر تمیز نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے تو وہ قسم ثانی ہے خواہ ذات مذکور ہو جیسے طاب زید نفسًا یا مقدر ہو جیسے طاب زید ابًا.

معلوم ہونا چاہئے کہ تمیز عن النسبۃ رفع ابہام کے اعتبار سے چار قسموں پر ہے عین[1] اضافی اور عین[2] غیر اضافی اور عرض[3] اضافی اور عرض[4] غیر اضافی۔

عین اضافی کہتے ہیں جو قائم بنفسہ ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار ہو جیسے ابٌ اور عین غیر اضافی کہتے ہیں جو قائم بنفسہ ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار نہ ہو جیسے نفس اور عرض اضافی کہتے ہیں جو قائم بالغیر ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار ہو جیسے ابوۃ. اور عرض غیر اضافی کہتے ہیں جو قائم بالغیر ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار نہ ہو جیسے علم.

تمیز عن النسبۃ کی ایک اور تقسیم ہے جو باعتبار منتصب عنہ کے ہے۔ پس پہلی قسم وہ ہے جو منتصب عنہ کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسری قسم وہ ہے جو منتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مخصوص ہو۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے ہوسکتی ہو۔

ملحوظ خاطر رہے کہ جملہ اور شبہ جملہ کی تمیزوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس جو اسم جملہ کی تمیز ہو وہ شبہ جملہ کی بھی تمیز ہوسکتا ہے ایسا ہی اس کے برعکس پس نفسًا جملہ کے ساتھ اور ابا وغیرہ شبہ جملہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوئے، تمیز کی جتنی صورتیں جملہ میں ہوں گی اتنی ہی شبہ جملہ اور اضافت میں بھی ہوں گی۔

اب سنو چونکہ تمیز کی متعدد اعتبار سے متعدد قسمیں ہیں، اس لیے مصنف نے بجائے ایک مثال کے متعدد حیثیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے متعدد مثالیں دی ہیں مثلاً طاب زید نفسًا جملہ اور زید طیبٌ ابًا شبہ جملہ کی مثال ہے، نیز نفس عین غیر اضافی مخصوص بمنتصب عنہ ہے اور ابٌ عین اضافی منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، کیونکہ جب طاب زید ابًا یا زید طیب ابًا کہا گیا تو

اس کا دو مطلب ہوسکتا ہے، ایک تو یہ کہ زید خود باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے۔ کہ وہ اپنے بچوں کے حق میں بہترین مربی اور شفیق ہے۔ دوسرے یہ کہ زید اس لحاظ سے خوش نصیب ہے کہ اس کا باپ اچھا آدمی ہے کہ اس نے زید کی مثالی تربیت کی۔ پس اول منصب عنہ یعنی ممیز کے لیے ہوگا اور دوسرے مطلب کا تعلق منصب عنہ کے متعلق سے ہوگا کہ خود زید کیسا ہے ہمیں اس سے کوئی لینا دینا نہیں، البتہ اس کا باپ ڈھنگ کا آدمی ہے اور اس لحاظ سے زید اقبال مند ہے۔

اور ابوۃً عرض اضافی اور دارعین غیر اضافی، نیز علم عرض غیر اضافی ہے اور یہ تینوں کے تینوں منصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً جب طابَ زیدٌ ابوۃً کہا جائے گا یا دارًا یا علمًا کہا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زید کی خوبی اس کے باپ کے شفیق ہونے کی وجہ سے ہے، اسی طرح زید کی خوش اقبالی اس کے گھر یا علم کی وجہ سے ہے، پس معلوم ہوا کہ ممیز جس کی وجہ سے تمیز کو نصب ہو رہا ہے بذات خود خوبی سے خالی ہے۔ البتہ اپنے متعلقات کی وجہ سے اچھا سمجھا جا رہا ہے۔

فی اضافة: جو تفصیل تمیز عن النسبۃ فی الجملہ اور شبہ جملہ کی ہے بعینہ وہی تفصیل تمیز عن النسبۃ فی الاضافۃ کی ہے۔ مذکورہ تمیز وہ تمیز کہلاتی ہے جو ابہام، اضافت میں پائی جانے والی نسبت سے دور کرے۔

ولله درہٗ فارسًا: مصنف نے یہ مثال دے کر یہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ تمیز عن النسبۃ جس طرح جامد ہوتی ہے، اسی طرح مشتق بھی ہوتی ہے، چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں فارسًا مشتق ہے اور دَرٌّ کی نسبت جو ضمیر کی طرف ہے اس سے ابہام کو دور کر رہا ہے فارس تمیز عن النسبۃ اس صورت میں ہوگا جب درہٗ کی ضمیر کا مرجع معلوم ہو، جیسا کہ مصنف خیال کرتے ہیں ورنہ فارسًا تمیز کی پہلی قسم کی مثال ہوگا۔ چنانچہ صاحب مفصل کا یہی خیال ہے۔

ثم ان کان ذاتیًا: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمیز اسم ذات ہے یعنی صفت نہیں اور اس تمیز کا منصب عنہ کے لیے کرنا (بایں شرط کہ وہ تمیز منصب عنہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو جیسے کہ نفسًا منصب عنہ کیساتھ مختص ہوتا ہے) صحیح ہو تو اس کو منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے کیا جاسکتا ہے جیسے طاب زید ابًا. مزید توضیح پیچھے گزر چکی ہے ورنہ وہ صرف منصب عنہ کے متعلق کے لیے ہی ہوگا جیسے طاب زید دارًا.

فرماتے ہیں کہ تمیز کی ان دونوں صورتوں میں تمیز حسب مقصود دلائی جائے گی خواہ تمیز منصب عنہ کے لفظ کے مطابق ہو جیسے طاب زید ابًا، طاب الزیدان ابوین، طاب الزیدون آباء اور خواہ منصب عنہ سے متعلق معنی کے مطابق ہو جیسے طاب زید ابًا، طاب زید ابوین، طاب زید اباءً.

ہاں اگر تمیز جنس ہو تو مذکورہ صورتوں میں بھی تمیز کو منصب عنہ کے لفظ اور معنی کسی کے بھی مطابق لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو مقصد تثنیہ اور جمع لانے کا ہوتا ہے وہ جنس سے بغیر تثنیہ اور جمع لائے حاصل

ہو جاتا ہے، کیوں کہ جنس قلیل وکثیر سب پر دال ہوتی ہے۔ البتہ مذکورہ صورتوں میں تمیز کو تب حسب مقصود لانا ضروری ہوگا جب اس جنس سے انواع کا ارادہ کیا جائے، کیونکہ جنس انواع کی کثرت پر دلالت نہیں کرتی۔

وان کان فی صفة الخ: سب سے پہلے سمجھئے کہ و طبقه کا واؤ، واؤ عاطف ہے اور طبق مصدر اسم فاعل مطابقة کے معنی میں ہے اور صفت سے مراد اسم مشتق ہے خواہ صریحاً اسم مشتق ہو یا تاویلاً، تاویلاً کی مثال جیسے کفی زید رجلاً جس کی تقدیر ہے کفی زید کاملا فی الرجلیة.

اب سنو عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمیز صفت یعنی اسم مشتق ہو تو وہ منصب عنہ کے ساتھ مخصوص ہوگی، اس لیے کہ صفت موصوف کا تقاضا کرتی ہے پس مذکور موصوف ہونے کا مقدر سے زیادہ حق دار ہے۔ پس منصب عنہ اس کا موصوف ہوا اور صفت کا موصوف کے ساتھ مختص ہونا ظاہر ہے۔ نیز وہ صفت منصب عنہ کے واحد تثنیہ اور جمع ہونے میں مطابق ہوگی۔ یہ مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ اسم مشتق تمیز میں ایک ضمیر ہوگی جس کا مرجع منصب عنہ ہوگا پس اگر تمیز صورت مذکورہ میں منصب عنہ کے مطابق نہ ہو تو ظاہری بات ہے کہ پھر ضمیر منصب عنہ کے مطابق نہیں آسکتی، لہٰذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی نہ پائی جاسکے گی، حالاں کہ مطابقت ضروری ہے۔ جیسے طاب زید شاعرًا، طاب زید والدًا وغیرہ۔

نیز مذکورہ صفت میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یعنی وہ اسم مشتق جیسے تمیز کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسی طرح حال کی بھی اہلیت رکھتا ہے، لہٰذا وہ ترکیب میں حال بھی واقع ہوسکتا ہے جیسے طاب زید فارسًا پس فارسًا تمیز اور حال دونوں واقع ہوسکتا ہے۔

ولا یتقدم التمیز علی عامله الخ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمیز کا عامل اسم جامد ہو تو اس پر تمیز کی تقدیم درست نہیں، کیوں کہ اس کی مشابہت فعل سے ضعیف ہے، لہٰذا جامد ضعیف العمل ہوا، پس وہ معمول متاخر میں تو عمل کرے گا لیکن معمول متقدم میں عمل پر وہ قادر نہیں۔

اور قول اصح یہ ہے کہ اگر فعل عامل ہو تو اس پر بھی تمیز مقدم نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ تمیز عن النسبة دراصل فاعل ہے اور فاعل کی تقدیم فعل پر محال ہے۔

دھیان رہے کہ فاعل عام ہے خواہ وہ نفس فعل کا فاعل ہو جیسے طاب زید نفسًا جو حکم میں طاب نفس زید کے ہے اور خواہ وہ فعل کا فاعل ہو اس فعل کو لازم کرنے کے بعد جیسے فجّرنا الارضَ عیونًا جب اس کو باب انفعال میں لے جائیں گے تو ہو جائے گا انفجرت عیونُها یا متعدی کرنے کے بعد جیسے امتلأ الاناءُ ماءً کہ جب اس کو ثلاثی مجرد میں لے جائیں گے تو ملاءه الماءُ ہو جائے گا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ تمیز عن النسبة فی الواقع فاعل ہے خواہ وہ کسی طرح بھی ہو۔

مبرد اور مازنی کا اختلاف ہے، ابو العباس مبرد اور ابو عثمان مازنی کا کہنا ہے کہ جب عامل فعل ہو تو تمیز

عن النسبۃ کی اس کے عامل پر تقدیم درست ہے، اس لیے کہ فعل قوی العمل ہوتا ہے پس وہ معمول متقدم اور متاخر دونوں صورتوں میں عمل کرے گا۔

ان دونوں بزرگوں کا استدلال اتھجر سلمٰی بالفراق جیبھا÷ وما کاد نفسًا بالفراق تطیب سے ہے کہ دیکھئے نفسًا تطیب سے حال ہے اور اس پر مقدم ہے، معلوم ہوا کہ تقدیم عامل کے فعل ہونے کی صورت میں درست ہے۔

شعر کا ترجمہ ہے کہ کیا سلمٰی اپنے محبوب کو مبتلائے ہجر کر کے چھوڑ دے گی، حالاں کہ خود اس کا جی فراقِ حبیب پر راضی نہیں، لیکن جمہور کا کہنا ہے کہ تطیب بجائے واحد مؤنث غائب کے واحد مذکر غائب ہے اور نفسًا کاد سے تمیز واقع ہے اور یطیب کی ضمیر کا مرجع حبیب ہے، پس تمیز کی تقدیم اپنے عامل پر ثابت نہیں ہو پائے گی اور مصرعِ ثانی کا مطلب ہوگا، کہ حالاں کہ اس فرقت پر محبوب کا دل راضی نہیں ہے۔

المُسْتَثنٰی مُتصلٌ ومُنقَطِعٌ فالمتّصِلُ هُو المَخرَجُ عَنْ مُتعدّدٍ لفظًا اَو تَقْدِيرًا بالّا واَخواتِها والمنقَطِعُ المذكورُ بَعْدَهَا غيرَ مخرجٍ وَهُو منصُوْبٌ اِذا كانَ بَعد اِلّاَ غيرِ الصّفة فِي كلامٍ مُوْجَبٍ او مُقدّمًا على المُستثنٰى منهُ او مُنقطِعًا فِي الاكثرِ اوكَان بعدَ خَلا وعَدَا فى الاكثرِ او مَا خلاَ وما عَدا ولَيسَ ولَا يَكُونُ ويجوز فيه النصبُ ويختارُ البَدَلُ فى مَا بعدَ الّا فِيْ كلامٍ غيرِ مُوْجَبٍ وذُكِر المُسْتَثنٰى منهُ مثلُ مَا فَعَلُوْهُ اِلاَّ قَلِيلٌ واِلاَّ قَلِيلًا.

ترجمہ:- مستثنٰی متصل ہے اور منقطع ہے پس متصل وہ ہے جس کو متعدد سے لفظًا یا تقدیرًا نکالا گیا ہو اِلّا اور اس کے اخوات کے ذریعے۔ اور منقطع وہ ہے جس کو اِلّا اور اس کے اخوات کے بعد ذکر کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ متعدد سے نکالا نہ گیا ہو۔ اور مستثنٰی منصوب ہوتا ہے جب وہ اِلّا غیر صفت کے بعد کلام موجب میں واقع ہو یا مستثنٰی منہ پر مقدم ہو یا مستثنٰی منقطع ہو اکثر لوگوں کے نزدیک یا مستثنٰی خلا اور عدا کے بعد واقع ہو اکثر لوگوں کے نزدیک یا ماخلا اور ماعدا، لیس اور لایکون کے بعد واقع ہو۔ اور مستثنٰی میں نصب جائز ہوتا ہے اور بدل مختار ہوتا ہے اِلّا کے مابعد میں کلامِ غیر موجب میں درانحالیکہ مستثنٰی منہ مذکور ہو جیسے مافعلوہ اِلا قلیل واِلا قلیلا۔

توضیح:- اب مستثنٰی کے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں، مستثنٰی کی دو قسمیں ہیں متصل اور منقطع۔ وجہ حصر یہ ہے کہ مستثنٰی کا مستثنٰی منہ میں دخول استثناء سے پہلے یقینی طور پر معلوم ہوگا یا مستثنٰی کا مستثنٰی منہ سے خروج قبل الاستثناء یقینی طور پر معلوم ہوگا۔ صورتِ اول متصل کہلاتی ہے اور صورت ثانی منقطع۔ اب سوال پیدا ہوتا

ہے کہ مستثنیٰ کی تقسیم درست نہیں ہے، کیوں کہ تقسیم میں شرط ہے کہ مقسم کے لیے کوئی ایسا مفہوم مشترک ہو جو ہر قسم پر صادق ہو اور مستثنیٰ کے لیے ایسا کوئی مفہوم مشترک نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ مفہوم مشترک عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا اعتباراً تو اگر چہ مستثنیٰ کا حقیقتاً ایسا مفہوم مشترک نہیں ہے لیکن اعتباراً ہے اور وہ یہ کہ مستثنیٰ ہر ایسی چیز ہے کہ جس پر مستثنیٰ کا لفظ نحاۃ کی اصطلاح میں بولا جائے۔

پر اب بھی الجھن ختم ہوتی نظر نہیں آتی معاملہ یہ ہے کہ مستثنیٰ کی تقسیم متصل اور منقطع کی طرف درست نہیں ہے، اس لیے کہ تقسیم تعریف پر موقوف ہوتی ہے اور مصنف نے تعریف کیا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ مقسم کے بارے میں کسی درجہ میں معلوم ہونا اس کی تقسیم کے لیے کافی ہوتا ہے اور مستثنیٰ کے بارے میں کسی نہ کسی درجہ معلومات حاصل ہے کہ مستثنیٰ لفظ کی قسم سے ہے اور اتنا معلوم ہونا تقسیم کے لیے کافی ہے۔

اب دونوں قسموں کی علیحدہ علیحدہ تعریف سنو، پس مستثنیٰ متصل وہ مستثنیٰ ہے جو متعدد سے نکالا گیا ہو خواہ لفظاً جیسے **جاء نی القوم الا زیدًا** یا تقدیراً جیسے **ما جاء نی الا زیدًا**، **الا** اور اس کے اخوات کے ذریعے خواہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو یا نہ ہو۔ اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے جس کو الاّ یا اس کے اخوات کے بعد ذکر کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ متعدد سے نہ نکالا گیا ہو خواہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہی ہو یا نہ ہو۔ اول کی مثال **جاء نی القوم الا زیدًا** بشرطیکہ زید کہ قوم میں داخل نہ مانا جائے اور دوسرے کی مثال جیسے **جاء نی القوم الاّ حمارًا**.

یہ تعریف محققین کے نزدیک ہے اور مصنف نے اسی کو پسند کیا ہے جب کہ عام لوگوں کے نزدیک متصل اور منقطع کی تعریف دوسری ہے، عوام کے نزدیک مستثنیٰ متصل کی تعریف یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو۔

تعریف میں اس اختلاف کا نتیجہ **فَسَجدَ الملآئکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس** میں ظاہر ہوگا، کہ محققین کے نزدیک یہ مستثنیٰ متصل ہوگا، کیوں کہ ابلیس کو متعدد یعنی ملائکہ سے نکالا گیا ہے بھلے وہ ملائکہ کی جنس سے نہیں ہے۔ اور عام لوگوں کے نزدیک مستثنیٰ منقطع ہے، کیوں کہ ابلیس ملائکہ کی جنس سے نہیں ہے۔

وھو منصوب: یہاں سے مصنف مستثنیٰ کا اعراب بیان کر رہے ہیں۔ مستثنیٰ کے اعراب کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم مستثنیٰ کا منصوب ہونا ہے۔ مستثنیٰ کا نصب پانچ جگہوں میں ہوتا ہے۔ پہلی جگہ یہ ہے کہ جب مستثنیٰ ایسے **الاّ** کے بعد جو صفت کے لیے نہ ہو کلام موجب میں واقع ہو۔ لگے ہاتھ فوائد قیود بھی سمجھتے چلیے پس **الاّ** کو غیر صفت کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ اگر **الا** صفت کے لیے ہو تو **الاّ** کا مابعد یعنی مستثنیٰ منصوب نہیں ہوگا، بلکہ **الا** کے ماقبل یعنی مستثنیٰ منہ کے اعراب کے تابع ہوگا جیسے **لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا**. پس **اللہ الاّ** کے ماقبل **آلھۃ** کے تابع ہے **الاّ** کے برائے صفت ہونے کی وجہ سے۔

اور کلام موجب سے مراد یہ ہے کہ اس کلام میں نفی، نہی، استفہام نہ ہو جیسے جاء نی القوم الا زیدًا تو مستثنیٰ منصوب ہوگا مفعول کے ساتھ مستثنیٰ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور بدل کے ممتنع ہونے کی وجہ سے۔ مستثنیٰ میں عامل الاّ کے واسطے سے فعل یا معنیٔ فعل ہوتا ہے۔

دوسری جگہ جہاں مستثنیٰ کا منصوب ہونا واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو جیسے جاء نی الا زیدًا ن القوم اس میں نصب اس لیے واجب ہے کہ مستثنیٰ بدل اور صفت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، کیوں کہ بدل کا مبدل منہ پر اور صفت کا موصوف پر مقدم ہونا محال ہے، لہٰذا نصب متعین ہے۔

تیسری جگہ جہاں پر مستثنیٰ کا منصوب ہونا واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہوا کثر لوگوں کے نزدیک جیسے جاء نی القوم الا حمارًا اس قسم میں مستثنیٰ اس لیے منصوب ہوگا کہ بدل ممتنع ہے، کیوں کہ بدل کی چاروں اقسام میں زیادہ سے زیادہ بدل الغلط کا احتمال ہوسکتا تھا، لیکن یہاں یہ بھی درست نہیں، اس لیے کہ بدل الغلط کی بنیاد غفلت اور سہو پر ہوتی ہے جب کہ مستثنیٰ منقطع کی بنیاد بیداری اور ہوشیاری پر ہوتی ہے، اور ان دونوں کے درمیان منافات ظاہر ہے۔

فی الاکثر: اکثر سے مراد اہل حجاز ہیں، اس سے احتراز ہوگیا اقل استعمال سے اور وہ بنوتمیم ہیں بنو تمیم کے نزدیک مستثنیٰ منقطع مطلقاً منصوب نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ کو حذف کر کے مستثنیٰ کو قائم مقام بنایا جاسکتا ہو تو اس میں بدل اور نصب دونوں جائز ہوں گے اور اگر مستثنیٰ منہ کو حذف کر کے مستثنیٰ کو قائم مقام نہ بنایا جاسکتا ہو تو نصب متعین ہے جیسے لَا عَاصِمَ الیومَ الاّ مَن رَّحِمَ۔

اور چوتھی جگہ جہاں پر نصب واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ خلا اور عدا کے بعد واقع ہو۔ منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلا اور عدا یہ افعال ہیں اور ان کے اندر ضمیر فاعل کی ہے، لہٰذا خلا اور عدا کا مابعد مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اور خلا و عدا کے بعد واقع ہونے والے مستثنیٰ کا مذکورہ حکم اکثر لوگوں کے نزدیک ہے ورنہ بعض لوگوں کے نزدیک خلا اور عدا حرف جار ہیں، لہٰذا ان کا مابعد مجرور ہوگا۔

اور پانچویں جگہ جہاں مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے ماخلاَ، ما عَدَا اور لیس اور لایکون ہے، مَاخَلا اور ماعدا میں مستثنیٰ اس لیے منصوب ہوتا ہے کہ ما مصدریہ ہے اور ما مصدریہ فعل پر ہی داخل ہوتا ہے، لہٰذا خلا اور عدا کا فعل ہونا ضروری ہوگیا نیز ضمیروں کا ان کا فاعل ہونا اور مستثنیٰ کا ان دونوں کے بعد مفعول بہ ہونا لازم ہوگیا، لہٰذا مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ان کے بعد وجوبًا منصوب ہوگا۔ جیسے جاء نی القوم مَاخَلا زیدًا و ما عدا زیدًا اور لیس اور لایکون کے بعد مستثنیٰ کا منصوب ہونا اس لیے واجب ہے کہ

یہ دونوں فعل ناقص ہیں اور دونوں کا اسم ضمیر مستتر ہے اور مستثنٰی کی حیثیت ان دونوں کے بعد خبر کی ہے اور چوں کہ افعال ناقصہ کی خبر وجوبا منصوب ہوتی ہے لہٰذا مستثنٰی کا منصوب ہونا واجب ہوگیا جیسے جاء نی القوم لیس زیدًا اور جاء نی القوم لا یکون زیدًا.

ویجوز فیه النصب: یہ مستثنٰی کے اعراب کی دوسری قسم ہے کہ بدل مختار ہو اور نصب درست ہو اور ایسا تب ہوتا ہے جب مستثنٰی الّا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنٰی منہ کو ذکر نہ کیا جائے تو اس میں نصب جائز ہوتا ہے اور بدل مختار جیسے مافعلوہ الا قلیل و الا قلیلاً نصب اس لیے جائز ہے، کیوں کہ وہ مستثنٰی ہے اور بدل اس لیے مختار ہے کہ جب الا کے مابعد کو بدل پر محمول کریں گے تو الّا کا مابعد اعراب بالاصالۃ کا مستحق ہو جائے گا اور جب الّا کے مابعد کو مستثنٰی پر محمول کریں گے تو وہ اعراب بالواسطہ کا مستحق ہوگا۔

اور قاعدہ ہے کہ بالاصالۃ اعراب کا مستحق ہونا بالواسطہ اعراب کے مستحق ہونے سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے بدل مختار ہے۔

فائدہ:- کلام غیر موجب کی قید اس لیے لگائی ہے، تاکہ کلام موجب سے احتراز ہو جائے۔

وَيُعرَبُ عَلٰى حَسَبَ العَوَامِلِ اِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنٰى مِنهُ غير مَذْكُورٍ وَهُوَ فِيْ غير الموجَبِ لِيُفِيدَ مثلُ مَا ضَرَبَنِيْ اِلَّا زَيدٌ اِلّا اَن يَسْتقيمَ الْمَعنٰى مِثلُ قرأتُ الّا يومَ كَذَا وَمِنْ ثَمَّ لم يَجُزْ مَا زَالَ زَيدٌ اِلَّا عَالمًا وَاِذَا تعذّر البَدلُ على اللفظِ فَعَلَى الْمَوْضَعِ مِثلِ مَا جَاءَ نِيْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا زَيدٌ وَلَا اَحد فِيهَا اِلَّا عَمرٌو وَمَا زَيدٌ شَيئًا اِلّا شَيءٌ لَا يُعْبأُ بِهٖ لِاَنَّ مِنْ لَا تَزَادُ بَعْدَ الاَثْبَاتِ وَمَا ولا لا تُقَدَّران عَامِلَتَينِ بَعدَهٗ لِاَنّهُمَا عملتا للنفى وقَدِ انتقضَ النفىُ بِاِلَّا بَخِلافِ لَيسَ زَيدٌ شَيئًا اِلَّا شَيْئًا لِاَنَّهَا عَملتْ لِلفِعْلِيَّةِ فَلَا اَثَرَ فِيْهَا لِنَقضِ مَعنَى النَّفِى لِبَقاءِ الاَمْرِ العَامِلَةِ هِىَ لِاَجْلِهٖ وَمِنْ ثَمَّ جَازَ لَيْسَ زيدٌ اِلَّا قَائمًا وَامتَنَعَ مَا زَيدٌ اِلّا قَائمًا .

ترجمہ:- اور اعراب دیا جاتا ہے حسب عوامل جب مستثنٰی منہ غیر مذکور ہو اس حال میں کہ وہ غیر موجب میں ہو، تاکہ وہ فائدہ دے جیسے ماضربنی الا زید مگر یہ کہ معنی درست ہوں جیسے قراء ت الا یوم کذا اور اسی وجہ سے نہیں جائز ہے مازال زید الا عالمًا، اور جب بدل لفظ پر ناممکن ہو جائے تو پھر محل پر ہوگا جیسے ما جاء نی من احد الا زید اور لا احد فیھا الا عمرو اور مازید شیئًا الا شیئ لا یعبأ بہ اس لیے کہ من نہیں زائد ہوتا ہے اثبات کے بعد اور ما اور لا نہیں مقدر ہوتے عامل ہوکر اثبات کے بعد، کیوں کہ وہ دونوں نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، جب کہ نفی الّا کے بعد ٹوٹ جاتی ہے

بخلاف لیس زید شیئًا الا شیئًا کے اس لیے کہ لیس فعلیت کی وجہ سے عامل ہوتا ہے پس کوئی اثر نہ ہوگا لیس کا عمل کے ٹوٹنے میں معنیٔ نفی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس امر کے بقاء کی وجہ سے کہ جس کی وجہ سے لیس عامل ہوتا ہے، اسی وجہ سے جائز ہے لیس زید الا قائمًا اور محال ہے ما زید الا قائمًا.

توضیح:- اور مستثنیٰ کے اعراب کی تیسری قسم یہ ہے کہ مستثنیٰ کو عوامل کے اعتبار سے اعراب دیا جائے یہ اس وقت ہوتا ہے جب مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہو اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو، تاکہ وہ استثناء صحیح، صحیح فائدہ دے، جیسے ماضربی الا زید اس مثال میں زید مستثنیٰ ہے اور مستثنیٰ منہ کل واحد غیر مذکور ہے اور نیز کلام غیر موجب ہے اور استثناء صحیح، صحیح فائدہ دے رہا ہے، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ متکلم کو سوائے زید کے اور کسی نے نہ مارا ہو۔

اب قیود کا فائدہ سمجھ لیجیے، تو مستثنیٰ منہ کے غیر مذکور ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہوگا تو بجائے مذکورہ اعراب کے مستثنیٰ پر نصب جائز اور بدل مختار ہوگا۔ اور غیر موجب کی قید اس لیے لگائی کہ اکثر حالات میں مستثنیٰ کلام موجب میں ہونے کی صورت میں صحیح فائدہ نہیں دیتا ہے، جیسے ضربنی الا زید یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ تمام آدمیوں کا سوائے زید کے فرد خاص کا مارنا ممکن نہیں ہے۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا ہے تو اب ایک اعتراض اور اس کا جواب بھی سن لیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہوگا تو مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوامل نہ ہو سکے گا، کیوں کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور ہوتا ہے تب بھی مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوامل آتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے ما جاء نی احد الا زید اور ما رأیت احداً الا زیدًا اور ما مررت باحد الا زیدٍ. لہٰذا اس تیسری قسم کے علی حسب العوامل اعراب دیئے جانے کی وجہ تخصیص کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یعرب علی حسب العوامل کا مطلب یہ ہے کہ مستثنیٰ کے اعراب کی تیسری قسم میں مستثنیٰ کو اعراب علی حسب العوامل بغیر تبعیت کے دیا جاتا ہے کیوں کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوتا تو مستثنیٰ کا اعراب مبدل منہ کے تابع ہو کر ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ کی بیان کردہ مثالوں سے واضح ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ کا اعراب بلا تبعیت کے ہوتا ہے اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو گو مستثنیٰ پر اعراب علی حسب العوامل آسکتا ہے، لیکن مبدل منہ کے تابع ہو کر۔ لہٰذا اعتراض بے مقصد ہے۔

الا ان یستقیم المعنیٰ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا ضابطۂ سابق قرأتُ الّا یومَ کَذَا سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ مستثنیٰ مثال مذکور میں کلام موجب میں واقع ہے پھر بھی مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوامل آیا ہے تو مصنف نے اس اعتراض مذکور کا جواب دیا کہ جب استثناء کا معنی درست ہو تو علی حسب العوامل اعراب آنے کے لیے مستثنیٰ کے کلام غیر موجب میں ہونے کی شرط ضروری نہیں جیسے

کہ مثال مذکور میں معنی درست ہیں، لہٰذا یہاں شرط مذکور شرط نہیں ہے، کیوں کہ مثال مذکور میں مستثنیٰ منہ کل یوم سے ہفتہ یا مہینہ یا سال کے تمام دن مراد ہیں اور یہ ہوسکتا ہے کہ آدمی ہفتہ یا مہینہ یا سال کے تمام دن پڑھے اور جمعہ کے دن نہ پڑھے۔

ومن ثم لم یجز: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ چوں کہ مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں نہیں پایا جاسکتا ہے اس لیے کہ بدیں صورت وہ استثناء معنیٔ صحیح کا فائدہ نہیں دیتا **مازال زید الا عالمًا** کی ترکیب درست نہیں ہے، اس لیے کہ زال نفی کے لیے ہے اور ما بھی نفی کے لیے ہے پس **مازَالَ** اثبات کے لیے ہوگیا، کیوں کہ نفی جب نفی پر داخل ہوتی ہے تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے پس **ما زال زید الا عالماً** کے معنی ہوئے **ثبت زید علی کل صفة من الصفات الا عالمًا** یعنی زید تمام صفات کے ساتھ متصف ہے، سوائے عالم ہونے کے اور یہ غیر ممکن ہے اس لیے کہ اس تقدیر پر یہ لازم آتا ہے کہ زید متضاد صفات کے ساتھ ایک ہی وقت میں متصف ہو اس لیے کہ اس ترکیب کا مطلب یہ ہے کہ زید میں عالم ہونے کے سوا تمام صفات موجود ہیں خواہ وہ آپس میں متضاد ہی کیوں نہ ہوں جیسے **قیام و قعود، شَبعانٌ** اور **جَوعَانٌ** وغیرہ اور اس کا غلط ہونا واضح ہے۔

واذا تعذر البدل علی اللفظ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا سابقہ قاعدہ کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور ہو اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو تو اس میں نصب جائز ہے اور بدل مختار ہوتا ہے مندرجہ ذیل مثالوں سے ٹوٹ گیا جیسے **ما جاء نی من احد الا زید، و لا احد فیھا الا عمرو** اور **ما زید شیئًا الا شیءٌ لا یعبأ بہ**، کیوں کہ مذکورہ بالا مثالوں میں مستثنیٰ کا رفع متعین ہے جب کہ حسب قاعدہ پہلی مثال میں مستثنیٰ کو مجرور ہونا چاہئے اور دوسری اور تیسری مثال میں منصوب ہونا چاہئے حالاں کہ ایسا نہیں ہے تو مصنف نے جواب دیا کہ جب بدل لفظ پر متعذر ہو تو بدل کو مبدل منہ کے محل پر محمول کیا جاتا ہے اور ان تینوں مثالوں میں مبدل منہ محلا مرفوع ہے، لہٰذا مختار پر بقدر امکان عمل کرتے ہوئے مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل ہی قرار دیا گیا ہے، لہٰذا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ہمارا قاعدہ ٹوٹ گیا ہے۔

لان من لا تزاد بعد الاثبات: یہاں سے فاضل مصنف دلیل بیان کررہے ہیں کہ مستثنیٰ منہ کے لفظ پر بدل کی گنجائش کیوں نہیں ہے؟ فرماتے ہیں کہ ایسا اس لیے ہے کہ لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں لفظ مِنْ کا اثبات کے بعد اضافہ کرنا لازم آتا ہے، اس لیے کہ بدل چوں کہ تکریر عامل کے حکم میں ہوتا ہے پس اگر لفظ سے بدل قرار دیا جائے گا تو وہ "مِنْ" جو مبدل منہ میں عامل ہے، لفظاً اس کا بدل میں بھی اعتبار لازم آیا اور بدل الاّ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے مثالِ مذکور میں مثبت ہوجاتا ہے اور معاملہ یہ ہے کہ مِن کا اضافہ بعد الاثبات نہیں ہوتا۔ اس لیے لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں یہ خرابی لازم آتی ہے۔

اوردوسری اورتیسری مثال میں اسی طرح لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں ما اور الا کا اثبات کے بعد مقدر ماننا لازم آتا ہے جب کہ ما اور الاّ کو بحیثیت عامل کے الاّ کے بعد مقدر نہیں مانا جاسکتا ہے کیوں کہ ما اور الاّ نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، جب کہ نفی الا کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے۔ پس ان دونوں مثالوں میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، لہٰذا مجبوراً مستثنیٰ منہ کے محل سے قرار دیا گیا۔

بخلاف لیس زید شیئًا الا شیئًا: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب نفی کے معنی الاّ کے بعد ختم ہو جاتے ہیں تو جب کلمۂ نفی مستثنیٰ منہ میں عامل ہو تو پھر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل قرار نہیں دیا جاسکتا، جب کہ لیس زید شئیًا الاّ شیئًا میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل قرار دیا گیا ہے، حالاں کہ نفی کے معنی الاّ کے ذریعہ ختم ہو گئے۔ پس ماسبق کی علت کی تقریر صحیح نہیں ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ لیس زید شیئًا الا شیئًا کو لا احد فیھا الا عمرو پر قیاس کر کے ناجائز نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ لیس فعل ہے، اور وہ اسی حیثیت سے عامل ہے، لہٰذا نفی کے معنی کے الاّ کے بعد ٹوٹ جانے کا اس کے عمل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیوں کہ لیس کے عامل ہونے کی بنیاد فعل ہونا ہے اور یہ بنیاد نفی کے معنی کے ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ جب کہ لا احد فیھا الا عمرو میں عمل کی بنیاد الاّ کے ذریعہ ختم ہو جاتی ہے، اس لیے اس میں لفظ سے بدل قرار دینا صحیح نہیں۔ کہتے ہیں کہ اس فرق کی وجہ سے لیس زیدا لا قائمًا کی مثال ٹھیک ہے اور ما زید الا قائمًا کی مثال درست نہیں ہے۔

وَمخفوضٌ بعدَ غیر وسِویٰ وسِواءَ وبعدَ حَاشَا فی الاکثرِ واعرَابُ غیرَ فیه کاعرابِ المستثنٰی بالاّ علی التفصیل وغیرُ صفةٌ حُملَت علی الاّ فِی الاستثناءِ کما حُملَتْ الاّ علیها فی الصّفة اذا کانت تابعةً لجمعٍ منکُورٍ غیرِ محصُورٍ لتعذرِ الاستِثناء مثل لو کان فیهما الهة الا اللّٰه لَفَسدتا وضَعُفَ فی غیرہٖ واعرابُ سوی وسِوَاء النصبُ علَی الظرفِ علَی الأصحّ .

ترجمه:- اور مستثنیٰ مجرور ہوگا غیر اور سوی اور سواء کے بعد اور حاشا کے بعد اکثر لوگوں کے نزدیک اور غیر کا اعراب استثناء میں مستثنیٰ بالاّ کے اعراب کی طرح ہے۔

اور غیر صیغۂ صفت ہے جو الا فی الاستثناء پر محمول ہوتا ہے جیسا کہ الا غیر فی الصفة پر بشرطیکہ الاّ تابع ہو ایسی جمع منکور کے جو غیر محصور ہو استثناء کے امتناع کی وجہ سے جیسے لو کان فیھما الھة الا اللّٰه لفسدتا. اور ضعیف ہے اس کے علاوہ کی صورت میں اور سوی اور سواء کا اعراب نصب ہوگا ظرف ہونے کے ناطے صحیح ترین قول کے مطابق۔

توضیح:- یہاں سے مستثنیٰ کے اعراب کی چوتھی قسم بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ غیر

اور سوی اور سواء کے بعد مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے اور حاشا کے بعد بھی اکثر لوگوں کے نزدیک مجرور ہوتا ہے، کیوں کہ حاشا حرف جار ہے جو تمام حروف جارہ کی طرح اپنے مدخول کو مجرور کرتا ہے۔ فی الاکثر کی قید سے مبرد کے قول سے احتراز کیا ہے، کیوں کہ مبرد کے نزدیک حاشا فعل اور ضمیر اس میں فاعل اور مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

واعراب غیر فیها الخ: اور غیر کا اعراب باب استثناء میں مستثنیٰ بالاّ کے اعراب کی طرح پوری تفصیل کے ساتھ ہے، اور ایسا اس لیے ہے کہ غیر کے بعد جب مستثنیٰ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگیا اور اصل مستثنیٰ کے اعراب کا ظہور اس پر ناممکن ہوگیا تو مستثنیٰ کا اعراب غیر کو منتقل ہوگیا۔

وغیر صفة حلت الخ: یہاں سے یہ بتاتے ہیں کہ لفظ غیر صفت کا صیغہ ہے، کیوں کہ غیر ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے جو مغائرت کے معنی میں ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی غیر کو معنی موضوع لہ کے علاوہ الاّ فی الاستثناء کے معنی پر محمول کرلیا جاتا ہے جیسا کہ الاّ کو غیر فی الصفة کے معنی پر محمول کرلیتے ہیں یعنی غیر الاّ کی طرح استثناء کے معنی کے لیے آتا ہے جیسا کہ الاّ کبھی صفت کے معنی کے لیے غیر کی طرح مستعمل ہوتا ہے۔ اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ غیر جس طرح مغائرت پر دلالت کرتا ہے الاّ بھی اسی طرح مغائرت کے معنی پر دلالت کرتا ہے، البتہ الاّ غیر کے معنی میں تب ہوتا ہے جب الاّ ایسی جمع کے تابع ہو جو نکرہ ہو اور غیر محصور ہو، تاکہ مستثنیٰ کے معنی متعذر ہوجائیں، کیوں کہ جب تک الاّ کا استعمال استثناء کے لیے صحیح ہوگا تب تک وہ صفت کے معنی کے لیے مستعمل نہیں ہوسکتا۔

اب قیود کا فائدہ سنئے! تو جمع کے تابع ہونے کی شرط اس لیے قرار دیا کہ جمع متعدد پر دلالت کرتی ہے اور جب الاّ بطور صفت کے جمع کے بعد آئے گا تو متعدد کے بعد ہوگا تو اب دریں حالت الاّ صفت کی حالت الاّ حرف استثناء کی حالت کے مطابق ہوجائے گی، کیوں کہ الاّ حرف استثناء مستثنیٰ منہ متعدد کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اور جمع کے نکرہ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ اگر جمع معرف باللام ہو تو یا تو لام استغراق کے لیے ہوگا یا عہد کے لیے۔ پہلی صورت میں مستثنیٰ متصل متعذر نہ ہوگا اور دوسری صورت میں لام سے اشارہ یا تو ایسی جماعت کی طرف ہوگا جس میں مستثنیٰ یقینی طور پر داخل ہوگا یا ایسی جماعت کی طرف ہوگا جس سے مستثنیٰ یقینی طور پر خارج ہوگا پس اگر پہلی صورت ہو تو مستثنیٰ متصل پھر متعذر نہیں اور اگر دوسری صورت ہو تو مستثنیٰ منقطع متعذر نہیں ہے۔

جب کہ الاّ کے غیر کے معنی میں ہونے کی شرط یہ ہے کہ الا کا مستثنیٰ کی دونوں قسموں کے لیے ہونا متعذر رہو۔ اور غیر محصور ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ محصور دو قسموں پر ہے جنس مستغرق اور جنس مستغرق بعض معلوم العدد اور دونوں تقدیروں پر الاّ کے مابعد کا اس کے ماقبل میں داخل ہونا ضروری ہے، لہٰذا مستثنیٰ متصل

متعذر نہ ہو سکے گا جو الا کے غیر کے معنی میں ہونے کی شرط کے خلاف ہے۔ بہرحال جب یہ ساری شرطیں پائی جائیں گی تو الاّ صفت کے معنی میں مستعمل ہو سکے گا۔ جیسے لو کان فیھما الھۃ اللّٰہ لفسدتا پس الا جمع یعنی الھۃ کے بعد واقع ہے، جو منکور غیر محصور ہے، لہٰذا اِلاّ غیر کے معنی صفتی میں ہوگا اور آیت کا مطلب ہوگا کہ اگر زمین و آسمان میں ایسے چند معبود ہوتے جو اللہ کا غیر ہیں تو نظام عالم بگڑ جاتا نیز اس آیت میں الاّ کو استثناء کے معنی پر محمول کرنے سے ایک دوسرا مانع بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ اگر الاّ کو استثناء کے معنی پر محمول کیا جائے تو معنی ہوں گے کہ اگر زمین و آسمان میں ایسے چند معبود ہوتے جن سے اللہ مستثنیٰ ہے تو نظام عالم بگڑ جاتا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں وحدانیت کے اثبات پر دلالت نہ ہوگی جب کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کرنا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب الا غیر کے معنی میں ہو کہ وہ غیر اللہ کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور غیر اللہ کی نفی وحدانیت کو مستلزم ہے۔

وضعف فی غیرہ الخ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا شرطوں کے بغیر الا کو غیر کے معنی میں لینا ضعیف ہے، اس لیے کہ بغیر ان شرطوں کے الاّ کو استثناء کے معنی میں لینا درست ہوگا۔ اور جب معنیٔ استثناء صحیح ہو سکتے ہیں تو استثناء کے علاوہ دوسرے یعنی غیر کے معنی پر محمول کرنا غیر مناسب ہوگا۔

واعراب سوی وسواء: یہاں سے سوی اور سواء کا اعراب بتا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ سوی اور سواء کا اعراب ظرفیت کی وجہ سے نصب ہوگا اس لیے کہ یہ دونوں فی الاصل مکان کی صفت ہیں جیسے قرآن میں ہے مکاناً سَوِیًّا پھر موصوف کو حذف کر کے صفت کو موصوف کا قائم مقام بنا دیا پس یہ دونوں مکان کے معنی میں ہو گئے اور مکان ظرف ہے لہٰذا یہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے یہ مذہب اصح ہے۔

اور مذہب غیر اصح یہ ہے کہ جو کوفیوں کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ سوی اور سواء کا اعراب غیر کے اعراب کی طرح ہوگا یعنی علی حسب المواقع رفع، نصب اور جر، اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ سوی اور سواء مکان کے معنی میں نہیں ہیں، البتہ نصب متعین ہے۔ جیسے لقد تقطّع بینکم کہ بَینَ فاعل ہونے کے باوجود منصوب ہے۔

خبر کَانَ واخواتِھا ھُو المُسنَدُ بَعد دُخولھا مِثلَ کَان زیدٌ قائمًا وامرُہٗ کأمر خبرِ المبتداءِ ویتقدم مَعْرِفۃً وقد یُحذَفُ عَامِلُہٗ فِی نحو النَّاسُ مجزیُّونَ باعَمالھم اِنْ خیرًا فخیرٌ وانْ شرًّا فشرٌّ، ویجوزُ فی مثلِھَا اربعۃُ اوجُہٍ ویجبُ الحَذفُ فی مثل اَمّا اَنتَ مُنطلقًا انطقلت ای لِاَن کنتَ مُنطلِقاً.

ترجمہ:- کان اور اس کے اخوات کی خبر وہ مسند ہوتی ہے کان اور اس کے اخوات کے داخل

ہونے کے بعد جیسے کان زید قائمًا اور کان کی خبر کا معاملہ مبتداء کے خبر کے معاملہ کی طرح ہے اور کان اوراس کے اخوات کی خبر معرفہ ہونے کے باوجود مقدم ہوسکتی ہے اور کبھی اس کے عامل کو الناس مجزیون باعمالھم ان خیرا فخیرٌ وان شرا فشرٌ جیسے میں حذف کردیا جاتا ہے۔اوراس جیسے میں چار وجہیں جائز ہیں اور کان کا حذف واجب ہوتا ہے امّا انت منطلقا انطلقت جیسے میں یعنی لان کنت منطلقاً۔

توضیح:- یہاں سے مصنف کان اوراس کے اخوات کی خبر کے بارے میں بتارہے ہیں، کہ کان اوراس کے اخوات کی خبر، کان یااس کے اخوات میں سے کسی کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یعنی ان کے دخول کے بعد ان کا اثر قبول کرتی ہے۔جیسے کان زید قائمًا.

وامرہ کامر خبر المبتداء: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کان اوراس کے اخوات کی خبر کا معاملہ احکام، اقسام اور شرائط میں مبتدا کے خبر کے معاملہ کی طرح ہے، لہٰذا مبتدا کی خبر کا ایک بار اور تفصیلی مطالعہ کرلیا جائے۔

ویتقدم: اس عبارت سے مصنف نے ایک وہم کو دور کیا ہے۔وہم یہ تھا کہ آپ نے فرمایا کہ کان اوراس کے اخوات کی خبر کا حکم مبتدا کے خبر کی طرح ہے تو مبتدا کی خبر معرفہ ہونے کی حالت میں مبتداء پر مقدم نہیں ہوسکتی، حالاں کہ کان اوراس کے اخوات کی خبر معرفہ ہونے کے باوجود اپنے اسم پر مقدم ہوسکتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ کان اوراس کے اخوات کی خبر کو مبتدا کی خبر کے مانند کہنا درست نہیں ہے تو اس کا مصنف نے جواب دیا ہے کہ ہاں بلاشبہ کان اوراس کے اخوات کی خبر کا معاملہ مبتدا کے خبر کی طرح ہی ہے۔ اب جہاں تک کان اوراس کے اخوات کی خبر کا معرفہ ہونے کے باوجود اپنے اسم پر مقدم ہوجانے کی بات ہے تو اس میں اتنا فرق اس لیے ہوگیا ہے کہ کان اوراس کے اخوات خبر اور اسم میں اعراب کے مختلف ہونے کی وجہ سے اشتباہ نہ ہوگا، جب کہ اسم وخبر ظاہرۃ الاعراب ہوں یعنی قرینہ موجود ہو جیسے کان المنطلق زید بہرحال اگر کان اوراس کے اخوات کی خبر اور اسم ظاہرۃ الاعراب نہ ہو بایں طور کہ دونوں کا اعراب تقدیری ہو جیسے کان موسی عیسی یا ایک تقدیری اور دوسرا محلی ہو جیسے کان الفتی ھذا تو خبر کی تقدیم درست نہ ہوگی، کیوں کہ خبر کے معرفہ ہونے کی صورت میں بصورت تقدیم خبر جس طرح خبر کے مبتدا کے ساتھ اشتباہ کا اندیشہ ہوتا ہے ٹھیک عدم قرینہ کی صورت میں یہاں بھی یہی مسئلہ پیدا ہوگا۔

وقد یحذف: اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ خود کان کو الناس مجزیون باعمالھم ان خیرًا مخیر ون شرًا فشرٌ جیسی ترکیب میں حذف کردیتے ہیں، اچھا حذف صرف کان کا تو ہوسکتا ہے، اس کے اخوات کا نہیں، اس لیے کہ کان کا استعمال اس قدر ہے کہ اگر اس کو حذف کردیا جائے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہوسکتا ہے جب کہ دیگر اخوات میں یہ بات نہیں ہے۔

الناس مجزيون الخ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں اِنْ پھر اسم اور فاء کو ذکر کیا گیا ہو۔ فرماتے ہیں کہ اس میں چار وجہیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی وجہ پہلے کا نصب اور دوسرے کا رفع، نصب تو اس لیے کہ وہ کان محذوف کی خبر ہے اور کان کی خبر منصوب ہوتی ہے اور ثانی کا رفع تو اس لیے کہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا کی خبر مرفوع ہوتی ہے۔ لہٰذا تقدیر عبارت ہوگی ان كان عملهم خيرا فجزائهم خيرٌ وان كان عملهم شراً فجزائهم شرٌّ. دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں جگہ نصب ہوا ایسا تب ہوگا جب خیرًا دونوں جگہ کان محذوف کی خبر ہو اور ظاہر ہے کہ کان کی خبر منصوبات میں سے ہے پس تقدیر ہوگی ان كان عملهم خيرا فكان جزائهم خيرًا اور تیسرا احتمال دونوں کا رفع ہے پہلے کا رفع تو اس لیے کہ وہ کان محذوف کا اسم ہے اور کان کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور دوسرے کا رفع اس لیے کہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا کی خبر کا مرفوع ہونا عالم آشکارہ ہے۔ تقدیر عبارت ہے ان كان في عملهم خيرٌ فجزائهم خيرٌ وان كان في عملهم شرٌّ فجزائهم شر.

اور چوتھا احتمال یہ ہے کہ پہلے کا رفع اور دوسرے کا نصب بہر حال پہلے کا رفع تو اس لیے کہ وہ کان محذوف کا اسم ہے اور دوسرے کا نصب اس لیے کہ وہ کان محذوف کی خبر ہے پس تقدیر عبارت ہوگی۔ ان كان في عملهم خيرٌ فكان جزائهم خير. ان وجوہ کی قوت اور ان کا ضعف قلتِ حذف اور کثرت حذف کے اعتبار سے ہے۔

ويجب الحذف: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ کان کا حذف اما انت منطلقا انطلقت جیسی مثال میں واجب ہے۔ اصل عبارت لِان كنت منطلقا انطلقت ہے سب سے پہلے لام جارّہ کو تخفیفاً حذف کیا پھر کان اختصاراً حذف ہو گیا اور کان کے عوض میں ما لے آئے اور ضمیر متصل کو منفصل سے بدل دیا پس ان ما منطلقا انطلقت ہو گیا پھر ان کا ما میں ادغام ہو گیا اما انت منطلقا انطلقت ہو گیا تو یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے بہر حال قرینہ تو معمول منطلقا کا منصوب ہونا ہے۔ اور قائم مقام تو وہ ما ہے جو کان کی جگہ پر ہے۔

اسم انَّ واخواتِها هو المسندُ اليه بعدَ دُخولها مثل اِنَّ زيدًا قــــائمٌ .

ترجمه:- منصوبات میں سے انّ اور اس کے اخوات کا اسم بھی ہے جو مسند الیہ ہوتا ہے اِنّ یا اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد جیسے ان زيدًا قائمٌ .

تفصیل مرفوعات میں گذر چکی ہے۔

المنصوبُ بلا التي لِنفي الجنس هو المسنَدُ اليه بَعْدَ دُخولِها يَليهَا نكرةٌ مُضافًا اَو مُشبّهًا به مثل لَا غلامَ رَجُلٍ ظريفٌ فيهَا ولا عِشرين درهَمًا لَكَ فان كانَ مُفردًا

فَهُوَ مبنيٌّ علی ما يُنصبُ بهِ وَاِن کانَ مَعرفةً او مَفصُولاً بينهُ وبين لا وجبَ الرفع والتَّکريرُ ومثل قَضيَّةٌ ولا اَبَا حَسنٍ لَها متأولٌ .

ترجمہ:- منصوب بلائے نفی جنس وہ اسم ہے جومسند الیہ ہوتا ہےاس کے یعنی لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد جو متصل ہوتا ہےاس سے درانحالیکہ وہ اسم نکرہ ہومضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو جیسے **لاغلام رجل ظریف فیھا** اور **لا عشرین درھما لك** پس اگراسم لاءمفرد ہوتو وہ منصوب ہوگا اس چیز پر کہ جس کے ساتھ نصب دیا جاتا ہےاوراگرمعرفہ ہو یا جدائی واقع ہواسم **لا** اور **لا** کے درمیان تو رفع اور تکریر واجب ہےاور **قضیة ولا ابا حسن لھا** تاویل شدہ ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف اس منصوب کی تعریف کررہے ہیں جولائے نفی جنس کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔فرماتے ہیں کہ منصوب بلائے نفی جنس وہ اسم ہے جومسند الیہ ہوتا ہے **لا** کے داخل ہونے کے بعد درانحالیکہ وہ مسند الیہ **لا** سے متصل ہو جونکرہ ہو،مضاف یا شبہ مضاف ہو،اب قیود کا فائدہ سمجھئے مسند الیہ کے لائے سے متصل ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ **لا** ضعیف العمل ہےوہ فصل کے ساتھ عمل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوسکتا۔اورنکرہ ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ **لا** جنس کی نفی کے لیے آتا ہےاورجنس کثرت کا تقاضہ کرتی ہے جب کہ معرفہ ہونا قلت کا تقاضہ کرتا ہےاوران دونوں باتوں میں منافات ہے۔اور مضاف یا شبہ مضاف ہونا اس لیے شرط ہے کہ یہ دونوں اسم کے بڑے خواص میں سے ہیں تو اس سے اسمیت کی جہت طاقتور ہوگئی اورحرف سے مشابہت کا پہلو کمزور ہوگیا۔

اب مثال دیکھئے جیسے **لاغلام رجل ظریف فیھا ولا عشرین درھمًا لكَ** پہلی مثال نکرہ مضاف کی ہےاوردوسری نکرہ مشابہ مضاف کی ہے،پہلی مثال میں **فیھا خبر بعد الخبر** ہے،تاکہ آدمی کے غلام کی ظرافت کی نفی سے کذب لازم نہ آئے۔

فان کا مفردا: پس اگرمسند الیہ مفرد ہویعنی مضاف اورمشابہ مضاف نہ ہوتو وہ اس حرف یا حرکت پر مبنی ہوگا جس کے ساتھ وہ لاء کے دخول سے پہلے منصوب ہوتا تھا،بہرحال اس کا مبنی ہونا تو اس لیے ہے کہ وہ من استغراقیہ کے معنی کو متضمن ہےاورمن استغراقیہ حرف ہونے کی وجہ سے مبنی ہے،لہٰذا جو من یعنی حرف کے معنی کو متضمن ہوگا وہ بھی مبنی ہوگا۔

مسند الیہ من استغراقیہ کے معنی کواس لیے متضمن ہے کہ وہ سائل کے اس سوال کے جواب میں واقع ہے جوکلمہ من پر مشتمل ہے جیسے ہل من رجلٍ فی الدار اورقاعدہ ہے کہ مذکور فی السوال ایسے ہے جیسے جواب میں اس کا اعادہ کیا گیا ہواورفتحہ پر مبنی ہونا اس لیے ہے تاکہ حرکت بنائیہ حرکت اعرابیہ کے موافق ہوجائے جیسے **لا رجل فی الدار**.

وان کان معرفة او مفصولاً: یہ اسم لا کے شرط ثانی اور اول پر تفریع ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر لا کا اسم نکرہ کے بجائے معرفہ ہو یا لا اور اس کے اسم کے درمیان بجائے اتصال کے انفصال ہو تو ان دونوں صورتوں میں لا کے اسم کا رفع اور خود لا کا تکرار واجب ہوتا ہے پہلے کی مثال جیسے **لا زید فی الدار ولا عمرو.**

مذکورہ مثال میں زید بجائے نکرہ کے معرفہ ہے جو کہ لا کا اسم ہے، چنانچہ زید مرفوع ہے اور لا مکرر ہے اور دوسرے کی مثال جیسے **لا فی الدار رجل ولا امرأة** اس مثال میں رجل لا کا اسم ہے لیکن لا سے متصل نہیں ہے بلکہ منفصل ہے، چنانچہ رجل مرفوع ہے اور لا مکرر ہے۔ پہلی مثال میں تو رفع اس لیے واجب ہے کہ جب لا کا اثر معرفہ میں ظاہر نہیں ہوا تو اس میں رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے واجب ہو گیا اور لا کا تکرار اس لیے ضروری ہے کہ لا کا تکرار کثرت میں سے فوت شدہ کی خبر دینے والا ہو جائے۔ اور دوسری مثال میں رفع اس لیے واجب ہے کہ لا فصل کی وجہ سے ضعیف العمل ہے اور لا کا تکرار اس لیے ضروری ہے تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے، کیوں کہ سوال ہے **افی الدار رجل او امرأة .**

ومثل قضیة ولا ابا حسن لھا متاول: مذکورہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ماقبل میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ لا کا اسم جب معرفہ ہو تو لا کے اسم کا رفع اور خود لا کا تکرار واجب ہوتا ہے۔ پس یہ قاعدہ شاعر کے قول **قضیة ولا ابا حسن لھا** سے ٹوٹ گیا اس لیے کہ لا کا اسم اس میں معرفہ ہے اس کے باوجود نہ تو وہ مرفوع ہے اور نہ ہی خود لا مکرر ہے تو مصنف نے اپنے قول متاوّل سے اس کا جواب دیا کہ **قضیة ولا ابا حسن لھا** نکرہ کی تاویل میں ہے اور جب **ابا حسن** نکرہ کی تاویل میں ہو گیا تو وہ اب حسب ضابطہ منصوب ہوگا۔

اب رہی بات نکرہ کے تاویل میں ہونے کی تو اس کی دو وجہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ اس عبارت میں مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے **قضیة ولا مثل ابی حسن لھا** اور مثل کا لفظ زیادتیٔ ابہام کی وجہ سے اضافت کے باوجود معرفہ نہیں ہوتا۔ اور جب بات ایسی ہے تو **ابا حسن** لفظ مثل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ **ابا حسن** کنایہ ہے صاحب علم کے وصف مشہور سے اور صاحب علم کا وصف مشہور حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنا ہے تو اب اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ مسئلہ موجود ہے لیکن کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہیں اس صورت میں **ابا حسن** کا نکرہ ہونا عالم آشکارا ہے، لہٰذا ہمارا قاعدہ نہیں ٹوٹا۔

ومثل لا حولَ ولاَ قوةَ إلاّ باللّٰه خمسةُ اَوجُهٍ فَتحُهما وفتحُ الاوّل ونصبُ الثانی ورَفعُهٗ ورَفعُهَما ورفعُ الاول علٰی ضعفٍ وفتحُ الثانی واذَا دخلتِ الهمزةُ لم یتغیّر

العملُ ومَعْنَاهَا الاستفهامُ والعرضُ والتمنی ونعتُ المبنیّ الاولُ مفردًا یَلیهِ مبنیٌّ ومعربٌ رفعًا ونصبًا مثل لا رجُلَ ظریفَ وظریفٌ وظریفًا والاّ فالاعرابُ.

ترجمه:- اور لاحول ولا قوة الا باللّٰه جیسے میں پانچ وجہیں ہیں دونوں کا فتحہ، اور پہلے کا فتحہ اور دوسرے کا نصب پہلے کا فتحہ اور دوسرے کا رفع، دونوں کا رفع پہلے کا رفع ضعف کے ساتھ اور دوسرے کا فتحہ۔ اور جب ہمزہ داخل ہو جائے تو عمل میں تبدیلی نہیں آتی البتہ ہمزہ کے معنی استفہام اور عرض اور تمنی کے ہوتے ہیں۔ اور مبنی کی پہلی صفت جو مفرد ہو اور جو مبنی سے متصل ہو معرب اور مبنی ہوگی رفع اور نصب کے ساتھ جیسے لا رجلَ ظریفٌ وظریفًا ورنہ پس معرب ہوگی۔

توضیح:- سب سے پہلے سمجھئے کہ اس جیسی ترکیب سے کونسی ترکیب مراد ہے پس لاحول ولا قوّة الا باللّٰه جیسے سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں لا علی سبیل العطف مکرر ہو اور ہر لا کے بعد نکرۂ مفردہ بلا فاصل ہو تو اس میں پانچ احتمال ہیں۔ پہلی وجہ دونوں کا فتحہ جیسے لاحولَ ولا قُوّة الا باللّٰه ایسا اس لیے کہ دونوں جگہ لا جنس کی نفی کے لیے ہے اور لا کا اسم نکرہ مفردہ بلا فاصل ہے اور جب لا کا اسم اس طرح ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ دوسری وجہ پہلے کا فتحہ اور دوسرے کا نصب ہے جیسے لاحول ولا قوةً الا باللّٰه ایسا اس لیے کہ پہلا لائے جنس کی نفی کے لیے ہے اور لاء کا اسم نکرہ مفردہ بلا فاصل ہے اور جب لاء کا اسم اس طرح ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے اور دوسرے کا نصب اس لیے کہ دوسرا لاء، لاء زائدہ ہے جو نفی کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرے لاء کا اسم پہلے لاء کے محل قریب پر معطوف ہوگا اور اس کا محل قریب نصب ہے، لہٰذا یہ بھی منصوب ہوگا اور تیسری وجہ پہلے کا فتحہ اور دوسرے کا رفع ہے جیسے لا حولَ ولا قوةٌ الا باللّٰه بہرحال پہلے کا فتحہ تو اس کی وجہ گذر چکی ہے رہی بات دوسرے کے رفع کی تو اس لیے کہ دوسرا لا زائدہ نفی کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرے کا اسم پہلے کے اسم کے محل بعید پر معطوف ہے اور پہلے کے اسم کا محل بعید رفع ہے، مبتدا ہونے کی وجہ سے، لہٰذا یہ بھی مرفوع ہوگا اور چوتھی وجہ دونوں کا رفع ہے، جیسے لا حولَ ولا قوّةَ الا باللّٰه دونوں کا رفع اس لیے ہے، تا کہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔ ان چاروں صورتوں میں جملہ کا عطف جملہ پر بھی ہوسکتا ہے، اس لیے کہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ خبر ہے اور مفرد کا عطف مفرد پر بھی ہوسکتا ہے، کیوں کہ دونوں کی خبر ایک ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اول ضعف کے ساتھ مرفوع ہو اور دوسرا مفتوح ہو جیسے لاحولٌ ولا قوةَ الا باللّٰه. رفع تو اس لیے کہ لائے اول بمعنی لیس ہے اور لا بمعنی لیس کا اسم مرفوع ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی مرفوع ہوگا اور ضعیف اس لیے کہ لا بمعنی لیس قلیل العمل ہے اور دوسرے کا فتحہ اس لیے کہ لائے ثانی جنس کی نفی کے لیے ہے اور اس کا اسم نکرۂ مفردہ بلا فاصل ہے اور لا کا اسم جب اس طرح ہوتا ہے تو وہ مفتوح ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی مفتوح ہوگا البتہ اس وجہ خاص میں جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا

مفرد کا عطف مفرد پر نہیں ہوسکتا ورنہ اسم واحد کا مرفوع اور منصوب دونوں ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔
ہاں اگر اول کا رفع اس لیے مانا جائے کہ لا کا عمل باطل ہو چکا ہے، کیوں کہ لا کے عمل کے ابطال کے لیے لا کا تکرار ضروری ہوتا ہے اور وہ موجود ہے تو ایسی صورت میں عطف الجملة علی الجملة کے ساتھ عطف المفرد علی المفرد بھی روا ہوگا۔

واذا دخلت الهمزة: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب ہمزہ استفہام لائے نفی جنس پر داخل ہو جائے تو لا کا عمل کچھ بھی نہیں بدلتا البتہ لا مذکور صورت مذکور میں کبھی استفہام کے معنی میں ہوتا ہے جیسے الاَ رجلَ فی الدار اور کبھی عرض کے معنی میں ہوتا ہے جیسے الا تنزل عندی اور کبھی تمنا کے لیے ہوتا ہے جیسے الا ماء اشربه. صورت مذکور میں لا کا عمل معرب اور مبنی ہونے میں اس لیے نہیں بدلتا کہ لا کی تاثیر میں معرب اور مبنی ہونے کی حیثیت سے ہمزہ استفہام کے اس پر دخول کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا پس عمل میں تبدیل بھی نہیں ہوئی اگر چہ معنی میں تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔

البتہ ایک سوال رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا قاعدۂ مذکور شاعر کے قول الا رجلاً جزاه الله خیرًا سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ اس مثال میں لا کا عمل حرف استفہام کے اس پر داخل ہونے کی وجہ سے مبنی سے معرب کی طرف بدل گیا ہے تو جواب یہ ہے کہ لا اس مثال میں جنس کی نفی کے لیے نہیں ہے کہ اس پر حرف استفہام داخل ہو بلکہ یہ ایک مستقل حرف، حرف تحضیض ہے۔ اس پر خلجان ہوتا ہے کہ حرف تحضیض فعل پر داخل ہوتا ہے جب کہ یہ اسم پر داخل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً تو فعل اگر چہ یہاں لفظاً نہیں ہے لیکن تقدیراً ہے، تقدیر عبارت ہے الا ترونني رجلا جزاه الله خيرا.

ونعتُ المبنیّ الاولُ الخ: اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی صفت اول جو مفرد ہو اور مبنی سے متصل ہو تو وہ معرب اور مبنی دونوں ہوسکتی ہے جیسے لارجلَ ظریفَ وظریفٌ وظریفًا یعنی ظریف جو کہ رجل کی صفت اول مفرد بلا فصل ہے ہر سہ حالتوں کا مستحق ہوسکتا ہے، اس کی علت اور مزید تفصیل جاننے سے پہلے قیدوں کا فائدہ سمجھ لینا مناسب ہوگا۔ پس اسم لا مبنی کی قید سے اسم لا معرب خارج ہو گیا جیسے لاغلامُ رجلٍ ظریفًا اور اول کی قید سے اسم لا مبنی کی صفت ثانی سے احتراز ہو گیا جیسے لارجل ظریفٌ کریمٌ فی الدار اور مفرداً کی قید سے صفت، بصورت مضاف سے احتراز ہو گیا جیسے لارجل حَسنُ الوجه اور یلیه کی قید سے اسم لا مبنی کی صفت اول مفرد مفصول سے احتراز ہو گیا۔ جیسے لاغلام فیها ظریف، جب ان مذکورہ بالا قیدوں کے ساتھ اسم لا مبنی کی صفت اول ہوگی تو وہ معرب اور مبنی دونوں ہوسکتی ہے مبنی علی الفتح اس لیے ہوگی کہ موصوف اور صفت کے درمیان اتحاد اور اتصال ہوتا ہے، لہٰذا صفت کو موصوف پر محمول کر دیا یا صفت کو موصوف پر اس لیے محمول کیا کہ حرف نفی صفت کی طرف متوجہ ہوتا

ہے کیوں کہ حرف نفی جب مقید پر داخل ہوتا ہے تو مقید سے قید کی نفی کر دیتا ہے۔

اور معرب اس لیے ہوتا ہے کہ اصل توابع میں یہ ہے کہ تابع اپنے متبوع کا معرب ہونے میں تابع ہو پھر معرب کی دو صورتیں ہیں، چنانچہ معرب مذکور مرفوع بھی ہوگا اور منصوب بھی ہوگا۔ مرفوع اس لیے ہوگا کہ صفت کو موصوف کے محل بعید پر محمول مانا جائے اور منصوب اس لیے ہوگا کہ صفت کو موصوف کے محل قریب پر محمول قرار دیا جائے۔ جیسا کہ اوپر مثال گذر چکی ہے۔

والا فالاعراب: اس ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسمِ لا مبنی کی صفت میں مذکورہ بالا تمام قیدوں میں سے کوئی قید بھی فوت ہو جائے تو ایسی صورت میں اسمِ لا مبنی کی صفت معرب ہوگی البتہ معرب ہونا بصورت رفع اور نصب دونوں ہوگا۔

والعطفُ على اللفظ وعلَى المحلّ جائزٌ في مثل لَا ابَ وابنًا وابنٌ ومثل لا ابًا لَهٗ ولا غُلامَي له جائز تَشبيهًا له بالمضافِ لمُشاركتهٖ له في اصل معناه ومن ثمّ لم يجز لا ابًا فيها وليسَ بمضافٍ لفسادِ المعنٰى خِلافًا لسيبويهِ ويحُذَف كثيرًا في مثل لَا عَليك اي لا بأس عليك.

ترجمہ:- اور عطف لفظ پر اور محل پر جائز ہے لا ابَ وابنًا وابنٌ جیسے میں اور لا ابًا ولا غلامي له جیسی ترکیب جائز ہے، اس کے مضاف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کے مضاف کا شریک ہونے کی وجہ سے اس کے اصلی معنی میں اور اسی وجہ سے نہیں جائز ہے الا ابًا فيها اور وہ مضاف نہیں ہے فسادِ معنی کی وجہ سے مخالفت کرتے ہوئے سیبویہ کی اور اسمِ لا اکثر حذف کر دیا جاتا ہے لا عليك جیسے میں یعنی لا بأس عليك.

توضیح:- یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسمِ لا مبنی کے لفظ اور محل دونوں پر عطف ہو سکتا ہے۔ البتہ یہاں مبنی ہونے کی گنجائش نہیں ہے، اس لیے کہ حرف عاطف کے ذریعہ سے معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فصل پایا جاتا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف میں بالذات مغایرت ہوتی ہے۔

ایک بات اور ملحوظ رہے کہ معطوف سے مراد وہ نکرہ ہے جو بغیر لا کے تکرار کے ہو جیسے لا اب وابنًا وابنٌ مذکورہ مثال میں اَب جو کہ لا کا اسم ہے مبنی علی الفتح ہے، ابنًا نکرہ کا واؤ عطف کے ذریعہ اس پر عطف کیا گیا ہے، لہٰذا ابنًا کو اب کے لفظ سے معطوف قرار دینے کی صورت میں منصوب پڑھیں گے اور محل پر معطوف قرار دینے کی صورت میں مرفوع پڑھیں گے۔

ومثل لا ابًا له الخ: مذکورہ بالا عبارت ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ ضابطہ ہے کہ جب لا

کا اسم نکرہ ہو اور لا سے متصل ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے تو مذکورہ ضابطہ لا اباً له و لا غلامَی له سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ لا کا اسم نکرہ ہے جو لا سے متصل ہے پھر بھی منصوب ہے، جب کہ مبنی علی الفتح ہونا چاہئے۔ تو مصنف نے جواب دیا اپنے قول لا ابا له و لا غلامی سے کہ اس جیسی ترکیب میں باوجود لا کے اسم کے نکرہ ہونے اور لا سے متصل ہونے کے لا کے اسم کا منصوب ہونا جائز ہے، اس لیے کہ صورت مذکورہ میں لا کا اسم مضاف کے مشابہ ہے لا کے اسم کے ان دونوں ترکیبوں میں مضاف کے ساتھ مضاف کے اصل معنی یعنی اختصاص میں مشارکت کی وجہ سے یعنی جس طرح اختصاص مضاف میں ہوتا ہے، اسی طرح ان ترکیبوں میں اسم لا میں اختصاص پایا جاتا ہے اس لیے دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے، پس اسی مشابہت کی وجہ سے حکم اصلی کے بجائے اسم لا کا مذکورہ بالا حکم ہو گیا اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں لامِ اضافت اسم لا کے بعد واقع ہو اور اس پر مضاف کے احکام جاری ہوتے ہوں۔

و من ثم لم یجز الخ: اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ چوں کہ لا ابا فیہا اور مضاف میں امر مشترک نہ ہونے کی وجہ سے مشابہت نہیں ہے، کیوں کہ اضافت یہاں بمعنی فی مقصود نہیں ہے۔ لہٰذا جس طرح لا ابا لہ اور لا غلامی لہ کی ترکیب کا منصوب ہونا اضافت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے درست ہے، اس ترکیب مذکور کا منصوب ہونا صحیح نہیں، البتہ یہ ترکیب مبنی علی الفتح ہوگی۔

ولیس بمضاف لفساد المعنی: خلاصہ یہ ہے کہ لاابًا له اور لاغلامی له بھلے مضاف کے مشابہ ہوں لیکن حقیقتاً مضاف نہیں ہیں، کیوں کہ مضاف ماننے کی تقدیر پر معنی میں فساد لازم آتا ہے، کیوں کہ ان دونوں ترکیبوں کے معنی مراد ی جنس اب اور جنس غلام کے ثبوت کی نفی بغیر خبر کی تقدیر کے ہے جب کہ اضافت کی صورت میں یہ معنی بغیر خبر کی تقدیر کے حاصل نہیں ہوتے ہیں، کیوں کہ ان دونوں ترکیبوں کے معنی اضافت کی تقدیر پر لا ابا و لا غلامیه موجودان ہوگا، البتہ مسئلہ مذکورہ میں سیبویہ کا اختلاف ہے، کیوں کہ یہ دونوں ترکیبیں ان کے نزدیک جائز ہیں لہٰذا اضافت فی الواقع ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ ترکیبیں اضافت کا فائدہ دیتی ہیں اور وہ اختصاص ہے۔ اب جہاں تک لام کا مسئلہ ہے تو سیبویہ کا کہنا ہے کہ یہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان پایا جانے والا لام، لام مقدر کی تاکید کے لیے ہے۔

ویحذف کثیرا الخ: اس عبارت سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لا علیك جیسی مثال میں عموماً لا کے اسم کو حذف کر دیتے ہیں عموم کا فائدہ دینے کے لیے۔ لا علیك جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں لا کی خبر مذکور ہو، اس لیے کہ اگر لا کی خبر مذکور نہ ہو بلکہ محذوف ہو تو لا کے اسم کا حذف جائز نہ ہوگا۔ تاکہ اجحاف لازم نہ آئے اصل عبارت ہے لا باس علیك.

خبرُ مَا ولاَ المشبّهتين بلَيسَ هو المُسندُ بعدَ دُخولها وهي لغةُ حجازيّةٌ واذا زيدَتْ إن مَع ما او انتقضَ النفيُ بالاّ او تقدَّمَ الخبرُ بطل العملُ واذا عُطِفَ عَليه بموجبٍ فالرفعُ .

ترجمہ:- ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر وہ ہے جو مسند ہوتی ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد اور یہ لغت حجاز ہے اور جب اِن ما کے ساتھ زیادہ کر دیا جائے یا نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ جائے یا خبر مقدم ہو جائے تو عمل باطل ہو جائے گا۔ اور جب ما اور لا کی خبر پر کسی موجب کے ذریعہ عطف کیا جائے تو معطوف پر رفع ہوگا۔

توضیح:- ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر کی تعریف کر رہے ہیں کہ مااور لا مشابہ بلیس کی خبر وہ ہے جو ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یعنی ان کا اثر قبول کرتی ہے۔ ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر کا منصوب ہونا یہ اہل حجاز کی لغت ہے ورنہ بنوتمیم کے نزدیک ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر منصوب نہیں ہوتی بلکہ مرفوع ہوتی ہے۔ ان کا مستدل یہ شعر ہے وَمُهَفهَفٍ کالعضن قلت له انتسب ÷ فاجاب ما قتل المحبّ حرام. کہ حرام ما کی خبر ہونے کے باوجود بجائے منصوب ہونے کے مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ ما عمل نہیں کرتا یعنی اپنی خبر کو نصب نہیں دیتا ورنہ شاعر بجائے حرامُ رفع کے ساتھ پڑھنے کے نصب کے ساتھ پڑھتا۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا مزید تفصیل مرفوعات کی بحث میں گذر چکی ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ اِن کو ما کے ساتھ زیادہ کر دیا جائے جیسے ما اِن زید قائم یا نفی کے معنی الاّ کی وجہ سے ٹوٹ جائیں جیسے مازید الا قائم یا خبر اسم پر مقدم ہو جائے جیسے ما قائمٌ زید تو ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں تو اس لیے کہ ما ضعیف العمل ہے وہ فصل کے ساتھ عمل نہیں کرتا ہے اور دوسری صورت میں تو اس لیے کہ ما کا عمل نفی کی وجہ سے ہے اور جب نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی تو پھر اس کا عمل بھی ختم ہو گیا اور تیسری صورت میں تو اس لیے کہ مااور لا ضعیف العمل ہیں تو دونوں ترکیب کے پلٹ جانے کے ساتھ عمل نہیں کر سکتے، لہذا یہاں بھی عمل ختم ہو جائے گا۔

واذا عطف: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مااور لا مشابہ بلیس کی خبر پر کسی موجب یعنی ایسے عاطف کے ذریعہ جو ایجاب کا فائدہ دیتا ہے عطف کیا جائے تو معطوف مرفوع ہوگا اس لیے کہ وہ عاطف نفی کے توڑنے میں الاّ کی طرح ہے پس مااور لا کا اثر معطوف تک نہ پہنچ سکے گا، لہذا بجائے خبر کے لفظ پر معطوف ہونے کے وہ محل پر معطوف ہوگا جیسے مازید مقیما بل مسافر یا لکن مسافر.

المجرورات هُوَ مَا اشتملَ على علمِ المضاف اليه والمضافُ اليه كل اسمٍ نُسب اليه شيءٌ بواسطةِ حَرْفِ الجرّ لفظًا او تقديرًا مرادًا فالتقدير شرطُهٗ ان يّكونَ المضافُ اسمًا مجردًا تنوينهٗ لاجلها وهي مَعْنويَّةٌ ولفظيّةٌ فالمعنويةُ ان يّكونَ المضافُ غيرَ صفةٍ مضافةٍ الٰى معمُولها وهيَ اِمّا بمعنى اللام في مَا عدا جنسِ المُضافِ وظرفهٗ واِمَّا بِمَعْنٰى من في جنسِ المضافِ او بمَعنى فِي، في ظرفهٖ وهو قليلٌ مثل غُلام زيد وخاتمُ فضّةٍ وضربُ اليوم وتفيد تعريفًا مَعَ المعرفة وتخصيصًا مع النكرةِ وشرطُها تجريدُ المضاف مِن التعريف وما اجازهُ الكوفيون من الثلثة الاثواب وشبههٖ منَ العَدد ضعيفٌ

ترجمہ:- مجرورات وہ ہیں کہ جومضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہوں اور مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے کہ جس کی طرف کسی چیز کی حرف جر کے واسطے سے نسبت کی گئی ہوخواہ حرف جرلفظاً ہو یا تقدیراً جو مراد ہو پس تقدیراً اس کی شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہے جس کوتنوین سے اضافت کے واسطے خالی کرلیا گیا ہواور وہ معنوی ہوتی ہے اور لفظی ۔پس معنوی یہ ہے کہ مضاف اپنے معمول کی طرف مضاف ہونے والی صفت کا غیر ہواور وہ یا تو بمعنی لام ہوگی مضاف کی جنس اور اس کے ظرف کے ماسوا میں اور یا بمعنی من ہوگی مضاف کی جنس کی صورت میں یا بمعنی فی ہوگی مضاف الیہ کے مضاف کا ظرف ہونیکی صورت میں اور وہ بہت کم ہے۔ جیسے غلام زید اور خاتم فضةٍ اور ضرب الیومِ . اوروہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے معرفہ کے ساتھ اور تخصیص کا نکرہ کے ساتھ اور اس کی شرط مضاف کا خالی ہونا تعریف سے۔اوروہ جس کوکوفیوں نے جائز قرار دیا ہے الثلاثة الاثواب اور اس کے مانند عدد میں ضعیف ہے۔

توضیح:- لفظِ مجرورات کی وہی تفصیل ہے جو مرفوعات کی ہے۔لہٰذا اس کی تفصیل مرفوعات کی ابتدائی بحث میں ملاحظہ کرلیا جائے۔

مجرور وہ اسم ہے جومضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو یعنی شئ کے مضاف الیہ ہونے کی علامت پر۔اور مضاف کی علامت مفردات اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ ہے اور غیر منصرف میں فتحہ اور اسمائے ستہ مکبرہ، تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں یاء ہے۔

مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے کہ جس کی طرف شئ کی حرف جر کے واسطے سے نسبت کی گئی ہوخواہ حرف جر لفظاً ہو یا تقدیراً ہواور مضاف الیہ کا اسم ہونا عام ہے خواہ وہ اسم صریحی ہو یا اسمِ تاویلی۔

مضاف الیہ کی اسی تعریف پر ایک سوال ہوتا ہے کہ یہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں،اس لیے

کہ مضاف الیہ کی مذکورہ تعریف کی رو سے اضافت لفظیہ مضاف الیہ سے خارج ہو جاتی ہے، کیوں کہ بعض لوگ اضافت لفظیہ میں حرف جر کی تقدیر کے قائل نہیں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ مصنف کے کلام سے متن میں ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اضافت جو اضافۃ لفظیہ اور معنویہ کی طرف منقسم ہوتی ہے وہ اضافت بتقدیر حرف جر ہے اور قاعدہ ہے کہ شیٔ کی قسم اپنے مقسم کے خلاف نہیں ہوتی تو جب مقسم حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہوگا تو بھلا اس کی قسمیں حرف جر کی تقدیر کے ساتھ کیوں کر نہ ہوں گی لہٰذا یہ کہنا کہ اضافت لفظیہ حرف جر کی تقدیر کے ساتھ نہیں ہوئی غلط ہے، یہ الگ بات ہے کہ مصنف نے اضافت لفظیہ کے بیان کے دوران اس کی وضاحت نہیں کی جس سے کچھ لوگوں کو دھوکا لگ گیا۔ پس مضاف الیہ کی تعریف جامع ہے۔

مراداً: یہ ٹکڑا ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مضاف الیہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں مفعول فیہ، "مت یوم الجمعۃ" جیسی ترکیب کا داخل ہوا جا رہا ہے، کیوں کہ یوم ایک اسم ہے جس کی طرف ایک شیٔ کی اضافت بواسطۂ حرف جر یعنی بواسطہ فی کے کی گئی ہے باوجود اس کے کہ وہ مضاف الیہ نہیں ہے۔ تو مصنف نے اپنے قول مراداً سے جواب دیا کہ مضاف الیہ وہ اسم ہے کہ جس کی طرف کسی چیز کی بواسطۂ حرف جر کے نسبت کی گئی ہو خواہ حرف جر لفظی ہو یا تقدیری درانحالیکہ وہ حرف جر من حیث العمل اثر کو باقی رکھنے کے ساتھ ساتھ مراد ہو یعنی حرف جر کا اثر ظاہر ہوتا ہو۔ اور یوم الجمعۃ میں اگرچہ جمعہ کی فی تقدیر کے واسطے سے یوم کی طرف نسبت ہے، لیکن وہ فی تقدیراً مراد نہیں ہے، لہٰذا مضاف الیہ کی تعریف دخول سے غیر مانع ہے۔

فالتقدیر شرطه: یہاں سے حرف جر کی تقدیر کے شرائط بیان کر رہے ہیں پس حرف جر کی تقدیر کی پہلی شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہو، کیوں کہ اضافت کے لوازم اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، اضافت کے لوازم تعریف، تخصیص اور تخفیف ہیں لہٰذا اگر مضاف فعل ہو تو حرف جر کا تلفظ لازم ہے فعل کو مفعول تک پہنچانے کے لیے جیسے **مررت بزید** نیز وہ مضاف جو اسم ہو تنوین اور تنوین کے قائم مقام نون تثنیہ اور نونِ جمع سے بھی خالی ہو اس لیے کہ تنوین اور قائم مقام تنوین کلمہ کے تمام ہونے اور مابعد سے کلمہ کے انقطاع کو واجب کرتی ہے جب کہ اضافت اتصال اور امتزاج کو واجب کرتی ہے پس جب نحویوں نے دو کلموں کے درمیان اتصال کا ارادہ کیا اس طرح کہ پہلا کلمہ دوسرے کلمہ سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف کو حاصل کرے تو ان لوگوں نے پہلے کلمہ سے کلمہ کے تمام ہونے کی علامت کو حذف کر دیا اور اس کو دوسرے کلمہ کے ذریعے پورا کر دیا۔

اضافت جو حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہوتی ہے دو قسموں پر ہے معنوی اور لفظی، وجہ حصر یہ ہے کہ مضاف یا تو ایسا صفت کا صیغہ ہوگا جو مضاف الیہ میں اضافت سے پہلے عامل ہوگا یا نہیں اول لفظی اور ثانی معنوی ہے۔

فالمعنوية ان یکون المضاف الخ: یہاں سے اضافت معنوی کی تعریف کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اضافت معنوی کہتے ہیں ایسی اضافت کو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہونے والی صفت کا غیر ہو یعنی اول تو مضاف بالکل صفت کا صیغہ نہ ہو جیسے غلام زید یا صفت کا صیغہ تو ہو لیکن وہ مضاف الیہ میں عامل نہ ہو جیسے کریم المصر. اس لیے کہ کریم شہر نہیں بلکہ شہر والے ہوتے ہیں۔

اضافت معنوی باعتبار حرف جر کی تقدیر کی نوعیت کے تین قسموں پر ہے اول بمعنی لام ثانی بمعنی من ثالث بمعنی فی۔ اضافت بمعنی لام اس وقت ہوگی جب مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہو اور نہ ہی مضاف کے لیے ظرف ہو۔ جیسے غلام زید اور اور صورت ثانی اس وقت ہوگی جب مضاف الیہ مضاف کی جنس ہو جیسے خاتم فضۃ اور صورت ثالث اس وقت ہوگی جب مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو۔ جیسے ضرب الیوم.

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب دلیل حصر سمجھئے کہ اضافت کے تقدیر کی تین ہی صورتیں کیوں ہیں؟ تو وجہ یہ ہے کہ مضاف الیہ یا تو مضاف کا ظرف ہوگا یا نہیں صورت اول میں اضافت بمعنی فی ہوگی جیسے ضرب الیوم اور اگر مضاف الیہ مضاف کا ظرف نہیں ہے تو پھر چند صورتیں ہیں یا تو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی یا تساوی کی یا عموم خصوص مطلق کی یا عموم خصوص من وجہ کی اگر تباین کی نسبت ہو تو وہ اضافت بمعنی لام ہوگی جیسے عجلۃُ درّاجۃٍ اور اگر تساوی کی نسبت ہو تو اضافت ممتنع ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں اضافت بے فائدہ ہوگی جیسے اسد اور لیث حبس اور منع اور اگر تیسری صورت ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو عام کی اضافت خاص کی طرف ہوگی یا اس کے الٹا اگر پہلی صورت ہو تو اضافت بمعنی لام ہوگی اور صورت ثانی میں اضافت ممتنع ہے، اضافت میں فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے جیسے احد الیوم اور اگر دونوں کے درمیان عام خاص من وجہ کی نسبت ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو مضاف اصل ہوگا بلحاظ مضاف الیہ کے یا اس کے برعکس۔ اگر پہلی صورت ہے تو اضافت بمعنی لام ہوگی جیسے فضۃ خاتمك خیر من فضۃ خاتمی اور اگر دوسری صورت ہے تو اضافت بمعنی من ہوگی جیسے خاتم فضۃ . مضاف کے بلحاظ مضاف الیہ کے اصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ مضاف الیہ کو مضاف سے لیا گیا ہو جیسے کہ پہلی مثال میں ہے اور مضاف الیہ کے بلحاظ مضاف کے اصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ مضاف کو مضاف الیہ سے لیا گیا ہو جیسے کہ دوسری مثال میں ہے۔

وھو قلیل: اور اضافت بمعنی فی عربوں کے یہاں قلیل الاستعمال ہے، اسی لیے اکثر نحویوں کے نزدیک اضافت بمعنی فی کو اضافت بمعنی لام کی طرف لوٹا دیا گیا ہے، کیوں کہ ضرب الیوم کے معنی ہیں ضرب لہ اختصاص بالیوم.

وتفید تعریفا مع المعرفۃ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اضافت معنوی مضاف الیہ کے معرفہ

ہونے کی حالت میں مضاف کی تعریف کا فائدہ دیتی ہے، اس لیے کہ اضافت معنوی کی ہیئت ترکیبیہ مضاف کو معلوم کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ البتہ ایک بات دھیان رہے کہ کہ مذکورہ بالا حکم سے غیر اور مثل مستثنیٰ ہیں، چنانچہ اگر غیر یا مثل مضاف الیہ معرفہ کی طرف مضاف ہوں تو بھی ان میں زیادتی ابہام کی وجہ سے تعریف نہیں پیدا ہوگی ہاں اگر ان کے مضاف الیہ کی کوئی ایک ہی ضد ہو تو ان کے معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے ان میں تعریف آجائے گی جیسے علیك بالحركة غیر السكون اور اضافت معنوی تخصیص کا فائدہ دیتی ہے جب وہ نکرہ کی طرف مضاف ہو یعنی مضاف الیہ نکرہ کی طرف کیوں کہ تخصیص نام ہے شرکاء کی تقلیل کا اور کوئی شک نہیں ہے کہ غلام رجل میں غلام کے رجل کی طرف اضافت سے پہلے غلامُ رجل اور غلام امراۃ کے درمیان اشتراک تھا، لیکن جب رجل کی طرف مضاف ہوگیا تو اس سے غلام المراۃ نکل گیا۔

اب آگے اضافت معنوی کی شرط بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ اضافت معنوی کی شرط یہ ہے کہ مضاف تعریف سے خالی ہو، اس لیے کہ اگر مضاف تعریف سے خالی نہ ہو تو مضاف الیہ کی دو صورتیں ہیں یا تو مضاف الیہ معرفہ ہوگا یا نکرہ ہوگا۔ پہلی صورت میں بصورت اضافت تحصیل حاصل لازم آئے گی اور دوسری صورت میں اعلیٰ کے حاصل ہونے کے باوجود ادنیٰ کا حاصل کرنا یا شاہ کا گدا سے مانگنا لازم آئے گا۔

وما اجازہ الکوفیون: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے قاعدہ بیان کیا کہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ضروری ہے اور یہ قاعدہ الثلاثة الاثواب سے ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح الخمسة الدراهم اور اس جیسی ترکیبیں قاعدۂ سابق کے خلاف ہیں کیوں کہ یہ اضافت معنوی ہیں باوجود اس کے کہ مضاف اس میں معرف باللام ہے تو مصنف نے ما اجازہ الکوفیون سے جواب دیا کہ الثلاثة الاثواب اور الخمسة الدراهم کی جیسی مثالیں اضافت معنوی ہونے کے باوجود جو کوفیوں نے حرف تعریف سے خالی نہیں کیا ہے، بلکہ الف لام کے ساتھ استعمال کیا ہے یہ ضعیف ہے کیوں کہ یہ استعمال ضابطہ کے خلاف ہے نیز فصحاء کے استعمال کے خلاف ہے، اس لیے کہ فصحاء ثلثة الاثواب اور خمسة الدراهم استعمال کرتے ہیں، لہٰذا ہمارا قاعدہ نہیں ٹوٹا۔

واللفظيةُ ان يكونَ المُضَافُ صفةً مُضافةً الٰى معمُولها مثل ضاربُ زيدٍ وحَسَنُ الوجهِ ولا تفيدُ الاّ تخفيفًا في اللفظ ومِنْ ثم جاز مَرَرْتُ برجُل حَسَن الوجه وامتنع مرَرتُ بزيد حَسَن الوجه وجاز الضاربَا زيدٍ والضاربُ زيدٍ وامتنَعَ الضَاربُ زيدٍ خلافًا للفرّاء وضَعُفَ ع الواهِبُ المائةِ الهِجانِ وعبدِها ÷ وَانّما جاز

الضاربُ الرجُلِ حملاً على المختارِ فی الحسن الوجهِ والضاربُك وشبهُهٗ فیمَنْ قال انّهٗ مُضافٌ حملاً علٰی ضَاربُكَ

ترجمه:- اور اضافۃ لفظیہ یہ ہے کہ مضاف ایسی صفت ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے ضارب زید اور حسن الوجه اور اضافت لفظیہ نہیں فائدہ دیتی ہے، مگر تخفیف کا لفظ میں۔ اور اسی وجہ سے جائز ہے مررت برجل حسن الوجه اور ممتنع ہے مررت بزيد حسن الوجه اور جائز ہے الضاربا زيد اور محال ہے الضارب زيدٍ مخالفت کرتے ہوئے فراء کی اور ضعیف ہے ع الواهب المائة الهجان وعبدها اور بے شک جائز ہے الضارب الرجل محمول کرتے ہوئے مختار پر حسن الوجه میں اور جائز ہے الضاربك اور اس کے مشابہ اسی شخص کے قول میں جس نے کہا کہ وہ مضاف ہیں حمل کرتے ہوئے ضاربک پر۔

توضیح:- اب اضافت لفظیہ کی تعریف کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اضافت لفظیہ ایسا صفت کا صیغہ کہلاتا ہے جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے ضارب زید اور حسن الوجہ۔ اضافت لفظیہ سے صرف لفظ میں تخفیف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ تعریف اور تخصیص کا نہیں۔ اضافت لفظیہ میں حاصل ہونے والی تخفیف کی متعدد صورتیں ہیں یا تو کبھی وہ مضاف کی جانب میں ہوتی ہے یا کبھی مضاف الیہ کی جانب میں اور کبھی دونوں کی جانب میں۔ مضاف کی جانب میں تخفیف تنوین یا قائم مقام تنوین یعنی نون تثنیہ اور نون جمع کی صورت میں ہوگی اور مضاف الیہ کی جانب میں ضمیر کے حذف کی صورت میں تخفیف ہوگی نیز ضمیر کو شبہ فعل میں پوشیدہ ماننے کی صورت میں بھی تخفیف کا تحقق ہوتا ہے۔

اب آپ اس فرق کو بھی سمجھ لیجیے کہ اضافت معنوی لفظ اور معنی دونوں میں مفید الفائدہ ہوتی ہے اور اضافت لفظی صرف لفظ میں مفید الفائدہ ہوتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اضافت معنوی کے اندر مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لفظ اور معنی دونوں میں انفصال ہوتا ہے، لہٰذا جب اضافت کی جاتی ہے تو لفظ میں اتصال حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اس پر فائدۂ لفظیہ مرتب ہوتا ہے نیز عندالاضافت معنی میں بھی اتصال حاصل ہوتا ہے تو اس پر فائدۂ معنویہ مرتب ہوتا ہے۔

اور اضافتِ لفظی میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال فی المعنی اور انفصال فی اللفظ ہوتا ہے، لہٰذا جب اضافت کی جاتی ہے تو اتصال فی اللفظ حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اس پر صرف فائدہ لفظیہ مرتب ہوتا ہے۔

ومن ثم جاز مررت برجل حسن الوجه: خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ اضافت لفظیہ صرف

تخفیف فی اللفظ کا ہی فائدہ دیتی ہے تو اس وجہ سے مررت برجل حسن الوجہ کہنا تو درست ہوگا اور مررت بزید حسن الوجہ کہنا ناجائز ہوگا۔ پہلی ترکیب اس لیے درست ہوگی کہ جب اضافت لفظیہ مفید للتعریف نہیں ہے تو رجل نکرہ کا حسن الوجہ صفت بن سکتا ہے، کیوں کہ وہ بھی تعریف یا تخصیص کا فائدہ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے نکرہ ہی رہا پس موصوف اور صفت میں مطابقت پائی گئی کیوں کہ رجل کی طرح حسن الوجہ بھی نکرہ۔ جب کہ ترکیب ثانی میں تعریف یا تخصیص کے ندارد ہونے کی وجہ سے زید معرفہ اور صفت حسن الوجہ نکرہ میں مطابقت نہیں ہے، حالاں کہ موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت تعریفاً اور تنکیراً ضروری ہوتی ہے۔

اچھا اگر اضافت لفظیہ مفید للتعریف یا للتخصیص ہوئی تو منظر بدلا ہوتا کہ پہلی ترکیب عدم موافقت کی وجہ سے ناجائز اور ترکیب ثانی موافقت کی وجہ سے جائز ہوتی۔

وجاز الضاربا زید: یہ دونوں ترکیبیں اس لیے درست ہیں کہ ان میں حسب ضابطہ تخفیف کا فائدہ حاصل ہے۔ پہلی مثال میں نونِ تثنیہ اور دوسری مثال میں نونِ جمع کا حذف ہے جو عین تخفیف ہے اور یہی اضافت لفظیہ کا فائدہ ہے۔ البتہ الضارب زید کی ترکیب درست نہیں ہے۔

اس لیے کہ اس میں اضافت لفظیہ کا فائدۂ تخفیف حاصل نہیں ہے، کیوں کہ الضارب کی تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں، لہٰذا اضافت لفظیہ کی وجہ سے اس ترکیب میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا پس یہ ناجائز ہے، لیکن فراء کا خیال ہے کہ الضارب زید کی ترکیب درست ہے وہ کہتے ہیں کہ اضافت لفظیہ کا فائدہ تخفیف اس میں حاصل ہے اور وہ تنوین کا اضافت کی وجہ سے حذف ہونا ہے، لہٰذا یہ ترکیب صحیح ہے۔ جمہور کی طرف سے فراء کا جواب یہ ہے کہ لام محقق الذات ہے اور اضافت محقق الصفات۔ اور ضابطہ ہے کہ محقق الذات محقق الصفات پر مقدم ہوتا ہے جب بات یہ ہے تو دخول لام اضافت پر مقدم ہوگا، لہٰذا تنوین کا سقوط الف لام کی وجہ سے ہوگا نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔

وضعف مع الواھب المائۃ الخ: یہ عبارت فراء کی دوسری دلیل کا جواب ہے، فراء کا کہنا یہ ہے کہ اس شعر کے اندر عبدِھا ''حر'' کے ساتھ ہے جو المائۃ پر معطوف ہے اور مائۃ میں الواھب جو کہ مضاف ہے عامل ہے اور قاعدہ ہے کہ جو معطوف علیہ میں عامل ہوتا ہے وہی معطوف میں بھی عامل ہوتا ہے، لہٰذا حسب ضابطہ الواھب، عبدھا میں عامل ہوگا تو معنی ہوگا الواھب عبدِھا اور یہ ترکیب درست ہے، پس جب الضارب زید بعینہٖ الواھب عبدھا کی طرح ہے تو مناسب ہے کہ الضارب زید کی بھی ترکیب درست ہو۔ جس طرح کہ الواھب عبدھا کی ترکیب درست ہے جو کہ شاعر فصیح کے کلام میں استعمال ہوا ہے، تو مصنف نے اس کا جواب دیا کہ الضارب زید کے جواز پر الواھب عبدھا سے

استدلال درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں عبدھا کے مجرور ہونے کی کوئی صراحت نہیں ہے، بلکہ عبدھا کے منصوب ہونے کا امکان ہے بایں طور کہ وہ مائة کے محل پر معطوف ہو اور مائة محلاً مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بسا اوقات معطوف میں اس چیز کو انگیز کرلیا جاتا ہے جو معطوف علیہ میں نہیں کیا جاتا۔

وانما جاز الضارب الرجل: فراء نے الضارب زید کے جواز پر تیسری دلیل پیش کی ہے یہ اس کا جواب ہے فراء کی اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ الضارب الرجل کی ترکیب درست ہے اور الضارب زید، الضارب الرجل پر محمول ہے، لہٰذا یہ ترکیب بھی درست ہے تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ الضارب زید کو الضارب الرجل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ الضارب الرجل کی ترکیب بھی حسب ضابطہ درست نہیں ہونا چاہئے، لیکن چوں کہ الحسن الوجه پر الضارب الرجل کو محمول کرلیا گیا ہے تو جس طرح الحسن الوجه درست ہے اسی طرح الضارب الرجل کی ترکیب بھی درست ہے، گو ضابطہ کے خلاف ہے جب کہ الضارب زید کو الحسن الوجه پر محمول نہیں کر سکتے، اس وجہ سے کہ الحسن الوجه میں مضاف معرف باللام ہے اور مضاف الیہ اسم جنس معرف باللام ہے اور الضارب زید میں ایسا نہیں ہے برخلاف الضارب الرجل کے کہ اس میں الحسن الوجه کی طرح مضاف معرف باللام اور مضاف الیہ اسم جنس معرف باللام ہے، لہٰذا اس کو تو مشابہت کی وجہ سے الحسن الوجه پر محمول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن الضارب زید کے لیے کوئی چانس نہیں ہے۔

وجاز الضاربك: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ فراء نے الضارب زید کی ترکیب کے جواز پر ایک اور طرح سے استدلال کیا جس کا مصنف نے جواب دیا ہے۔

فراء کا استدلال یہ ہے کہ الضارب زید درست ہے، اس لیے کہ وہ الضاربك پر محمول ہے اور الضاربك کی ترکیب کی درستگی مسلم ہے، لہٰذا الضارب زید کے جواز پر بھی انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی تو مصنف نے اپنے قول وجاز الضاربك سے جواب دیا کہ الضاربك اور اس کے مشابہ الضّاربی اور الضاربه وغیرہ اس شخص کے قول کے مطابق جو ان کے مضاف ہونے کا قائل ہے ضاربك پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے۔ یعنی حسب ضابطہ الضاربك جیسی ترکیب درست نہیں ہے، کیوں کہ اضافت لفظی ہونے کے باوجود اس میں تخفیف کا فائدہ حاصل نہیں ہے، کیوں کہ تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے، لیکن اس کے باوجود اس کو ضاربك پر محمول کرتے ہوئے جائز قرار دیا اور چوں کہ ضاربک بلا تخفیف جائز ہے، لہٰذا اس میں بھی بلا تخفیف جواز کی گنجائش پیدا ہوگئی۔

دراصل قاعدہ یہ ہے کہ جب لوگ اسم فاعل اور اسم مفعول مجرد عن اللام کو ان کے مفعولوں سے ملانا چاہتے ہیں درانحالیکہ ان کے مفعولات ضمائر ہوں تو نحویوں نے اضافت کا التزام کیا ہے اور انھوں نے ضاربك کے تخفیف کے تحقق کی طرف توجہ نہیں کی، لہٰذا جب ضاربك بلاتخفیف درست ہے تو الضاربك کو بھی لوگوں نے اسی پر علاقہ کی وجہ سے محمول کر دیا۔ اور علاقہ ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ یہ دونوں ایک باب سے ہیں اور مضاف دونوں میں شبہ فعل ہے اور مضاف الیہ دونوں میں ضمیر متصل ہے اور تنوین دونوں میں قبل الاضافت ساقط ہوئی ہے بخلاف الضارب زید کے کہ مضاف اگرچہ اس میں صفت یعنی شبہ فعل ہے، لیکن مضاف الیہ ضمیر نہیں لہٰذا فراء کا استدلال درست نہیں ہے۔

وَلا يُضافُ مَوصوفٌ الى صفةٍ لا صفةٌ الى مَوصُوفِها ومثلُ مسجدُ الجامِعِ وجانبُ الغَربى وَصَلٰوةُ الاُولٰى وَبَقْلَةُ الحمقَاءِ متاوّلٌ ومثل جَردُ قطيفةٍ واخلاقُ ثيابٍ متاوّلٌ وَلَا يُضَافُ اسمٌ مُمَاثِلٌ للمضافِ اليهِ فى العموم والخُصُوصِ كليثٍ واسَدٍ وحَبْسٍ ومنعٍ لِعَدمِ الفائدةِ بخِلَافِ كُلُّ الدَّراهِمِ وَعَيْنُ الشىءِ فَانَّهُ يختصُّ بِهٖ وقولُهُم سَعِيْدُ كرزٍ ونحوُهٗ مُتاوّلٌ .

ترجمہ:- اور نہیں مضاف ہوتا ہے کوئی موصوف کسی صفت کی طرف اور نہ کوئی صفت کسی موصوف کی طرف اور مسجد الجامع اور جانب الغربی اور بقلة الحمقاء جیسے تاویل کیے ہوئے ہیں اور جردُ قطيفة اور اخلاقُ ثيابٍ تاویل شدہ ہیں اور ایسا اسم جو عموم اور خصوص میں مضاف الیہ کا مماثل ہو مضاف نہیں ہوتا جیسے لیث اور اسد اور حبس اور منع فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے بخلاف کل الدراهم اور عین الشئ کے، کیوں کہ وہ اس کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے اور ان کا قول سعید کرز اور اس جیسا تاویل شدہ ہے۔

توضیح:- حاصل عبارت یہ ہے کہ موصوف صفت کی طرف اور نہ ہی صفت موصوف کی اُور مضاف ہوسکتی ہے وجہ یہ ہے کہ ترکیب توصیفی اور ترکیب اضافی دونوں کے الگ الگ معنی ہیں، چنانچہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ترکیب توصیفی کی بنیاد صفت اور موصوف کے درمیان اتحاد پر ہے اور ترکیب اضافی کی بنیاد مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مغائرت پر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان منافات ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ موصوف مضاف اس لیے نہیں ہوگا کہ موصوف صفت سے اخص ہوتا ہے یا اس کے مساوی ہوتا ہے جب کہ مضاف، مضاف الیہ کے لیے یہ دونوں چیزیں لازم نہیں ہیں۔

اور صفت موصوف کی طرف اس لیے مضاف نہ ہوگی کہ بایں صورت صفت کا اپنے متبوع یعنی اپنے

موصوف پر مقدم ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

ومثل مسجد الجامع وجانب العربی: یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہوسکتی تو یہ مذکورہ بالا قاعدہ **مسجد الجامع** اور **جانب الغربی** وغیرہ سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ ان تمام مثالوں میں موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف ہے۔

تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ ساری مثالیں تاویل شدہ ہیں چنانچہ پہلی مثال میں وقت مقدر ہے۔ تقدیر عبارت ہے **مسجد الوقت الجامع** اور دوسری مثال میں مکان مقدر ہے تقدیر عبارت **جانب المکان الغربی** ہے اور تیسری مثال میں **الساعة** مقدر ہے۔ تقدیر عبارت ہے **صلوٰة الساعة الاولی** اور چوتھی مثال میں **حبة** مقدر ہے تقدیر عبارت ہے **بقلة الحبّة الحمقاء.** پس اگر ان امور مقدرہ کا امثلۂ مذکورہ میں لحاظ کیا جائے تو اعتراض دونوں طرح سے ختم ہوجاتا ہے کہ نہ تو موصوف مضاف ہے اور نہ ہی صفت مضاف الیہ ہے، اس لیے کہ امور مذکورہ کی تقدیر کے بعد جو مضاف ہے وہ موصوف نہیں اور جو مضاف الیہ ہے وہ صفت نہیں پس ہمارا قاعدہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔

ومثل جرد قطیفة: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال ہے کہ آپ کا یہ ضابطہ کہ صفت موصوف کی طرف مضاف نہیں ہوتی **جرد قطیفة** وغیرہ سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ **جرد قطیفة** میں **جرد، قطیفة** کی صفت ہے، اسی طرح **اخلاق ثیاب** میں **اخلاق، ثیاب** کی صفت ہے بایں ہمہ وہ اپنے موصوف کی طرف مضاف ہیں تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ سب متأول ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اضافت بمعنی **من** ہے اور **جرد** یہ **قطیفة** کی صفت نہیں ہے اور نہ ہی **اخلاق، ثیاب** کی صفت ہے (اگرچہ ہمارے قول **قطیفه جرد** میں **جرد** اور **ثیاب اخلاق** میں **اخلاق** صفت ہے) اس لیے کہ جب موصوف کو حذف کردیا اور صفت موصوف کی جگہ پر استعمال ہونے لگی تو موصوف کے لانے کی کوئی ضرورت نہ رہی پھر بعض استعمالات میں اشتباہ پیدا ہوگیا اور وہ یہ کہ جرد کس جنس سے اور اخلاق کس جنس سے تعلق رکھتے ہیں تو لوگ ان کے موصوف کو لے آئے اور ان صفتوں کو بطور بیان کے ان کے موصوفوں کی طرف مضاف کردیا تو یہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف بحیثیت صفت، موصوف کے نہیں ہے، لہٰذا ہمارا ضابطہ نہیں ٹوٹا۔

ولا یضاف اسم مماثل للمضاف الیه الخ: یہاں سے مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر مضاف، مضاف الیہ کے مماثل ہو عام اور خاص ہونے میں جیسے **لیث** اور **اسد** وغیرہ تو اضافت درست نہ ہوگی۔ کیوں کہ صورت مذکورہ میں اضافت سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں اس لیے کہ جب مضاف اور مضاف الیہ عام اور خاص ہونے میں برابر ہی ہیں تو نہ تعریف حاصل ہوگی اور نہ تخصیص جو کہ اضافت کا

لازمی فائدہ ہے، البتہ کل الدراھم اور عین الشیء میں اضافت درست ہے، کیوں کہ کُلٌّ اضافت سے پہلے عام تھا، اس لیے کہ وہ دراہم و دنانیر اور دیگر تمام چیزوں پر صادق آتا تھا۔ اسی طرح عین اضافت پہلے موجود اور معدوم دونوں کا احتمال رکھتا تھا، لیکن اضافت کے بعد کل دراہم کے ساتھ اور عین موجود کے ساتھ مخصوص ہو گیا، پس یہ بات فائل ہوگئی کہ مضاف ان مثالوں میں عام ہے اور مضاف الیہ خاص۔ لہٰذا یہ مماثلین میں سے ایک کی دوسرے کی طرف اضافت کے باب سے نہیں ہیں پس اضافت کل الدراھم اور عین الشیء میں مفید للتخصیص ہوئی۔

وقولهم سعيد كرز: یہ عبارت کا ٹکڑا ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ سعید اور کرز یہ دو ایسے اسم ہیں جو عموم اور خصوص میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں، کیوں کہ یہ دونوں فرد واحد کے نام ہیں، اس کے باوجود ایک دوسرے کی طرف مضاف ہیں جب کہ آپ کہہ چکے ہیں کہ مماثلین میں ایک کی دوسرے کی طرف اضافت نہیں ہوسکتی تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ ماؤل ہے یعنی تاویل کیا ہوا ہے۔ تاویل یہ ہوئی ہے کہ مراد مضاف سے مسمّی اور مدلول ہے جب کہ مضاف الیہ سے مراد اسم اور لفظ ہے تو دونوں مماثل نہیں ہوئے۔ پس جب آپ نے سعید کرز کہا تو گویا آپ نے جاء نی مدلول هذا اللفظ ومسماه کہا۔ لہٰذا ہمارا ضابطہ نہیں ٹوٹا۔

وإذا أُضِيفَ الاسمُ الصحيحُ او الملحقُ بهِ إلى ياء المتكلم كُسِر آخِرُهُ والياءُ مفتوحة او ساكنةٌ فان كان آخرهُ ألفًا تُثبتُ وهُذَيلُ تُقلِّبُها لغير التثنية ياءً وان كان ياءً أُدغمت وإن كانَ واوً قُلِبَتْ ياءً وأُدْغِمَتْ وفُتِحتِ الياءُ للساكنين وامّا الاسماءُ الستّة فاخِي وابي واجاز المبرّدُ اخِيَّ وابيَّ وتقول حمي وهني ويُقالُ فيَّ في الاكثر وفِمِي وَاذا قُطعت قيل اخٌ وابٌ وحمٌ وهنٌ وفمٌ وفتح الفاءِ افصحُ منهُمَا وجاء حَمٌ مثل يدٍ وخبءٍ ودلوٍ وعصًا مُطلقًا وجَاء هَنٌ مثلُ يدٍ مُطلقًا وذو لايُضافُ الى مُضمرٍ وَلا يُقطَعُ.

ترجمه:- اور جب مضاف کیا جائے اسم صحیح یا جو اس کے ساتھ ملحق ہو یائے متکلم کی طرف تو اس کے آخر کو کسرہ دیا جائے گا درانحالیکہ یا مفتوح ہوگی یا یاء ساکن ہوگی پس اگر اس کا آخر الف ہو تو ثابت رکھا جائے گا اور ہذیل اس کو یاء سے بدل دیتے ہیں تثنیہ کے علاوہ کی صورت میں اور اگر یاء ہو (آخر میں) تو ادغام کر دیا جائے گا اور اگر واو ہو تو یاء سے بدل دیا جائے گا اور ادغام کر دیا جائے گا اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے فتحہ دیا جائے گا، اور بہرحال اسمائے ستہ میں اخي اور ابي کہا جائے گا اور مبرد نے ابيّ اور اخيّ جائز

قرار دیا ہے اورتم حمی اور هنی کہواور اکثر استعمال میں فِیّ کہا جائے گا اور اقل استعمال میں فمی کہا جائے گا اور جب اضافت ان اسماء کی ختم کردی جائے گی تو کہا جائے گا اَخ اور اب اور حم اور هن اور فم اور فاء کا فتحہ زیادہ فصیح ہے ان دونوں سے اور یدِ اور خب ء اور دلو اور عصا کے مثل حم مطلق آیا ہے، اور هن، ید کے مثل مطلق آیا ہے اور ذو مضمر کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور نہ ہی اضافت سے الگ کیا جاتا ہے۔

توضیح:- جب اسم صحیح یا قائم مقام صحیح کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو تو خود اس اسم مضاف کا آخر مکسور ہوگا اور یاء یا تو برائے تخفیف مفتوح ہوگی یا برائے اخفیت ساکن۔

اب سنئے اسم صحیح اور قائم مقام صحیح مضاف کا آخر اس لیے مکسور ہوگا کہ یاء اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے اور خود یائے متکلم میں دو صورتیں ہیں ایک یاء کا مفتوح ہونا برائے خفت اور دوسرے برائے اخفیت ساکن ہونا، البتہ فتحہ اصل ہے، اس لیے کہ ایک حرفی کلمات میں اصل حرکت ہے، تاکہ ابتداء بالسکون نہ حقیقتاً اور نہ حکماً لازم آئے اور حرکات میں اصل فتحہ ہے خفت کی وجہ سے۔

وان کان اخره الفا: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسم جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو، اگر اس کے آخر میں الف ہو تو وہ باقی رہتا ہے جیسے عَصَایَ ایسا اس لیے ہے کہ کسی طرح کی تبدیلی کا کوئی باعث موجود نہیں ہے۔ البتہ ھذیل نحوی کا خیال ہے کہ اس اسم کے آخر کے الف کو جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو بشرطیکہ وہ الف برائے تثنیہ نہ ہو یاء سے بدل دیا جاتا ہے۔ پھر یاء کا یاء میں ادغام ہو جاتا ہے جیسے عَصَيَّ، رَحَيَّ عَصَایَ اور رَحَایَ سے تاکہ یائے متکلم کے ساتھ مشاکلت حاصل ہو جائے اور اگر تثنیہ کا الف ہو تو وہ بالاتفاق یاء سے بدلے گا۔ جیسے غلامَایَ تاکہ مرفوع کا غیر مرفوع سے اشتباہ نہ ہو اور اگر اس مضاف الی یاء المتکلم کے آخر میں یاء ہو تو یاء کا یاء میں ادغام ہو جائے گا جیسے قَاضِيَّ اور اگر مضاف الی یاء المتکلم کے آخر میں واؤ ہو تو واؤ یاء سے بدل جاتا ہے پھر یاء کا یاء میں ادغام ہو جاتا ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جب واؤ اور یاء ایک کلمہ میں اکٹھا ہو جائیں اور پہلا ان میں ساکن ہو تو واؤ یاء ہو جاتی ہے اور یاء کا یاء میں ادغام ہو جاتا ہے جیسے مسلميَّ یاد رہے کہ ان تینوں صورتوں میں یائے متکلم پر فتحہ ہوگا، تاکہ حرکت نہ ہونے کی تقدیر پر اجتماع ساکنین لازم نہ آئے اور فتحہ کو اس لیے اختیار کیا کہ وہ اخف الحرکات ہے۔

واما الاسماء الستة: اس کا حاصل یہ ہے کہ اسمائے ستہ عندالاضافة الی یاء المتکلم بغیر محذوف کے اعادہ کے ملفوظ ہوں گے، اس لیے کہ محذوف کو نسیا منسیا کر دیا گیا ہے، چنانچہ اخی، ابی بولا جائے گا بغیر واؤ محذوف کا اعادہ کیے ہوئے۔ لیکن مبرد کا خیال ہے کہ تمام اسمائے ستہ تو خیر نہیں البتہ اخی اور ابی کا تلفظ اَخيّ اور اَبِيَّ ہوگا بایں طور کہ پہلے حرف محذوف کا اعادہ ہوگا پھر واؤ کا یاء سے قلب ہو کر یاء کا یاء میں

ادغام ہوگا ان کی دلیل شاعر کے شعر کا یہ مصرع ہے ؏ وَاَبِیّ مالك ذو المجاز بدارِ محل استدلال وابِیَّ ہے کہ اب جو کہ اصل میں اَبَوٌ تھا عندالا ضافۃ الی یاء المتکلم واؤ یاء سے بدل گیا پھر یاء کا یاء میں ادغام ہوگیا معلوم ہوا کہ اَبٌ جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہوگا تو اس کا حرف محذوف ''واؤ'' بوقت اضافت مذکورہ عود کر آئے گا اور یاء سے بدل کر یائے اضافت میں مدغم ہوجائے گا، رہی بات اخ کی تو وہ اَبٌ پر محمول ہے، لہٰذا یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت جو حکم اَبٌ کا ہوگا وہی حکم اَخٌ کا ہوگا، لیکن جمہور مبرد کی بات سے اتفاق نہیں کرتے۔ اصل میں جمہور کا کہنا یہ ہے کہ جب واؤ محذوف ہوکر نسیا منسیا ہوگیا تو اب وہ بوقت اضافتِ مذکورہ عود نہیں کرے گا، کیوں کہ اس کا عود کرنا خلافِ قیاس ہے۔ رہی بات شاعر فصیح کے استعمال کی تو ممکن ہے کہ ابیّ جو مذکور فی الشعر ہے اَبٌ واحد نہ ہو بلکہ اَبٌ واحد کی جمع سالم اَبِین ہو پس نون اضافت کی وجہ سے حذف ہوگیا ہو اور یاء یاء میں مدغم ہوگئی ہو پس اَبِیَّ ہوگیا ہو۔

اور حَمٌ اور هَنٌ کا تلفظ بوقت اضافت مذکورہ بغیر اعادہ محذوف بالاتفاق ہوگا، کیوں کہ واؤ محذوف نسیا نیا مان لیا گیا البتہ فَم اکثر استعمال میں فِیّ بولا جاتا ہے کہ حرف محذوف کا اعادہ ہوتا ہے پھر یا سے بدل کر یا میں مدغم ہوجاتا ہے فم کی اصل فَوْہٌ ہے ہاء کو تخفیفاً حذف کردیا پھر طرف میں واؤ کے ہونے کی وجہ سے ساقط ہوجانے کا اندیشہ تھا، اس لیے واؤ کے عوض میں میم لے آئے اچھا: واؤ کے عوض میں میم کا لانا اس لیے ضروری تھا، کیوں کہ بصورت حذفِ واؤ معرب کا ایک حرف پر باقی رہنا لازم آتا اس سے بچنے کے لیے میم کو واؤ کا عوض قرار دے دیا گیا تو یہی واؤ یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت بجائے میم کے خود آجاتا ہے پھر یاء سے بدل کر یاء میں مدغم ہوجاتا ہے یہ اکثر استعمال کی صورت ہے جب کہ اقل استعمال میں بجائے معوض، عوض یعنی میم باقی رہتی ہے اور واؤ کا اعادہ نہیں ہوتا ہے چنانچہ فمی بولا جاتا ہے، لیکن یہ ملحوظ رہے کہ پہلی صورت افصح ہے۔

واذا قطعت: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب اسمائے ستہ کی اضافت ختم کردی جائے تو اَخٌ، اب اور حمٌ اور هَنٌ اور فمٌ کہا جائے گا البتہ فم کی فاء حرکات ثلاثہ کے ساتھ مستعمل ہوتی ہے ہاں افصح فم کی فاء کا فتحہ ہے کیوں کہ فتحہ اخف الحرکات میں سے ہے۔

آگے بتا رہے ہیں کہ حم کا استعمال چار طرح سے ہوسکتا ہے ایک صورت تو یہ ہے کہ خواہ حم مضاف ہو یا مفرد ہو ید کی طرح بغیر اعادہ واؤ محذوف استعمال ہوگا جیسے کی ید کہ اصل میں یَدو تھا جو ہر دو صورتوں میں بغیر اعادۂ واؤ استعمال ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے دلو کی طرح واؤ محذوف کے ساتھ ہر دونوں صورتوں میں استعمال ہو اور تیسری صورت یہ ہے کہ حم، خَبءٍ کی طرح واؤ محذوف کے اعادہ پھر ہمزہ سے تبدیل کے ساتھ استعمال ہو یعنی جیسے خبء واؤ محذوف کے اعادہ پھر واؤ کے ہمزہ سے تبدیل ہونے

کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اسی طرح حم میں واؤ محذوف کا اعادہ ہو پھر وہ واؤ ہمزہ سے بدل کر استعمال ہو اور یہ استعمال بھی ہر دونوں صورتوں میں ہوگا۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ جیسے عصا میں اولاً واؤ محذوف کا اعادہ ہوتا ہے پھر الف سے بدل کر استعمال ہوتا ہے اسی طرح حم کہ اولاً حَمَوٌ پھر حَمًا، عصا کی طرح ہو جائے اور یہ طریق استعمال بھی ہر دونوں صورتوں میں ہوگا۔ یہی مطلقاً کا مطلب بھی ہے کہ یہ چاروں طریقۂ استعمال مضاف اور مفرد ہر دونوں صورتوں میں روا ہیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ هَنٌ کا استعمال ید کی طرح بغیر اعادۂ واؤ محذوف ہر دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

و ذو لا یضاف الی مضمر الخ: ذو کی اضافت ضمیر کی طرف اس لیے روا نہیں ہے کہ ذو کی وضع اسم جنس کو اسم کی صفت بنانے کے لیے ہوئی ہے جب بات یہ ہے تو ظاہر ہے کہ ضمیر اسم جنس نہیں ہوتی اور ضمیر کی طرف مضاف کرنے کی صورت میں خلافِ مقصودِ وضع لازم آئے گا۔

اور مقطوع عن الاضافۃ بھی اسی لیے نہیں ہوتا کہ ذو کی وضع اسم جنس کو اسم کی صفت بنانے کے لیے بطور وسیلہ کے ہوتی ہے اور یہ مقصد بغیر اضافت کے ممکن نہیں۔

التوابعُ کُلُّ ثانٍ باعرابِ سابقِہٖ من جھۃٍ واحدۃٍ.

ترجمہ:- تابع ہر ایسا ثانی ہے جو اپنے سابق کے اعراب کے ساتھ ہو ایک جہت سے۔

توضیح:- جب مصنف ان اسماء کے بیان سے فارغ ہو گئے جو اصالۃً مستحقِ اعراب ہوتے ہیں تو ان اسماء کا بیان شروع کیا جو بواسطہ اعراب کے مستحق ہوتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ توابع پانچ ہیں نعت، تاکید، عطف بیان، بدل اور معطوف، دلیلِ حصر یہ ہے کہ مقصود بالنسبۃ تین حال سے خالی نہیں یا تو وہ تابع ہوگا یا متبوع یا دونوں پس اگر وہ اول ہو تو وہ بدل ہے اور اگر ثانی ہو تو تابع کے لانے سے مقصود یا تو ایسے معنی پر دلالت کرنا ہے جو متبوع میں ثابت ہیں یا متبوع کے معنی کو راسخ کرنا یا اس کی وضاحت کرنا ہے پس اول نعت اور ثانی تاکید اور ثالث عطف بیان ہے اور اگر مقصود بالنسبۃ تابع اور متبوع دونوں ہوں تو معطوف بالحرف۔

سب سے پہلے معلوم ہو کہ کل ثان کُلُّ متاخرٍ کے معنی میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تابع متبوع کے بعد ہر ایسا اسم ہے کہ اگر اس کا متبوع کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو وہ اس کے مقابلے میں دوسرے نمبر پر ہو خواہ وہ ذکر میں کہیں بھی ہو۔

جب آپ نے اتنا جان لیا تو اب تابع کی تعریف سنو کہ تابع ہر ایسے دوسرے کو کہتے ہیں جو اپنے سابق کے اعراب کی جنس کے ساتھ ہو جہت واحدہ شخصیہ سے۔

فائدہ:- چند ایک ضروری باتیں اور سمجھ لیجیے کہ فاعل کا وزن دو قسموں پر ہے ایک صفتی اور

دوسرے اسمی، پس تابع فاعل اسمی ہے صفتی نہیں ہے، لہٰذا اس کی جمع فواعل کے وزن پر آسکتی ہے جیسے کہ کاہل فاعل اسمی ہے اس کی جمع کواہل کے وزن پر آتی ہے البتہ فاعل صفتی کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اسم کے توابع کا بیان مقصود ہے، لہٰذا اگر فعل یا حرف کے توابع کو توابع کی تعریف مذکورہ بالا شامل نہیں ہے تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں نیز کل ثان کو کل متأخر کے معنی میں کر لینے کی وجہ سے یہ اعتراض ختم ہو جائے گا کہ جب ایک متبوع کے ایک سے زائد توابع ہوں مثلاً جاء نبی عالم عاقل فاضل عابد وغیرہ تو ظاہر ہے کہ ایک تابع کو چھوڑ کر کوئی ثانی اور کوئی ثالث اور رابع ہے، لہٰذا اس پر کل ثان صادق نہیں آئے گا تو پھر وہ تابع بھی نہیں ہو سکتے حالاں کہ وہ سب تابع ہیں، لہٰذا تابع کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں لیکن جب کل ثان بمعنی کل متأخر ہو گیا تو تابع کی تعریف سب کو عام ہو گئی۔

اسی طرح جب باعراب السابق معنی میں بجنس اعراب السابق ہو گیا تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب تابع، متبوع کے اعراب کے ساتھ ہوگا تو پھر متبوع بلا اعراب ہوگا۔ نیز بجهةٍ واحدة شخصية کی قید سے باب اعطیت کے مفعول ثانی کا مسئلہ حل ہو گیا، کیوں کہ باب اعطیتُ کے مفعول ثانی کا اعراب بھلے وہی ہے جو مفعول اول کا ہے اور بحیثیت مفعول کے ہے لیکن بجهة واحدة نوعية ہے جب کہ شخصية ہونا چاہیے۔

النعتُ تابعٌ يَدلُّ علىٰ معنًى فى متبوعهٖ مُطلقًا وفائدته تخصِيصٌ او توضِيحٌ وقد يكونُ لمجرّدِ الثناءِ او الذمِّ او التوكيدِ نحو نفخةٌ واحِدةٌ ولا فصل بَينَ ان يكونَ مُشتقًّا او غيرهُ اِذا كانَ وضعُهُ لغرضِ المعنىٰ عمومًا نحو تميمى وذِىْ مالٍ او خصوصًا مثل مررتُ برجُلٍ اىّ رجُلٍ ومَررْتُ بهٰذا الرجُلِ وبزيد هٰذا.

ترجمہ:- نعت ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے معنی پر مطلقاً دلالت کرتا ہے اور نعت کا فائدہ تخصیص یا توضیح ہے اور کبھی نعت محض تعریف یا مذمت یا تاکید کے لیے ہوتی ہے جیسے نفخة واحدة اور کوئی فرق نہیں ہے، اس کے درمیان کہ نعت مشتق ہو یا اس کے علاوہ ہو بشرطیکہ نعت کی وضع معنی کی غرض کے لیے عموماً ہو جیسے تمیمی اور ذو مال یا خصوصاً ہو جیسے مررت برجل ای رجل اور مررت بھذا الرجل وبزید ھٰذا۔

توضیح:- جب مصنف تابع کی تعریف سے فارغ ہو گئے تو اب اس کی تقسیم کر رہے ہیں پس سب سے پہلے نعت کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ نعت ایسے تابع کو کہتے ہیں جو اپنے متبوع کے معنی پر مطلقاً دلالت کرے یعنی متبوع کے معنی پر وہ دلالت کسی خاص مادہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ کوئی بھی مادہ ہو وہ

متبوع کے معنی پر دال ہو۔

مصنف کا قول النعت تابع جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول یدل علی معنی فی متبوعه فصل ہے جس سے تمام توابع سے احتراز ہو گیا۔

مطلقاً کا ایک مطلب تو وہ ہوا جو اوپر مذکور ہوا، کیوں کہ بدل تاکید اور معطوف بحرف بھی گو ایسے معنی پر دلالت کرتے ہیں جو ان کے متبوع میں حاصل ہوتے ہیں لیکن اپنے مواد کی خصوصیت کی وجہ سے۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ نعت ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے معنی پر بحال النسبۃ کی قید کے بغیر دلالت کرتا ہے بخلاف تاکید کے کہ وہ متبوع کے معنی پر بحال النسبۃ کی قید کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔

فائدہ:- نعت کا فائدہ متعدد ہوتا ہے، جب متبوع معرفہ ہو تو فائدہ وضاحت ہوتا ہے جیسے زید ن الظریف توضیح نام ہے معارف میں حاصل ہونے والے احتمالات کے ختم ہو جانے کا چنانچہ مثال مذکور میں زید ظریف اور غیر ظریف دونوں کا احتمال رکھتا تھا لیکن جب زید کی صفت ظریف لے آئے تو پیدا شدہ احتمال ختم ہو گیا۔

دوسرا فائدہ تخصیص ہے اور یہ فائدہ موصوف کے نکرہ ہونے کی صورت میں حاصل ہوتا تھا جیسے رجل عالم تخصیص کہتے ہیں نکرات میں عموم اور ابہام کے کم کرنے کو۔ چنانچہ مثال مذکور میں رجل، رجل کے ہر فرد کا احتمال رکھتا ہے لیکن جب اس کی صفت عالم لے آئے تو عموم اور احتمال ختم ہو گیا اور رجل اس فرد کے ساتھ مخصوص ہو گیا جو صفت علم کے ساتھ متصف ہو۔

صفت کا تیسرا فائدہ مدح ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب مخاطب کو بیان سے پہلے معلوم ہو کہ موصوف، بیان کی جانے والی صفت کے ساتھ متصف ہے جیسے بسم الله الرحمن الرحیم اور صفت کا چوتھا فائدہ مذمت ہے، جیسے اعوذ بالله من الشیطان الرجیم اور پانچواں فائدہ تاکید ہے جیسے نفخة واحدة پس نفخة کی تاء وحدت کے لیے ہے اور واحدة اس کی تاکید ہے۔

ولا فصل بین ان یکون مشتقا او غیره: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ نعت کے لیے مشتق ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ نعت سے مقصود ایسے معنی پر دلالت ہے جو متبوع میں موجود ہوں تو یہ مقصد جس طرح اسماء مشتقہ سے پورا ہوتا ہے جامد سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا نعت ہونا اسماء مشتقہ کا خاصہ نہیں رہا، البتہ اسمائے جوامد کے نعت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسمائے جوامد کی وضع کا مقصد متبوع میں موجود معنی پر دلالت ہو خواہ یہ دلالت تمام استعمالات میں ہوں یہی عموماً کا مطلب ہے جیسے تمیمی اور ذو مال پس تمیمی ہمیشہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو قبیلۂ بنو تمیم کی طرف منسوب ہو اور ذو مال دواماً مالدار کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور خواہ اس اسم جامد کی دلالت معنیٔ متبوع پر خصوصاً یعنی بعض استعمالات میں ہو جیسے

مررتُ برجلٍ ایّ رجلٍ پس ایّ رجل اس ترکیب میں ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو متبوع کی ذات میں ثابت ہیں اور وہ معنی ہیں کمال فی الرجولیت لہٰذا اس کا صفت واقع ہونا درست ہے اور ایّ رجل، ایّ رجل عندك میں اس معنیٰ مذکور پر دلالت نہیں کرتا، لہٰذا اس کا نعت واقع ہونا درست نہیں ہے اور مررت بهذا الرجل میں هذا ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور الرجلُ ذات مبہم کے تعین پر دلالت کرتا ہے اور یہ تعین ایسے معنی ہیں جو ذات مبہم یعنی متبوع میں ثابت ہیں پس الرجل کا صفت واقع ہونا درست ہے۔ اور الرجل جاء نی الرجل میں اس معنی پر یعنی ذات مبہم کے تعین پر دلالت نہیں کرتا، لہٰذا اس کا صفت واقع ہونا درست نہیں اور مررت بزید هذا کی ترکیب میں هذا ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو زید میں ثابت ہیں اور وہ معنی ہیں زید کا اشارۂ حسیہ کے ساتھ مشار الیہ ہونا پس هذا کا باوجود جامد ہونے کے زید کی صفت واقع ہونا درست ہے، جب کہ هذا مررت بهذا زید کی ترکیب میں اس معنیٰ مذکور پر دلالت نہیں کرتا، لہٰذا اس کا صفت واقع ہونا درست نہیں۔

وتوصَفُ النكرةُ بالجملةِ الخبريةِ ويَلزم الضمير وتوصَفُ بحال الموصوف وبحال مُتعلقهٖ نحو مررت برجلٍ حَسَنٍ غلامُهٗ فالاول يتبعُهٗ في الاعراب والتعريفِ والتنكيرِ والافرادِ والتثنيةِ والجمع والتذكيرِ والتانيثِ والثاني يتبعُهٗ فِي الخمسةِ الاُوَلِ وفي البواقي كالفعلِ ومن ثم حَسَنُ قامَ رَجلٌ قاعِدٌ غلمانُهٗ وضَعُف قاعدونَ غلمانُهٗ ويجُوز قعودٌ غلمانُهٗ.

ترجمہ:- اور نکرہ کو صفت بنایا جاتا ہے جملہ خبریہ کی اور لازم ہوتی ہے ضمیر اور صفت لائی جاتی ہے موصوف کے حال اور اس کے متعلق کے حال کے ساتھ جیسے مررت برجل حسن غلامه پس اول موصوف کے تابع ہوتی ہے اعراب اور تعریف اور تنکیر اور افراد اور تثنیہ اور جمع اور تذکیر و تانیث میں اور قسم ثانی اس کے تابع ہوتی ہے شروع کی پانچ چیزوں میں اور باقی میں فعل کی طرح ہے اور اسی وجہ سے بہتر ہے قام رجل قاعد غلامه اور ضعیف ہے قاعدون غلمانه اور جائز ہے قعود غلمانه.

توضیح:- وتوصف النكرة الجملة الخبريه: اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مفرد صفت واقع ہوتا ہے اسی طرح جملہ بھی صفت واقع ہوتا ہے، کیوں کہ صفت سے مقصد ایسے معنی پر دلالت ہے جو متبوع میں ثابت ہوں تو یہ غرض جس طرح مفردات سے حاصل ہوتی ہے جملہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جس طرح مفرد کا صفت بننا صحیح ہے، اسی طرح جملہ کا بھی صفت واقع ہونا درست ہے۔

البتہ وہ جملہ، جملہ خبریہ ہونا چاہئے خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ ظرفیہ ہو یا شرطیہ۔ خبریہ کی قید اس لیے لگائی

کہ صفت موصوف کے ساتھ مربوط ہوتی ہے جب کہ انشاء ربط کو قبول نہیں کرتی الا یہ کہ تاویل بعید کا سہارا لیا جائے۔ رہی بات جملہ کے صرف نکرہ کی صفت واقع ہونے کی تو اس لیے کہ جملہ من حیث الجملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا جملہ خبریہ صرف نکرہ کی ہی صفت واقع ہوگا معرفہ کی صفت نہیں واقع ہوسکتا۔

ویلزم الضمیر: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جملہ صفت واقع ہوتو اس میں ایک ایسی ضمیر چاہئے کہ جو موصوف کی طرف لوٹ رہی ہو، کیوں کہ موصوف اور صفت کے درمیان اتحاد اور ربط ہوتا ہے جب کہ جملہ مستقل بالذات ہونے کی وجہ سے بجائے موصوف کے مربوط ہونے اس سے بے نیاز ہوتا ہے، لہٰذا جملہ میں رابط ضروری ہے اور رابط عائد ہی ہوسکتا ہے، اس لیے جملہ میں موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر ضروری ہے۔

وتوصف بحال الموصوف الخ: مصنف یہاں سے صفت کی تقسیم کررہے ہیں کہ صفت کی دو قسمیں ہیں ایک صفت بحال الموصوف اور دوسری قسم صفت بحال متعلق الموصوف، صفت بحال الموصوف اس صفت کو کہتے ہیں جو واقعۃً بالذات صفتی معنی کو موصوف کے لیے ثابت کرے اور صفت بحال متعلق الموصوف وہ صفتی معنی ہے جو بالذات موصوف کے متعلق کے لیے ثابت ہو اور بالاعتبار موصوف کے لیے۔ پہلے کی مثال جاء نی رجل عالم اور دوسرے کی مثال مررت برجل حسن غلامه.

فالاول یتبعه فی الاعراب الخ: قسم اول اپنے متبوع کی دس چیزوں میں تابع ہوتی ہے وہ دس چیزیں یہ ہیں اعراب یعنی رفع، نصب اور جر میں، معرفہ اور نکرہ ہونے میں، مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں، تذکیر اور تانیث میں اب سب کی علتیں سنیے! تو موصوف اور صفت کے درمیان اعراب میں در ہر سہ حالت مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ نعت یعنی صفت کا اعراب اسی جہت سے ہوتا ہے جس جہت سے منعوت کا اعراب ہے، لہٰذا نعت کے اعراب کا منعوت کے اعراب کے مثل ہونا ضروری ہے۔ اور تعریف اور تنکیر کے لحاظ سے مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ نعت سے مراد معنی کے اعتبار سے منعوت ہی ہوتا ہے، لہٰذا جب دونوں مراداً ایک ہوئے تو دونوں میں بایں لحاظ مطابقت بھی لازمی ہوگئی۔ اور بقیہ پانچ چیزوں میں مطابقت اس لیے شرط ہے کہ معنی کے لحاظ سے صفت اس ذات کا نام ہے جو اس صفت کے لیے متبوع یعنی موصوف بنائی گئی ہے۔

البتہ یہ یاد رہے کہ بیک وقت دس میں سے صرف چار چیزیں ہی کسی کلمہ میں پائی جائیں گی اس لیے کہ ان میں آپس میں منافات ہے مثلاً جو مرفوع ہوگا وہ اسی وقت میں منصوب اور مجرور نہ ہوگا، اسی طرح جو معرفہ ہوگا وہ نکرہ نہ ہوگا جو مذکر ہوگا وہ مؤنث نہ ہوگا، اور جو مفرد ہوگا وہ تثنیہ اور جمع نہ ہوگا۔

اور قسم ثانی موصوف کی شروع کی پانچ چیزوں میں تابع ہوتی ہے یعنی رفع، نصب، جر، تعریف اور تنکیر اور باقی پانچ چیزوں یعنی افراد، تثنیہ اور جمع، تذکیر اور تانیث میں فعل کی طرح ہے، اس لیے کہ نعت کی قسم ثانی

فعل کے مشابہ ہے اور فعل جب اسم ظاہر کی طرف مسند ہوتا ہے تو فعل ہمیشہ مفرد ہوتا ہے اور جب ضمیر کی طرف مسند ہوتا ہے تو واحد کے لیے واحد، تثنیہ کے لیے تثنیہ، اور جمع کے لیے جمع ہوتا ہے۔

اور جب فعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی کی طرف بلا فصل مسند ہو یا ضمیر مؤنث کی طرف مطلقاً مسند ہو تو اس وقت فعل کی تانیث واجب ہوتی ہے اور جب فعل اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کی طرف مسند ہو یا اسم ظاہر مؤنث کی طرف فصل کے ساتھ مسند ہو تو اس میں فعل کی تذکیر و تانیث کے درمیان اختیار ہوتا ہے نیز یہ اختیار فاعل کے اسم ظاہر جمع مکسر کی صورت میں بھی رہتا ہے تو اسی طریقہ سے ان تمام چیزوں میں دوسری قسم کی صفت موصوف کے متعلق کے حق میں ہوگی۔

ومن ثم: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ چوں کہ دوسری قسم کی صفت اخیر کے پانچ باتوں میں فعل کی طرح ہے، لہٰذا **قام رجل قاعد غلمانه** کی ترکیب عمدہ ہے، اس لیے کہ **قاعد غلمانه يقعد غلمانه** کے درجہ میں ہے اور **قام رجل قاعدون غلمانه** کی ترکیب ضعیف ہے، اس لیے کہ **قاعدون غلمانه يقعدون غلمانه** کے حکم میں ہے، جب کہ قاعدہ ہے کہ فاعل تثنیہ اور جمع کی علامت کا اس فعل کے ساتھ لاحق کرنا جو اسم ظاہر کی طرف مسند ہو ضعیف ہے، اس لیے کہ اس طرح کرنے میں دو فاعلوں کا جمع کرنا لازم آتا ہے۔ اور **قام رجل قعود غلمانه** کی ترکیب درست ہے، کیوں کہ قعود جمع مکسر ہے اور جمع مکسر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے پس قعود باوجود جمع ہونے کے گویا جمع نہیں ہے، لہٰذا ضابطہ نہیں ٹوٹا۔

والمضمر لا يُوْصَفُ ولا يُوْصَفُ بِهِ والموصوفُ اخَصُّ او مُسَاوٍ ومن ثم لم يُوْصَفْ ذو اللامِ الا بِمثلِهِ او بالمضافِ الٰى مثلِهِ وانما التُزِمَ وَصفُ بابِ هٰذا بذى اللام للابهام ومِن ثم ضَعُفَ مَررتُ بهٰذا الابيض وحَسُنَ بهٰذا العَالِم.

ترجمہ:- اور ضمیر نہ موصوف ہوتی ہے اور نہ صفت بنائی جاتی ہے۔ اور موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ذو اللام کی صفت نہیں لائی جاتی مگر اس کے مثل کے ساتھ یا اس اسم کے ساتھ جو اس کے مثل کی طرف مضاف ہو اور بلاشبہ لازم ہے باب **هٰذا** کی صفت ذو اللام کے ساتھ ابہام کی وجہ سے اور اسی وجہ سے ضعیف ہے مررت **بهذا لابيض** اور عمدہ ہے **بهذا العالم**.

والضمير لا يوصف الخ: ضمیر کے موصوف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب اعرف المعارف ہیں لہٰذا ان دونوں کے توضیح کی کوئی ضرورت نہیں رہی بات ضمیر غائب کی تو ضمیر غائب اعرف المعارف نہیں ہے، لیکن وہ بھی باب کی موافقت میں متکلم اور مخاطب پر محمول ہے۔ رہی بات ضمائر کے لیے صفت مادح اور ذام کی تو چونکہ ضمیر اعرف المعارف ہونے کی وجہ سے صفت توضیح اور تخصیص کی محتاج نہیں ہے، لہٰذا باب کی موافقت میں یعنی صفت توضیح اور تخصیص کے عدم احتیاج کی رعایت میں صفت مادح اور

ذام کی بھی گنجائش نہیں رہی تا کہ جملہ ضمائر کا حکم ایک سا ہو جائے۔

اور ضمائر صفت اس لیے نہیں ہو سکتیں کہ صفت اسے کہتے ہیں جو متبوع کے معنی پر دال ہو جب کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے وہ کسی ایسے معنی پر دلالت کی متحمل نہیں جو اس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں: لہٰذا ضمیر کے صفت بننے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

والموصوف اخص او مساو: اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ موصوف کا صفت سے اخص یا کم از کم صفت کے مساوی ہونا ضروری ہے اس لیے معرف باللام کی صفت معرف باللام یا موصول ہوگا یا وہ اسم ہوگا جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو پہلے کی مثال جاء نی الرجل ن الظریف دوسرے کی مثال جاء نی الرجل الذی کان عندك امس، تیسرے کی مثال جاء نی الرجل صاحب الفرس.

وانما التزم وصف باب هٰذا: یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا موصوف میں شرط یہ ہے کہ موصوف، صفت سے خاص ہو یا صفت کے مساوی ہو تو اس بنیاد پر مناسب ہے کہ اسم اشارہ کی صفت اسم اشارہ لانا درست ہو، کیوں کہ دونوں میں مساوات پائی جائے گی اس کے باوجود نحویوں نے باب ہٰذا کی صفت معرف باللام کو لازم قرار دیا ہے۔ تو مصنف نے اپنے قول وانما التزم وصف باب ہٰذا سے جواب دیا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ باب ہٰذا میں پایا جانے والا ابہام اصلِ وضع کے لحاظ سے جنس کے بیان کا تقاضہ کرتا ہے پس جب جنس سے ابہام کے رفع کا ارادہ کیا جائے تو یا تو وہ ابہام مضاف کے ذریعہ، یا اسم اشارہ کے ذریعہ یا معرف باللام کے ذریعہ دور کیا جا سکتا تھا، لیکن پہلی صورت میں استعارہ من المستعیر لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں اور دوسری صورت میں ایک اسم اشارہ میں پائے جانے والے ابہام کا دور کرنا دوسرے اسم اشارہ سے ممکن نہیں، کیوں کہ اسم اشارہ مبہم بالذات ہوتا ہے تو وہ دوسرے سے ابہام کو کیوں کر دور کر سکے گا پس معرف باللام ضرورۃً متعین ہو گیا۔

ومن ثم ضعف: اس کا ماحصل یہ ہے کہ چوں کہ باب ہٰذا کی صفت معرف باللام کے ساتھ ابہام کو دور کرنے کے لیے لازم ہے، لہٰذا مررت بهٰذاالابیض کی ترکیب ضعیف ہے، کیوں کہ سفیدی صرف ایک ہی جنس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہٰذا جنس مبہم کی وضاحت اس سے نہ ہوگی، جب کہ مررت بہٰذا العالم کی ترکیب عمدہ ہے، اس لیے کہ علم انسان کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ مردوں میں غالب ہے پس العالم سے جنس مبہم کا بیان ہو جائے گا جو کہ مقصود ہے۔

العطفُ تابع مقصودٌ بالنسبة مَعَ متبوعهٖ ويتوسَّطُ بينهٗ وبين متبوعهٖ اَحَد الحروفِ العشرةِ وسَياتی مثلُ قام زيدٌ وعمرٌ واذا عُطِفَ على المرفوع المتصلِ اُكّد. بمنفصل مثل ضَربت انا وزيدٌ الاّ ان يقعَ فصلٌ فيجوز تركه مثل ضربت اليوم

وزيدٌ و اذا عطِفَ علي الضمير المجرور أُعيدَ الخافض نحو مررت بك وبزيد .

ترجمه:- عطف ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور دس حروف میں سے کوئی ایک معطوف اور اس کے متبوع کے درمیان ہوتا ہے۔ اور عنقریب (اس کا بیان) آجائے گا۔ جیسے قام زید وعمرو اور جب عطف کیا جائے مرفوع متصل پر تو منفصل سے تاکید لائی جائے گی جیسے ضربت انا وزید مگر یہ کہ فصل واقع ہو پس جائز ہے اس کا ترک جیسے ضربت الیوم وزید اور جب عطف کیا جائے ضمیر مجرور پر تو اعادہ کیا جائے گا حرف جار کا جیسے مررت بك وبزيد.

توضیح:- سب سے پہلے معلوم ہو کہ عطف معطوف کے معنیٰ میں ہے۔ معطوف ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے پس مصنف کا قول "تابع" جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول مقصود بالنسبۃ فصل ہے، چنانچہ اس سے بدل کے ماسوا تمام توابع سے احتراز ہو گیا اور ان کے قول مع متبوعہ سے بدل سے احتراز ہو گیا۔

اتنا جان لینے کے بعد ایک سوال اور اس کا جواب سمجھئے۔ سوال یہ ہے کہ معطوف کی تعریف مذکور اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف سے معطوف بلا اور بل اور لکن، او، اما ام نکل گیا اس لیے کہ مقصود ان حروف کے ساتھ دو امروں میں سے کوئی ایک ہوتا ہے تابع یا متبوع دونوں نہیں ہوتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ متبوع کے مقصود ہونے سے مراد یہ ہے کہ متبوع، تابع کے ذکر کے لیے وسیلہ نہ ہو اور تابع کے مقصود ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ متبوع پر متفرع نہ ہو اور کوئی شک نہیں ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں ان حروف کے ساتھ اس معنی اور مراد مذکور کے اعتبار سے مقصود ہیں۔

ويتوسط بينه وبين متبوعه: اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ معطوف علیہ اور اس کے معطوف کے درمیان حرف عاطف ہوتا ہے جیسے قام زيدو عمرو اور اس ٹکڑا کا اضافہ تعریف کی زیادتی توضیح کے لیے ہے۔

و اذ عطف المرفوع المتصل: مصنف یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ جب کسی اسم ظاہر کا ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے تو اس معطوف علیہ یعنی ضمیر مرفوع متصل کی ضمیر مرفوع منفصل سے تاکید لانا ضروری ہے، کیونکہ ضمیر مرفوع متصل لفظاً اور معنیً جزء فعل کی طرح ہے تو اگر متصل پر بغیر منفصل کی تاکید کے عطف کیا جائے تو کلمہ کے بعض حروف پر عطف کرنا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے جیسے ضربت انا وزید البتہ اگر معطوف علیہ ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فصل واقع ہو جائے تو منفصل کے ساتھ تاکید کا ترک درست ہے، اس لیے کہ کلام میں طولانی فصل کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔

لہٰذا اختصار ترکِ تاکید کے ذریعہ بہتر ہے۔ خواہ فصل حرف عطف سے پہلے ہو جیسے ضربت الیوم وزید یا فصل حرف عطف کے بعد ہو جیسے ما أشركنا ولا آباء نا.

ویجوز ترکہ: مصنف کے قول ویجوز ترکہ میں اشارہ ہے کہ بصورت فصل اگر معطوف علیہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید منفصل کے ساتھ کوئی لانا چاہتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ جیسے فَکُبْکِبُوا فیھا ھم والغاؤون. صورت مذکورہ میں ترک تاکید واجب نہیں ہے۔

واذا عطف علی الضمیر المجرور: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور پر کسی اسم کا عطف کیا جائے تو حرف جار کا اعادہ ضروری ہوتا ہے اس لیے کہ جار اور مجرور کے درمیان کا اتصال فعل اور اس کے فاعل کے درمیان کے اتصال سے اشد ہوتا ہے پس جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف بلا منفصل کے ساتھ تاکید لائے درست نہیں ہے تو ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادۂ جار کے کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔ اس لیے حرف جار کا اعادہ ضروری ہے۔

والمعطوفُ فی حکمِ المعطوف علیہ ومن ثم لم یجز فی مازیدٌ بقائم او قائمًا ولا ذاھبٌ عمرو الا الرفعُ وانما جاز الذی یَطیرُ فیَغضبُ زیدُ نِالذبابُ لانھا فاء السَّببیةِ واذ عُطفَ علی عَاملینِ مختلفینِ لم یجز خلافًا للفراء الا فی نحو فی الدار زید والحجرةِ عمرو خلافًا لسیبویہ .

ترجمہ:- اور معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے نہیں جائز ہے مازیدبقائم اوقائمًا اور لاذاھبٌ عمرو میں مگر رفع اور بے شک جائز ہے الذی یطیر فیغضب زیدُ نِالذبابُ اس لیے کہ فاء سببیت کی ہے۔ اور جب عطف کیا جائے دو مختلف عاملوں پر تو نہیں جائز ہے مخالفت کرتے ہوئے فراء کی مگر فی الدار زید والحجرة عمرو جیسے میں مخالفت کرتے ہوئے سیبویہ کی۔

والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ: حاصل عبارت یہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ان تمام چیزوں میں ہوتا ہے جو معطوف علیہ میں جائز اور ناجائز ہوں۔ اور معطوف علیہ جو کچھ ترکیبًا واقع ہوگا وہی معطوف واقع ہوگا جیسے جاء نی زید نِالعالمُ والعاقل کہ معطوف علیہ صفت واقع ہے تو معطوف بھی صفت واقع ہوسکتا ہے، اسی طرح جاء الذی صلّی وصَامَ کہ صَامَ صلی کی طرح صلہ ہے۔

اسی طرح جو چیز معطوف علیہ میں ضروری ہوگی وہ معطوف میں بھی ضروری ہوگی مثلاً اگر معطوف علیہ میں ضمیر جملہ یا صلہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے تو معطوف میں بھی ضمیر عائد ضروری ہوگی۔

البتہ دھیان رہے کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں انھیں احوالِ عارضہ میں ہوتا ہے کہ جو احوال معطوف علیہ کو اس کے ماقبل کے اعتبار سے لاحق ہوتے ہیں، لہٰذا معرب اور مبنی ہونے واحد، تثنیہ، جمع وغیرہ میں معطوف کا معطوف علیہ کے حکم میں ہونا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ یہ احوال معطوف علیہ کو اس کی ذات کے اعتبار سے لاحق ہوتے ہیں۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں تبھی ہوگا جب معطوف علیہ میں جو حکم پایا جاتا ہے اس کا تقاضہ کرنے والا معطوف میں نہ پایا جائے تو پھر معطوف علیہ کا حکم معطوف پر نافذ نہ ہوگا۔ جیسے کہ یا رجل و الحارث کہ رجل منادی ہونے کی وجہ سے معرفہ ہوگیا لہٰذا اس پر الف لام داخل نہیں ہوسکتا ورنہ دو آلۂ تعریف کا بلا فصل ایک ہی کلمہ میں داخل ہونا لازم آئے گا۔ جب کہ الحارث پر الف لام کا داخل ہونا درست ہے، کیوں کہ حرف نداء کے اس پر نہ ہونے کی وجہ سے الف لام کے دخول کی صورت میں دو آلۂ تعریف کا بیک وقت اس پر داخل ہونا لازم نہیں آئے گا اسی وجہ سے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے ما زید بقائم او قائمًا و لا ذاهب عمروٌ میں ذاهب مرفوع ہوگا عطف کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے مجرور یا منصوب نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ معطوف علیہ بقائم یا قائمًا میں هُوَ کی ضمیر ہے جو ما کے اسم کی طرف راجع ہے، جب کہ معطوف ذاهبٌ اسم ظاہر کی طرف مسند ہونے کی وجہ سے ضمیر سے خالی ہے، لہٰذا عطف درست نہ ہوگا پس و لا ذاهب عمرو، بقائم پر عطف کی وجہ سے مجرور یا قائماً پر معطوف ہوکر منصوب نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ ترکیباً ما کی خبر نہیں ہوسکتا جب کہ بقائم یا قائمًا خبر ہے۔

و انما جاز الخ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ کہ جب معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے تب عطف درست ہوتا ہے ورنہ نہیں الذی یطیر فیغضب زید ن الذباب سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ یطیر میں ایک ضمیر ہے جو الذی موصول کی طرف لوٹ رہی ہے اور فیغضب اس پر معطوف ہے جب کہ اس میں کوئی ضمیر نہیں کیوں کہ فیغضب کا اسم ظاہر فاعل موجود ہے تو مصنف نے اپنے قول و انما جاز سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا اعتراض تب درست ہوتا جب فاء برائے عطف ہوتی لیکن یہاں پر فاء برائے سببیت ہے، لہٰذا قاعدہ نہیں ٹوٹا۔

و اذا عطف علی عاملین الخ: خلاصہ یہ ہے کہ جب دو مختلف عاملوں کے دو مختلف معمولوں پر ایک ہی حرف عطف کے ذریعہ عطف کیا جائے تو یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ واؤ حرف عطف ضعیف العمل ہے وہ دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، یعنی اس کی ایسی لیاقت نہیں ہے کہ وہ دو مختلف عاملوں کے اثر دو مختلف معمولوں تک پہنچانے میں واسطہ بن سکے البتہ فی الدار زید و الحجرة عمروٌ جیسی ترکیب میں دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر ایک ہی حرف عطف کے واسطے سے عطف درست ہے۔

فی الدار زید و الحجرة عمرو جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں مجرور، معطوف اور معطوف علیہ دونوں کی جانب میں مقدم ہو، ترکیب مذکورہ میں الدار میں فی عامل ہے اور اس پر الحجرة کا عطف ہے، اور زید میں ابتداء عامل ہے اور اس پر عمرو کا عطف ہے۔ اس ترکیب کے درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عطف کلام عرب میں خلاف قیاس سنا گیا ہے اور کسی ترکیب کے صحیح ہونے

کے لیے اتنا کافی ہے کہ اسے عرب استعمال کرتے ہوں بھلے اس کا عمل سماع کے مورد پر ہی منحصر رہے یہ تو جمہور کا نظریہ ہے۔اب ذرا فرّاء کی بھی رائے سنتے چلیے تو فراء کے نزدیک مطلقاً دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف درست ہے خواہ معطوف اور معطوف علیہ کی جانب میں مجرور مقدم ہو یا نہ ہوں۔ وہ عربوں کے اس قول ما کل سوداء ثمرة وبیضاء شحمة سے استدلال کرتے ہیں (ہر کالی چیز کھجور اور سفید چیز چربی نہیں ہوتی) اس میں بیضاء سوداء پر معطوف اور سوداء میں کُلٌّ عامل ہے اور شحمة ثمرة پر معطوف ہے اور ثمر میں عامل ما ہے نیز فراء کا استدلال شاعر کے اس قول سے بھی اکل المرء تحسبین امرأ ونار توقد بالیل نارًا (کیا تو ہر آدمی کو آدمی اور ہر رات میں جلتی آگ کو آگ خیال کرتی ہے) جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ دونوں مثالیں سماع کے مورد کے ساتھ مخصوص ہیں ان پر دوسری ترکیبوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا یا یہ دونوں قول مأول ہیں یعنی پہلا قول ماکل سوداء ثمرة وما کل بیضاء شحمة کی تاویل میں ہے جب کہ دوسرا قول اکل امرء تحسبین امراء واکل نار توقد بالیل تحسبین نارا کے معنی میں ہے۔

جب کہ سیبویہ کا نظریہ جمہور اور فراء دونوں سے مختلف ہے سیبویہ کا کہنا ہے کہ دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر ایک حرف عطف کے واسطے سے مطلقاً عطف درست نہیں خواہ مجرور معطوف علیہ اور معطوف سے مقدم ہو یا نہ ہو ان کی دلیل یہ ہے کہ حرف عطف قائم مقام عامل کے ہوتا ہے اور واؤ ضعیف العمل ہے، لہٰذا یہ دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں بن سکتا، لہٰذا اس پر عطف بھی جائز نہیں، ہاں اگر ایک عامل کے دو مختلف معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کیا جائے تو یہ بالاتفاق درست ہے جیسے ضرب زید عمرو او خالد بکرا.

التاکیدُ تابعٌ یُقرِّرُ امرَ المتبُوعِ فِی النسبة او الشُمُولِ وَھُوَ لفظِیٌّ ومَعنوِیٌّ فاللفظِیٌّ تکریرُ اللفظ الاول نحو جاء نی زیدٌ زیدٌ ویَجرِی فی الالْفاظِ کُلِّھَا والمعنوِیٌّ بالفاظِ محصورةٍ وَھِیَ نَفْسُہٗ وعینُہٗ وکِلاھُمَا وکُلُّہٗ وَاجْمَعُ واکتعُ وابتع وابصعُ فالاوَّلان یعَمَّان باختِلافِ صیغَتھما وضمیرھمَا تقولُ نفسه ونفسھا وانفسھما وانفسھم وانفسَھنَّ والثانی للمثنّٰی تَقُولُ کِلَاھُمَا وکِلْتَاھُمَا والبَاقی لغیر المثنّٰی باختلافِ الضمیر فی کلہٖ وکلھا وکُلھم وکلھن والصّیغ فی البواقی تقولُ جمع وَجمعَاء واَجمعون وجُمَع .

ترجمہ:- تاکید ایسا تابع ہے جو متبوع کی حالت نسبت یا شمول میں ثابت کرتا ہے اور وہ لفظی اور معنوی ہوتا ہے، پس تاکید لفظی پہلے لفظ کا مکرر ہونا ہے جیسے جاء نی زید زید اور تاکید لفظی تمام الفاظ

میں جاری ہوتی ہے۔ اور تاکید معنوی محدود الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ **نفسہ** اور **عینہ** اور **کلاھما** اور **کلتاھا** اور باقی تثنیہ کے علاوہ کے لیے ہیں ضمیر کے اختلاف کے ساتھ **کلہ** اور **کلھا** اور **کلھم** اور **کلھن** اور صیغوں کے اختلاف کے ساتھ باقی میں تم کہو **اجمع** اور **جمعاء** اور **اجمعون** اور **جُمع**.

توضیح:- اب تاکید کی تعریف کر رہے ہیں تو تاکید ایسا تابع ہے جو متبوع کی حالت، نسبت یعنی اس کے منسوب یا منسوب الیہ ہونے میں یا متبوع کے شمول میں ثابت کرتا ہے یعنی اس بات کو راسخ کرتا ہے کہ متبوع اپنے تمام افراد کو عام ہے۔ مصنف کا قول ''تابع'' جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول **یقرر المتبوع** فصل ہے، چنانچہ اس سے تمام توابع سے احتراز ہو گیا۔

اب سنیے کہ تاکید کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ تو تاکید کے تمام الفاظ کا مقصد یا تو سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کرنا ہے یا متکلم کے بارے میں غلط گمان یا مجاز یا تخصیص کے گمان کو ختم کرنا ہے۔

تاکید کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی اور وجہ حصر یہ ہے کہ یا تو تاکید صرف لفظ اوّل کے تکرار سے ہوگی یا معنی کے تکرار سے ہوگی پہلی صورت تاکید لفظی کی ہے اور دوسری صورت تاکیدِ معنوی کی، تاکید لفظی کہتے ہیں لفظ اول کے تکرار کو جیسے **جاء نی زید زید**. لفظ اول سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ لفظ ترکیب میں سب سے پہلے واقع ہو، بلکہ اس کا مطلب ہے لفظ اول بلحاظ ثانی کے خواہ وہ لفظ ترکیب کے شروع میں ہو یا کہیں بھی ہو پس نہیں کہا جا سکتا کہ **جاء نی زید زید** میں **زید** لفظِ اول نہیں ہے، بلکہ اول **جاء** اور **زید** لفظ ثانی ہے لہٰذا تاکید کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، حالاں کہ وہ تاکید لفظی کی مثال ہے اس لیے کہ **زید** لفظ اول ہے بلحاظ زید ثانی کے پس تعریف اس پر صادق ہے۔

ویجری فی الالفاظ: اس کا مطلب یہ ہے کہ تاکید لفظی تمام الفاظ میں خواہ وہ اسم ہوں یا فعل، حرف ہوں یا جملے، مرکبات تقیدیہ ہوں یا غیر تقیدیہ سب میں پائی جا سکتی ہے۔

اور تاکید معنوی مخصوص اور محدود الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ **نفس**، **عین**، **کلا** اور **کلتا**، **کل**، **اکتع**، **اجمع**، **ابتع**، **ابصع** ہیں۔

فالاولان یعمان: اب موقعِ استعمال اور طریقہ استعمال بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ نفس اور عین ان کا استعمال واحد، تثنیہ، جمع اور مؤنث سب کی تاکید کے لیے ہو سکتا ہے البتہ صیغہ اور ضمیر دونوں حسب مؤکد تبدیل ہوتے رہیں گے، چنانچہ واحد مذکر کی تاکید کی صورت میں **نفسہ** اور **عینہ** اور واحد مؤنث کی تاکید کی صورت میں **نفسھا** اور **اعینھا** استعمال ہوگا اور تثنیہ مذکر اور مؤنث کے لیے **الرجلان** اور **المرأتان نفسھما** اور **عینھما** استعمال ہوگا، **انفسھما** کا استعمال بھی تثنیہ مذکر اور مؤنث کے لیے ہو سکتا ہے اور صیغۂ جمع کا استعمال یا تو تثنیہ کو جمع کے ساتھ الحاق کی وجہ سے یا تثنیہ کے اقل جمع ہونے کی وجہ

سے ہے۔

ابن کیسان کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا موقع کے لیے نفساھما اور عیناھما کا استعمال ہوگا البتہ استعمالِ اول افضل ہے، کیوں کہ قلوبکما کا استعمال قلبا کما سے بہتر ہے۔

اور قسم ثانی یعنی کلا اور کلتا کا استعمال تثنیہ کی تاکید کے لیے ہوتا ہے مذکر کے لیے کلاھما اور مؤنث کے لیے کلتاھما برائے تاکید مستعمل ہوگا۔اور باقی الفاظ تاکید یعنی کل اور اجمع اور اکتع اور ابتع اور ابصع ماسوائے تثنیہ سب کے لیے مستعمل ہوں گے البتہ کل بجائے صیغہ کے ضمیر کے اختلاف کے ساتھ استعمال ہوگا جب کہ اجمع اور اس کے اخوات کا استعمال صرف صیغوں کے اختلاف کے ساتھ ہوگا چنانچہ مفرد کے لیے اجمع اور مفرد مؤنث کے لیے جمعاء اور جمع مذکر کے لیے اجمعون اور جمع مؤنث کے لیے جُمَع استعمال کیا جائے گا۔اسی طرح اس کے اخوات کا حال ہے۔

فائدہ:- دھیان رہے کہ جب اکتع، ابتع اور ابصع کو اجمع سے علیحدہ کر کے یعنی بغیر اجمع کے استعمال کیا جائے تو ان کے کوئی معنی ہوں گے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے تو بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تینوں اسماء جب اجمع کے ساتھ مستعمل ہوں گے تو اجمع کے معنی میں ہوں گے باقی جب بغیر اجمع کے مستعمل ہوں تو علیحدہ ان کے کوئی معنی نہیں ہیں جب کہ دوسرے بعض حضرات کی رائے ہے کہ اگر یہ اجمع کے ساتھ مستعمل ہوں تب تو اجمع کے معنی میں ہی ہوں گے لیکن اگر بغیر اجمع کے استعمال ہوں تو ان کے مستقل معنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکتع مشتق ہے حولٌ کَتِعٌ سے جو مکمل کے معنی میں ہے۔اسی طرح ابصع مشتق ہے عربوں کے قول بَصَعَ العـرقُ سے جو بہنے کے معنی میں ہے اور اگر ابضعُ ہے تو بَضِعَ سے مشتق ہوگا جو سیراب ہونے کے معنی میں ہے۔اور ابتع مشتق ہے بتعٌ سے جو لمبی گردن کے معنی میں ہے۔

ولا یؤکد بکلّ واجَمع الا ذو اجزاءٍ یصحُّ افتراقھا حِسًّا او حُکمًا مثل اکرمتُ القومَ کلَّھم واشتریتُ العبدَ کُلَّهٗ بخلافِ جاء زیدٌ کُلُّهٗ واذا اُکِّدَ الضمیر المرفوعُ المتَّصِلُ بالنفسِ والعَینِ اُکِّدَ بمنفصلٍ مثل ضربتَ انتَ نفسَك واکتع واخواهُ اتباعٌ لاجمَعَ فلا تتقدَّمُ علیهِ وذکرُھا دُوْنَهٗ ضَعِیفٌ .

ترجمہ:- اور نہیں تاکید لائی جاتی مگر ایسے اجزا والی چیز کی کہ جن اجزاء کا جدا ہونا حساً یا حکماً درست ہو جیسے اکرمت القومَ کلّھم واشتریت العبد کلہ بخلاف جاء زید کلہ کے اور جب تاکید لائی جائے ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ تو تاکید لائی جائے گی منفصل کے ساتھ جیسے ضربت

انت نفسك. اور اکتع اور اس کے بھائی اجمع کے تابع ہیں پس وہ نہیں مقدم ہوسکتے اجمع پر اور ان کا ذکر بغیر اجمع کے ضعیف ہے۔

ولا یؤکد کل الخ: اس ٹکڑے کا ماحصل یہ ہے کہ کل اور "اجمع" سے تاکید اسی چیز کی لائی جاسکتی ہے کہ جس کے اجزاء کا حسًا یا حکمًا جدا ہونا ممکن ہو اور ایسا اس لیے ضروری ہے کہ کل ، کلیت اور اجمع، جمیعت پر دلالت کرتا ہے اور یہ معنی ذو اجزاء میں ہی متحقق ہوسکتے ہیں پہلے کی مثال اکرمت القوم کلھم ہے کہ کلھم قوم کی تاکید کے واسطے ہے اور قوم کے افراد کا محسوس طور پر ایک دوسرے سے جدا ہونا عالم آشکارا ہے۔ اور اشتریت العبد کله حکمًا افتراق کی مثال ہے پس کله العبد کی تاکید کے لیے ہے اور عبد کے اجزاء بلحاظ بعض افعال یعنی بیع وشراء جدا ہوتے ہیں، کیوں کہ اسکے نصف یا ثلث یا ربع کا خریدنا ممکن ہے۔ بعض افعال کی قید اس لیے لگائی کیوں کہ عبد کا افتراق بعض دوسرے افعال جیسے مجیٔ اور ذہاب کے ممکن نہیں کہ بعض عبد آئے اور اس کا نصف آخر نہ آئے۔

چوں کہ کل اور اجمع کے ساتھ تاکید کے لیے مذکورہ بالا شرط ضروری ہے، لہٰذا جاء زید کله کہنا درست نہ ہوگا اس لیے زید کے اجزاء کا افتراق باعتبار مجیئت کے نہ حسًا ممکن ہے جو ظاہر اور باہر ہے اور نہ ہی حکمًا ممکن ہے، کیوں کہ مجیئت میں نصف یا ثلث وغیرہ کا کوئی تصور نہیں۔

واذا اکدا الضمیر المرفوع الخ: خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ جب ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ تاکید لانا مقصود ہو تو اولاً ضمیر منفصل کو ذکر کیا جائے پھر نفس اور عین کے ساتھ تاکید ہو جیسے ضربت انت نفسك ایسا اس لیے ضروری ہے کہ اگر ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ بغیر ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید کے لائے تاکید لائی جائے تو تاکید کا بعض مواقع میں فاعل کے ساتھ اشتباہ لازم آئے گا جیسے زیدا کرمنی ھو نفسه پس اگر مثال مذکور میں ھُوَ ضمیر مرفوع متصل مستتر کی نفسه کے ساتھ بغیر ھُوَ ضمیر منفصل کو ذکر کیے ہوئے لے آئی جائے تو نفسه جو تاکید کے لیے ہے اس کا فاعل کے ساتھ اشتباہ ہوجاتا کیونکہ کچھ پتہ نہ چلتا کہ فاعل اسمِ ضمیر ہے بلکہ اغلب یہ ہے کہ ذہن نفسہ کے فاعل ہونے کی طرف جاتا حالاں کہ وہ فاعل نہیں بلکہ فاعل کی تاکید ہے۔

اب قیود کا فائدہ سمجھئے پہلی قید ہے کہ ضمیر مرفوع کی تاکید لانا ہو تب ایسا حکم ہے اس لیے کہ ضمیر منصوب اور مجرور کی بغیر منفصل کے ساتھ تاکید لائے ہوئے نفس اور عین کے ساتھ تاکید لائی جاسکتی ہے، کیوں کہ یہاں فاعل کے ساتھ اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے جیسے ضربتک نفسک اور مررت بک نفسک۔ دوسری قید ہے متصل کی اس لیے کہ اگر منفصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ منظور ہو تو بھی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لازمی نہیں کیوں کہ یہاں بھی اشتباہ سے امن ہے۔ جیسے انت نفسك.

تیسری قید ہے نفس اور عین کے ساتھ تاکید لانے کی۔ اس لیے اگر ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے علاوہ کے ساتھ تاکید لانی ہو تو ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لائے ہوئے بغیر بھی تاکید لائی جاسکتی ہے کیوں کہ یہاں بھی فاعل کے ساتھ اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے ایسا اس لیے ہے کہ کل اور اجمعون عامۃً عوامل سے متصل نہیں ہوتے، بلکہ دور ہوتے ہیں بخلاف نفس اور عین کے کہ وہ زیادہ تر عوامل سے متصل ہوتے ہیں۔

واکتع واخواہ: یہاں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اکتع اور ابتع اور ابصع، اجمع کے تابع ہیں اور اجمع گویا اصل ہے، لہٰذا اس کے دو اثر ہوں گے پہلا یہ کہ اکتع وغیرہ اجمع پر مقدم نہیں ہوسکتے تابع ہونے کی وجہ سے کیوں کہ تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوسکتا، اور دوسرا یہ کہ اکتع وغیرہ بغیر اجمع کے ذکر کیے مذکور نہیں ہوسکتے ورنہ تابع کا بلا متبوع کے مذکور ہونا لازم آئے گا۔

اب ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ اکتع اور ابتع اور ابصع میں ذکر کی ترتیب کیا ہوگی تو فصیح یہ ہے کہ اجمع کے بعد اکتع پھر ابتع اور آخر میں ابصع ذکر کیا جائے گا جیسے جاء نی القوم کلھم اجمعون واکتعون وابتعون وابصعون جب کہ بغدادیہ اور جزلی کی رائے ہے کہ اجمع کے بعد اکتع کا تو نمبر ہے لیکن ابصع، ابتع پر مقدم ہے اور ابن کیسان کا کہنا ہے کہ اجمع کے بعد تینوں میں سے چاہے جس کو پہلے ذکر کیا جائے ان تینوں میں برائے ذکر کی کوئی ترتیب نہیں ہے۔

البَدَلُ تابع مقصودٌ بما نُسب الی المتبوع دُونه وھو بدل الکُلّ والبَعض والاشتمال والغلط فالاول مدلولہٗ مَدْلول الاول والثانی جزءہٗ والثالث بَینَہٗ وَبینَ الاول مُلابسۃٌ بغیرھما والرابعُ ان تَقصِد الیه بعد ان غلطت بغیرہٖ ویکونانِ مَعرفتینِ ونکرتَینِ ومختلفتَینِ واذا کَانَ نکرۃً مِن معرفۃٍ فالنعت مثل بالناصِیَۃ ناصِیَۃٍ کاذبۃٍ ویکونانِ ظاھرین ومُضمَرین ومختلفَین ولا یُبْدَل ظاھرٌ من مُضمَر بَدَلَ الکُل الا مِنَ الغائِب نحوُ ضَربتُہٗ زَیدًا.

ترجمہ:- بدل ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے اس چیز کے ساتھ جس کی طرف متبوع کی نسبت کی گئی ہو اور وہ بدل الکل اور بدل البعض اور بدل الاشتمال اور بدل الغلط ہے۔ پس اول اس کا مدلول اول کا مدلول ہے اور ثانی (اس کا مدلول) اس کا جزء ہے (یعنی اول کے مدلول کا جزء ہے) اور ثالث اس کے اور اول کے درمیان ایسا تعلق ہے جو ان دونوں کے علاوہ ہے۔ اور چوتھے یہ ہے کہ تو اس کا ارادہ کرے اس کے علاوہ کے ساتھ غلطی کرنے کے بعد۔ اور وہ دونوں معرفہ ہوں گے اور دونوں نکرہ اور دونوں مختلف اور جب

نکرہ ہو معرفہ سے تو صفت (لازمی) ہے جیسے بالناصیة ناصیة کاذبة اور بدل اور مبدل منہ اسم ظاہر ہوتے ہیں اور ضمیر اور دونوں مختلف ہوتے ہیں اور نہیں بدل لایا جاتا ضمیر سے بدل الکل مگر غائب سے جیسے ضربته زیدًا.

توضیح:- سب سے پہلے بدل کی تعریف سنو۔ بدل کہتے ہیں ایسے تابع کو جو مقصود ہوتا ہے اس چیز کے ساتھ کہ جس کی طرف متبوع منسوب ہو متبوع مقصود نہ ہو۔

مصنف کا قول ''تابع'' بمنزلۂ جنس کے ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول ''مقصودٌ'' سے غیر معطوف سے احتراز ہو گیا اور ان کے قول ''دَوْنَ مَتبُوعِهِ'' کی قید سے معطوف خارج ہو گیا۔

بدل کی چار قسمیں ہیں بدل الکل، بدل البعض، بدل الاشتمال اور بدل الغلط۔ دلیل حصر یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ دو حال سے خالی نہیں یا تو دونوں کے درمیان کوئی تعلق ہو گا یا نہیں۔ دوسری صورت بدل الغلط ہے اور صورتِ اول تین حال سے خالی نہیں یا تو بدل، مبدل منہ کا کل ہو گیا یا جزء ہو گا یا ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر مشتمل ہو گا پس اول بدل الکل ہے ثانی بدل البعض اور ثلث بدل الاشتمال ہے۔

فالاول مدلوله مدلول الاول: اب ہر چہار اقسام کی تعریف کر رہے ہیں۔ پس بدل الکل ایسے بدل کو کہتے ہیں کہ اس کا مدلول بعینہٖ وہ ہو جو مبدل منہ کا مدلول ہوتا ہے جیسے جاء نی زید اخوك.

بدل الکل کی اس تعریف پر اعتراض ہے کہ اس تعریف بالا کی رُو سے بدل الکل اور عطف بیان کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جاتا، اس لیے کہ عطف بیان میں بھی ثانی کا مدلول وہی ہوتا ہے جو اول کا ہوتا ہے جو اب اس کا یہ ہے کہ دیکھو فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مقصود بالحکم اول ہو اور ثانی وضاحت کے لیے ہو تو وہ عطف بیان ہے اور اگر مقصود بالحکم ثانی ہو اور اول برائے تمہیدِ ثانی ہو تو وہ بدل الکل ہے۔

اور بدل البعض کہتے ہیں ایسے بدل کو کہ اس کا مدلول، مبدل منہ کے مدلول کا جزء ہو جیسے قطعت زید یده اور بدل الاشتمال ایسے بدل کو کہتے ہیں کہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان کلیت اور جزئیت کے علاوہ کوئی تعلق ہو جیسے سُلِبَ زید ثوبه اور بدل الغلط کہتے ہیں ایسے بدل کو کہ جس کا ارادہ اس کے علاوہ کے ساتھ غلطی کرنے کے بعد کیا جائے جیسے جاءنی زید حمار۔

ویکونان معرفتین: اس کا حاصل یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ کے معرفہ اور نکرہ ہونے میں چار احتمال ہیں اول یہ کہ بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں، دوم دونوں نکرہ ہوں، سوم اول نکرہ ہو اور ثانی معرفہ ہو چہارم اس کے الٹا پس یہ چار صورتیں ہوئی اور بدل کی باعتبار کل یا جزء وغیرہ کی چار صورتیں ہیں پس چار کو جب چار سے ملایا جائے گا تو سولہ صورتیں حاصل ہو جاتی ہیں اب ہر ایک کی مثال دیکھو۔

بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں

بدل الکل	جاء نی زید اخوك
بدل البعض	ضربت زید ارأسه
بدل الاشتمال	اعجبنی زید علمه
بدل الغلط	جاء نی زید الحمار

بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ ہوں

بدل الکل	جاء نی رجلٌ غلامٌ لزيدٍ
بدل البعض	جُرح رجل راسٌ له
بدل الاشتمال	اعجبنی رجل علم له
بدل الغلط	سقط رجل حمار له من الجبل

مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ

بدل الکل	جاء نی زید غلام له
بدل البعض	ضُرب زيدُ رأس له
بدل الاشتمال	اعجبنی سَليم علم له
بدل الغلط	لقيني سالم حمار له

مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ

بدل الکل	جاء نی رجلٌ اخوه
بدل البعض	ضُرب تلميذ راسه
بدل الاشتمال	اعجبنی بنت علمها
بدل الغلط	لقِيَ رجل حماره

واذا كان نكرة: یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب بدل نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ تو بدل کی صفت لانا ضروری ہے تاکہ مقصود کا غیر مقصود سے من کل الوجوہ انقص ہونا لازم نہ آئے اور جب بدل نکرہ کی صورت میں صفت لے آئیں گے تو بدل کی نکارت کی صفت کے ذریعہ تلافی ہو جائے گی۔

ويكونان ظاهرين: اس کا حاصل یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ میں باعتبار اسم ظاہر اور اسم ضمیر کے چار احتمال ہیں اول یہ کہ دونوں اسم ظاہر ہوں۔ دوسرے یہ کہ دونوں اسم ضمیر ہوں تیسرے یہ کہ مبدل منہ اسم ظاہر ہو اور بدل اسم ضمیر اور چوتھے اس کے الٹا اور بدل کی بھی چار قسمیں ہیں چار کو چار میں ملانے سے سولہ صورتیں حاصل ہوگئیں۔

بدل اور مبدل منہ دونوں اسم ظاہر ہوں اس کی مثالیں بعینہ وہ مثالیں ہیں جو بدل کے چاروں اقسام کی تعریف کے ذیل میں گذری ہیں۔ بقیہ کی مثالیں نقشۂ ذیل میں دیکھی جا سکتی ہے۔

دونوں ضمیر ہوں

بدل الکل	زيد ضربته اياه
بدل البعض	يد زيد قطعته اياها
بدل الاشتمال	جَهلُ الزيدين كرهتهما اياه
بدل الغلط	حمار الزيدين كرهتها اياه

مبدل منہ اسم ظاہر ہو اور بدل ضمیر

بدل الکل	ضربت زيد اياه
بدل البعض	يد زيد قطعت زيدا اياه
بدل الاشتمال	جهلُ زيد كرهت زيدًا اياه
بدل الغلط	حمار زيد كرهت زيداً اياه

مبدل منہ ضمیر ہو اور بدل اسم ظاہر

بدل الکل	زيد ضربته اخاك
بدل البعض	زيد قطعته يده
بدل الاشتمال	زيد كرهته جهله
بدل الغلط	زيد كرهته حماره

ولايبدل ظاهر الخ: حاصل عبارت یہ ہے کہ اسم ظاہر کو ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب سے بدل الکل نہیں قرار دیا جاسکتا، کیوں کہ متکلم اور مخاطب کی ضمیر اسم ظاہر کے مقابلہ میں دلالۃً اقویٰ اور اخص ہے پس اگر اسم ظاہر کو ان دونوں سے بدل الکل قرار دیا جائے تو مقصود کا غیر مقصود سے مدلول میں متحد ہونے کے باوجود اَدون اور انقص ہونا لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے، لہٰذا اسم ظاہر کو بدل الکل متکلم اور مخاطب کی ضمیر سے تو نہیں قرر دیا جاسکتا ہے البتہ بدل البعض، بدل الاشتمال اور بدل الغلط قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیوں کہ ان قسموں میں دونوں کا مدلول متحد نہیں رہتا نیز بدل سے وہ فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے جو مبدل منہ سے نہیں ہوا تھا۔

الا من الغائب: ماحصل یہ ہے کہ اسم ظاہر کو بدل الکل متکلم اور مخاطب کی ضمیر سے تو نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن اگر ضمیر غائب سے اسم ظاہر کو بدل الکل قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ ضمیر غائب اور اسم ظاہر دونوں ہم رتبہ ہیں، کیوں کہ اسم ظاہر غائب کے درجہ میں ہی سمجھا جاتا ہے جیسے ضربتهٗ زيدًا.

عطف البيان تابعٌ غير صفة يُوضحُ متبوعهٗ مثل اقسم بالله ابو حفص عمر، وفصلهٗ من البدل لفظًا في مثل انا ابن التارك البكريِّ بشرٍ.

ترجمہ:- عطف بیان ایسا تابع ہے جو صفت نہ ہو، جو اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہو جیسے اقسم بالله ابو حفص عمر اور عطف بیان بدل سے لفظاً ممتاز ہے انا ابن التارك الكبرى بشرٍ جیسے میں۔

توضیح:- اب عطف بیان کی تعریف کررہے ہیں پس عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت نہ ہو کر متبوع کی وضاحت کررہا ہے۔

پورا شعر یوں ہے اقسم بالله ابوحفص عمر "ما مسّها من نَقَب وَلَا دَبرَ÷ اغفر له اللّٰهم ان كان فجر. شعر کا ترجمہ یوں ہے۔ ابوحفص عمر اللہ کی قسم کھا گئے کہ اس کی اونٹنی میں نہ سوراخ کا نشان ہے اور نہ اس کی پیٹھ پر زخم۔ اے اللہ تو عمر کو بخش دے اگر انھوں نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔ پس مصنف کا قول "تابعٌ" جنس ہونے کی وجہ سے تمام توابع کو شامل تھا۔ البتہ غير صفة سے فصول کا سلسلہ شروع ہوا تو

خوداس سے لغت خارج ہوئی اور یُوضِحُ متبوعَهٗ سے دیگر توابع نکل گئے۔

دھیان رہے کہ عطف بیان کا مبین سے اشہر ہونا ضروری نہیں ہے اور بدل اور عطف بیان میں معنوی فرق تو واضح ہے کہ اول میں تابع مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے، جب کہ ثانی میں متبوع۔ لفظاً بھی دونوں میں فرق انا ابن التارك البكری بشر جیسے میں واضح ہے۔

پورا شعر ہے انا ابن التارك البكری بشر ÷ وعليه الطيرُ ترقبه وقوعاً

ترجمہ:- میں بکری بشر کے قاتل کا بیٹا ہوں۔ جس پر پرندے ٹوٹ پڑنے کے لیے منتظر ہیں۔

اس ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں عطف بیان ایسے معرف باللام سے قرار دیا جائے کہ جس کی طرف صفت معرف باللام مضاف ہو جیسے الضارب الرجل زيدٍ، التاركِ البكری بشر، تو ترکیب مذکور میں بشر البكری سے عطف بیان ہے اب اگر کوئی اسے البكری سے بجائے عطف بیان کے بدل قرار دیتا ہے تو چوں کہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا الضارب جس طرح البكری کا عامل ہے اسی طرح بشر کا بھی سمجھا جائے گا پس اس کی صورت التارك بشرٍ بعینہٖ الضارب زید کی صورت کی طرح ہوگئی اور الضارب زید کی ترکیب درست نہیں ہے، لہٰذا التارك بشر کی بھی ترکیب درست نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ خرابی بدل ماننے سے لازم آئی۔ معلوم ہوا کہ بدل قرار دینا درست نہیں بلکہ عطف بیان ہی قرار دیا جائے گا۔ تقریر مذکور سے ترکیب مذکور میں بدل اور عطف بیان میں لفظاً فرق واضح ہوگیا کہ جو عطف بیان ہوگا وہ انا ابن التارك البكری بشر جیسے میں بدل واقع ہونے کے احتمال سے محفوظ ہے۔

اَلْمبنيُّ مَا نَاسَبَ مَبْنِيَّ الْاَصْلِ اَوْ وقَعَ غيرُ مُركَب .

ترجمہ:- مبنی وہ اسم ہے جو مبنی اصل کے مناسب ہو یا غیر مرکب واقع ہو۔

توضیح:- قوله المبنی: جب اسم معرب کی بحث مکمل ہوگئی تو اب اسم مبنی کی بحث شروع کر رہے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسم مبنی ایسے اسم کو کہتے ہیں جو مبنی اصل کے اس طرح مناسب ہو کہ وہ مناسبت اعراب کی رکاوٹ میں مؤثر ہو۔

اب قیدوں کا فائدہ سمجھ لیں۔ اسم کی قید سے مضارع، مبنی کی تعریف سے نکل گیا اگر چہ مضارع، مبنی اصل یعنی فعل ماضی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے کیوں کہ جس طرح ماضی نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے اسی طرح فعل مضارع بھی نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ یہاں تو تعریف اسم مبنی کی بیان ہو رہی ہے اور مضارع کا تعلق اسم سے نہیں بلکہ فعل سے ہے۔ نیز مناسبتِ مؤثرہ کی قید سے غیر منصرف مبنی کی تعریف سے خارج ہوگیا بھلے دو فرعیتوں کے پائے جانے میں وہ فعل ماضی کے مشابہ ہے، اس لیے کہ غیر

منصرف کی فعل ماضی کے ساتھ مشابہت اور مناسبت ایسی نہیں ہے جو غیر منصرف پر اعراب کے آنے کو روک سکے بلکہ فعل ماضی کے ساتھ دو فرعیتوں کے دونوں میں پائے جانے کی وجہ سے ہر چند مناسبت ہے، لیکن پھر بھی غیر منصرف پر اعراب آتا ہے جب کہ مبنی اعراب کو قبول نہیں کرتا۔ اب ایک اور بات سمجھ لیں کہ مبنی دو قسموں پر ہے، ایک مطلق مبنی دوسرے اسم مبنی۔ پس مصنف نے یہاں جو تعریف بیان کی ہے وہ اسم مبنی کی ہے اور اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہ اس تعریف کے مخاطب وہ حضرات ہیں جو مطلق مبنی کی حقیقت سے آگاہ ہیں، لہٰذا یہ کہنا بجانہ ہوگا کہ مبنی مجہول ہے اور مبنی کی تعریف میں لفظ مبنی ذکر کیا گیا ہے تو گویا مبنی کی تعریف مبنی سے ہونے کی وجہ سے مجہول کی تعریف مجہول سے ہوئی اور یہ باطل ہے۔

دھیان رہے کہ مصنف نے عام نحاۃ کی تعریف **مالا یختلف باختلاف العوامل** سے ہٹ کر مذکورہ بالا تعریف اس لیے کی کہ مبنی کی حقیقت کا سمجھنا اور اس کا علم اصل ہے اور آخر کے مختلف نہ ہونے کی معرفت فرع ہے پس مناسب یہی تھا کہ اصل پر فرع کو متفرع کیا جائے یعنی پہلے مبنی کی حقیقت معلوم ہو پھر اس کے آخر کی حالت کا حکم جانا جائے۔

جبکہ جمہور نحاۃ کی تعریف مشہور پر اصل کو فرع پر متفرع کرنا لازم آتا ہے جو خلاف انصاف ہے۔

یہ بات بھی نظروں سے اوجھل نہ رہے کہ اسم مبنی بھی دو قسموں پر ہے یا تو کوئی اسم مبنی، مبنی اس لیے ہوگا کہ موجب اعراب یعنی وہ ترکیب سے خالی ہے جیسے اسمائے معدودہ اور الف، با، تا، ثا وغیرہ یا زید، عمرو وغیرہ یا وہ اسم مبنی، مبنی اس لیے ہے کہ موجب اعراب کے حاصل ہوتے ہوئے وہ مانع اعراب سے دوچار ہے یعنی اس پر اعراب کے حصول کے راستہ میں رکاوٹ ہے۔

مانع اعراب، مبنی اصل یعنی حروف فعل ماضی اور امر حاضر معروف میں سے کسی کے مشابہ ہو جانا ہے۔

کسی اسم کی مبنی اصل کے ساتھ مناسبت متعدد طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم، مبنی اصل کے مشابہ ہو جائے جیسے اسماء مضمرات اشارات اور موصولات حروف کے احتیاج میں مشابہ ہیں یعنی جس طرح حرف کا معنی بغیر ضم ضمیمہ کے نہیں سمجھ میں آتا ہے اور وہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں ضمِ ضمیمہ کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح اسمائے اشارات مشارٌ الیہ کے اور مضمرات مرجع کے نیز موصولات صلہ کے محتاج اور حاجتمند ہوتے ہیں۔

دوسرا طریقہ حصول مناسبت کا یہ ہے کہ کوئی اسم، مبنی اصل کے معنی کو شامل ہو جیسے اسمائے استفہام اور اسمائے شرط، حرف استفہام اور حرف شرط کے معنی کو شامل ہوتے ہیں۔

تیسرا طریقۂ مناسبت یہ ہے کہ کوئی اسم، مبنی اصل کے واقع ہونے کی جگہ میں واقع ہو جائے جیسے نَزالِ اور تَراكِ اِنْزِلْ اور اُتْرُكْ کی جگہ میں واقع ہیں۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم مبنی اس اسم سے مشابہت رکھتا ہے جو مبنی اصل کی جگہ میں واقع ہوتا ہے جیسے حَضارِ اور طمارِ جو ہر چند مبنی اصل کی جگہ میں خود تو نہیں واقع ہیں لیکن مبنیٔ اصل کی جگہ میں واقع ہونے والے نَزَالِ اور تَرَاكِ سے ان کو مشابہت حاصل ہے۔

پانچواں طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم اس اسم کی جگہ میں میں واقع ہو کہ جسے مبنی اصل سے مشابہت حاصل ہے۔ جیسے یازیدُ میں زید منادیٰ جو کاف اسمی کے جگہ میں واقع ہے کہ جسے کاف حرفی خطابی سے مشابہت حاصل ہے۔

چھٹا طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم مبنی اصل کی طرف مضاف ہو جائے جیسے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد من عذاب یومئذ. میم کے فتحہ کے ساتھ کہ تقدیر میں یوم اذ کان کذا کی طرف مضاف ہے اور کان مبنی اصل ہے۔

فائدہ:- جب اتنا ساتھ آپ نے دے دیا تو پانچ باتیں اور سمجھ لیں کہ مشابہت، مناسبت، مجانست، مماثلت اور مشاکلت کسے کہتے ہیں۔

تو مشابہت کہتے ہیں دو چیزوں کے کسی ایسے وصف میں اشتراک کو کہ وہ وصف ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے لازم ہو اور کوئی ایک اس وصف کے ساتھ مشہور بھی ہو جیسے بہادر آدمی کی بہادری میں شیر کے ساتھ مشابہت، پس بہادری شیر کے لیے لازم بھی ہے اور وہ شجاعت میں مشہور بھی ہے۔

مناسبت دو چیزوں کے کسی ایسے وصف میں اشتراک کا نام ہے کہ جو وصف ان دونوں کے لیے لازم ہو خواہ کوئی اس کے ساتھ مشہور ہو یا نہ ہو جیسے شجاعت اور رحمی۔

مجانست کہتے ہیں دو چیزوں کا جنس میں مشترکہ ہونا جیسے آم کا جامن کے ساتھ پھل ہونے میں شریک ہونا۔

مماثلت دو چیزوں کے نوع میں مشرک ہونے کو کہتے ہیں جیسے دسہری، اور چوسا کا آم ہونے میں شریک ہونا۔

مشاکلت کہتے ہیں دو چیزوں کا صورت میں مسترک ہونا جیسے دیوار پر بنے ہوئے شیر کی صورت کا جنگل کے واقعی شیر کے جثہ کے ساتھ شریک ہونا۔

قوله او وقع غیر مرکب: اس کا ماحصل یہ ہے کہ یا تو اسم مبنی اسے کہتے ہیں جو اپنے غیر کے ساتھ اس طرح مرکب نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس کا عامل موجود ہو عام ازیں کہ وہ عامل لفظی ہو یا معنوی۔ لہٰذا عامل کی قید کی وجہ سے غلامُ زید میں مضاف مبنی ہی رہے گا کیونکہ ترکیب مع الغیر تو ہے لیکن وہ عامل سے محروم ہے، لہٰذا جب تک اس کے ساتھ عامل نہیں ہوگا مضاف مبنی ہی کہلائے گا۔ اور عامل میں تعمیم کر لینے کی وجہ سے زید قائمٌ مبنی میں داخل نہ ہو سکے گا اس لیے کہ یہاں ترکیب مع الغیر عامل معنوی کے ساتھ پائی جارہی ہے۔ لہٰذا مبنی کی تعریف جامع بھی ہے اور مانع بھی۔

یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ مبنی، معرب کا مقابل ہے اور معرب کی تعریف میں عدم المشابہت کالحاظ کیا گیا ہے، لہٰذا مقابلہ کی رعایت کا تقاضا یہ تھا کہ مبنی کی تعریف مشابہت سے کی جاتی لیکن مصنف نے ایسا نہ کر کے مناسبت سے مبنی کی تعریف کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ معرب میں جس عدم المشابہۃ کا اعتبار کیا گیا ہے اس کا حاصل یہی مناسبت ہے جو مبنی کی تعریف میں ملحوظ ہے، لہٰذا مقابلہ کالحاظ رہا۔

وَاَلقابُہٗ ضَمٌّ وفتحٌ وكسرٌ ووقفٌ وحُكمُہٗ ان لا يختلف اٰخِرہٗ لاختِلاَفِ العَوامل

ترجمہ:- اور مبنی کے القاب ضم اور فتح اور کسر، اور وقف ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے نہیں بدلتا۔

توضیح:- و القابہ الخ یہاں سے بتا رہے ہیں کہ اسم مبنی کی حرکات وسکنات کو جس چیز سے بیان کیا جاتا ہے وہ اس کا لقب کہلاتا ہے اور وہ بحالتِ حرکت ضم وفتح اور کسر ہے جب کہ بحالت سکون وقف ہے۔ ضم کو ضم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا حصول دونوں ہونٹوں کے ملنے کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ اور کسر کو کسر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ادائیگی کے وقت نیچے کے ہونٹ جھک جاتے ہیں اور فتح کو فتح اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ادائیگی کے وقت منھ کھلا رہتا ہے۔ اور وقف کو وقف اس لیے کہتے ہیں کہ سانس اس میں حرکت سے رک جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اہل بصرہ کے نزدیک ہی ایسا ہے کہ مبنی اور معرب کے حرکات وسکنات کو ظاہر اور بیان کرنے کے لیے الگ الگ عنوان ضروری ہے ورنہ اہل کوفہ اس کو ضروری نہیں مانتے بلکہ ان کے یہاں معرب کے اعراب مبنی کے القاب کی جگہ اور مبنی کے القاب معرب کے اعراب کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔

مصنف نے یہاں القاب کا عنوان اور معرب میں انواع الاعراب کا عنوان الگ الگ اس لیے اختیار کیا کہ انواع اعراب ہر نوع کے علیحدہ معنی پر دلالت کرنے کی وجہ سے مختلف بالحقیقت ہیں جب کہ یہ بات القاب مبنی میں نہیں ہے۔ کیوں کہ ان سے سوائے الفاظ اور کچھ مراد نہیں ہے۔

وهي المضمراتُ واسماءُ الاشارَةَ والموصُولاتُ والمركباتُ والكناياتُ واسماءُ الافعال والاصواتُ وبعضُ الظُروفِ.

ترجمہ:- اور مبنی ضمائر اسمائے اشارات اور موصولات، مرکبات اور کنایات اور اسمائے افعال اور اصوات اور کچھ ظروف ہیں۔

توضیح:- ھِیَ ضمیر کا مرجع المبنی ہے۔ رہی بات یہ کہ ضمیر اور مرجع میں مرجع کے مذکر ہونے کی وجہ سے مطابقت نہیں ہے تو عرض ہے کہ ضمیر کا مؤنث لانا باعتبار خبر کے ہے، کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے اذا دار المضمر بين المرجع والخبر فرعاية الخبر اولٰى.

ظروف کو بعض کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ تمام ظروف مبنی نہیں ہیں بلکہ بعض معرب بھی ہیں۔ رہی بات کہ اشارات میں ذَانِ اور ذَينِ عند البعض معرب ہیں اسی طرح ایٌّ اور ايّةٌ بالاتفاق معرب ہیں باوجود اس کے اشارات اور موصولات کو بعض کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے دراصل بات یہ ہے کہ ذَان اور ذَین کے معرب ہونے کا جو قائل ہے اس کے اس نظریہ کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے اور اسے صحیح نہیں مانا ہے لہٰذا یہ نظریہ جب لائق اعتبار نہ ہوا تو گویا تمام ہی اشارات مبنی ہیں اسی طرح ایّ اور ایة کا معرب ہونا بھی بعض حالات کے ساتھ مقید اور مختص ہے یعنی کہ ان دونوں کا صدر صلہ محذوف نہ ہو لہٰذا اس کا بھی اعتبار نہیں ہے، پس موصولات کو بھی بعض کے ساتھ مقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسماء میں چونکہ اصل معرب ہونا ہے، لہٰذا کسی اسم کے مبنی ہونے کی علت کا معلوم ہونا ضروری ہے پس معلوم ہو کہ کسی اسم کے مبنی ہونے کی وجہ یا تو عدم الترکیب ہے یا مبنی اصل کے ساتھ مناسبت اول، اصوات ہیں کیوں کہ وہ یا تو ایک دوسرے سے مرکب نہیں ہوتے جیسے غَاقِ اور اگر وہ مرکب بھی ہوتے تو وہ حکایۃ اور نقل کے طور پر ہوتے ہیں اور ثانی یعنی اصل کے ساتھ مناسبت تو اس میں تین احتمال ہیں یا تو مناسبت ماضی کے ساتھ ہوگی یا امر حاضر یا پھر حرف کے ساتھ پس اول وثانی اسمائے افعال ہیں اور ثالث یا تو مناسب ہوگا حرف کے من حیث المعنی یا نہیں۔ پس صورت اولیٰ میں وہ کنایات ہیں جیسے کم اور کذا، مذ اور منذ، عن اور علی اور صورت ثانی میں نیز یا تو وہ حرف کے معنی کو متضمن ہوگا یا محتاج ہونے میں وہ حرف کے ساتھ مناسبت رکھتا ہوگا۔ پہلی صورت میں وہ مرکبات ہیں اور دوسری صورت میں دو احتمال ہیں یا تو محتاج الیہ حقیقتاً یا حکماً جملہ ہوگا، یا نہیں۔ پہلی صورت یعنی جملہ ہونے کی صورت میں وہ اسمائے موصولات ہیں اور دوسری صورت یعنی جب وہ جملہ نہ ہو تو محتاج الیہ پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مذکور ہوگا یا نہیں مذکور ہوگا، صورت ثانی ظروف ہیں اور صورت اول میں محتاج الیہ یا تو اشارۂ حسیہ ہوگا یا غیبت یا تخاطب یا تکلم کا قرینہ ہوگا اول اسمائے اشارات اور ثانی مضمرات ہیں۔

اَلْمُضمرُ مَا وُضِعَ لِمتكلمٍ اَوْ مُخَاطبٍ اَوْ غَائبٍ تَقدَّمَ ذِكرُهُ لفظًا او معنًى او حكمًا وَهُو متّصلٌ اَوْ مُنفصلٌ، فَالْمُنفصِلُ الْمُستقِلُّ بِنَفْسِه وَالمتصلُ غيرُ الْمُستَقلّ بِنفسه وَهُو مرفوعٌ ومَنصُوبٌ وَمَجْرُوْر.

ترجمہ:- ضمیر وہ اسم ہے جو متکلم یا مخاطب یا ایسے غائب کے لیے وضع کیا گیا ہو کہ جس کا ذکر سابق میں ہو چکا ہو خواہ لفظاً اس کا ذکر مقدم ہو چکا ہو یا معنًی یا حکماً اور وہ متصل یا منفصل ہوتی ہے، پس ضمیر منفصل مستقل بنفسہ ہوتی ہے اور متصل غیر مستقل بنفسہ ہوتی ہے اور وہ مرفوع اور منصوب اور مجرور ہوتی ہے۔

توضیح:- المضمر: یہاں سے مصنف ضمیر کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ ضمیر ایسے اسم کو

کہتے ہیں جیسے متکلم کے لیے من حیث المتکلم یا مخاطب کے لیے من حیث المخاطب وضع کیا گیا ہو نیز یا ایسے غائب کے لیے وضع کیا گیا ہو کہ جس کا ذکر اس ضمیر سے پہلے لفظاً یا معنًی یا حکماً ہو چکا ہو۔

اس تعریف سے معلوم ہو گیا کہ ضمیر کی تین قسمیں ہیں ضمیر متکلم، ضمیر مخاطب اور ضمیر غائب۔ ضمیر غائب کی تعریف تقدم ذکرہ لفظا او معنی او حکما کی قید سے مقید اس لیے کیا تا کہ اسماء ظاہرہ سے احتراز ہو جائے کیوں کہ وہ غائب تو ہوتے ہیں لیکن سابق میں ان کا ذکر کیا جانا خواہ لفظاً ہو یا معنًی یا حکماً شرط نہیں ہوتا جیسا کہ ضمیر غائب میں ہوتا ہے۔

تقدم لفظی وہ ہے کہ مقدم ملفوظ ہو اب خواہ مقدم کا ملفوظ ہونا حقیقتاً ہو یا حکماً ہو اول کی مثال جیسے ضرب زیدٌ غلامه ور ثانی کی مثال جیسے ضرب غلامه زیدٌ کہ اس میں ہر چند غلامه پہلے اور زید بعد میں ہے لیکن چوں کہ فاعل رتبۃً فعل سے متصل ہونے کی وجہ سے غلامه پر مقدم ہے لہٰذا ضمیر کے ذکر سے پہلے مرجع لفظاً مذکور ہو گیا گو حکماً سہی۔

اور تقدم معنوی وہ ہے کہ مقدم من حیث اللفظ مذکور نہ ہو بلکہ من حیث المعنی مذکور ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ وہ معنی لفظ معین سے مفہوم ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی کہ هو ضمیر کا مرجع عدل ہے جس پر اعدلو دلالت کر رہا ہے پس مرجع معناً مقدم ہوا دوسری صورت یہ ہے کہ وہ معنی سیاق کلام سے سمجھا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَلِاَبَوَیۡهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ کہ جب ما قبل میں میراث کا بیان ہوا تو معلوم ہو گیا کہ اس جگہ کوئی مورث ہے، لہٰذا من حیث المعنی اس کے لیے ضمیر کا استعمال کرتے ہوئے وَلِاَبَوَیۡهِ فرما دیا گیا۔ پس ضمیر کے ذکر سے پہلے مرجع کا معنیً مذکور ہونا پایا گیا کہ جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے۔

تقدم حکمی ایسے کو کہتے ہیں کہ جس میں مقدم نہ تو من حیث اللفظ اور نہ ہی من حیث المعنی مذکور ہو، بلکہ مقدم مفروض ہو یعنی اس کے قصہ کی تعظیم کے طور پر مان لیا گیا ہو۔ جیسے قل هو الله احد میں لفظ هُوَ ہے کہ اس کا مرجع سابق میں نہ تو من حیث اللفظ اور نہ من حیث المعنی مذکور ہے لیکن تعظیماً للقصۃ اس کے مرجع کے تقدم کو مان لیا گیا ہے۔

تقدم حکمی ضمیر شان اور ضمیر قصہ نیز نعم اور رُبَّ کی ضمیروں میں ہوتا ہے۔

قوله متصل او منفصل: یہاں سے ضمیروں کی تقسیم بتا رہے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں کہ کوئی بھی متکلم، مخاطب اور غائب کی ضمیروں کی قسم ہو وہ یا تو متصل ہو گی یا منفصل ایسا اس لیے ہے کہ ضمیر تلفظ میں یا تو کسی دوسرے کلمہ کے ملانے کا محتاج ہو گی یا نہیں اول متصل ہے اور ثانی منفصل۔

فالمنفصل المستقل بنفسه الخ: مستقل بنفسہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ منفصل کا تلفظ بغیر کسی

دوسرے کلمہ کے ملائے ہوئے ہوسکتا ہے وہ اس سلسلے میں کہ ضم ضمیمہ کا محتاج نہیں ہے۔اور متصل کے غیر مستقل بنفسہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تلفظ بغیر دوسرے کلمہ کو ملائے ہوئے نہیں ہوسکتا، پس وہ اپنے تلفظ میں ضم ضمیمہ کا محتاج ہے۔

وهو مرفوع: یہاں سے ضمیر کی ایک دوسری تقسیم کررہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مطلق ضمیر باعتبار انواع اعراب کے تین قسموں پر ہے، مرفوع، منصوب اور مجرور تین ہی قسمیں اس لیے ہیں کہ ضمیر کا عامل یا تو مقتضی رفع ہوگا یا اس کا تقاضا نصب کا یا پھر اس کا تقاضا جر کا ہوگا۔ پس اول مرفوع اور ثانی منصوب اور ثالث مجرور ہوگا۔

ایک سوال سمجھ لیجیے۔ وہ یہ ہے کہ ضمیر کی اولا متکلم اور مخاطب اور غیبت کی طرف تقسیم کی گئی ہے، لہٰذا تقسیم اول کے بعد مرفوع اور منصوب نیز مجرور کی طرف تقسیم، تقسیم بعد التقسیم ہے جو سوائے تحصیل حاصل کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تقسیم اول بلحاظ مرجع کے ہے اور تقسیم ثانی باعتبار اعراب کے ہے۔ لہٰذا تحصیل حاصل لازم نہیں آیا۔

فَالاوّلَان متصِلٌ ومنفصلٌ والثالثُ متصلٌ فقط فذالِك خمسةُ انواعٍ الاول ضَربتُ وضُرِبتَ الى ضَرَبْنَ وضُرِبنَ والثاني اَنا الى هُنَّ والثالثُ ضَربني الٰى ضَرَبَهُنَّ وإنّني الٰى انَّهُنَّ والرَابعُ ايّايَ الٰى ايَّاهُنّ والخَامِسُ غُلامِيْ الٰى غُلَامِهِنَّ ولَهُنَّ .

ترجمہ:- پس شروع کے دونوں متصل اور منفصل دونوں ہوتے ہیں اور تیسری قسم صرف متصل ہوتی ہے پس یہ پانچ قسمیں ہوئیں اول ضَرَبْتُ اور ضُرِبْتُ سے ضَربنَ اور ضُرِبنَ اور دوسری قسم انا سے ھن تک ہے اور تیسری قسم ضربنی سے ضرَبَهُنَّ تک اور انّنی سے إنَّهُنَّ تک اور چوتھی قسم ایّایَ سے ایاھُنَّ تک اور پانچویں قسم غُلامی سے غلامَهُنّ اور لھن تک۔

توضیح:- اب یہاں سے بتا رہے ہیں کہ ضمیر مرفوع اور منصوب متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل اور ضمیر مجرور صرف متصل ہی ہوتی ہے لہٰذا کل پانچ قسمیں ہوئیں مرفوع متصل، مرفوع منفصل اور منصوب متصل اور منصوب منفصل اور مجرور متصل۔

معلوم ہو کہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا واحد، تثنیہ اور جمع مذکر اسی طرح واحد، تثنیہ اور جمع مؤنث ہر ایک کے لیے صیغہ متکلم ہوتا ہے، لیکن عربوں نے متکلم کے لیے صرف دو لفظ چھ معنوں پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیے اور مخاطب کے لیے پانچ الفاظ چھ معنوں پر دلالت کرنے کے لیے کیوں کہ مذکر مخاطب کا تثنیہ اور مؤنث مخاطب کا تثنیہ مشترک ہے اور غائب کے لیے بھی اسی طرح پانچ الفاظ چھ معنوں کے لیے موضوع ہیں، کیوں کہ ھما تثنیہ مذکر اور مؤنث غائب دونوں میں مشترک ہے، لہٰذا کل ضمائر کے لیے ساٹھ الفاظ ہیں جو

نوّے معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

ایک بات اور سمجھ لیں کہ مصنف نے متکلم کی ضمیر کو مخاطب اور غائب کی ضمیر پر اس لیے مقدم کیا کہ متکلم کی ضمیر اعرف المعارف ہے پھر مخاطب کی اور غائب کی ضمیریں سب میں کم مرتبہ ہیں اس لئے تعریف میں بھی متکلم کو مقدم کیا۔

اچھا اہل صرف کا مطمح نظر چوں کہ صیغوں سے بحث کرنا ہے اور غائب کے صیغے زوائد سے خالی ہونے کی وجہ سے بمقابلہ متکلم اور مخاطب کے صیغوں کے اصل ہیں اس لیے اہل صرف آغاز غائب کے صیغوں سے کرتے ہیں اور نحویین کا مقصود بحث ضمائر سے گفتگو کرنا ہے اور ضمائر میں متکلم اصل ہے اعرف المعارف ہونے کی وجہ سے۔

فالاول: یعنی ضمیر مرفوع متصل ضَرَبْتُ اور ضُرِبتُ کی ضمیر سے لے کر ضَرَبْنَ اور ضُرِبْنَ کی ضمیر تک ہے پوری گردان یوں ہے: ضَرَبْتُ، ضَربنَا، ضربتَ، ضربتما، ضربتم، ضَربتِ، ضربتما، ضَرَبْتنَّ، ضرب، ضربا، ضربوا، ضربت ضَربتَا، ضربن.

اسی طرح مجہول کی بھی گردان ہوگی۔ مصنف نے دو مثالیں ایک معروف کی اور دوسری مجہول کی ذکر کی ہیں۔

والثاني: اور نوع ثانی یعنی ضمیر مرفوع منفصل کی مثال اَنا سے لے کر هُنَّ کی ضمیر تک ہے۔ پوری گردان یوں ہے اَنَا، نحن، انت، انتما، انتم، انتِ، انتما، انتن، هو، هما، هم، هِيَ، هُمَا، هُنَّ.

والثالث: اور تیسری نوع یعنی ضمیر منصوب متصل ضربني کی ضمیر سے لے کر ضَربهنّ کی ضمیر تک اور اِنّني کی ضمیر سے لےکر اِنّهُنَّ کی ضمیر تک ہے۔

طریقۂ تصریف یوں ہے ضربَني، ضَربنَا، ضربكَ، ضَربكما، ضَربكم، ضَربَكِ، ضَرَبَكما، ضَربكُنَّ، ضَرَبَهُ، ضَرَبَهُمَا، ضَرَبَهُمْ، ضَرَبَهَا، ضَرَبَهُمَا ضَربهُنَّ، اور اِنَّنِيْ، اِنَّنا، اِنَّكَ، اِنّكما، اِنّكِ، اِنكُمَا، انّكم، اِنكُنَّ، انّهٗ، انّهُمَا، انّهُمْ، اِنّها، اِنّهُمَا، انّهُنَّ.

مصنف نے منصوب متصل کی دو مثالیں بیان کی ہیں یہ بتانے کے لیے ضمیر منصوب متصل بالفعل بھی ہوتی ہے اور متصل بالحرف بھی ہوتی ہے چنانچہ پہلی مثال متصل بالفعل کی اور دوسری متصل بالحرف کی ہے۔

الرابع: چوتھی نوع منصوب متصل کی ہے اور وہ ایّای سے ایّاهُن تک ہے۔ پوری گردان اس طرح ہے ایّایَ، اِیَّانا، ایاكَ، ایّاكمَا، اِیّاكُمْ، اِیّاكِ، ایاكُما، ایّاكُن، ایّاه ایّاهُما، ایّاهُمْ، اِیّاهَا، اِیَّاهُمَا اِیّاهُن.

واضح رہے کہ اِیَّایَ کے سلسلے میں اختلاف ہے کہ حرف ایّا ضمیر اور باقی لواحق ہیں یا اس کے برعکس

ہے تو اس سلسلے میں مختار مذہب یہ ہے کہ اِیَّا ضمیر ہے اور لواحق یعنی ی اور نا اسی طرح ك اور ہ وغیرہ مرجع کے مفرد اور تثنیہ، جمع متکلم، مخاطب اور غائب نیز مذکر اور مؤنث ہونے پر دلالت کرنے کے لیے ہیں جب کہ ایک دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایّا حرف عماد ہے یعنی ایسا حرف ہے جس پر مابعد بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ مابعد اپنے ماقبل پر ٹکتا ہے۔ اور لواحق ضمیر ہیں اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ مجموعہ ضمیر ہے لیکن قول ثانی اس لیے مرجوح ہے کہ اس قول کی بنا پر لازم آتا ہے کہ ضمیر منصوب صرف متصل ہو منفصل نہ ہو۔ ظاہری بات ہے کہ یہ خلاف حقیقت ہے اور قولِ ثالث پر یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ لاحق اور ملحوق کا مجموعہ جب ضمیر ہو جائے گا تو پھر مرجع کے احوال یعنی مفرد، تثنیہ اور جمع وغیرہ پر دلالت فوت ہو جائے گی اور یہ غیر پسندیدہ ہے۔

الخامس: ضمیر مجرور غُلامِیْ کی ضمیر سے غلامھن کی ضمیر تک اور لِیْ کی ضمیر سے لَھُنَّ کی ضمیر تک ہے۔

طریقۂ تصریف یہ ہے غُلامی، غُلاَمنَا، غُلاَمَكَ، غُلامكما، غُلاَمَكُمْ، غُلامكِ، غُلاَمكُمَا، غلامكُنَّ، غُلاَمَهُ، غُلاَمَهُمَا، غُلاَمَهُمْ، غُلاَمَها، غُلاَمَهُما، غُلاَمَهُنَّ.

لِیْ، لَنَا، لَكَ، لَكُمَا، لَكُمْ، لَكِ، لَكُمَا، لَكُنَّ، لَهُ، لَهُمَا، لَهُمْ، لَهَا، لَهُمَا، لَهُنَّ.

منصف نے دو مثالیں مجرور متصل کی دو قسمیں بتانے کے لیے دی ہیں کہ مجرور متصل دو قسموں پر ہے ضمیر مجرور متصل بالاسم اور ضمیر مجرور متصل بالحرف پہلی مثال ضمیر مجرور متصل بالاسم کی ہے اور دوسری مثال ضمیر مجرور متصل بالحرف کی ہے۔

فالمرفوعُ المتصلُ خاصّةً يَستترُ الماضى لِلغَائبِ والغائبةِ والمضارعِ للمتكلم مطلقًا والمخاطبِ والغائبِ والغائبةِ وفى الصفةِ مطلقا وَلاَ يَسُوغُ المنفصلُ إلاَّ لِتعذّرِ المتصل وَذالك بالمتقدمِ على عامله او بالفصل لغرضٍ او بالحذفِ او بكون العاملِ معنويًا اَو حرفًا والضمير مرفوعٌ او بكونه مسندًا اليه صفة جَرتْ عَلٰى غير مَنْ هى له مثل اياكَ ضَربتُ وما ضَرَبَكَ اِلا انا، واِيّاكَ والشر، وانا زيد وما انت قائمًا، وهند زيد ضاربته هي.

ترجمہ:۔ پس ضمیر مرفوع متصل بطور خاص فعل ماضی کے واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں اور فعل مضارع کے متکلم کے صیغوں میں مطلقاً اور واحد مذکر حاضر اور واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں نیز صفت کے صیغوں میں مطلقاً پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور ضمیر منفصل نہیں لائی جاتی ہے مگر متصل کے متعذر رہونے کی وجہ سے اور یہ متعذر رہونا کبھی ضمیر کے اپنے عامل پر مقدم ہو جانے

کی وجہ سے ہوتا ہے یا کسی مقصد کے تحت فصل کی وجہ یا حذف کی وجہ سے یا عامل کے معنوی یا حرف ہونے کی وجہ سے درانحالیکہ ضمیر مرفوع ہو یا ضمیر کی طرف ایسی صفت کے مسند ہونے کی وجہ سے کہ جو اس ذات کے علاوہ پر محمول ہے کہ وہ صفت جس ذات کے لیے ہے۔ جیسے اِيَّاكَ ضَرَبتُ اور ماضربك إلّا انا اور ايّاك والشرَّ اور انا زيد اور ما انت قائمًا اور هند زيد ضاربته هي.

توضیح:- اب یہاں سے بتا رہے ہیں کہ مرفوع متصل بطور خاص ماضی کے واحد مذکر غائب میں اور واحد مؤنث غائب میں پوشیدہ ہوتی ہے جیسے زيد ضرب اور هند ضربت. تثنیہ مذکر اور مؤنث غائب اسی طرح جمع مذکر غائب اور مؤنث غائب میں مستتر اس لیے نہیں ہوتی ہے، تا کہ مفرد کے ساتھ اشتباہ نہ پیدا ہو۔

خاصـة: خاصة کی قید اس لیے لگائی کہ ضمیر کا پوشیدہ ہونا صرف ضمیر مرفوع متصل میں ہی متحقق ہوسکتا ہے، کیوں کہ ضمیر مرفوع متصل شدتِ اتصال کی وجہ سے بمنزلہ فعل کے جزء کے ہے، کیوں کہ فعل اس پر دال ہوتا ہے۔ باقی ضمیر منصوب اور ضمیر مجرور وہ مستتر نہیں ہوتی ہیں اسی طرح استتار صرف ضمیر مرفوع متصل کا ہوگا منفصل کا بھی نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ اپنے عامل سے جدا ہوتی ہے، لہٰذا جدا ہو کر عامل میں مستتر ہونے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

والمضارع: ضمیر مرفوع متصل مضارع کے متکلم کے صیغوں میں مطلقاً مستتر ہوئی ہے۔ مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ صیغۂ متکلم مفرد کے لیے ہو یا تثنیہ اور جمع کے لیے اسی طرح خواہ وہ مذکر کے لیے ہو یا مؤنث کے لیے سب میں ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ ہوتی ہے۔

نیز واحد مذکر حاضر کے صیغہ میں بھی ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ ہوتی ہے جیسے تصلی میں انت پوشیدہ ہے۔ مضارع کے واحد مؤنث حاضر، جمع مذکر حاضر و جمع مؤنث حاضر نیز تثنیہ کے صیغوں میں ضمیر اس لیے پوشیدہ نہیں ہوتی تا کہ اشتباہ پیدا نہ ہو۔

البتہ مضارع کے واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں ضمیر پوشیدہ ہوگی جیسے عامر، يجاهد، هند، تسمع. دونوں تثنیہ جمع مذکر غائب اور جمع مؤنث غائب میں بھی پوشیدہ نہیں ہوتی ورنہ اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

وفي الصفة: واضح ہو کہ صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم تفضیل ہے۔ اور مطلق کا مطلب ہے کہ اسمائے مشتقہ چاہے مفرد ہوں یا تثنیہ اور جمع مذکر ہوں یا مؤنث سب میں ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ ہوتی ہے جیسے زيد ضارب، الزيدان ضاربان، الزيدون ضاربون، هند ضاربة اور هندان ضاربتان، هندات ضاربات.

اسمائے مشتقہ میں الف تثنیہ اور واوِ جمع کو ضمیر نہیں قرار دیا جاسکتا کیوں کہ ضمیر میں تغیر نہیں ہوتا ہے جب کہ الف تثنیہ اور واوِ جمع عامل کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، پس ضمیر بارز کا کوئی امکان اسمائے مشتقہ میں نہیں ہے۔

ولا یسوغ المنفصل: اب یہاں سے ان مواقع کی نشاندہی کررہے ہیں کہ جہاں ضمیر متصل کا استعمال ممکن نہیں رہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب تک ضمیر متصل کا استعمال ممکن ہوگا ضمیر منفصل کا استعمال نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ ضمیروں کی وضع ایجاز اور اختصار کے پیش نظر ہوتی ہے اور متصل بمقابلہ منفصل کے زیادہ مختصر ہے، البتہ جب متصل کا استعمال متعذر اور ناممکن ہوجائے تو اب مجبوراً منفصل کا استعمال روا رکھا جائے گا۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا موقع یہ ہے کہ جب عامل پر ضمیر مقدم ہوجائے تو پھر بجائے متصل کے منفصل کا استعمال کیا جائے گا جیسے **اِیّاكَ ضربتُ** ایسا اس لیے ہے کہ ضمیر کا اتصال عامل کے آخر میں ہوتا ہے شروع میں نہیں ہوتا۔

دوسرا موقع یہ ہے کہ ضمیر متصل اور اس کے عامل کے درمیان کسی مقصد کے تحت فصل ہو۔ یعنی وہ مقصد ضمیر اور اس کے عامل کے درمیان فصل کے ساتھ ہی مشروط ہو پس اگر ضمیر اور اس کے عامل کے درمیان پائے جانے والے فصل کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو مقصود فوت ہوجاتا ہے پس ایسی صورت میں ضمیر مرفوع کو بجائے متصل لانے کے منفصل ذکر کیا جائے گا کیوں کہ انفصال اتصال کے منافی ہے اور ترک فصل سے مقصد فوت ہوجاتا ہے جیسے **ما ضربك الا انا** پس اس مثال میں فصل سے مقصود تخصیص ہے جو بصورت اتصال حاصل نہیں ہوسکتی۔

تیسرا موقع یہ ہے کہ ضمیر کا عامل محذوف ہوجائے جیسے **ایّاك والشر** کہ اصل میں ہے **اتق نفسك والشرّ** پس **اتق** تنگی مقام کی وجہ سے حذف کردیا گیا تو ضمیر کے متصل ذکر کرنے کا موقع بھی ختم ہوگیا کیوں کہ اتصال ملفوظ سے ہوتا ہے محذوف سے نہیں۔ پس جب وہ نہیں بچا کہ جس سے ضمیر متصل ہوتی تو اس کے متصل ذکر کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہ رہی، چنانچہ اس کو منفصلا **ایّاك** کی شکل میں ذکر کیا گیا۔

اور چوتھا موقع یہ ہے کہ ضمیر کا عامل بجائے لفظی کے معنوی ہوجائے تو بھی ضمیر متصل نہ ذکر کے منفصل ذکر کی جائے گی جیسے **انا زید** پس **انا** کا عامل معنوی ہے کیوں کہ وہ ترکیب میں مبتداء واقع ہے اور ضمیر کا اتصال عامل لفظی کے ساتھ ہوتا ہے عامل معنوی کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔

پانچواں موقع یہ ہے کہ عامل حرف ہو اور ضمیر مرفوع ہو جیسے **ما انت قائمًا** کہ **ما** عامل حرف اور ضمیر **انت** مرفوع ہے، کیوں کہ وہ اسم واقع ہے۔ لہٰذا ضمیر کو بجائے متصل لانے کے منفصل ذکر کیا، کیوں کہ ضمیر مرفوع قوی ہے اور حرف ضعیف ہے اور قوی کا اتصال ضعیف کے ساتھ عربوں کی لغت کے خلاف ہے۔

چھٹا موقع یہ ہے کہ ضمیر کی طرف ایسی صفت مسند ہو کہ جس کا حمل اس ذات کے علاوہ پر ہو جس کے لیے وہ صفت ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر ضمیر کو صفت سے منفصل کر کے علیحدہ ذکر نہ کریں تو بعض صورتوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔ جیسے زید، عمرو ضاربه هو. کہ اس مثال میں ضارب ایک صفت ہے کہ جس کی اسناد ضمیر کی طرف ہے اور اس کا حمل مَنْ لَهٗ کے علاوہ پر ہے اس لیے کہ صفت ضربْ اصلاً زید کے لیے ثابت ہے اور حمل عمرو پر ہے پس اگر ضمیر کو منفصل کے بجائے متصل ذکر کرتے تو ذہن اس طرف جا سکتا تھا کہ ضارب مثال مذکور میں بجائے زید کے عمرو کی صفت ہے، کیوں کہ وہی ضمیر سے قریب بھی ہے۔ پس جب بجائے متصل کے خلاف قیاس منفصل ذکر کیا گیا تو معلوم ہو جائے گا کہ پھر اس کا مرجع بھی خلاف قیاس عمرو نہیں بلکہ زید ہے پس صفت کا ثبوت بھی عمرو کے لیے نہیں بلکہ زید کے لیے ہے۔

واضح رہے کہ ایسے موقع پر اشتباہ بعض اوقات ہوتا ہے جیسا کہ مثال مذکور میں ہے باقی بعض اوقات صورتِ مذکورہ میں اشتباہ نہیں ہوتا جیسے کہ هند زيد ضاربتهٗ هي ہے کہ اس مثال میں اگر ضمیر ہی بجائے منفصل لانے کے متصل بھی ذکر کر دی جائے تو بھی یہ طے تھا کہ وہ ہند کی صفت ہے زید کی نہیں ہے۔ لیکن باب کی موافقت میں مطلق یہ حکم کر دیا گیا کہ جملہ ایسے موقعوں میں ضمیر متصل نہ لا کر منفصل لائے جائے گی۔

وَاِذَا اِجْتَمَعَ ضَمِيرَانِ وليس احدُهما مرفوعًا فَاِنْ كانَ احدُهمَا اَعْرَفَ وَقَدَّمْتَهٗ فلَكَ الخِيَارُ فِي الثّانى نحو اعطيتُكه واعطيتُكَ اياهُ وضربيكَ وضَربى ايّاك وإلاَّ فهو منفصلٌ نحو اعطَيتهُ اِياهُ واِيَّاكَ والمختارُ فى خبر باب كان الانفصالُ والاكثر لولا انت الٰى اٰخِرِهٖ وعَسَيتَ الٰى اٰخِرِها وجاء لولاك وعَسَاكَ الٰى اٰخِرِهما.

ترجمه:- اور جب دو ضمیریں جمع ہو جائیں درانحالیکہ دونوں میں سے کوئی مرفوع نہ ہو تو اگر ان میں سے کوئی ایک اعرف ہو دوسرے سے اور تم نے اس کو مقدم بھی کر دیا ہو تو تم کو ثانی میں اختیار ہے جیسے اعطيتُكَهٗ اور اعطَيتُكَ ايّاهُ وضَرْبِيك وضَربى اياك ورنہ وہ منفصل ہوگی جیسے اعطيتهٗ ايّاه اور ايّاكَ اور پسندیدہ باب کان میں انفصال ہے اور اکثر لولا انت الى آخره اور عسيت الى آخرها ہے اور لولاك اور عَسَاكَ آخر تک ہے۔

توضیح:- یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب دو ضمیریں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور دونوں میں سے کوئی بھی مرفوع نہ ہو تو اگر ان دونوں ضمیروں میں سے کوئی اعرف ہو بمقابلہ دوسرے کے اور اعرف کو آپ نے مقدم بھی کر دیا ہے تو ضمیر ثانی کے متصل اور منفصل لانے میں آپ کو اختیار ہے کہ چاہے اس کو متصل لائیں جیسے اعطيتكهٗ اور چاہے اس کو منفصل ذکر کریں جیسے اعطيتُك اياه اسی طرح ضَربيك اور ضربى اياك.

دونوں وجہوں کی گنجائش لفظ اور معنی دو اعتباروں کی وجہ سے ہے۔ اتصال اس اعتبار سے ہے کہ ضمیر اول کے ذریعہ فعل کے ساتھ اس کا فصل قابل لحاظ نہیں سمجھا گیا، کیوں کہ **اعطیتکہٗ** میں ضمیر خطاب کا اصلاً اتصال فعل کے ساتھ ہے تو ضمیر غائب مفعول کا انفصال ہی ہوا، لیکن اس کو متصل اس اعتبار سے کہا جارہا ہے کہ ضمیر خطاب مفعول کے ذریعہ ضمیر غائب مفعول کا فعل سے فصل قابل شمار نہیں یعنی گویا کہ کوئی فصل ہی نہیں، لہٰذا اس کا متصل ہونا ثابت ہوگیا۔

اور انفصال اس اعتبار سے ہے کہ فضلہ کے ذریعہ فصل پایا جارہا ہے جیسے **اعطیتُك ایاہٗ** .

اب قیدوں کا فائدہ سمجھئے پہلی قید یہ ہے کہ دونوں ضمیروں میں سے کوئی بھی مرفوع نہ ہو، کیوں کہ اگر کوئی مرفوع ہوئی تو پھر ضمیر ثانی میں فصل متحقق نہ ہوگا اس لیے کہ ضمیر مرفوع بمنزلۂ فعل کے جزء کے ہے لہٰذا گویا یوں ہوگیا کہ ضمیر مرفوع اور فعل میں کوئی فصل ہی نہیں۔ لہٰذا ضمیر ثانی کا اتصال ضروری ہے جیسے **اکرمتك**.

دوسری قید ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اعرف ہو بمقابلہ دوسرے کے اس لیے اگر دونوں میں کوئی اعرف ہونے کے بجائے دونوں مساوی ہوں تو پھر ثانی کا منفصل ہونا واجب ہوگا، تاکہ دو متساویان میں سے ایک کی دوسرے پر تقدیم بلا مرجح لازم نہ آئے جیسے **اعطاھا ایاھا** .

تیسری قید ہے کہ آپ نے ضمیر اعرف کو مقدم بھی کر رکھا ہو اور اگر اس کے خلاف ہو یعنی ضمیر اعرف مؤخر ہو جیسے **اعطیتہ ایاك** میں پس ضمیر خطاب بمقابلہ ضمیر غائب کے اعرف ہے، لہٰذا صورت مذکورہ میں انفصال واجب ہے، تاکہ اعرف کا مؤخر کرنا لازم نہ آئے، کیوں کہ اگر متصل لایا جاتا ہے اور **اعطیتیھوك** کہا جاتا ہے تو ضمیر اعرف مؤخر ہو جاتی ہے جو خلاف اصل ہے پس اس سے بچاؤ کے لیے اس کو منفصل لانا ہی ضروری ہے، کیوں کہ صورۃً متکلم اعرف کو مؤخر لانے سے معذور ہے اور شروع ہی وہلہ سے اس کو خلاف اصل منفصل لانے میں کوئی طعن اور عیب نہیں ہے۔

اب سنیئے مصنف نے قاعدۂ مذکورہ کی دو مثالیں دی ہیں یہ بتانے کے لیے کہ وہ دونوں ضمیریں جو غیر مرفوع جمع ہورہی ہیں وہ دونوں منصوب بھی ہوسکتی ہیں جیسا کہ مثال اول میں ہے اور دونوں میں سے ایک منصوب اور دوسری مجرور بھی ہوسکتی ہیں جیسا کہ مثال ثانی میں ہے کہ پہلی ضمیر مجرور اور دوسری منصوب ہے۔

و الا فھو منفصل: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کوئی بھی اعرف نہ ہو بلکہ مساوی درجہ کی ہوں یا کوئی ایک اعرف تو ہے لیکن اعرف بجائے مقدم ہونے کے مؤخر ہے تو ضمیر ثانی کا منفصل لانا ضروری ہے۔ تاکہ صورت اول میں مساوی درجہ کی ضمیروں میں سے ایک کی دوسرے پر تقدیم بلا مرجح کلمۂ واحدہ میں لازم نہ آئے اور ثانی میں اضعف کی اقوی پر کلمہ واحدہ میں تقدیم نہ ہو جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا

گیا۔اول کی مثال **اعطیته ایاہ** کہ دونوں ضمیر غائب ہیں اور ثانی کی مثال **اعطیته ایاك** ہے اس میں ہر چند ضمیر ثانی خطاب کی ہے جو غائب یعنی ضمیر اول سے اعرف ہے لیکن مقدم نہ ہو کر مؤخر ہے۔

والمختار فی خبر باب کان الانفصال: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کان کی خبر ضمیر ہو تو اس کو متصل اور منفصل دونوں طرح ذکر کیا جا سکتا ہے متصل تو اس لیے کہ وہ مرفوع کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے مفعول کے مشابہ ہے، کیوں کہ مفعول، مرفوع یعنی فاعل کے بعد واقع ہوتا ہے اور یہ بھی مرفوع یعنی اسم کان کے بعد واقع ہے اور مفعول کی ضمیر واجب الاتصال ہوتی ہے، اس لیے متصل بھی ذکر کر سکتے ہیں۔اور منفصل بھی لا سکتے ہیں، کیوں کہ یہ فی الاصل مبتداء کی خبر ہے، کیوں کہ کان کا اسم وخبر حقیقتاً مبتداء اور خبر ہوتے ہیں اور مبتداء کی خبر واجب الانفصال ہوتی ہے، کیوں کہ اس کا عامل معنوی ہوتا ہے۔

پس ضمیر کا اتصال اور انفصال دونوں جائز ہے، لیکن انفصال اولیٰ ہے، کیوں کہ اصل کی رعایت بمقابلہ مشابہت کے اولیٰ ہے۔اول کی مثال **کنته** اور ثانی کی مثال **کنت ایاہ**۔

والاکثر لولا انت: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عموماً **لولا** کے بعد ضمیر مرفوع منفصل استعمال ہوتی ہے، کیوں کہ **لولا** کا مابعد مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہوتی ہے اور مبتداء واجب الانفصال ہے، کیوں کہ اس کا عامل معنوی ہوتا ہے، جب کہ ضمیر کا اتصال عاملِ لفظی کے ساتھ ہوتا ہے۔

پوری گردان یوں ہوگی **لولا انت، لولا انتما، لولا انتم، لولا انتِ، لولا انتما، لولا انتنّ، لولا هو، لولاهما، لولاهم، لولاها، لولاهما، لولاهُنَّ، لولا انا، لولا نحن.**

وعسیت الی آخرها: اور **عسی** کے بعد ضمیر مرفوع متصل استعمال ہوتی ہے اس لیے کہ عسیٰ کا مابعد فاعل ہوتا ہے اور فاعل واجب الاتصال ہے پوری گردان اس طرح ہے **عَسیتُ، عَسیتُما، عسیتم، عسیتِ، عسیتما، عسیتنَّ، عساہ، عساهما، عَساهُنَّ، عسیت، عسینا.** **مصنف** نے یہاں سابقہ طریقہ کے برخلاف گردان بجائے متکلم کے مخاطب سے شروع کی ہے یہ بتانے کے لیے کہ اس طرح بھی گردان درست ہے۔

وجاء لولاك: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں **لولا** کبھی ضمیر مجرور متصل کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، اسی طرح **عسٰی** کبھی منصوب متصل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔دونوں کی گردان یوں ہے۔ **لولاك، لولاکما، لولاکم، لولاكِ، لولاکما، لولاکنّ، لولاہ، لولاهما، لولاهم، لولاها، لولاهما، لولاهُنَّ، لولای، لولانا.**

عساك، عساکما، عساکم، عساكِ، عساکما، عساکن، عساہ، عساهما، عساهم، عساها، عساهما، عساهُنّ، عسای، عَسانَا.

معلوم ہو کہ لولا اور عسی میں دو مذہب ہیں اخفش اور سیبویہ کا۔ اخفش کا مسلک یہ ہے کہ مابعد لولا ضمیر مجرور ہے جو ضمیر مرفوع کی جگہ میں مستعمل ہے، کیوں کہ ضمائر ایک دوسرے کی جگہ میں استعمال ہو جاتی ہیں جیسے انا کانت. (کہ میں آپ کی طرح ہوں) میں ضمیر مرفوع، ضمیر مجرور کی جگہ استعمال ہو گئی ہے۔

اور سیبویہ کا کہنا یہ ہے کہ لولا اس جگہ حرف جار ہے اور اس کا مابعد مجرور ہے، لہٰذا وہ اپنی جگہ ہی مستعمل ہے۔

اور عسی کے سلسلے میں اخفش کا کہنا یہ ہے کہ مابعد عسی ضمیر منصوب ہے جو ضمیر مرفوع کی جگہ میں واقع ہے۔ اور سیبویہ کا کہنا یہ ہے کہ عسی فعل کے معنی میں ہے، کیوں کہ دونوں کے معنی قریب ہیں اور عسی کا مابعد منصوب ہے جو اپنی جگہ میں ہی مستعمل ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ اخفش معمول میں تصرف کے قائل ہیں، چنانچہ وہ اول میں ضمیر مجرور اور ثانی میں ضمیر منصوب کو ضمیر مرفوع کی جگہ میں واقع مانتے ہیں اور سیبویہ عامل میں ہی تصرف کے قائل ہیں۔

ونونُ الوقايةِ مع الياء لازِمةٌ في الماضي وفي المضارعِ عريًّا عن نونِ الاعرابِ وانت مع النون فيهِ ولدُن وانّ واخواتها مخيّرٌ ويختارُ في ليتَ ومِن وعَن وقد وقطّ وعكسها لعلَّ.

ترجمہ:- اور نونِ وقایہ یائے متکلم کے ساتھ ماضی میں لازم ہے اور مضارع میں درانحالیکہ وہ نونِ اعرابی سے خالی ہو۔ اور تو نونِ اعرابی کے ساتھ مضارع میں لدن اور اِنّ اور اس کے اخوات میں مختار ہے۔ اور لیت اور مِن اور عن اور قد اور قط میں نون وقایہ مختار ہے اور اس کا الٹا لعل ہے۔

توضیح:- یہاں سے نونِ وقایہ کا موقع استعمال بتا رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ نون وقایہ کا استعمال یائے متکلم کے ساتھ فعل ماضی میں لازم اور ضروری ہے، تا کہ ماضی کا آخر اس کسرہ سے محفوظ رہے جو اخت جر ہے کہ جو اسم کے ساتھ مخصوص ہے اس مناسبت سے اس نون کا نونِ وقایہ نام بھی رکھا گیا۔ جیسے ضَربَني، اكرَمني.

نیز نون وقایہ مضارع میں بھی لازم ہے بشرطیکہ مضارع نون اعرابی سے خالی ہو، تا کہ مضارع کا آخر اس کسرہ سے محفوظ رہے۔

وانت مع النون: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب مضارع نونِ اعرابی کے ساتھ ہو تو نون وقایہ کے لانے اور نہ لانے کے سلسلے میں اختیار ہے جیسے تضربانني ، تضربونني لانے کی وجہ سے تو وجہ سابق ہے یعنی آخر مضارع کا کسرے سے محفوظ رکھنا، اور ترک کی اس لیے اجازت ہے کہ چوں کہ نون اعرابی موجود ہے، لہٰذا نون وقایہ کا مطلب اس سے حاصل ہو جائے گا لہٰذا اس کی کوئی ضرورت نہ رہی نیز اجتماع

نونات سے گریز کے لیے بھی۔

اسی طرح لدُن میں بھی نون وقایہ کے لانے اور ترک دونوں کی اجازت ہے، نون وقایہ کا اثبات محافظت سکون اور حفاظت بناء کی وجہ سے ہے اور حذف اس کے سہ حرفی اسم ہونے کی وجہ سے اسی طرح اِنّ، اَنّ، کأنّ، لکنّ، لیت میں اثبات اور حذفِ نون وقایہ دونوں کی گنجائش ہے اثبات نون وقایہ تو اس لیے ہے کہ یہ حروف فعل کے مشابہ ہیں، لہٰذا جیسے فعل میں نون وقایہ کا لحوق صحیح ہے اسی طرح جو اس کے مشابہ ہو اس میں بھی درست ہے۔

اور حذف تو اس لیے درست ہے کہ کئی نونات کا اجتماع پسندیدہ نہیں، چنانچہ شروع کے چار حروف میں کئی نونات کا اجتماع ہو جاتا ہے البتہ اخیر کے دو یعنی لیت اور لعل میں بصورت لحوق حقیقتاً اگرچہ کئی نونات کا اجتماع نہیں ہوتا ہے لیکن حکماً ایسا ہی ہے اس لیے کہ یہ آخر کے دو شروع کے چار پر محمول ہیں۔

ویختار فی لیت: اب اس کا حاصل یہ ہے کہ لیت میں بھلے نون وقایہ کا حذف درست ہے، لیکن نون وقایہ کا اثبات پسندیدہ ہے، کیوں کہ فعل کے ساتھ مشابہت بھی رکھتا ہے نیز لحوق کی صورت میں نونات کا حقیقتاً اجتماع بھی نہیں پس اخوات پر محمول کرنا خلاف اصل ہے۔

نیز مِن اور عَن اور قد اور قط میں بھی لحوق نون مختار ہے، تاکہ محافظت علی السکون حاصل رہے جو کہ بناء میں اصل ہے۔ اور لعلّ میں ترکِ نون وقایہ مختار ہے، کیوں کہ لامات کے تکرار اور کثرت حروف کی وجہ سے اس میں ثقل ہے۔

وَيَتوسَّطُ بَيْنَ الْمُبتَدَاءِ والخبرِ قَبلَ العَوامِلِ وبعدهَا صيغةُ مرفوع منفصلٍ مطابقٍ للمُبتداءِ ويُسمّٰى فصلاً لِيُفصِلَ بين كونه خبرًا ونعتًا وشرطهُ ان يكونَ الخبرُ معرفةً او افعَلَ من كذا مثل كان زيدٌ هو افضلُ من عمرٍو ولا موضِعَ له عند الخليلِ. وبعضُ العرب يَجعلُهُ مبتداءً وما بعده خبرَهُ .

ترجمہ:- مبتدا اور خبر کے درمیان عوامل سے پہلے اور ان کے بعد صیغۂ مرفوع منفصل واقع ہوتا ہے جو مبتدا کے مطابق ہوتا ہے اور اس کا نام فصل رکھا جاتا ہے، تاکہ وہ اس کے خبر اور صفت ہونے کے درمیان فرق کر دے، اور اس کی شرط یہ ہے کہ خبر معرفہ ہو یا اسم تفضیل مستعمل بمن ہو جیسے کان زید هو افضل من عمرو اور اس کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے خلیل کے نزدیک اور بعض عرب اس کو مبتداء اور اس کے مابعد کو اس کی خبر قرار دیتے ہیں۔

توضیح:- یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مبتدا اور خبر کے درمیان اس پر عامل کے دخول سے پہلے اور عامل کے دخول کے بعد صیغہ مرفوع منفصل واقع ہوتا ہے جو مفرد اور تثنیہ اور جمع نیز تذکیر تانیث متکلم،

خطاب اور غیبت میں مبتداء کے مطابق ہوتا ہے تا کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت باقی رہے۔

اب سمجھئے کہ مبتداء اور خبر پر کون سے عاملِ لفظی داخل ہوسکتے ہیں تو وہ کان اور اس کے اخوات، انّ اور اس کے اخوات ہیں نیز علمت اور اس کے اخوات ہیں ما اور لا المشبهتين بليس بھی داخل ہوتے ہیں، کیوں کہ یہ افعال اور حروف درحقیقت مبتدا اور خبر پر ہی داخل ہوتے ہیں البتہ اتنا ہے کہ ان کے دخول کے بعد عامل بجائے معنوی ہونے کے لفظی ہوجاتا ہے اور ان کا نام مبتدا ہونے کے بجائے اسم وخبر اور مفعول اول وثانی ہوجاتا ہے۔

اب مثالیں سنیئے کسی طرح کے عامل کے داخل ہونے سے پہلے کی مثال جیسے زید هو القائم ہے کہ زید پر کوئی عامل لفظی داخل نہیں ہے اور زید اور اس کی خبر کے بیچ میں ضمیر فصل لے آئے ہیں جو القائم کے خبر اور صفت ہونے کے درمیان فرق کر رہی ہے، کیوں کہ القائم میں معرفہ ہونے کی وجہ سے خبر اور صفت دونوں ہونے کی صلاحیت موجود ہے پس ضمیر فصل کے دخول سے پہلے سامع کو اس کے صفت ہونے اور خبر ہونے دونوں کا شبہ ہوسکتا تھا، لیکن ضمیر فصل کے آنے کے بعد صفت ہونے کا شبہ جاتا رہا، کیوں کہ موصوف اور صفت میں فصل نہیں ہوا کرتا۔ كنت انت الرقيب دخول عامل یعنی کان کے داخل ہونے کے بعد اسم وخبر کے درمیان ضمیر فصل یعنی انت کے لانے کی مثال ہے۔ إنه هو الغفور الرحيم حرف مشبہ بالفعل کی مثال ہے۔ اور علمت زيد هو القائم، علمت اور اس کے اخوات کی مثال ہے۔ مازيد هو الكريم مشابہ بلیس کی مثال ہے۔ مصنف نے صیغہ مرفوع منفصل کہا، ضمیر مرفوع منفصل نہیں کہا اس لیے کہ ضمیر فصل کے ضمیر ہونے میں اختلاف ہے۔

ویسمی فصلاً: اور اس ضمیر کا نام ضمیر فصل ہے، کیوں کہ یہ نعت اور خبر کے درمیان فرق کر دیتی ہے، بشرطیکہ ضمیر کا مابعد خبر اور نعت دونوں ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے اور اگر ضمیر کے ماقبل میں مبتداء اور موصوف اور اس کے مابعد میں خبر اور صفت دونوں ہونے کا احتمال نہ ہو تو بھی ضمیر فصل کا لانا جائز ہے تا کہ ضمیر کے وقوع میں توسیع ہوجائے۔ اب دونوں احتمال کا نہ ہونا خواہ اعراب مختلف ہونے کی وجہ سے ہو جیسے کان زیدٌ ہوالقائم کہ زید کان کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور القائم خبر کان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے پس صفت ہونے کا احتمال نہیں رہا، کیوں کہ موصوف صفت کے اعراب میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔ اور خواہ مبتدا کے ضمیر ہونے کی وجہ سے ہو جیسے كنت انا هو المجاهد پس جب مبتداء ضمیر ہوجائے تو مبتداء کے موصوف اور خبر کے صفت ہونے کا احتمال ختم ہوجاتا ہے، کیوں کہ ضمیر نہ موصوف ہوتی ہے اور نہ ہی صفت۔ بلکہ اس کا مبتداء اور اس کے مابعد کا خبر ہونا متعین ہے۔

وشرطه ان يكون معرفة: مبتداء اور خبر کے درمیان ضمیر فصل لانے کی شرط یہ ہے کہ خبر معرفہ ہو یا

خبر اسم تفضیل ہو جو من کے ساتھ مستعمل ہو، کیوں کہ اسم تفضیل مستعمل بِمِنْ لام تعریف کے اس پر دخول کے ممتنع ہونے کی وجہ سے معرفہ کے ہی حکم میں ہے، کیوں کہ معرفہ پر لامِ تعریف کا دخول منع ہوتا ہے اسی طرح اس پر بھی منع ہے۔

خبر کا معرفہ یا اسم تفضیل مستعمل بِمِنْ ہونا اس لیے شرط ہے کہ ضمیر فصل دفع اشتباہ کے لیے ہوتی ہے اور اشتباہ کا تحقق خبر کے معرفہ ہونے کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔

ولا موضع له: خلیل کہتے ہیں ضمیر فصل کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے جب کہ بعض عرب ضمیر فصل کا استعمال بحکم نحاۃ مبتداء اور اس کے مابعد کا خبر کے طور پر کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ضمیر فصل کا مابعد مرفوع ہے تو خود وہ مبتداء ہوگی اور اگر اس کا مابعد منصوب ہو تو وہ ضمیر الفصل کہلائے گی۔

ویتقدم قبلَ الجملة ضمیر غائبٌ یسمّٰی ضمیر الشان والقصةِ یُفسَرْ بالجملة بعدَهٗ ویکون منفصلًا ومتصلاً، مستترا وبارزا علی حَسَبِ العوامل نحو ھو زیدٌ قائمٌ و کان زیدٌ قائمٌ وانه زید قائمٌ وحذفه منصوبا ضعیفٌ الا مَعَ اَنْ اذا خُفِفتْ فانه لازمٌ.

ترجمہ:- اور جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے جس کا نام ضمیر شان اور ضمیر قصہ رکھتے ہیں جس کی اس کے بعد واقع ہونے والے جملہ سے تفسیر کی جاتی ہے اور وہ ضمیر منفصل اور متصل، مستتر اور بارز ہر طرح عوامل کے مطابق ہوتی ہے جیسے **ھو زید قائمٌ** اور **کان زید قائمٌ** و **انه زید قائمٌ** اور اس ضمیر کا حذف درانحالیکہ منصوب ہو ضعیف ہے، مگر یہ کہ وہ ضمیر ان مخففہ من المثقلہ کے ساتھ ہو تو لازم ہے۔

توضیح:- سب سے پہلے معلوم ہو کہ **یتقدم** کے بعد قبل کا لانا تاکید کے لیے ہے، کیوں کہ ضمیر کا مرجع پر مقدم ہونا غیر معہود ہے۔

اب سماعت فرمائیں کہ جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے جس کا نام اس ضمیر کے مذکر ہونے کی صورت میں ضمیر شان رکھا جاتا ہے اور مؤنث ہونے کی صورت میں اسے ضمیر قصہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ ضمیر کے بعد واقع ہونے والا جملہ یا تو مذکر کی حالت بیان کرے گا یا مؤنث کی، یا دونوں کی۔ اول ضمیر شان ہے جیسے **ھو اسامة مجاھد** اور ثانی ضمیر قصہ ہے جیسے **ہی فاطمة ذکیة** اور ثالث یا تو عمدہ اس میں مذکر ہوگا یا مؤنث صورت اول میں ضمیر شان جیسے **ھو ضرب زید ھندا** اور ثانی قصہ ہے جیسے **ھی ضربت ھندزیدًا**، کہ جس کی تفسیر اس ضمیر کے بعد واقع ہونے والے جملہ سے کی جاتی ہے۔

آسانی کے لیے پورا قاعدہ سن لیجیے کہ جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے اس کی تفسیر ایسے جملہ سے کی جاتی ہے جو اس ضمیر کے بعد واقع ہوتا ہے۔ جملہ ضمیر کا مفسر اس لیے ہوتا ہے کہ اس ضمیر میں ابہام ہوتا

ہے اور یہ ضمیر باب ضمائر کے خلاف ہے اور تعظیم قصہ کی غرض سے اس کو نحویوں نے وضع کیا ہے، اس لیے کہ کسی بات کو مبہم ذکر کرنا پھر اس کی تفسیر لانا دل میں بہ نسبت اس کے زیادہ وقعت پیدا کرتا ہے کہ اس بات کو شروع ہی سے تفسیر کے ساتھ بیان کیا جائے۔

ویکون منفصلاً: اس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر شان اور ضمیر قصہ حسب عامل منفصل بھی ہوگی اور متصل مستتر بھی اور ضمیر بارز بھی ہوگی، یعنی جیسا عامل ہوگا ویسی ضمیر ہوگی، اس لیے کہ اس کا عامل یا تو اتصال کی صلاحیت رکھتا ہوگا یا نہیں ثانی منفصل ہے اور اول یا تو ضمیر کے استتار کے قابل ہوگا یا نہیں تو اول مستتر ہے اور ثانی بارز جیسے **هو زيد قائم** یہ ضمیر شان کے منفصل ہونے کی مثال ہے، کیوں کہ وہ متبدا ہے اور مبتدا کا عامل معنوی ہوتا ہے جب کہ ضمیر کا اتصال عامل لفظی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور **كان زيد قائم** یہ ضمیر متصل مستتر کی مثال ہے، کیوں کہ ضمیر شان کا عامل فعل ہے اور خود ضمیر مرفوع ہے پس ضمیر غائب مرفوع مفرد کا فعل میں بلا فصل استتار واجب ہے۔

اور **انّه زيد قائم** یہ ضمیر بارز کی مثال ہے، کیوں کہ ضمیر شان منصوب ہے اور اس کا عامل حرف ہے اور حرف میں ضمیر کا استتار ناممکن ہوتا ہے اور جیسے ظننته زید قائم کہ اس میں ضمیر شان متصل بارز ہے، کیوں کہ ضمیر منصوب بھلے اس کا عامل فعل ہو اس کا استتار نہیں ہوسکتا۔

وحذفه منصوباً: اس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر شان اور قصہ جب منصوب ہو تو اس کا ضعف کے ساتھ حذف کرنا جائز ہے، منصوب کی قید سے مرفوع نکل گیا کیوں کہ ضمیر مرفوع عمدہ ہوتی ہے اور اس کا حذف کرنا بغیر قائم مقام کے درست نہیں اور منصوب ہونے کی صورت میں حذف اس لیے جائز ہے کہ وہ فضلہ کی صورت پر واقع ہے اور فضلہ کا حذف درست ہوتا ہے لہٰذا اس کا بھی حذف درست ہوگا۔

اور ضعف کے ساتھ اس لیے ہے کہ ایسی ضمیر جو کہ مراد ہے اس کا بغیر کسی دلیل کے لفظوں سے حذف ہو رہا ہے یعنی ایسی ضمیر جس کا حذف صرف لفظوں سے ہوگا نیت میں بعد الحذف بھی ہوگی اس کا حذف ہو رہا اور کوئی دلیل اس کے وجود پر دلالت کرنے کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ خبر مستقل کلام ہے اور رابط بھی اس میں نہیں کہ جو حذفِ ضمیر پر دال ہو۔ جیسے **ان مَن يدخل الكنيسة يوماً ÷ يلق فيها جاذرا وظباء.** کہ اصل میں انه ضمیر کے ساتھ تھا، شعر کا ترجمہ ہے کہ دن گر جا گھر میں جائے گا تو اس کی ملاقات نیل گائے کے بچوں یا ہرنوں سے ہوگی۔

الا مع ان اذا خففت: البتہ اگر ضمیر شان منصوب اَن مخففہ من المثقلہ کے ساتھ ہو تو پھر وہ ضمیر لازم الذکر ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وآخر دعواهم ان الحمد لله رب العالمين** ایسا اس لیے ہے کہ اِنْ مخففہ مکسورہ من المثقلہ کا اعمال بعد التخفیف بھی نثر کلام میں موجود ہے جیسے **وَاِنْ كُلًّا لَمَّا**

لَيُوَفِّيَنَّهُمْ جب کہ اَن مفتوحہ کا اعمال بعد التخفیف نثر کلام میں نہیں ہے پس لوگوں نے اس کے اعمال کو ضمیر شأن میں فرض کرلیا تاکہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے کیوں کہ اگر ضمیر شأن اَن مفتوحہ مخففہ من المثقلہ کا اعمال فرض نہ کیا جاتا تو یہ غیر مناسب بات ہوتی کہ جس کی فعل سے زیادہ مشابہت ہے وہ تو محروم اعمال رہے اور کم مشابہت والا بازی لے جائے۔

اسماءُ الاشارة ما وُضِعَ لِمُشَارٍ اليه وهي ذَا للمذكر ولمثناه ذَان وذَينِ وللمؤنث تا وذِيْ وتي وتِهْ وذِهْ وتهي وذِهي ولمثنّاهُ تانِ وتَينِ ولجمعها اولآءِ مَدًّا وقصرًا ويلحقُها حرفُ التنبيه ويَتّصِلُ بِهَا حرفُ الخطابِ وهي خمسةٌ فِي خمسَةٍ فيكونُ خمسةً وعِشرين وهي ذاكَ الٰى ذاكنَّ وذَانِكَ الٰى ذانِكن وكذلك البواقي.

ترجمه:- اسمائے اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ کے لیے وضع کیا گیا ہو اور وہ ذا مذکر کے لیے آتا ہے۔ اور اس کی تثنیہ ذان اور ذین ہے۔ اور مؤنث کے لیے تَا اور ذِیْ اور تِیْ اور تِهْ اور ذِهْ اور تهي اور ذِهي آتا ہے۔ اور اس کی تثنیہ کے لیے تان اور تَین ہے اور ان دونوں کی جمع کے لیے اولآء مد اور قصر (دونوں طرح) استعمال ہے اور لاحق ہوتا ہے اسم اشارہ کو حرف تنبیہ اور متصل ہوتا ہے اس کے ساتھ حرف خطاب اور وہ پانچ، پانچ میں ہیں پس وہ پچیس ہو گئے اور وہ ذاك سے ذاكن تک اور ذانك سے ذانكن تک اور اسی طرح باقی کلمات۔

توضیح:- اسم اشارہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی وضع مشار الیہ کے لیے اشارۂ حسیہ کے طور پر کی گئی ہو خواہ یہ اشارۂ حسیہ جوارح اور اعضاء سے حقیقتاً ہو اور خواہ حکماً ہو۔

اشارۂ حسیہ کی قید سے ضمیر غائب اور لام عہد ذہنی سے احتراز ہو گیا کیوں کہ ہر چند ان کی وضع مشار الیہ کے لیے ہی ہوتی ہے، لیکن اشارۂ ذہنیہ کے طور پر ہوتی ہے اور اشارہ حسیہ کے تعیم الی الحکمی کی وجہ سے ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ جیسی مثالیں اسم اشارہ کی تعریف سے خارج نہیں ہوں گی کیوں کہ اللّٰه ہر چند غیر محسوس ہے لیکن خوب اچھی طرح اہل ایمان کے اذہان میں خدا کا تصور جا گزیں کرنے کے لیے محسوس کے مرتبہ میں کرلیا گیا ہے پس اللہ کی طرف اشارہ اگرچہ حقیقتاً نہیں ہے لیکن حکماً اشارۂ حسّی ہے۔

وهي ذا: یہاں سے اسم اشارہ کے تعدد کی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ذا مذکر واحد کے لیے مستعمل ہوتا ہے خواہ عاقل ہو یا غیر عاقل۔ اور ذا کا تثنیہ حالت رفعی میں ذَان اور حالت نصبی میں ذَينِ استعمال ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ ذَان اور ذَينِ کا اختلاف اسی طرح تَان اور تَين کا اختلاف عوامل کے اختلاف کی وجہ سے نہیں ہے جس کی وجہ سے انھیں معرب کہا جائے بلکہ یہ اختلاف وضع کی وجہ سے ہے کہ تثنیہ مرفوع کے لیے ذَانِ اور تَانِ کی وضع ہوئی اور تثنیہ منصوب اور مجرور کے لیے ذَين اور تَينِ کی وضع

ہوئی۔ پس جب اس اختلاف کی بنیاد عوامل کے اختلاف کے بجائے وضع کا اختلاف ہے لہٰذا ان کا مبنی ہونا صحیح ہے۔ کیوں کہ علت بناء ان میں موجود ہے اور واحد مؤنث کے لیے تا اور ذِیْ اور تِیْ اور تِہٖ اور ذِہٖ اور تِھِیْ اور ذِھِیْ مستعمل ہوتے ہیں۔ یہ سارے الفاظ ذا سے بنے ہیں چنانچہ ذا کے ذال کو تا سے بدل دیا تو تَا ہو گیا اور ذال کو بدلے بغیر اس کے الف کو یا سے بدل دیا تو ذِی ہو گیا اور الف کو جب ہاء سے بدلا تو ذِہٖ ہو گیا اور جب ذال کو تاء سے اور الف کو یا سے بدلا تو تِیْ ہو گیا اور جب ذال کو تا سے اور الف کو ہاء سے بدلا تو تِہٖ ہو گیا اور جب آخر میں دونوں بدلین کو جمع کر دیا تو تِھِیْ اور ذِھِی ہو گیا۔

خیر: وہ کلمات جو واحد مؤنث کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان سب میں اصل تا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ تثنیہ ان کلمات میں سے صرف تا سے تانِ اور تَینِ آتا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اصل تا ہی ہے اس کے برعکس ایک قول یہ ہے کہ اصل ذی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ ذا مذکر کے مقابلہ میں ہے پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب ذا واحد مذکر کے لیے ہے تو ذی واحد مؤنث کے لیے ہو۔ اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ تا اور ذی دونوں مؤنث کے لیے ہونے میں اصل ہیں کیوں کہ یہ دونوں بقیہ کلمات مؤنث پر مقدم ہیں۔ اور واحد مؤنث کی تثنیہ تان اور تین آتی ہیں۔

اور مذکر اور مؤنث کی جمع اولآء مد اور قصر دونوں طرح استعمال ہوتی ہے یعنی اسم اشارہ مذکر اور مؤنث کی جمع ممدود اور مقصور دونوں طرح مستعمل ہے اول کی مثال اولآء اور ثانی کی مثال اولیٰ۔

ویلحقها حرف التنبیه: سب سے پہلے معلوم ہو لحوق یہاں دخول کے معنٰی میں ہے، کیوں کہ لحوق کسی چیز کے شروع کے بجائے آخر میں ہوتا ہے۔ عبارت کا ما حصل یہ ہے کہ مخاطب کو اولاً متنبہ کرنے کے لیے شروع اسمائے اشارہ میں ہاء تنبیہ کا دخول ہوتا ہے کیوں کہ مناسب بات یہی ہے کہ مخاطب پہلے متنبہ کیا جائے پھر کسی چیز کی طرف اس کو اشارہ کیا جائے جیسے ذا سے هٰذا، ذان سے هٰذان، تا سے هاتا، اور اولاء سے هٰؤلاء.

ویتصل بها حرف الخطاب: اسمائے اشارہ کے ساتھ یعنی آخر میں حرف خطاب بھی متصل ہوتا ہے، تاکہ مخاطب کا مفرد، تثنیہ اور جمع ہونا نیز مذکر اور مؤنث ہونا معلوم ہو جیسے ذاك، ذانكما، اور تاك، تانكما اور اولئك.

اور حرف خطاب پانچ ہیں، کَ، کُما، کُم، کِ، کُنَّ قیاس کا تقاضہ تو چھ حروف کا تھا لیکن چوں کہ تثنیہ مذکر اور مؤنث دونوں کا مشترک ہے لہٰذا پانچ حروف ہی بچے۔ اور اسماء اشارہ بھی پانچ ہیں ذا اور ذان تا اور تان اور اولاء پس پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے اسم اشارہ کی پچیس قسمیں حاصل ہوگئیں۔

اوروہ حسب ذیل ہیں۔

اسم اشارہ واحد مذکر	ذَاكَ، ذاكما، ذاكم، ذاكِ، ذاكن
اسم اشارہ تثنیہ مذکر	ذانكَ، ذانكما، ذانكم، ذانكِ، ذانكن.
اسم اشارہ واحد مؤنث	تاكَ، تاكما، تاكم، تاكِ، تاكنّ.
// // //	ذِيكَ، ذِيكما، ذِيكم، ذيكِ، ذيكن.
اسم اشارہ تثنیہ مؤنث	تانكَ، تانكما، تانكم، تانكِ، تانكن.

اسم اشارہ جمع مذکراور مؤنث، اولئك، اولئكما، اولئكم، اولئكِ، اولكن.

تثنیہ مذکراور مؤنث کی رفعی حالت پر نصبی اور جری کو قیاس کر لیجیے جیسے ذینك اور تینك. اسی طرح جمع بالقصر پر جمع کو قیاس کر لیجیے جیسے اولائك.

ويُقالُ ذا للقريبِ وذَالك للبعيدِ وَذاكَ للمُتوسّطِ وتلك وتانِّكَ وذانِّك مشدّدتين واولا لك مثل ذالك واما ثَمّ وهُنا وهَنّا فَلِلْمكانِ خاصّةً.

ترجمہ:- اور کہا جاتا ہے کہ ذا اسم اشارہ، مشار الیہ قریب کے لیے ہے اور ذالك مشار الیہ بعید کے لیے ہے اور ذاك متوسط کے لیے اور تلك اور تانّك اور ذانّك درانحالیکہ دونوں مشدد ہوں اور اولالِك، ذالك کی طرح بعید کے لیے ہیں اور بہرحال ثم اور هُنا اور هِنّا تو بطور خاص مکان کے لیے ہیں۔

توضیح:- ذا مشار الیہ قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے کہ قلت حروف، قلت مسافت پر دال ہیں اور ذالك مشار الیہ بعید کے لیے مستعمل ہوتا ہے، اس لیے کہ حروف کی کثرت مسافت کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔ اور ذاك متوسط کے لیے ہے، کیوں کہ ذاك کے حروف ذا اور ذالك کے حروف کے درمیان ہیں پس وہ درمیانی مسافت پر دال ہیں۔

اب ایک سوال البتہ ہے کہ قیاس کا مقتضی تو یہ تھا کہ قریب کے بعد اور بعید سے پہلے اسم اشارہ متوسط کا بیان ہوتا لیکن مصنف نے بعید سے مؤخر کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ توسط کا مؤخر کرنا اس لیے ہے کہ متوسط کا ثبوت قریب اور بعید کے ثبوت کے بعد ہی ممکن ہے۔

اور تلك اور تانّك اور ذانّك تشدید کے ساتھ اور اولالك لام کے ساتھ ذالك کی طرح بعید کے لیے ہی مستعمل ہوں گے اور تاك اور تانِك اور ذانك بغیر تشدید اور اولاك بغیر لام کے متوسط کے لیے استعمال ہوں گے اور جو کلمات متوسط کے لیے ہیں حرف خطاب کے حذف کے بعد وہ قریب کے لیے استعمال ہونے لگتے ہیں۔

واما ثم: عام اسمائے اشارہ زمان اور مکان دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں البتہ ثم جو ثائے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ اور هُنا جو کہ ہاء کے ضمہ اور نون کے غیر مشددہ کے ساتھ ہے اور هَنّا جو کہ ہاء کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے، یہ استعمال اکثری ہے ورنہ ہاء کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ یہ تینوں کلمات خاص طور سے مکان کے لیے ہی مستعمل ہوتے ہیں الآ یہ کہ برائے تشبیہ مجازاً زمان کے لیے بھی استعمال ہو جاتے ہیں جیسے هُنالك الولاية لله الحق پس یہاں هُنا مجازاً زمان کے لیے ہے جو یومئذ کے معنی میں ہے جیسا کہ کبھی زمان کو مجازاً مکان کے ساتھ تشبیہ دے دی جاتی ہے پھر اس کا استعمال مکان کے معنی میں ہوتا ہے جیسے مواقیت الاحرام بول کر مجازاً موضع احرام مراد لیتے ہیں حالاں کہ مواقیت وقت کے معنی میں تھا۔

الموصُولُ مَالا يتمُّ جزءً ا الَّا بصلَةٍ وعَائِدٍ وصلتُهُ جملةٌ خبريّةٌ والعائِدُ ضميرٌ لَهُ وصلةُ الْالف واللّام اسمُ الفاعِل والمفعُولِ وهِيَ الّذى والّتِىْ والّذان واللّتان بالالف والياءِ والاولٰى والذين واللائِىْ واللّاءِ وَاللّاىِ واللاتى واللواتىِ ومَنْ ومَا وايٌّ وايَّةٌ وذو الطّائية وذا بعد ما للاستفهام والالفُ واللامُ

ترجمہ:- موصول اس اسم کو کہتے ہیں جو جزء تام نہ ہو، مگر صلہ اور عائد کے ساتھ اور اس کا صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور عائد اس کی ضمیر ہوتی ہے اور الف ولام کا صلہ اسم فاعل یا اسم مفعول ہوتا ہے اور اسمائے موصولات الذی اور التی اور اللذان اور اللتان الف اور یاء کے ساتھ اور الاولٰی اور الذین اور اللائی اور اللاء اور اللایِ اور اللّاتی اور اللوائی اور من وما اور ای ایّۃ اور ذو قبیلہ طے والا اور ذا جو مااستفہامیہ کے بعد ہو اور الف ولام ہیں۔

توضیح:- سب سے پہلے معلوم ہو کہ جزءا کے منصوب ہونے میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ جزءا منصوب ہو تمیز ہونے کی بنیاد پر اور اس کی صفت محذوف ہو پس مطلب ہوگا الموصول ما لا یکون جزءً ا تاماً الا بصلة وعائدٍ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان لا یَتِمُّ لایصیر کے معنی میں ہو اور جزء لا یصیر فعل ناقص کی خبر ہو اور اس کا موصوف تاماً محذوف ہو پس مطلب ہوگا الموصول ما لا یصیر جزءًا تاما الا بصلة وعائد. حاصل یہ ہے کہ موصول ایسے اسم کو کہتے ہیں جو صلہ اور عائد کے بغیر جزءِ تام نہ ہو سکتا ہو۔

اور جزء تام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایسے جزء اولیٰ ہونے میں کہ مرکب جس کی طرف اولاً منحل ہوتا ہے کسی دوسرے امر کے ملائے جانے کا محتاج نہ ہو جیسے کہ مبتداء اور خبر فاعل اور مفعول چنانچہ جب مرکب کھولتے ہیں تو اولاً یہی اجزاء نکلتے ہیں مثلاً زید قائمٌ ایک مرکب ہے جب اس کی ترکیب دور کی جائے گی تو زید اور قائم نکلیں گے۔ جو مبتداء اور خبر ہیں۔

مصنف نے اس عبارت کے ذریعہ علامہ رضی پر رد کیا ہے، کیوں کہ علامہ رضی کے یہاں جزء تام کا مطلب ہے کلام کا رکن ہونا جیسے مسند اور مسند الیہ فضلات وغیرہ نہیں کیوں کہ وہ رکن کلام نہیں ہوتے اور صلہ سے مراد اس کے معنی لغوی ہیں، اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے، کیوں کہ اصطلاحی صلہ اس جملہ کو کہتے ہیں کہ جو موصول کے بعد مذکور ہو اور ایسی ضمیر کو شامل ہو جو موصول کی طرف لوٹے پس اس اصطلاحی صلہ کا سمجھنا موصول کے سمجھنے پر موقوف ہے، لہٰذا اگر موصول کی تعریف اس اصطلاحی صلہ کے ساتھ کی جائے تو دور لازم آئے گا۔ اور بعد میں وعائد کا لفظ زیادہ کرنا اس کا قرینہ ہے کہ صلہ سے اصطلاحی صلہ مراد نہیں، کیوں کہ اگر اصطلاحی صلہ مراد ہوتا تو وعائد کی ضرورت نہ ہوتی، اس لیے وعائد خود اصطلاحی صلہ کے مفہوم میں داخل ہے۔

دوسرے یہ کہ لفظ عائد اذا اور حيث وغیرہ کے اخراج کے لیے ہے کیوں کہ یہ الفاظ صلہ لغوی کے محتاج ہوتے ہیں حالاں کہ موصول نہیں ہیں پس عائد کہہ کر ان کو خارج کر دیا کہ موصول، صلہ اور عائد دونوں کا محتاج ہوتا ہے اور یہ الفاظ صرف موصول کے محتاج ہوتے ہیں عائد کے نہیں۔

وصلته جملة خبرية: موصول کا صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے۔ صلہ تو بیان موصول کے لیے ہوتا ہے اور بیان جملہ سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کا صلہ جملہ ہوگا اور خبریہ اس لیے ہوگا کہ صلہ موصول کے ساتھ مربوط ہوتا ہے جب کہ انشاء ربط کو قبول نہیں کرتا ہے۔ پس ربط کا مقصد خبریہ سے ہی پورا ہوگا، لہٰذا خبریہ ہونا ضروری ہوا۔ پس حاصل یہ نکلا کہ موصول کا صلہ جملہ خبریہ یا جو اس کے معنی میں ہو، ہوتا ہے جیسے اسم فاعل، اسم مفعول۔ اور عائد ایسی ضمیر ہوگی جو موصول کی طرف راجع ہو، تا کہ موصول اور صلہ کا ربط استوار رہے۔

وصلة الالف واللام: وہ الف ولام جو موصول کے معنی میں ہوتا ہے اس کا صلہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوگا اس لیے لامِ موصول صورت میں لام حرفی کے مشابہ ہوتا ہے اور اسم فاعل اور اسم مفعول بھی معنی جملہ اور صورتاً مفرد ہوتے ہیں پس اسم فاعل اور اسم مفعول کو الف لام موصول کا صلہ طے کر دیا گیا تا کہ مشابہت اور حقیقت دونوں کی رعایت ہو جائے۔

وهي الذي: اب یہاں سے اسمائے موصولات کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ الذی مفرد مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور التي مفرد مؤنث کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور اللذان اور اللتان حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح کے ساتھ اور حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ موضوع ہیں اول تثنیہ مذکر اور ثانی تثنیہ مؤنث کے لیے استعمال ہوتا ہے اور الاولیٰ جمع مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔ البتہ جمع مذکر میں اس کا استعمال زیادہ رائج اور مشہور ہے۔ اور الذین جمع مذکر کے ساتھ مخصوص ہے اور اللّاتی اور اللّواتی جمع مؤنث کے ساتھ خاص ہیں اور اللآئی اور اللاء اور اللاىِ یاء کے ساتھ مذکر اور مؤنث دونوں میں مستعمل ہوتے ہیں! البتہ ان کا استعمال مؤنث میں اشہر ہے۔

اللاتي میں ایک استعمال یاء کے حذف اور تاء کے کسرہ کا بھی ہے یعنی اللّاتِ اور اللواتی میں تاء اور یاء دونوں کے حذف کے ساتھ اللوا استعمال بھی ثابت ہے۔

مَنْ الذی کے معنی میں عموماً ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس کے برخلاف غیر ذوالعقول میں بھی استعمال ہوجاتا ہے جیسے فمنهُم مَن يّمشي على بطنه. اور ما عموماً غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی ذوالعقول کے لیے بھی مستعمل ہوجاتا ہے جیسے والسمآء وما بناها میں۔

دھیان رہے کہ مذکورہ بالا توضیح سے اب کوئی اعتراض نہیں واقع ہوگا کہ من تو صرف ذوالعقول اور ما غیر ذوالعقول کے ساتھ مختص ہیں پھر دوسرے معنوں میں کیونکر مستعمل ہوئے۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ ما اور من کا استعمال مذکر و مؤنث مفرد و تثنیہ اور جمع سب کے لیے یکساں بغیر کسی فرق کے ہوتا ہے۔

اور ذو قبیلہ بنی طے کی لغت میں الذی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول فان الماء ابی وجدّی ÷ وبیری ذو حفرتُ و ذو طویتُ معنی میں التی حفرتها اور التی طویتها کے ہے۔ شعر کا ترجمہ ہے بلاشبہ پانی تو میرے باپ اور دادا کا ہے اور میرا کنواں وہ ہے کہ جسے میں نے کھودا ہے اور اس کا منھ باندھا ہے۔

اور ذا جو ما استفہامیہ کے بعد ہوتا ہے وہ بھی الذی کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ماذا قرأت معنی میں ہے ما الذی قرأت آپ نے کیا پڑھا۔

والعائدُ المفعُولُ يجوزُ حذفهُ واذا اخبرتَ بالذِی صدرتَها وجعلتَ موضعَ المخبر عنهُ ضميرًا لها واخَّرتَهُ خبرًا عنه فاذا اخبرتَ عن زيدٍ من ضَرَبتُ زيدًا قلتَ الذی ضَرَبتُهُ زيدٌ و كذلك الالفُ واللام فِی الجُملة الفعليَّةِ خاصّةً ليصحَّ بناءُ اسْمِ الفاعلِ او المفعول فاِن تعذَّرَ امرٌ منها تعذَّرَ الاخبارُ ومِن ثَمَّ امتنَعَ فی ضمِير الشانِ والموصوفِ والصفة والمَصْدرِ العامِلِ والحال والضمير المستحِقّ لغيرها والاسم المشتمل عليهِ .

ترجمہ:- اور عائد جب کہ مفعول ہو تو اس کا حذف کرنا جائز ہے۔ اور جب تو الذی کے ذریعہ خبر دے تو اس کو شروع میں لا اور مخبر عنہ کی جگہ اس کے لیے کوئی ضمیر کردے اور اسے تو خبر بنا کر ضمیر کے بعد لا پس جب تو زید کے بارے میں ضربت زیدًا کی ترکیب میں خبر دینا چاہے تو تُو کہے الذی ضربتهٗ زيدٌ اور اسی طرح الف اور لام جملہ فعلیہ میں خاص طور سے تاکہ اسم فاعل اور اسم مفعول کا بنانا صحیح ہوجائے پس اگر ان میں سے کوئی ایک بات ناممکن ہوجائے تو اخبار (الذی کے ذریعہ) ناممکن ہوجائے گا اور اسی وجہ

سے ممتنع ہے ضمیر شان میں اور موصوف اور صفت میں اور اس مصدر میں جو کہ عامل ہو اور حال میں اور ایسی ضمیر میں جو اپنے غیر کی مستحق ہو۔ اور اس اسم میں جو اسی پر مشتمل ہو۔

توضیح:- اس کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ ضمیر جو صلہ سے موصول کی طرف لوٹتی ہے مفعول ہو تو اس کا حذف کرنا درست ہے، اس لیے کہ وہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے جیسے **اللّٰہ یبسُطُ الرزق لِمن یَشاء مِن عبادہ** میں کہ **لمن یشآءہ** تھا پس مفعول ضمیر کو حذف کر دیا۔ اور اس حذفِ عائد کی گنجائش مانع نہ ہونے کی شرط کے ساتھ ہے پس اگر کسی جگہ عائد کے مفعول ہونے کے باوجود حذف سے کوئی مانع ہے تو پھر اس کو حذف کرنا درست نہ ہوگا جیسے **الذی ضربتہ فی دارہ زید** پس اس ترکیب میں ایک ہی صلہ میں دو ضمیریں اکٹھا ہو گئی ہیں اس لیے عائد مفعول کو حذف نہیں کریں گے۔

ایک بات اور یاد رہے کہ صلہ سے موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر جب مفعول ہو تو حذف کی اجازت ہے اور اگر مرفوع ہو جائے یا مجرور ہو تو حذف کی اجازت نہیں۔ مرفوع ہونے کی صورت میں تو ممانعت اس لیے ہے کہ فاعل عمدہ ہوتا ہے اور عمدہ کا حذف درست نہیں اور مجرور کی صورت میں ممانعت اس لیے ہے کہ کثرت حذف لازم نہ آئے کیوں کہ مجرور کا حذف جار کے ساتھ میں ہوگا۔ پس دونوں کا ایک ساتھ حذف لازم آئے گا۔

واذا اخبرت بالذی صدرتھا: یہ باب اخبار بالذی ہے اسے نحویوں نے طلبہ کے اب تک پڑھے ہوئے مختلف مسائل کا امتحان لینے کے لیے قیام کیا ہے۔

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ جب بذریعہ الذی کسی ایسی چیز کی خبر دینا چاہتے ہیں جو من وجہ معلوم ہو اور من وجہ معلوم نہیں ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ الذی کو شروع جملہ میں لائیں اور مخبر عنہ (یعنی جزء جملہ کی جس کی آپ خبر بذریعہ الذی دینا چاہتے ہیں) کی جگہ پر آپ کوئی ایسی ضمیر لے آویں جو موصول کی طرف لوٹے اور مخبر عنہ یعنی جزء جملہ کو خبر کے طور پر اس ضمیر کے بعد لے آئیے۔

فاذا اخبرت عن زید: مذکورہ بالا قاعدہ کو مثال سے سمجھا رہے ہیں کہ مثلاً آپ **ضربت زیدًا** میں زید کی خبر **الذی** کے ذریعہ دینا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ شروع میں **الذی** لائیے اور **زیدًا** مفعول کی جگہ میں کوئی ضمیر لائیے جو **الذی** کی طرف لوٹ رہی ہو، تاکہ موصول اور صلہ کا ربط قائم رہے پھر زیدًا کو خبر بنا کر ضمیر کے بعد لا کر یوں کہئے **الذی ضربتہ زیدٌ**.

واضح رہے کہ مخبر عنہ کی جگہ میں ضمیر کے لانے کا مطلب یہ ہے کہ ترکیب میں جو محل و مقام مخبر عنہ یعنی اس جزء جملہ کا تھا اب وہی محل اور مقام ضمیر کا ہو جائے گا یعنی ضمیر ترکیبی اعتبار سے مخبر عنہ کی جگہ اور گدی سنبھال لے گی۔

و كذالك الالف و اللام الخ: جس طرح الذی سے خبر کسی جزء جملہ کی دی جاتی ہے اسی طرح الف ولام سے بھی جملہ فعلیہ متصرفہ میں خاص کر۔ پس جملہ فعلیہ میں جب وہ متصرفہ ہو اور اس کے شروع میں کوئی ایسا حرف نہ ہو کہ جس کے معنی اسم فاعل اور اسم مفعول سے نہ حاصل ہو سکتے ہوں جیسے سین اور سوف حرف نفی اور حرف استفہام تو اس کے کسی جز کی خبر جس طرح الذی سے دی جا سکتی ہے اسی طرح الف ولام سے بھی جیسے ضربت زیدًا پس زیدا کی خبر جس طرح الذی ضربته زیدٌ لا کر دینا درست ہے اسی طرح الف لام سے بھی درست ہے جیسے الضاربه زید اور ضُرب عمرو سے جیسے الذی ضرب عمرو اور المضروب عمرو۔

اب قیدوں کا فائدہ سمجھئے الف لام کے ذریعہ خبر دینے کی پہلی شرط ہے کہ وہ جملہ فعلیہ ہوتا کہ اس سے اسم فاعل اور اسم مفعول کا بنانا درست ہو کیوں کہ الف ولام کا صلہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہی ہوتا ہے اور یہ دونوں فعل سے ہی بنائے جاتے ہیں، چنانچہ اسم فاعل فعل مضارع معروف اور اسم مفعول مضارع مجہول سے بنتا ہے۔ پس اگر جملہ اسمیہ ہو تو اس میں اخبار صرف الذی کے ذریعہ ہو سکتا ہے جیسے زید منطلق میں یوں کہیں گے الذی ہو منطلق زید اسی طرح اگر سین یا سوف مضارع کے شروع میں ہوں تو چوں کہ ایسے فعل سے اسم فاعل بننے والا سین اور سوف کے معنی سے خالی ہوگا، اس لیے اس کی اخبار صرف الذی سے ہوگی جیسے سیصلی زید سے یوں کہیں گے الذی ھو یصل زید.

ایک قید اور ہے کہ اس فعلیہ کے افعال متصرفہ ہو کیوں کہ اگر وہ افعال متصرفہ نہیں ہیں یعنی گردان نہیں ہوتی جیسے افعال مقاربہ تو پھر ان سے اسم فاعل اور اسم مفعول بھی نہیں آ سکتا، لہٰذا ان کی اخبار الف اور لام کے ذریعہ ممکن بھی نہیں۔

فان تعذر امر منها: خلاصہ یہ ہے کہ اخبار بالذی کی جو تین شرطیں تھیں اول یہ کہ الذی کا شروع جملہ میں لانا دوسرے یہ کہ مخبر عنہ کی جگہ کوئی ضمیر لانا جو الذی کی طرف راجع ہو تیسرے کہ مخبر عنہ کو بعد ضمیر خبر بنا کر لانا تو اگر ان میں سے کوئی بھی ناممکن ہو جائے تو پھر اخبار بالذی بھی ناممکن ہو جائے گا۔

اسی وجہ سے کہ جب اخبار بالذی کے شرائط ثلثہ میں سے کوئی شرط فوت ہو جائے تو اخبار بالذی ناممکن ہو جاتا ہے ضمیر شان میں اخبار بالذی ناممکن ہے تیسری شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے جیسے ھو زید قائمٌ پس الذی ھو زید قائم درست نہیں ہے، کیوں کہ ضمیر شان کا جملہ مفسر پر مقدم ہوتا ہے، تا کہ مفسر کی مفسر پر تقدیم نہ ہو جب کہ اخبار بالذی کی صورت میں یہ تقدیم فوت ہو جاتی ہے۔

اسی طرح موصوف اور صفت میں اخبار بالذی درست نہیں ہے کیوں کہ دوسری شرط موصوف اور صفت میں ناممکن ہے، اس لیے کہ اگر موصوف کی خبر الذی کے ذریعہ دی جاتی تو موصوف کی جگہ میں ضمیر کا لانا ہوگا

جو بمنزلۂ موصوف ہوگا اور اگر صفت کی خبر الذی کے ذریعہ دی جاتی ہے تو ضمیر صفت کی جگہ میں آئے گی جو بمنزلہ صفت ہوگی جب کہ ضمیر موصوف اور صفت میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہوسکتی ورنہ ضمیر کا موصوف اور صفت ہونا لازم آئے گا۔ کیوں کہ مشہور ضابطہ ہے الضمیر لا یصف و لا یوصف به پس ضرب زید ن العاقل میں نہ تو الذی ضرب هو العاقل زید کہنا صحیح ہے اور نہ هی الذی ضرب زید هو العاقل کہنا ہی درست ہے۔

والمصدر العامل: اور اسی طرح اخبار بالذی عمل کرنے والے مصدر میں بغیر معمول کے منع ہے جیسے عجبت من دق القصارِ الثوب پس اگر بذریعہ الذی، دق القصار الثوب کی بغیر ثوب کے الذی کے درریعہ خبر دی جائے تو جو ضمیر دق القصار مصدر عامل کی جگہ میں لائے جائے گی اس کا الثوب میں عمل کرنا لازم آئے گا حالاں کہ ضمیر کا عامل ہونا ممتنع ہے۔ ہاں اگر مصدر عامل کے ساتھ اس کا معمول موجود ہو اور اس کی خبر الذی کے ذریعہ ہو تو درست ہے جیسے الذی عجبت منه دق القصار الثوب.

اسی طرح اخبار بالذی حال میں ممتنع ہے جیسے جاء نی زید راکبا پس اگر راکبًا جو کہ حال کی خبر بذریعہ الذی دی جائے اور اس کی جگہ ضمیر لائی جائے تو ظاہر ہے کہ ضمیر کے معرفہ ہونے کی وجہ سے حال کا معرفہ ہونا لازم آئے گا، حالاں کہ حال کا نکرہ ہونا واجب ہے۔

والضمیر المستحق لغیرها: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایسی ضمیر کی خبر الذی کے ذریعہ دینا چاہتے ہیں جو الذی کے ماسوا کی مستحق ہو یعنی اس کا مرجع الذی نہ ہو تو ایسی ضمیر میں اخبار بالذی منع ہے اس لیے کہ اگر آپ اس ضمیر کی الذی کے ذریعہ خبر لاتے ہیں تو پھر وہ غیر بلا ضمیر کے رہ جائے گا اس لیے کہ یہ ضمیر تو الذی کی طرف لوٹے گی جیسے زید ضربتهٗ پس ضمیر مفعول کہ جس کا مرجع زید ہے اگر الذی کے ذریعہ اس کی خبر دی جائے اور کہا جائے الذی زید ضربته یہ کہنا صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ ضمیر مفعول جو کہ اس ضمیر کی جگہ واقع ہے کہ جس کا بذریعہ الذی خبر دینا مقصود ہے اگر الذی کی طرف لوٹتی ہے تو مبتدا یعنی زید اس ضمیر سے محروم رہ جائے گا کہ جس کا وہ حق دار ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب جملہ خبر ہو تو اس میں کوئی مبتدا کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہونا ضروری ہے اور اگر یہ ضمیر مبتدا کی طرف راجع ہوتی ہے تو موصول بغیر عائد کے ہو جائے گا اور ایسا بھی درست نہیں ہے۔

والاسم المشتمل علیه: اس اسم کی بھی بذریعہ الذی خبر دینا صحیح نہیں ہے جو اس ضمیر پر مشتمل ہو کہ جو ضمیر الذی کے غیر کے لیے ہے۔ جیسے زید ضربت غلامه پس غلام جو کہ ایسی ضمیر کو شامل ہے جو کہ بجائے الذی زید کی طرف راجع ہے اور زید اس کا مرجع ہونے کی وجہ سے اس کا حق دار ہے تو اگر غلام کی خبر الذی کے ذریعہ دی جائے اور کہا جائے الذی زید ضربته غلامه پس ضربته میں ضمیر مفعول جو

غلامه کی جگہ میں اگر زید کی طرف لوٹتی ہے تو موصول بلا عائد کے رہ جاتا اور اگر الذی کی طرف لوٹتی ہے تو مبتدا محروم عائد ہو جاتا ہے۔

وما الاسمِيّةُ موصولةٌ واستفهاميةٌ وشرطيةٌ وموصُوفةٌ وتامةٌ بمعنٰى شيءٍ وصفةٌ ومَن كذالك الا في التامّة والصّفة وايٌّ وايَّةٌ كمَن وهي مُعربةٌ وحدَها الاّ اِذا حُذِفَ صدرُ صلتِها وفي ماذا صَنَعت وَجْهان احدهما ما الذي وجوابه رَفعٌ والاٰخر ايّ شيءٍ وجوابُه نصبٌ.

ترجمہ:- اور ما اسمیہ، موصولہ اور استفہامیہ، شرطیہ اور موصوفہ اور تامہ بمعنی شیٔ اور صفت ہوتا ہے۔ اور من اسی طرح ہے مگر تامہ اور صفت ہونے میں اور ایّ اور ایة من کی طرح ہے اور وہ تنہا معرب ہوتا ہے مگر جب اس کا صدر صلہ حذف کر دیا جائے اور ماذا صنَعت میں دو وجہیں ہیں ایک ما بمعنی الذی اور اس کا جواب مرفوع ہوگا اور دوسرا اما ای شیٔ کے معنی میں ہوگا اور اس کا جواب منصوب ہوگا۔

توضیح:- ما استفہامیہ متعدد معنوں کے لیے آتا ہے، منجملہ ان معنوں میں ایک موصولہ ہوتا ہے جو عموماً غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے جیسے اعجبنی ما صنعته پس ما یہاں موصولہ ہے اور کبھی ما موصولہ ذوی العقول کے لیے بھی مستعمل ہو جاتا ہے جیسے والسماء وما بناها میں ما موصولہ ہے جو ذوالعقول یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے دوسرے کبھی ما شرطیہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا مَا يفتح اللّٰهُ للناس مِن رّحمة فلاَ مُمْسِكَ لها میں ما شرطیہ ہے تیسرے ما کبھی استفہامیہ ہوتا ہے جیسے وما تِلك بِيَمِينِكَ يَامُوْسٰى چوتھے ما کبھی موصوفہ ہوتا ہے جو بمعنی شیٔ ہوتا ہے اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ما موصوف بمفرد ہو جیسے مررت بما مُعجب لك پس معنی ہیں مررت بشيءٍ مُعجب لك دوسرے یہ ما موصوف بالجملہ ہو جیسے ہمارا قول رُبما تكره النفوس من الامرله فرجة كحل العقال ترجمہ: بہت دفعہ نفوس کسی بات سے ناگواری پاتے ہیں کہ جس کے لیے کشادگی ہوتی مانند رسّی کے کھل جانے کے پس ما کی صفت جملہ تكره النفوس ہے معنی ہوئے اب شیٔ تكره النفوس من الامر له فرجه كحل العقال.

پانچویں ما تامہ بمعنی شیٔ ہوتا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَنِعِمّا هِيَ البتہ ابوعلی کے نزدیک شیٔ منکر کے معنی میں ہوگا اور سیبویہ کے نزدیک الشیٔ معرف کے معنی میں ما تامہ ہوگا، لہٰذا ابوعلی کے نزدیک نعم شی هو اور سیبویہ کے نزدیک نعم الشي هو تقدیر عبارت ہوگی۔ اور چھٹے ما صفت کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے اضربْ ضرباَمًّا پس ما صفت کے لیے ہے۔

ومن كذالك: اس کا حاصل یہ ہے کہ مَنْ بھی تامہ اور صفت ہونے کے سوا باقی چار احتمالات میں

ما کی ہی طرح ہے، چنانچہ من موصولہ بھی ہوتا ہے جیسے اکرمتُ مَن جاء ك پس من موصولہ ہے اور جاء كَ اس کا صلہ ہے۔اور من استفہامیہ بھی ہوا ہے جیسے مَنْ غلامك اور مَنْ ضربتَ. اور شرطیہ بھی ہوتا ہے جیسے مَنْ يَّضرب اضرب اور من موصوفہ بھی ہوتا البتہ کبھی اس کی صفت مفرد ہوتی ہے جیسے شعر وكفى بِنا فضلاً علي مَنْ غيرنا ÷ حب النبي محمدِ ايانا پس من موصوفہ ہے جس کی صفت غيرنا مفرد ہے۔ترجمہ: ان لوگوں پر جو ہمارے سوا ہیں کافی ہے ہم کو محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سے۔اور مَنْ موصوفہ کی صفت جملہ بھی ہوتی ہے جیسے مَنْ جاء كَ اكرمته کہ مَنْ کی صفت جاء كَ جملہ ہے۔

اب ان کلمات بالا کے مبنی ہونے کی وجہ سن لو۔ من اور ما موصولہ مبنی ہیں حرف کے مشابہ ہونے کی وجہ سے محتاج ہونے میں کہ جس طرح حرف ضم ضمیمہ کا محتاج ہوتا ہے یہ دونوں صلہ کا محتاج ہیں اور من اور ما استفہامیہ اس طرح من اور ما شرطیہ کا مبنی ہونا حرف استفہام اور حرف شرط کے متضمن ہونے کی وجہ سے ہے کہ استفہامیہ حرف استفہام اور شرطیہ حرف شرط کو شامل ہے۔اور ما تامہ اور صفت کا مبنی ہونا لفظاً موصولہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے۔

واى واية كمن: اور ایّ وایّة موصولہ، موصوفہ استفہامیہ اور شرطیہ ہونے میں من کی طرح ہے البتہ تامہ اور صفت جیسے من نہیں ہوتا ایّ اور ایّة بھی نہیں ہوتے موصولہ کی مثال جیسے اَيُّهم اَشدُّ على الرحمٰنِ عتيًا، موصوفہ کی مثال جیسے يا ايّها الرجل اور استفہامیہ کی مثل جیسے ايّهم اخوك اور شرطیہ کے مثال جیسے ايّامّا تدعُوا فله الاسماء الحُسنٰى، ايّة کی مثالیں بعینہٖ ای کی ہیں پس ایّ کو ہٹا کر ايّة اس کی جگہ پر لے آؤ۔

وهي معربة وحدها: اس کا ماحصل یہ ہے کہ موصولات میں تنہا ایّ اور اية ہی معرب ہوتے ہیں اب رہی یہ بات کہ موجب بناء کے پائے جانے کے باوجود یہ معرب کیوں ہوتا ہے تو درحقیقت اسی امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ ایّ اور اية کے اخوات میں اصل معرب ہی ہونا ہے لیکن صرف ایّ اور اية ہی معرب ہوئے اور باقی مبنی ہو جاتے ہیں اس لیے کہ ای اور ایّة کی مفرد کی طرف اضافت لازم اور ضروری ہے اور اضافت الی المفرد اسم متمکن کے خواص میں سے ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے اسمیت کی جہت طاقتور ہوگئی اور حرف سے مشابہت کمزور ہوگئی لہٰذا مبنی ہونا بھی معدوم ہوگیا اور معرب ہونا لازم ہوگیا البتہ اس کے اخوات میں اضافت الی المفرد لازم نہیں ہے لہٰذا وہ حرف سے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہوں گے۔

الا اذا حذف صدر صلتها: خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ ای اور اية کی کی چار حالتیں ہیں اول یہ ہے کہ ایّ اور ایّة مضاف نہ ہوں اور صدر صلہ مذکور ہو، جیسے رآني ايٌّ هو مُجاهِدٌ دوسرے یہ کہ مضاف نہ ہوں اور صدر صلہ محذوف ہو جیسے رآني ايّ مجاهد کہ صدر صلہ هو محذوف ہے۔

تیسرے یہ کہ مضاف ہو اور صدر صلہ بھی مذکور ہو جیسے رآنی الیھم ھو مجاھد اور چوتھے یہ کہ مضاف اور صدر صلہ محذوف ہو جیسے ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّھم اشدُّ علی الرحمٰن عتیا کہ اصل میں ایھم ھو اشد ہے۔ پس شروع کے تین احتمالات میں ای اور ایة معرب ہوں گے اور آخری صورت مبنی ہونے کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس چوتھی صورت میں ای اور ایة کی حرف کے ساتھ مشابہت محذوف کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے مؤکد ہوگئی پس حرف کی طرح یہ بھی مبنی قرار پائے۔
واضح ہو کہ جو امثلہ ایّ کی ہیں وہ ساری ایة کی ہوسکتی ہیں پس اسی پر قیاس کر کے ایة کی مثالیں نکال لی جائیں۔

وفی ما ذا صنعت: ماذا صنعت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ماذا صنعت ما الذی صنعت کے معنی میں ہو یعنی ما استفہامیہ اور ذا الذی کے معنی میں ہو پس ما مبتدا واقع ہوگا اور موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر واقع ہوگا اور ضمیر محذوف ہوگی تقدیر عبارت یوں ہوگی ما الذی صنعته اور اس کا جواب مرفوع ہوگا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ جواب کا مرفوع ہونا اس لیے ہے تاکہ جواب سوال کے جملہ اسمیہ ہونے میں مطابق ہو جائے یوں نصب کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ اس فعل کو مقدر مانا جائے جو سوال میں مذکور ہے لیکن یہ غیر اولی ہے۔
دوسری ترکیب یہ ہے کہ ماذا صنعت کے معنی ای شئ صنعت کے ہوں اس صورت میں ای شئ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے موقع نصب میں ہے، لہٰذا یہ جملہ فعلیہ ہوگا پس اس کا جواب بھی منصوب ہوگا فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی بنیاد پر تاکہ جواب جملہ فعلیہ ہونے میں سوال کے مطابق ہو جائے۔

اسماءُ الافعالِ مَا كَانَ بِمَعنَى الامرِ والمَاضی نحو رُوَيدَ زيدًا ای اَمْهِلْهُ وهَيهَاتَ ذَالك ای بعُدَ وَفعالِ بمعنَى الاَمْرِ من الثلاثي قياسٌ بمعنى كنَزالِ بمعنى اِنزِلْ وفعَال مَصدرًا معرفةً كفَجارِ وصِفةً مثل يَا فسَاقِ مبنيٌّ لِمُشَابهتِه له عدلاً وَزِنَةً وفَعالِ عَلَمًا لِلاَعْيَان مُؤنثًا كقَطامِ وغَلابِ مَبْنِيٌّ في الحجاز ومُعْربٌ في تميمِ الاّ ما كان في اخرِه راءٌ نحو حَضَار .

ترجمہ:۔ اسمائے افعال جو کہ امر یا ماضی کے معنی میں ہوں جیسے رُوَيدَ زيدًا جو اَمْهِلْهُ کے معنی میں ہے اور هَيهَاتَ ذالك ای بَعُدَ یعنی هَيهَات بعد کے معنی میں ہے اور فعالِ بمعنی امر ثلاثی مجرد سے قیاسی ہے جیسے نَزالِ بمعنی اِنزِلْ اور فعال جو مصدر معرفہ ہو جیسے، فجار اور صفت ہو جیسے یا فسَاقِ مبنی ہے اس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اس کے (یعنی فعال بمعنی امر کے) عدل اور وزن میں اور فعال جو نام ہو کسی ذات مؤنث کا جیسے قطامِ اور غلابِ مبنی ہے حجازی لغت میں اور معرب ہے تمیم میں مگر جب کہ

اس کے آخر میں راء ہو جیسے حضارِ۔

توضیح:- مبنیات میں سے اسمائے افعال بھی ہیں یہ مبنی ہوتے ہیں اس لیے کہ بعض کی وضع ماضی کی سی ہے جیسے قدرَ جو معنی میں یکفیك کے ہے باقی اسماء افعال کو اسی پر محمول کر لیا گیا ہے یا یہ کہا جائے کہ جو اسم فعل امر یا ماضی کے معنی میں ہے اس کو اسی سے مشابہت اور مناسبت حاصل ہے پس وہ امر یا ماضی کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے مبنی کہلاتا ہے۔

اور امر کو مقدم کرنا اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے کہ اکثر اسماء افعال امر کے معنی میں ہوتے ہیں اور عزت اسی کے لیے ہے جو کثیر ہو۔

اب اسمِ فعل کی تعریف سنیے کہ اسم فعل ایسے اسم کو کہتے ہیں جو امر حاضر معروف یا ماضی کے معنی میں ہو جیسے رُوَیْدَ زیداً معنی میں اَمْھِلْهُ کے ہے یعنی اس کو مہلت دے دو پس یہ امر کے معنی میں ہے اور ھیھات ذالك بَعُدَ کے معنی میں ہے یعنی وہ دور ہوا۔

اب ایک اعتراض سمجھ لیجیے وہ یہ ہے کہ اسم فعل کی یہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، کیوں کہ اس تعریف کی رو سے اُف بمعنی اتضجر اور اُوہ بمعنی اتوجَّعُ اسمائے افعال کی تعریف سے نکل گئے، کیوں کہ یہ مضارع کے معنی میں ہیں تو جواب یہ ہے کہ اُف اصل میں تضجرّت اور اُوہ معنی میں توجّعتُ فعل ماضی کے معنی میں ہے لیکن تعبیر مضارع حالی سے کی گئی اس لیے ان دونوں کے معنی انشاء ہیں اور حال انشاء کے مناسب ہوتا ہے۔ پس تعریف جامع ہے۔

وَفعالِ بِمعنی الاَمرِ من الثلاثی: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فعال جو بمعنی امر ہو اور ثلاثی مجرد سے مشتق ہو قیاسی ہے جیسے نزال بمعنی اِنزِلْ، ضَراب بمعنی اِضْرِبْ قیاسی کا مطلب یہ ہے کہ ہر فعال ثلاثی سے فعال بمعنی امر کا مشتق ماننا صحیح ہے۔ پس ایسا ہونا سیبویہ کے نزدیک عموماً ہوتا ہے، لازماً نہیں ہوتا، کیوں کہ قَعادِ اور قَوام فعال ثلاثی ہے پھر بھی وہ قم اور اقعد کے معنی میں نہیں ہے پس معلوم ہوا فعال ثلاثی کا بھی امر ہونا سیبویہ کے نزدیک اکثری ہے واجبی نہیں ہے۔ اور غیر ثلاثی وہ قیاسی نہیں ہوتا البتہ سماعی ہوتا ہے جیسے قرقاء اور غرغاء مبرد کہتے ہیں فعل خواہ از ثلاثی ہو یا رباعی وہ سماعی ہی ہوتا ہے جب کہ اخفش کہتے کہ فعال مطلقاً قیاسی ہوتا ہے۔

وفعال مصدرًا: اور وہ فعال جو مصدر معرفہ ہو جیسے فَجَارِ جو الفجرۃ اور الفجور کے معنی میں ہے اسی طرح وہ فعال جو مؤنث کی صفت ہو جیسے فَسَاقِ بمعنی یا فاسقۃ بنی ہیں کیوں کہ یہ دونوں فعال بمعنی امر کے مشابہ ہیں وزن اور عدل میں۔ وزن میں مشابہ ہونا ظاہر ہے رہی بات عدل کی تو جس طرح فعال بمعنی امر مبالغہ کے لیے امرِ فعلی سے معدول ہے اسی طرح فعال مصدر یہ مصدر معرفہ سے معدول ہے اور

فعال صفت یا اپنے فاعل سے معدول ہے۔

و فعال علما: اور وہ فعال جو کسی ذات مؤنث کا نام ہو جیسے قطام اور غلاب تو اس میں دو مذہب ہیں اہل حجاز انہیں مبنی کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ اس فعال کے وزن اور عدل میں مشابہ ہیں جو فعال بمعنی امر ہوتا ہے، جب کہ بنوتمیم کہتے ہیں کہ اگر اس فعال کے آخر میں را ہے تب تو ان کی اکثریت اہلِ حجاز کی طرح مبنی ہونے کی ہی قائل ہے ورنہ ان کے نزدیک وہ فعال معرب ہوگا، کیوں کہ مبنی ہونے کی علت نہیں پائی جاتی اور اس کا علم مؤنث معدول ہونا اس کے معرب ہونے اور غیر منصرف ہونے کو واجب کرتا ہے۔

جب کہ بنوتمیم کے اقلیت اس بات کے حق میں ہے کہ مطلقاً وہ فعال جو کسی مؤنث کا نام ہو خواہ ذوات الراء ہو یا نہ ہو مبنی نہیں ہے۔ جیسے حضار جو ایک ستارہ کا نام ہے اور قطام اور غلاب جو عورتوں کے نام ہیں۔

الاصواتُ کُلُّ لفظٍ حُکِیَ به صوتٌ او صُوِّتَ به البهائمُ فالاولُ کغَاق و الثانی کنخّ.

ترجمہ:- اصوات ہر ایسا لفظ کہلاتا کہ جس سے کسی آواز کی نقل کی جائے یا اس کے ذریعہ جانوروں کو آواز دیا جائے۔ اول کی مثال غاق ہے اور ثانی کی مثال نخّ ہے۔

توضیح:- اسمائے اصوات مبنی اس لیے ہوتے ہیں کہ وہ ترکیب سے خالی ہوتے ہیں یعنی مرکب نہیں ہوتے۔

اسمائے اصوات ایسے تمام الفاظ کہلاتے ہیں کہ جن کے ساتھ کسی آواز کی نقل کی جاتی ہے یا اس لفظ کے ذریعہ جانوروں کو آواز دی جائے خواہ ہانکنے کے لیے ہو یا بٹھانے یا اور کسی غرض سے اسی طرح سے وہ لفظ بھی اصوات میں شامل ہے جو آدمی کی ابتدائی آواز ہوتی ہے اور کسی خاص کیفیت کے طاری ہونے کے وقت اس کی زبان سے نکلتا ہے جیسے شرمندہ آدمی شرمندگی کے لاحق ہونے کے وقت وَی کہتا ہے اول کی مثال غاق ہے جو کوے کی آواز کی نقل کے وقت بولا جاتا ہے اور دوسرے کی مثال نخّ ہے جو اونٹ کو بٹھانے کے لیے کہا جاتا ہے۔

المرکباتُ کلُّ اسمٍ مِن کلمتین لیسَ بَینهما نسبةٌ فان تَضمَّنَ الثانی حرفًا بُنِیا کخمسةَ عشرَ وحادِیَ عَشَرَ واخواتها الاّ اِثنی عشر. والاّ اُعربَ الثانی کبَعْلبَكّ وبُنِی الاول عَلی الاصحّ.

ترجمہ:- مرکب ہر ایسا اسم کہلاتا ہے جو ایسے دو کلموں سے بنا ہو کہ ان کے درمیان کوئی نسبت نہ ہو پس اگر ثانی حرف کو متضمن ہو تو دونوں جزء مبنی ہوں گے جیسے خمسة عشر اور حادی عشر اور اس کے اخوات سوائے اثنی عشر کے ورنہ دوسرے جزء کو اعراب دیا جائے گا (یعنی وہ معرب ہوگا) جیسے بعلبك اور اول جزء مبنی ہوگا صحیح ترین قول کے مطابق۔

توضیح:- مرکب ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جو ایسے دوکلموں سے مرکب ہو کہ جن کے درمیان نہ اب ورنہ ہی ترکیب سے پہلے کوئی ایسی نسبت رہی ہو کہ جو دوکلموں میں سے ایک کی دوسرے کے ساتھ ترکیب کی ظاہرِ ہیئت سے مفہوم ہو۔

دو کلمے عام ہیں خواہ حقیقتاً وہ دو کلمے ہوں جیسے کہ مثالیں آگے آ رہی ہیں یا حکماً دو کلمے ہوں جیسے سیبویہ کہ اس کا دوسرا جزء کلمہ نہیں ہے بلکہ صوت ہے پس جزء ثانی اگر چہ حقیقتاً کلمہ نہیں ہے، لیکن حکماً تو ہے اسی طرح خواہ وہ دونوں کلمے اسم ہوں یا ایک اسم اور ایک فعل ہو، یا ایک اسم اور ایک حرف ہو یا دونوں فعل ہوں یا ایک فعل اور ایک حرف ہو یا دونوں حرف ہوں۔

نسبت نہ ہونے کی قید سے عبداللہ اور تَابَّطَ شَرًّا جیسی مثالیں خارج ہو گئیں کیوں کہ ان میں سے ہر ایک کے اجزاء میں علمیت سے پہلے نسبت تھی بھلے علمیت کے بعد وہ نسبت باقی نہ رہی۔

فان تضمن الثانی حرفا: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرکب کا جزء ثانی حرف کو متضمن ہو تو اس کے دونوں جزء مبنی ہوں گے اول جزء اس لیے مبنی ہوگا کہ اس کا آخر وسط کلمہ میں واقع ہو گیا اور وسط کلمہ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، لہٰذا وہ مبنی ہوگا اور جزء ثانی معنیٰ حرف کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہوگا جیسے **خمسة عشر** اور **حادی عشرَ**.

مصنف نے اس قاعدہ کی وضاحت کے لیے دو مثالیں دی ہیں س بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ ان مرکبات کا مبنی ہونا ثابت ہے، خواہ اس کے دونوں جزؤں میں سے کوئی ایک ایسا عدد ہو جو عشرہ کے ساتھ مرکب ہو یا ایسا اسم فاعل کا صیغہ ہو جو عدد سے مشتق ہو چنانچہ پہلی مثال عدد مع العشر ہ کی ہے اور دوسری مثال مشتق من العدد کی ہے۔

حادی عشر میں یاء کا فتحہ ہے صحیح ترین قول کے مطابق اس لیے کہ اعداد مرکبہ کا شروعاتی کلمہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ البتہ تخفیفاً یاء بالسکون بھی درست ہے اور یہی حکم ثانی عشر کا ہے اخوات سے مراد **احد عشر** تا **تسعة عشر** اور **حادی عشر** تا **تاسع عشر** سوائے **اثنی عشر** کے۔ سب مبنی ہیں۔

البتہ دھیان رہے کہ حادی عشر میں جزء ثانی حرف کو حکماً متضمن ہے، کیوں کہ یہ احد عشر سے مشتق ہے جو حقیقتاً حرف کو متضمن ہے، چنانچہ اس کی اصل ہے احد و عشر ہے پس حرف کا متضمن ہونا عام ہے خواہ حقیقتاً ہو اور خواہ حکماً ہو اسی طرح خواہ وہ حرف متضمن حرف عطف ہو یا غیر حرف عطف۔

الا اثنی عشر: اس کا استثناء بُنِیَا سے ہے اخوات سے نہیں پس مطلب یہ ہوا کہ اثنی عشر کے دونوں جزء مبنی نہیں ہوتے بلکہ اس کا پہلا جزء معرب ہوتا ہے کیوں کہ نون کے ساقط ہونے میں وہ مضاف کے مشابہ ہے کہ جس طرح نون تثنیہ اضافت کے وقت ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا بھی نون عند

الترکیب ساقط ہو جاتا پس مشابہت کی وجہ سے اس کو اضافت کا ہی حکم دے دیا گیا البتہ جزء ثانی تضمن حرف کی وجہ سے مبنی ہے۔

والا اعرب الثانی: اور اگر دوسرا جزء حرف کو شامل نہ ہو تو پھر جزء ثانی معرب ہو جائے گا، کیوں کہ مبنی ہونے کی علت معدوم ہو گئی جیسے بعلبک۔ البتہ جزء اول قول اصح پر مبنی ہوگا کیوں کہ اس کا آخر وسط کلمہ میں واقع ہے جس کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔

غیر اصح کا مد مقابل دوسری دو لغتیں ہیں کہ دونوں جزء معرب ہوں اور اول کی ثانی کی طرف اضافت ہو ثانی کے غیر منصرف ہونے کی حیثیت کے ساتھ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں معرب ہوں اور اول ثانی کی طرف مضاف ہو لیکن ثانی منصرف ہو۔

الكناياتُ كم و كذا للعَددِ وكيتَ وذَيْتَ للحَديث فكَمِ الإستِفْهاميّةُ مميِّزُهَا مَنصوبٌ مُفردٌ والخبريَّةُ مجرورٌ مفردٌ ومجموع وتَدخُل مِنْ فيهما ولهُمَا صَدرُ الكَلامِ وكلاهُمَا يقعُ مرفوعًا ومنصُوْبًا ومجرورًا فكلُّ ما بعدَهُ فعلٌ غيرُ مشتغل عنهِ بضمير كان منصوبًا معمولا على حَسَبِهِ وكل ما قبله حرف جرّ او مُضافٌ فمجرورٌ والّا فمرفوع مبتداء ان لم يكُن ظرفًا وخبرٌ اِنْ كَانَ ظرفًا وكذالك اسماء الاستفهامِ والشرطِ وفي مثل ع كم عمّةٌ لك يا جرير وخالةٌ ثلثة او جُهٍ وقد يُحذفَ في مثل كم مَالك وكم ضربْتَ .

ترجمه:- اسمائے کنایات کم اور کذا عدد کے لیے ہیں اور کیت اور ذیت حدیث کے لیے پس کم استفہامیہ اس کی تمیز منصوب مفرد ہوتی ہے۔ اور خبریہ مجرور مفرد اور جمع ہوتی ہے اور من ان دونوں میں داخل ہوتا ہے اور ان دونوں کے لیے صدر کلام ہوتا ہے اور دونوں مرفوع اور منصوب اور مجرور (ترکیب میں) واقع ہوتے ہیں پس ہر وہ (کم) جس کے بعد ایسا فعل ہو جو اس سے اس کی ضمیر (اور اس کے متعلق) کی وجہ سے اعراض نہ کر رہا ہو تو وہ منصوب ہوگا اپنے عامل کے مطابق۔ اور ہر وہ "کم" جس کا ماقبل حرف جر یا مضاف ہو تو وہ مجرور ہوگا ورنہ وہ مرفوع مبتداء ہوگا بشرطیکہ ظرف نہ ہو اور خبر ہوگا اگر ظرف ہو۔ اور اسی طرح اسمائے استفہام اور شرط ہیں۔ اور ع کم عمة لك يا جريرُ وخالة جیسی ترکیب میں تین وجہیں ہیں اور کم مالك اور کم ضربت جیسے میں تمیز کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

توضیح:- کنایات کنایة کی جمع ہے لغۃ اور اصطلاح میں کنایہ کہتے ہیں کہ شی معین کو ایسے لفظ سے بیان کیا جائے جو اس معین چیز پر دلالت کرنے میں صریح نہ ہو کسی مقصد کے تحت مثلاً اس بات کا

سامع پر مبہم رکھنا منظور ہے جیسے آپ جاء فلان کہہ کر جاء زید مراد لیں تو یہ کنایہ ہے۔

واضح ہو کہ یہاں کنایہ سے مراد وہ لفظ ہے کہ جس سے کنایہ کیا جاتا ہے پس کم و کذا کا الکنایات پر بحیثیت خبر کے حمل صحیح ہو گیا۔ نیز تمام کنایات مراد نہیں ہیں بلکہ بعض مراد ہیں پس یہاں قیاس یہ چاہتا تھا کہ ظروف کی طرح بعض کی قید لگا کر بعض الکنایات کہا جاتا لیکن چوں کہ نحویوں کی اصطلاح ٹھہر گئی کہ کنایات سے بعض معین کنایات ہی مراد ہوتے ہیں اس لیے بعض کے لفظ کی حاجت نہ رہی۔ اور بعض کنایات معہودہ کی تعریف دشوار تھی اس لیے خود ان الفاظ ہی کو شمار کرا دیا۔ اور کہا کم و کذا۔

کم و کذا: کم کا مبنی ہونا دو وجہوں سے ہے ایک تو اس کی وضع حرف کے وضع پر ہے تو دوسرے کم استفہامیہ حرف کے معنی کو متضمن ہے اور کم خبریہ کم استفہامیہ پر محمول ہے۔ اور کذا یہ کاف حرف تشبیہ اور اسم اشارہ سے مرکب ہے پس مجموعہ بمنزلہ کلمۂ واحدہ کے ہو گیا جو کم کے معنی میں ہے پس ذا بدستور اپنی اصل بنا پر باقی رہا کیوں کہ وہ اسم اشارہ ہونے کی وجہ سے اصلاً مبنی ہے پس بعد مرکب ہونے کے بھی وہ پورے مجموعہ کے ساتھ مبنی ہی ہے۔ اور کم و کذا کا استعمال عدد سے کذا کے لیے ہوتا ہے خواہ کم استفہامیہ ہو یا خبریہ۔

و کیتَ و ذیتَ: کیت و ذیت اور بات جملہ سے کنایہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں یہ دونوں اس لیے مبنی ہوتے ہیں کہ یہ دونو جملہ کی جگہ میں واقع ہیں اور جملہ من حیث الجملہ نہ معرب ہوتا ہے اور نہ مبنی پس جب مفرد جملہ کی جگہ میں واقع ہوا جو معرب اور مبنی ہونے سے خالی نہیں ہوتا تو مبنی ہونے کو معرب ہونے پر ترجیح دے دی گئی اس لیے کہ قبل الترکیب مفرد میں مبنی ہونا ہی اصل ہے۔

کنایات میں سے کَاینّ بھی ہے اور اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کاف تشبیہ اور لفظ ایّ سے مرکب ہوتا ہے پس مجموعہ کلمہ واحدہ ہو گیا جو کم خبریہ کے معنی میں ہے پس اس کا معاملہ یوں ہو گیا گویا یہ سکون پر کم کی طرح اسم مبنی ہے۔ اب رہا مسئلہ یہ کہ جب کاین بھی من جملہ کنایات میں سے ہے تو اس کا تذکرہ مصنف نے کیوں نہیں کیا تو اصل معاملہ یہ ہے کہ اس کا مبنی ہونا اس کے اخوات کے مبنی ہونے کی وجہ سے کم تر ہے اس لیے اس کے ذکر سے گریز کیا۔

فکم الاستفهامية: کم الاستفہامیہ مبتداء ہے اور ممیز ہا مبتدا ثانی ہے اور منصوب مفرد مبتداء ثانی کی خبر ہے اور پورا جملہ مبتداء اول کی خبر ہے۔

اب سنئے کہ کم استفہامیہ کی خبر منصوب مفرد ہو گی ایسا اس لیے ہو گا کہ کم استفہامیہ مطلق عدد سے کنایہ کے لیے ہوتا ہے اور درمیانی عدد احد عشر سے لے کر تسع و تسعین تک سب کی تمیزیں منصوب مفرد ہوتی ہیں اس لیے اس کی بھی تمیز منصوب مفرد ہو گی۔ کیوں کہ اگر طرف اول یعنی احد سے عشر تک اور طرف ثانی یعنی مائة میں سے کسی ایک کے مطابق تمیز لائی جاتی تو ترجیح بلا مرجح اور خلاف انصاف بات ہوتی اس لیے اعداد

متوسط کی تمیز کے مطابق خیر الامور اوسطها کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم استفہامیہ کی تمیز منصوب مفرد لائی گئی۔ جیسے کم درهما عندك و کم رجلاً ضربتَ .

و کم الخبرية: کم خبریہ کی تمیز مجرور مفرد اور مجرور جمع دونوں طرح ہوتی ہے جیسے کم رجلٍ عندی و کم جُیوشٍ لَدَی المسلمین. پس کم خبریہ کی تمیز مجرور مفرد اس لیے ہوگی کہ کم خبریہ عدد کثیر سے کنایہ کے لیے آتا ہے اور عدد کثیر کی تمیز مجرور مفرد ہوتی ہے، لہٰذا اس کی بھی خبر مجرور مفرد ہوگی۔

اور تمیز مجرور جمع اس لیے ہوگی کہ عدد کثیر کثرت میں صریح ہے اور کم خبریہ ایسا نہیں ہے پس اس کی تمیز کا جمع لانا ضروری ہوگیا، تاکہ فوت شدہ کثرت کی تلافی کا ذریعہ ہو جائے۔

وتدخل من فيها: اور کبھی کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں کی تمیز پر من بیانیہ داخل ہو جاتا ہے اس لیے کہ تمیز بیان ابہام کے لیے ہوتی ہے اور من بھی بیان کے لیے ہوتا ہے پس دونوں کے مابین مناسبت ہے لہٰذا من کا دخول ان دونوں کی خبر پر درست ہے۔ جیسے کم من رجل ضربت و کم من قريةٍ اهلكنا.

ولَهُمَا صدر الكلام: کم خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لیے کہ استفہامیہ، استفہام کو متضمن ہوتا ہے اور کم خبریہ تکثیر میں انشاء کے معنی کو متضمن ہوتا ہے، لہٰذا اس پر تنبیہ شروع سے ہی مناسب ہے۔

و كلاهما يقع مرفوعا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں مرفوع اور منصوب نیز مجرور واقع ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ تمام اسمائے مبنیہ کی طرح اسماء ہیں اور وہ محل رفع اور نصب اور جر میں واقع ہوتے ہیں، لہٰذا ان دونوں کا بھی یہی حکم ہے۔

فكل ما بعده فعل غير مشتغل عنه: اب بتا رہے کہ کم منصوب کب ہوگا تو فرماتے ہیں کہ ہر ایسا کم (خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ) جس کے بعد کوئی فعل ہو جو کم کی ضمیر کی وجہ سے کم میں عمل کرنے سے اعراض نہ کر رہا ہو تو وہ کم حسب عامل منصوب ہوگا۔ مطلب یہ کہ اگر وہ فعل مفعول بہ کی وجہ سے نصب کا تقاضا کر رہا ہے تو کم محلاً مفعول بہ ہوگا اور اگر وہ ظرفیت یعنی مفعول فیہ کی بنیاد پر نصب کا تقاضہ کر رہا ہے تو وہ مفعول فیہ ہوگا اور اگر وہ فعل مفعول مطلق کی بنیاد پر نصب کا خواہشمند ہے تو وہ مفعول مطلق ہوگا۔ البتہ منصوبات میں سے کسی کا بھی تعین تمیز سے ہوگا کہ اگر تمیز مفعول بہ ہے تو کم بھی مفعول بہ ہوگا اسی پر باقی کو قیاس کر لیجیے۔ کم استفہامیہ کی مثال جیسے مفعول بہ کم رجلاً ضربت اور ظرف کی مثال جیسے کم یوماً سرت اور مصدر یعنی مفعول مطلق کی مثال جیسے کم ضربةً ضربت اور خبریہ کی مثالیں کم رجلٍ ملکت و کم یومٍ صمت و کم ضربةٍ ضربت. پس اول مفعول بہ اور ثانی مفعول فیہ اور ثالث مفعول مطلق کی مثال ہے۔

و کل ما قبله حرف جرّ او مُضاف فمجرورٌ: اب یہاں سے مجرور ہونے کے موقع کو بتا رہے ہیں۔فرماتے ہیں کہ اگر کم کے ماقبل حرف جر یا مضاف ہوتو کم مجرور ہوگا، اس لیے کہ حرف جر اپنے مدخول کو اور مضاف اپنے مضاف الیہ کو جر دیتے ہیں۔مثال حرف جر کی جیسے **بکم درهمٍ اشتریت** مضاف کی مثال جیسے **غلام کم رجلٍ ضربت، بکم رجلًا مررت و غلام کم رجلا ضربت.**

والا فمرفوع: والا سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر کم کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ایسا نہ ہو کہ جو اس میں اس کی ضمیر کی وجہ سے عمل کرنے سے اعراض نہ کر رہا ہو اور نہ ہی کوئی حرف جر اس سے قبل ہو اسی طرح کسی مضاف کی اس کی طرف اضافت نہ ہوتو وہ مرفوع ہوگا اب وہ مرفوع بصورت مبتدا بھی ہوسکتا ہے اور خبر بھی پس اگر کم استفہامیہ اور خبریہ ظرف نہیں واقع ہیں تو ترکیب میں مبتدا ہیں اور اگر ظرف ہیں تو پھر خبر ہیں، کیوں کہ اگر اس کی تمیز ظرف ہے تو ظرف باعتبار متعلق جملہ ہوتا ہے اور جملہ مبتدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

مبتدا ہونے کی مثال جیسے **کم رجلاً اخوتك** اور **کم رجلٍ قام** اور خبر کی مثال **کم یومًا سفرك** اچھا خبر کا ظرف ہونا ممیز کے ظرف ہونے سے معلوم ہوگا کہ اگر ممیز ظرف ہے تو وہ بھی ظرف ہوگا۔

و کذالك اسماء الاستفهام: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسمائے استفہام اور اسمائے شرط محل اعراب میں کم کی طرح ہیں یعنی منصوب مجرور اور مرفوع ہونے میں مبتدا خبر ہونے کی وجہ سے لیکن یہ بات دھیان رہے کہ وجوہ مذکورہ کا مجموعہ ان اسمائے کے مجموعہ میں ہے ایسا نہیں ہے کہ وجوہ اربعہ مذکورہ ہر ہر اسم استفہام وشرط میں پائے جاتے ہوں تفصیل ملاحظہ ہو۔

آپ کو معلوم ہو کہ اسمائے استفہام اور شرط من حیث الذات تین قسموں پر ہیں ایک قسم استفہام اور شرط کے درمیان مشترک ہے اور یہ **مَن** اور **ما** اور **ایٌّ** اور **این** اور **انّی** اور **متٰی** ہیں اور ایک قسم شرط کے ساتھ خاص ہے اور وہ **اذا** ہے اور ایک قسم استفہام کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ **کیف** اور **ایان** ہے اور یہ اسمائے وجوہ اربعہ مذکورہ کے جاری ہونے کے اعتبار سے چار قسموں پر ہیں وجہ حصر یہ ہے کہ یہ اسماء یا تو ظرف ہوں گے یا غیر ظرف پس اگر وہ ظرف ہوں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ استفہام کے معنی کو متضمن ہوں تو اس میں تین وجوہ جاری ہوں گے جر علی الاضافت نصب علی الظرفیہ اور رفع علی الخبریہ، رفع علی الابتداء کا احتمال نہیں ہے اس لیے وہ غیر ظرف کے ساتھ خاص ہے اور یہ قسم ظرف ہے۔اور اگر وہ شرط کے معنی کو شامل ہوں تو اس میں دو وجہیں پائی جائیں گی جر علی الاضافت اور نصب علی الظرفیت رفع کی مطلقاً گنجائش نہیں رفع علی الابتداء تو اس لیے ناممکن ہے کہ وہ غیر ظرف کے ساتھ مختص ہوتا ہے اور یہ قسم ظرف ہے اور رفع علی الخبریۃ اس لیے ناممکن ہے کہ اگر وہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، تو اس کا مابعد مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا

حالاں کہ اس کا مابعد فعل ہے جو مبتداء ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اور اگر اسمائے شرط و استفہام غیر ظرف ہوں تو بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ لازم الاضافت ہوں گے یا ایسا نہیں ہوگا۔ اول جیسے ایٌّ اور این تو اس میں وجوہ اربعہ جاری ہوں گے جر علی الاضافت، نصب علی المفعولیت اور رفع علی الابتداء بشرطیکہ اس کا مابعد غیر ظرف ہو اور رفع علی الخبریۃ بشرطیکہ اس کا مابعد ظرف ہو۔

اور دوسری صورت جیسے من اور ما تو اس میں تین وجوہ کی گنجائش ہے خواہ وہ حرف شرط کے معنی کو متضمن ہوں یا استفہام کے، جر علی الاضافۃ نصب علی المفعولیت اور رفع علی الابتداء، رفع علی الخبر اس کا امکان نہیں ہے، کیوں کہ وہ ظرف کے ساتھ مختص ہے اور یہ ظرف نہیں ہے۔

وفی مثل ع کم عمة لك یا جریر: کم عمة لك یا جریر وخالة جیسی ترکیب میں تین وجہیں درست ہیں لیکن تفصیل میں جانے سے پہلے پورا شعر سماعت کیجیے کم عمة لك یا جریر وخالة ÷ فدعاء قد حلبت علیّ عشاری. شعر کا ترجمہ ہے کتنی ہی پھوپھیاں تیری اے جریر اور خالائیں کہ ٹیڑھے ہاتھ یا ٹیڑھے پاؤں والیاں ہیں جنھوں نے میری دس ماہ گابھن اونٹنیوں کا دودھ میرے اوپر پڑ کر دوھا ہے۔

اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جو کم استفہامیہ اور خبریہ دونوں کا احتمال رکھتی ہو اور تمیز کے ذکر و حذف کا بھی پس یہ احتمالاتِ ثلاثہ نفس کم میں بھی اور اس کی تمیز میں بھی جاری ہو سکتے ہیں۔

خود کم میں جو تین احتمال ہیں وہ یہ ہیں۔ اول رفع علی الابتداء اگر اس کی تمیز مذکور ہو یعنی عمة پھر کم دو حال سے خالی نہیں یا وہ کم استفہامیہ ہوگا یا کم خبریہ۔ بصورت استفہامیہ معنی ہوں گے کم عمةً لك یا جریر وخالةً. اور خبریہ ہونے کی صورت میں معنی ہوں گے کم عمة لك یا جریر وخالةٍ.

دوم نصب علی الظرفیۃ یعنی مفعول فیہ ہونے کی بنیاد پر منصوب ہونا۔ اگر اس کی تمیز محذوف ہو یعنی مرةً پس استفہام کی تقدیر پر مطلب ہوگا عمة لك یا جریر وخالة فدُعاء کم مرةً قد حلبت علیّ عشارِ. اور خبریہ ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا عمة لك یا جریر وخالة فدعاء کم مرةٍ قد حلبت علیّ عشاری.

سوم نصب علی المصدر یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہونا اگر اس کی تمیز محذوف ہو یعنی حلبت تو استفہامیہ ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا عمة لك یا جریر وخالة فدعاء کم حلبة قد حلبت علیّ عشاری اور خبریہ ہونے کی صورت میں معنٰی ہوگا کم حلبةٍ قد حلبت علی عشاری.

اور انھیں مذکورہ بالا وجوہ ثلاثہ کا احتمال کم کی تمیز میں بھی ہے۔ اول رفع علی الابتداء اگر تمیزِ کم محذوف

ہویعنی مرة یا حلبة مطلب ہوگا عمة لك یا جریر وخالة فدعاء کم مرةً قد حلبت علی عشاری استفہامیہ ہونے کی صورت میں اور خبریہ ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا عمةٌ لك یاجریر وخالةٌ فدعاء کم مرةٍ قد حلبت عليّ عشاری پس احتمال مذکور میں کم دونوں طرح ہوسکتا ہے۔

اوراحتمال ثانی عمةً کامنصوب ہونا جب کہ استفہامیہ کی تمیز ہواحتمال ثالث ہے عمة کومجرور پڑھنا بشرط کہ وہ کم خبریہ کی تمیز ہو۔بقیہ عبارت سابق کی طرح ہوگی۔

توجیہ اول ماسبق کے زیادہ مناسب ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد کم کے اعراب کے وجوہ پر ہے جو ماقبل میں مذکور ہیں پس گویا یہ ماقبل پر ہی تفریع ہوگی بخلاف دوسری توجیہ کے کہ اس کی بنیاد تمیز کے حذف اور ذکر پر ہے اور یہ بات ماسبق میں نہیں البتہ مابعد میں مذکور ہے پس مناسب یہ تھا کہ اس مثال کو مصنف کے قول وقد یحذف فی مثل کم مالك وکم ضربت کے بعدلایا جاتا۔

وقد یحذف: حاصل عبارت یہ ہے کہ کم خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ ان کی تمیز کم مالك اور کم ضربت جیسی مثال میں کبھی حذف بھی کردی جاتی ہے۔

اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں قرینہ تمیز کے حذف پر قائم ہو۔اور یہ بات شبہ سے بالاتر ہے کہ تمیز کے حذف پر قرینہ ان دونوں مثالوں میں موجود ہے اس لیے کہ جب مال کی مقدار کے بارے میں سوال ہوگا جیسا کہ استفہامیہ میں ہوتا ہے یا مال کے کثرت کی اطلاع دی جائے گی جیسا کہ خبریہ میں ہے تو ظاہر حال اس بات پر قرینہ ہوگا کہ مسئول عنہ یا مخبر عنہ دارہم اور دنانیر کی مقدار ہے۔

پس تقدیر عبارت کم درهمًا مالك یا کم دینارًا مالك استفہامیہ ہونے کے وقت اور کم دراهمِ مالي یا کم دینار مالي خبریہ ہونے میں ہوجائے گی۔

اوراسی طرح جب ضرب کی مقدار کے بارے میں سوال ہوگا یا ضرب کی کثرت کی اطلاع دی جائے گی تو ظاہر حال قرینہ اس بات پر ہوگا کہ مسئول عنہ یا مخبر عنہ مرات یا ضربات ہیں پس تقدیر عبارت ہوگی کم مرةً یا کم ضربةً ضربتَ استفہامیہ کی صورت میں اور کم ضربةٍ یا کم مرةٍ ضربتُ خبریہ ہونے کی حالت میں۔

الظروفُ منها ما قُطِعَ عنِ الاضافة كقبلُ وبعدُ وأُجرىَ مَجراهُ لا غيرُ وليس غير وحَسبُ ومنها حيث ولا يُضاف الا اِلى الجُملة فى الاكثرِ ومنها اذا وهى لمُستقبل وفيها مَعنى الشرطِ ولذٰلكَ اختِير بَعدها الفعل وقد تكون للمُفاجَاةِ فيلزمُ المبتَداء بعدهَا ومنها اذ للمَاضى ويقعُ بَعدَها الجُملتانِ۔

ترجمہ:- ظروف(۱) میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کو اضافت سے الگ کردیا گیا ہے جیسے قبل

اور بعد اور بعد کے قائم مقام کر دیا گیا ہے لاغیر اور لیس غیر اور حسب کو۔ اور من جملہ ظروف سے حیث ہے اور وہ نہیں مضاف ہوتا ہے مگر عموماً جملہ کی طرف اور منجملہ ظروف سے اذا ہے اور وہ مستقبل کے لیے ہے اور اس میں شرط کے معنی ہیں اور اسی وجہ سے اس کے بعد فعل کو اختیار کیا گیا اور کبھی وہ مفاجات کے لیے ہوتا ہے تو اس کے بعد مبتدا لازم ہے۔ اور منجملہ ظروف سے اذ ہے جو ماضی کے لیے ہے اور اس کے بعد دو جملے واقع ہوتے ہیں۔

توضیح:- ظروف کی ایک قسم وہ ہے کہ جن کے مضاف الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، لیکن وہ نیت میں مراد ہوتا ہے جیسے قبل اور بعد تو یہ حروف کے ساتھ احتیاج میں مشابہت کی وجہ سے مبنی علی الضم ہوتے ہیں جیسے للّٰہ الامرُ من قبلُ ومن بعدُ ایسے ظروف کا لقب غایات ہے، اس لیے کہ غایت کہتے ہیں کہ جس پر کسی چیز کی انتہا ہو جائے تو کلام کی انتہاء ذکر کی صورت میں مضاف الیہ پر ہوتی تھی پس اب جب کہ مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو منتہائے کلام مضاف ہو گیا پس اس مناسبت کی وجہ سے ان کو غایات کہا جانے لگا۔

اور ان کا ضمہ پر مبنی ہونا اسی لیے ہے تاکہ ضمہ مضاف الیہ کے حذف کی تلافی ہو جائے۔ اب سنئے اگر ان ظروف کے مضاف الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے یا مضاف الیہ کا حذف نسیا منسیا کے طور پر ہوتا ہے یعنی مضاف الیہ نیت میں بھی باقی نہیں رہ جاتا ہے تو ایسی صورت میں قبلُ اور بعدُ معرب ہوں گے جیسے شاعر کا قول ع رُبَّ بعدٍ کان خیرًا من قبل.

نیز ان ظروف میں مضاف الیہ کے عوض علی سبیل القلۃ تنوین بھی درست ہے پر ایسی صورت میں یہ معرب ہو جائیں گے جیسے ۔ فساغ الی الشراب و کنت قبلاً ÷ اکاد اغصُّ بالماء الفُراتِ شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ بآسانی مجھے شراب حلق سے نیچے اتر جاتی ہے، ورنہ اس سے پہلے تو مجھے خالص پانی کے پینے میں بھی اُچھو لگتا تھا۔

واجری مجراہ: وہ ظروف جو مقطوع عن الاضافۃ اور مبنی علی الضم ہوتے ہیں انھیں کے قائم مقام یعنی ان کے حکم میں لاغیر اور لیس غیر اور حَسْبُ بھی ہیں کہ ان کا بھی مضاف الیہ محذوف منوی ہوتا ہے اور یہ اسماء مبنی علی الضم ہوتے ہیں غایات میں مشابہت کی وجہ سے۔

غیر کے لیے جو کہ اسمائے ظروف سے نہیں ہے لا یا لیس کے بعد ہونا شرط ہے کیوں کہ غیر ان دونوں کے بعد کثیر الاستعمال ہے اور کثرت استعمال تخفیف کا تقاضہ کرتا ہے پس مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کو ہلکا کر دیا۔ جیسے جاء نی زید لا غیر یا لیس غیر.

اور حسب کا مضاف الیہ محذوف منوی اس لیے ہتا ہے کہ وہ غیر کے مشابہ ہے کثرت استعمال میں پس

جیسے غیر کا مضاف الیہ محذوف منوی ہوتا حسبُ کا بھی محذوف منوی ہوگا نیز حسب اضافة کے ساتھ مشہور بھی نہیں ہے۔

و منها حیث: اور من جملہ ظروف کے حیث ہے جو غایات کی طرح مبنی ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ حیث عموماً مضاف الی الجملة ہوتا ہے اور وہ اسم جو جملہ کی طرف مضاف ہو اس کا معاملہ ایسا ہے گویا اس کی اضافت ہی نہیں ہوئی، کیوں کہ جملہ حقیقتاً مضمونِ جملہ کی طرف ہوتا ہے اور وہ مذکور نہیں ہوتا اور جو لفظ میں موجود ہے (یعنی الفاظِ جملہ) وہ مضاف الیہ نہیں ہے پس گویا حکماً یہ مقطوع عن الاضافة ہو گیا لہٰذا یہ ابہام میں غایات کے مشابہ ہو گیا اور غایات مبنی ہوتے ہیں لہٰذا حیث بھی مبنی ہوگا۔

اور اضافت الی الجملہ اکثر استعمال میں ہوتا ہے پس کبھی حیث مفرد کی طرف بھی مضاف ہو جاتا ہے جیسے شاعر کا قول **اَمَا تری حیث سهیل طالعًا ÷ نجمٌ تضئ کالشهاب ساطعًا** شعر کا ترجمہ یہ ہے کیا نہیں دیکھتا ہے تو سہیل کی جگہ کو اس حال میں کہ سہیل طلوع کرنے والا ہے کہ وہ ایک ستارہ ہے جو آگ کے شعلہ کی طرح روشن اور بلند ہوتا ہے۔ محل استدلال حیث ہے جو مفرد کی طرف مضاف ہے۔

اب اضافت الی المفرد کے وقت بعض اس کو معرب قرار دیتے ہیں کیوں کہ علت بنا یعنی اضافت الی الجملہ معدوم ہے، لہٰذا مبنی ہونا بھی باقی نہ رہے گا لیکن دوسرے بعض حضرات مبنی ہی سمجھتے ہیں کیوں کہ اضافت الی المفرد شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

و منها اذا: اور ظروف مبنیہ میں سے اذا بھی ہے خواہ زمان کے لیے ہو یا مکان کے لیے ہو مبنی اضافت الی الجملة کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی اور اذا زمانۂ مستقبل کے لیے ہوتا ہے خواہ اذا ماضی پر داخل ہو کیوں کہ اس کا استعمال اصلاً زمانۂ مستقبل کے لیے ہی ہوتا ہے اور اس فعل کا وقوع بتانے کے لیے جس کا واقع ہونا متکلم کے اعتقاد میں یقینی ہو کیوں کہ یقینی امور میں ہی اس کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے جیسے **اذاالشمسُ کورتْ**.

البتہ کبھی خلاف اصل، زمانہ ماضی کے لیے بھی استعمال رائج ہے جیسے **حتی اذا بلغ بین السدّین** اور اسی طرح **حتی اذا ساوىٰ بین الصدفین**.

وفیها معنی الشرط: اور اذا میں شرط کے بھی معنی پائے جاتے ہیں یعنی ایک جملہ کا دوسرے جملہ کے مضمون پر مرتب ہونا پس یہ اذا کے مبنی ہونے کی دوسری وجہ ہو گئی۔

خیر: چوں کہ اذا میں شرط کے معنی موجود ہیں اس لیے اس کے بعد فعل کا لانا مختار ہے کیوں کہ فعل کو شرط سے مناسبت ہے البتہ چوں کہ اذا شرطیت میں اصل نہیں ہے، اس لیے اس کے بعد اسم کا آنا بھی درست ہے بھلے غیر اولیٰ ہے۔

وقد تکون للمفاجاۃ: کبھی کلمہ اذ بغیر شرط کے محض مفاجاۃ کے لیے ہوتا ہے مفاجاۃ کسی چیز کے دفعۃً اور اچانک ہو جانے اور پکڑ لینے نیز اچانک پہنچ جانے کو بھی کہتے ہیں۔ تو جب اذ امفاجات کے لیے ہوگا تو اس کے بعد مبتدا لازم ہے تاکہ اذا مفاجاتیہ اور اذا شرطیہ میں فرق قائم رہے جیسے **خرجت فاذا السبع واقف،** البتہ لزوم یہاں کثرت وقوع کے معنی میں ہے یعنی اکثر اذا مفاجاتیہ کے بعد مبتدا آتا ہے چنانچہ کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔

ومنها اذ: ظروف مبنیہ میں سے اذ بھی ہے اس کے مبنی ہونے کی وجہ وہی ہے جو حیث کی ہے، نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی وضع حرف کی سی ہے اذ چونکہ شرط کے لیے نہیں ہوتا اس لیے اس کے بعد جملہ فعلیہ اور اسمیہ دونوں ہو سکتے ہیں، البتہ عموماً ماضی کے لیے ہی مستعمل ہوتا ہے مثال جیسے **اذ زید عالم اذ قام اسامہ** ہاں کبھی اذ کا استعمال مستقبل کے لیے ہو جاتا ہے جیسے **اذا الاغلال فی اعناقھم.**

ومنها اینَ وانّٰی للمکان استفهاماً وشرطًا ومتی للزّمان فیهما و ایّانَ للزمان استفهامًا وکیف للحالِ استفهامًا ومُذ ومُنذ بمعنٰی اوّل المدة فیلیهما المفردُ المعرفة وبمعنٰی الجمیع فیلیهما المقصودُ بالعددِ وقد یقَعُ المصدرُ او الفعلُ او اَنّ او اِنّ فیقدرُ زمانٌ مضافٌ وهو مبتدأ وخبرُهُ ما بعدهُ خلافًا للزجاج.

ترجمہ:- اور ظروف مبنیہ میں سے این اور انّٰی مکان کے لیے ہیں درانحالیکہ وہ استفہام اور شرط ہوں۔ اور متی زمان کے لیے ان دونوں میں ہے اور ایّان زمان کے لیے حالت استفہام میں ہے اور کیف حال کے لیے استفہام کی حالت میں ہے اور مذ اور منذ ابتدائے مدت کے معنی میں ہوتے ہیں پس ان دونوں سے مفرد معرفہ متصل ہوتا ہے اور جمیع مدت کے معنی میں نیز ہوتے ہیں تو ان سے مقصود بالعدد متصل ہوتا ہے اور کبھی مصدر یا فعل یا ان یا اَنّ واقع ہوتا ہے تو مقدر مانا جاتا ہے زمان جو مضاف ہو اور وہ مبتدا ہوتا ہے اور خبر ان کا مابعد ہوتا ہے مخالفت کرتے ہوئے زجاج کے۔

توضیح:- **ومنها این وانّٰی:** ظروف مبنیہ میں سے این اور انّٰی بھی ہیں جو مکان کے لیے مستعمل ہیں چاہے وہ حالت استفہام میں ہوں یا برائے شرط جیسے **این زید** استفہام کی مثال ہے **این تکن اکن** شرط کی اور **انّٰی زید** استفہام اور **انّٰی تقعد اقعد** شرط کی مثال ہے ان دونوں اسموں کا مبنی ہونا حرف استفہام اور شرط کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

ومتی للزمان: اور کلمہ متی استفہام اور شرط دونوں میں زمان کے لیے آتا ہے۔ جیسے **متی العطلة** برائے استفہام اور **متی تحفظ الدرس احفظه** برائے شرط کی مثال ہے متی شرطیہ اور اذا شرطیہ میں فرق یہ ہے کہ اول زمان مبہم کے لیے مستعمل ہے جب کہ اذا زمان معین کے لیے آتا ہے۔ اس کی علت بناء حرف

استفہام یا شرط کے معنی کا متضمن ہونا ہے۔

وایّان للزمان: کلمہ ایّان حالت استفہام زمان کے لیے آتا ہے جیسے **ایّان یوم والدین** قیامت کادن کب ہوگا۔ ایان اور متیٰ میں فرق یہ ہے کہ ایان امور عظیم ہائلہ اور زمانہ مستقبل کے لیے مخصوص ہے جب کہ متی دونوں میں سے کسی امر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے وجہ بناء ہمزہ استفہام کا متضمن ہونا ہے۔

کیف للحال: کلمۂ کیف حالت استفہام میں حالت معلوم کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے **کیف انت** آپ کیسے ہیں؟ اور کلمہ ما کے ساتھ برائے شرط ضعف کے ساتھ عندالبصر یین اس کا استعمال ہے جیسے **کیفما تجاهد اجاهد** جب کہ اہل کوفہ کے نزدیک بغیر ما کے بھی برائے شرط کیف مستعمل ہوتا ہے البتہ ضعف کے داغ کے ساتھ جیسے **کیف تطالع اطالع**. حرف استفہام کے متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہے۔

ومذ ومنذ: ظروف مبنیہ میں سے مذ اور منذ بھی ہیں جن کی وضع اس فعل کے زمانہ کی اول مدت بتانے کے لیے ہوتی ہے جو فعل ان سے پہلے واقع ہو جیسے **ما رأيته مذ يوم الجمعة**. لہٰذا مذ اور منذ کے متصل مفرد معرفہ ہوگا یعنی ان دونوں کے بعد مفرد معرفہ ہوگا۔ مفرد اس لیے ہوگا کہ فعل کی اول مدت کوئی امر واحد ہوگا دو اور دو سے زائد چیزیں نہیں ہوں گی۔ اور معرفہ اس لیے ہوگا کہ وقت مجہول کو فعل کی اول مدت قرار دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ تو بداہتاً معلوم ہے کہ کوئی نہ کوئی وقت اس فعل کی اول مدت ہوگا۔

البتہ مذ اور منذ کے بعد جو مفرد معرفہ ہوگا، اس میں عموم ہے بایں لحاظ کہ وہ مفرد خواہ حقیقتاً ہو جیسا کہ مثال میں گذر چکا یا حکماً ہو جیسے **ما رايته مذ يومان الذان صاحبنا فيها** پس یومان اس مثال میں حکماً مفرد ہے، کیوں کہ جب تک یومان کے امر واحد ہونے کا لحاظ نہ کیا جائے اس پر اول مدت کے ساتھ حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بایں اعتبار بھی عموم ہے کہ خواہ حقیقتاً معرفہ ہے جیسا کہ مثالوں میں گذرا یا حکماً معرفہ ہو جیسے **ما رايته مذ يوم لقيتني فيه** پس یوم نکرہ حکما معرفہ ہے اس لیے کہ یہ نکرہ مطلقہ نہیں ہے بلکہ **لقيتني** صفت کی وجہ سے نکرہ مخصصہ ہو گیا جو معرفہ کے حکم میں ہوتا ہے۔

وبمعنى الجميع: اور کبھی مذ اور منذ، فعل کی تمام مدت کے لیے آتا ہے اس صورت میں مذ اور منذ سے وہ زمانہ متصل ہوتا ہے جس کے بیان مع العدد کا ارادہ اور قصد ہوتا ہے خواہ معرفہ ہو یا نکرہ پس اگر مقصود یہ ہو کہ وہ مدت جس میں رویت فلاں کی نہیں حاصل ہوتی ہے دو دن ہے یا تین دن ہے تو یہ کہا جائے گا **ما رأيته منذ يومان او ثلثة ايام**. کہ میرے نہ دیکھنے کی پوری مدت دو دن ہے یا تین دن۔ اس صورت میں مذ اور منذ کے بعد مقصود کا بالعدد بیان اس لیے ضروری ہے کہ جب پوری مدت کے بیان کا ارادہ ہے تو اس مدت کا بیان ایسے عدد کے ساتھ ضروری ہے جو اس مدت کے کل حصہ سے متعلق ہو، تاکہ مطلوبہ فائدہ حاصل ہوسکے۔

وقد یقع المصدر: یہاں سے بتارہے ہیں کہ مذ اور منذ کے بعد کبھی کبھار اور کون سی چیزیں واقع ہوسکتی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مذ اور منذ کے بعد مصدر، اور کبھی فعل اور اَنَّ اور ان واقع ہوتے ہیں اول کی مثال ما خرجت مذ ذھابك اور ثانی کی مثال جیسے ما خرجت مذ ذھبتَ تیسرے یعنی اَنَّ مثقلہ کی مثال جیسے ما خرجت مذ انك ذاھب اور چوتھے یعنی اَنْ مخففہ من المثقلہ کی مثال جیسے ماخرجتُ مذ اَنْ ذھبتَ .

فیقدر زمان: اس کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور میں سے جب کوئی مذ اور منذ کے بعد واقع ہوں گے تو اس امر سے پہلے زمان مقدر مانا جائے گا جو اس امر کی طرف مضاف ہوگا جیسے ماخرجت منذ ذھابك کی تقدیر ہوگی ماخرجت منذ زمان ذھابك. ایسا اس لیے ہے کہ تا کہ مذ اور منذ کے مابعد کا مذ اور منذ پر حمل درست ہوجائے۔

وھو مبتداء: حاصل عبارت یہ ہے کہ مذ اور منذ مبتدا ہوں گے کیوں کہ یہ بتاویل اضافت معرفہ ہیں اس لیے کہ یہ اول المدة یا جمیع المدت کے معنی میں ہیں پس گوصورتاً نکرہ ہوں لیکن معنیً معرفہ ہیں اوران کا مابعد خبر ہوگا۔زجاج کا اس میں اختلاف ہے ان کی رائے ہے کہ مذ اور منذ کو خبر مقدم اور ان کے مابعد کو مبتدا موٴخر قرار دیا جائے لیکن اس میں ضعف ہے اس لیے کہ مذ یومان جیسے میں نکرہ کا مبتدا اور خبر کا معرفہ ہونا لازم آئے گا اور یہ صحیح نہیں ہے۔

وَمنها لدٰی ولَدٰن وقَد جاء لَدْنِ ولدِنْ ولُدْنِ ولَدْ ولُدْ ولَدُ ومنها قَطُّ للمَاضِي المنفي وعَوضُ للمُستقبل المنفِي والظُروفُ المُضَافَةُ الى الجملة واذ يجوز بناؤهَا علي الفتح و كذٰلك مثلُ وغيرُ مَعَ ما وان واَنَّ.

ترجمہ:- اور ظروف مبنیہ میں سے لدٰی اور لَدُن ہے اور بے شک لَدْن اور لَدِنْ اور لُدن اور لَدْ اور لُدْ آیا ہے اور ظروف مبنیہ میں سے قطّ ہے جو ماضی منفی کے لیے اور عوض مستقبل کے لیے ہے اور وہ ظرف جملہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور اذ کی طرف تو جائز ہے ان کا فتح پر مبنی ہونا اور اسی طرح مثل اور غیر، ما اور اَنْ اور انَّ کے ساتھ۔

ومنها لدٰی: اور ظروف مبنیہ میں سے لَدٰی ہے جو الف مقصورہ کے ساتھ ہے اور لَدُنْ ہے جو لام کے فتحہ اور دال کا ضمہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے اور لَدِنْ لام کا فتحہ، دال کا کسرہ اور نون کا سکون بھی ایک لغت ہے۔نیز اس کا استعمال لَدْنِ لام کے فتحہ اور دال کے سکون اور نون کے کسرہ کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ایک لغت لَدْ لام کا فتحہ اور دال کا سکون ہے اور لُدْ لام کا ضمہ اور دال کا سکون ہے اور لَدُ لام کا فتحہ اور دال کا ضمہ ہے۔

ان کی وجہ بناء یہ ہے کہ ان میں بعض حرف کی وضع پر وضع کیے گئے ہیں اس مناسبت سے یہ مبنی ہیں۔ باقی کو انھیں پر محمول کرلیا گیا ہے۔ یہ سب عند کے معنی میں ہیں البتہ عند کا استعمال عام ہے کہ خواہ وہ چیز متکلم کے پاس موجود ہو یا خزانہ میں کہ جس کی نسبت اپنے پاس ہونے کی وہ خبر دے رہا ہے جیسے المال عندی تو مال کا پاس ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ملکیت کافی ہے جب کہ لدی کا استعمال پاس موجود ہونے کے وقت میں صحیح ہوگا۔

ومنها قط: قَطُّ بھی ظروف مبنیہ میں سے ہے. اس میں چند لغتیں ہیں قاف کا فتحہ اور طائے مشددہ کا ضمہ، قاف کا ضمہ اور طاء مشددہ کا ضمہ قُطُّ، قاف کا ضمہ اور طاء مشددہ کا کسرہ جیسے قُطِّ، قاف کا ضمہ اور طاء مشددہ کا فتحہ جیسے قُطَّ اور قاف کا ضمہ اور طاء مخففہ کا ضمہ قُطُ، قاف کا فتحہ اور طاء مخففہ کا ضمہ جیسے قَطُ.

وجہ بناء یہ ہے کہ قط مخففہ حرف کی وضع پر موضوع ہے یعنی دو حرف اس کا وزن ہیں پس اس مناسبت سے وہ مبنی ہے اور مشددہ مخففہ پر محمول ہے۔

قط فعل ماضی کی نفی کے لیے آتا ہے جیسے ما رایته، قطُ اور مقصد ماضی کے پورے زمانہ میں نفی کا استغراق ہوتا ہے۔

ومنها عوض: ظروف مبنیہ میں سے عوض بھی ہے جو مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے۔ یہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے وجہ مقطوع عن الاضافۃ ہونا ہے قبل اور بعد کی طرح اور اس سے مقصد زمانہ مستقبل کے پورے زمانہ میں نفی کا استغراق ہوتا ہے جیسے لا اراہ عوض میں اسے آئندہ کبھی بھی نہیں دیکھوں گا۔

والظروف المضافة: ماحصل یہ ہے کہ ظروف جب مضاف الی الجملۃ ہوں یا اذ کی طرف مضاف ہوں تو ان کا فتحہ پر مبنی پڑھنا درست ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوم ینفع الصادقین صدقهم. اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد مِنْ خِزْیِ یَوْمَئِذٍ پہلی مثال میں یوم جملہ کی طرف مضاف ہے اور دوسری مثال میں اذ کی طرف مضاف ہے۔ مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مضاف نے مضاف الیہ سے بناء حاصل کرلی ہے، کیوں کہ جملہ من حیث الجملہ مبنی ہوتا ہے اور اذ خود ہی مقطوع عن الاضافۃ ہونے کی وجہ سے مبنی ہے پس مضاف الیہ کے بناء سے مضاف نے بناء حاصل کرلی۔

اور فتحہ پر مبنی ہونا تخفیف کے لیے ہے۔ یجوز کا لفظ بتا رہا ہے کہ معرب بھی پڑھا جاسکتا ہے اس لیے کہ یہ ایسے اسماء ہیں جو اعراب کے حق دار ہیں اور مضاف کا مضاف الیہ سے اکتسابِ بناء واجب بھی نہیں ہے۔

وکذالك مثل غير: حاصل یہ ہے کہ جس طرح ظروف کا بوقت اضافت الی الجملہ مبنی علی الفتح ہونا درست ہے، اسی طرح مثل اور غیر جب بھی کلمۂ ما یا اَنّ مثقلہ یا اَنْ مخففہ کے ساتھ ہوں یعنی ما یا اَنّ مثقلہ یا

مخففہ کی طرف مضاف ہوں تو ان کا مبنی علی الفتح ہونا درست ہے،اس لیے کہ مثل اور غیر صورۃ جملہ کی طرف مضاف ہیں اور ابہام کی وجہ سے نیز رفع ابہام کے لیے مضاف الیہ کے محتاج ہونے میں ظرف کے مشابہ ہیں یعنی گویا بناء کی تین وجہیں ہیں اولا بظاہر اضافت الی الجملہ ثانیا ابہام ہونا مثل ان تقوم زید وقیامی مثل انّك تقوم اسی طرح غیر کی مثال نکال لیجیے۔

اب رہی یہ بات کہ مثل اور غیر از قبیل ظروف نہیں ہیں پھر ان کا ذکر ظروف کے ساتھ کیوں کیا اصل وجہ یہ ہے کہ ان کو ظروف سے ابہام میں مشابہت حاصل ہے۔اسی مناسبت سے ضمناً ان کا بھی تذکرہ کردیا۔

المعرفة والنكرة

المعرفةُ ما وُضِعَ لِشيءٍ بعينه وهي المضمرات والاعلامُ والمبهماتُ وَمَا وعُرِّفَ باللامِ او النداءِ والمضَافُ الى احَدهَا معنًى العَلَمُ ما وضِعَ لشيءٍ بعينهٖ غير متناول غيرَهٗ بوضعٍ واحد واعرفُها المضمر المتكلم ثم المُخَاطبُ النّكرةُ ما وُضِعَ لشيءٍ لا بعَينهٖ .

ترجمہ:- یہ باب معرفہ اور نکرہ کے بیان میں ہے۔معرفہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو معین شی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور وہ مضمرات اور اعلام اور مبہمات ہیں اور وہ اسم ہے جس کو لام یا نداء کے ذریعہ معرفہ بنایا گیا ہے اور وہ اسم جو ان مذکورہ اقسام میں سے کسی کی طرف مضاف ہو معنیً علم ایسے اسم کو کہتے ہیں جو متعین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو جو اپنے علاوہ کو وضع واحد کے ساتھ شامل نہ ہو۔تمام معارف میں سب سے اعرف ضمیر متکلم ہے پھر ضمیر مخاطب ہے۔

نکرہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو غیر متعین چیز کے لیے موضوع ہو۔

توضیح:- معرفہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو شی معین کے لیے اس طرح وضع کیا گیا ہو کہ وہ متکلم اور مخاطب کے درمیان خارج میں معلوم اور معہود ہو خواہ اس کی وضع وضع جزئی کے ساتھ ہوئی ہو جیسے اعلام، مضمرات اور مبہمات اور خواہ وضع وضع کلی کے ساتھ ہو جیسے معرف باللام،اضافت اور نداء۔

معرفہ کی چھ قسمیں ہیں لیکن یہ استقراء کی بنیاد پر کہا جارہا ہے عقلاً چھ میں انحصار نہیں ہے۔

پہلی قسم مضمرات کی ہے دوسری قسم اعلام کی اور تیسری قسم مبہمات یعنی اشارات اور موصولات ہیں چوتھی قسم معرف باللام، پانچویں قسم نداء اور چھٹی قسم ان پانچ میں سے کسی طرف اضافت معنوی کے طور پر مضاف ہونا اس لیے کہ اضافت لفظی مفید للتعریف نہیں ہوتی ہے۔

فائدہ علم عام ہے خواہ وہ علم شخصی ہو جیسے زید یا علم جنس ہو جیسے اسامۃ۔اور مبہمات سے مراد اشارات اور موصولات ہیں اور ان کو مبہم اس لیے کہتے ہیں کہ اسم اشارہ، اشارہ حسیہ کے بغیر اور موصول، صلہ

کے بغیر مبہم ہی ہوتا ہے۔ لام تعریف سے مراد لام جنس اور لام استغراق اسی طرح لام عہد خارجی سب ہیں۔ اور اضافت سے مراد اضافت معنوی ہے جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا جا چکا ہے۔

العلم ما وضع لشیء بعینہ: اب علم کی تعریف کرر ہے ہیں علم ایسے اسم کو کہتے ہیں جو وضع کیا گیا ہو کسی شئ متعین کے لیے اس طرح کہ وہ اپنے غیر کو وضع واحد کے ساتھ شامل نہ ہو۔

شئ بعینہ عام ہے خواہ وہ فرد ہو جیسے زید یا جنس ہو جیسے اسامہ اسی طرح بایں حیثیت بھی عموم ہے کہ خواہ وہ ذات ہو جیسے زید یا غیر ذات ہو جیسے فجار اور خباث، نیز چاہے وہ انسان ہو جیسے مرء یا غیر انسان ہو جیسے اعوج جو بنی بلال کے گھوڑے کا نام ہے۔

غیر متناول: اسی قید سے تمام معارف نکل گئے کیوں کہ مبہمات اور مضمرات اور ذو اللام ان کی وضع کسی بھی معین مراد کے لیے ہوتی ہے جب کہ علم مسمّٰی معین کے لیے وضع ہوا ہے۔

بوضع واحد: متعلق ہے متناول کے مطلب یہ ہے کہ وہ شئ معین اپنے غیر کو وضع واحد کے ساتھ نہ شامل ہو پس اگر لفظ کسی معنی معین کے لیے وضع کیا گیا اور لفظ اس معنی معین کے غیر کو وضع اول کے طور پر نہیں بلکہ وضع ثانی کے ساتھ شامل ہو تو ہوا کرے اس سے علم کی تعریف کی جامعیت اور مانعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسے اسامۃ کسی ایک آدمی کا نام رکھا پھر دوسرے آدمی کا بھی نام اسامہ رکھ دیا پس اسامہ شئ معین کے لیے موضوع ہے اور اپنے غیر کو شامل ہے لیکن وضع اول کے ساتھ نہیں بلکہ دوسری وضع کے ساتھ پس وہ وضع اول کے ساتھ صرف اول شخص کو شامل ہے دوسرے کو نہیں اور دوسرے کو شامل ہے تو وضع ثانی کی وجہ سے اول کے اعتبار سے نہیں پس اعلام مشترکہ علم کی تعریف سے خارج نہیں ہوئے۔

دھیان رہے کہ علم تین قسموں پر ہے کنیت، لقب اور علم محض۔ اس لیے کہ علم یہ تو شروع ہوگا اب یا ام یا ابن یا بنت سے یا ایسا نہیں ہوگا احتمال اول میں وہ لقب کہلائے گا اور ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو اس علم سے مقصد مدح یا ذم ہوگا یا کچھ بھی نہیں، پس اول نسب ہے اور ثانی علم محض۔

اب ایک بات اور سمجھ لیں کہ مصنف نے معارف میں صرف علم کی تعریف بیان کی تو اصل معاملہ یہ ہے کہ اسمائے اشارات اور مضمرات نیز موصولات کی تعریف ماقبل میں بیان ہو چکی ہے، لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور مضاف الی احدہا کا مطلب واضح ہے اور معرف باللام اور معرف بالندا تعریف سے بے نیاز تھے بچا علم تو نہ ہی اس کی تعریف ماسبق میں ہوئی تھی اور نہ ہی ظاہر تھی اس لیے بطور خاص اس کی تعریف کی۔

واعرفھا المضمر المتکلم: معارف میں سب سے اعرف ضمیر متکلم ہے، کیوں کہ اشتباہ کا وقوع اس میں بعید تر ہے۔ پھر ضمیر مخاطب ہے، کیوں کہ تعدد مخاطب کے وقت بعض اوقات اس میں اشتباہ

ہو جاتا ہے پھر ضمیر غائب البتہ اس کا تذکرہ مصنف نے نہیں کیا کیوں کہ یہ بات عیاں ہے کہ غائب کی اعرفیت ضمیر متکلم اور مخاطب سے کم تر ہے۔ ضمائر کے بعد اعرف اعلام ہیں پھر مبہمات یعنی اشارات اور موصولات اور آخر میں نمبر معرف باللام اور نداء اور مضاف الی احدہا کا ہے۔

النکرہ: نکرہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو شئ غیر کے لیے وضع کیا گیا ہو بایں حیثیت کہ وہ خارج میں متکلم اور مخاطب کے درمیان معلوم اور معہود نہیں ہے۔

اسماء العدد ما وُضع لكميةِ احاد الاشياء اُصولُها اثنتا عشرة كلمةً وَاحدةٌ الى عشرةٍ ومائةٌ والفٌ تقولُ واحدٌ واحدة اثنانِ اثنتان وثنتان وثلثة الى عشرةٍ وثلثٌ الى عشرٍ واحد عشر اثنا عشر احدى عشرة اثنتا عشرةً وثنتا عشرة وثلثة عَشرَ الى تسعَةَ عشَر وثلث عشرة الى تسع عشرة وتميمٌ تكسِّر الشين فى المؤنث وعشرون واخواتُها فيهما واحدٌ وعشرون واحدىٰ وعشرون ثم با عطف بلفظ ما تقدّم الىٰ تسعَةٍ وتسعين ومائة والف مِائتان والفان فيهما ثُمَّ بالعطفِ علي مَا تقدَم.

ترجمہ:- اسمائے عدد وہ اسم ہے جو اشیاء کی اکائیوں کی مقدار کے لیے وضع کیا گیا ہو ان کے اصول بارہ کلمے ہیں واحدۃ سے عشرہ تک اور مائۃ اور الف ہے تم کہوگے واحد، اثنان، واحدۃ، اثنتان اور ثنتان اور ثلثۃٌ (سے) عشرۃٌ تک اور ثلثٌ (سے) عشرٌ تک اور احد عشر، اثنا عشر، اور ثنتا عشرہ اور ثلثۃ عشر، (سے) تسعۃ عشر تک اور ثلث عشر (سے) تسع عشرہ تک اور تمیم مؤنث میں شین کو کسرہ دیتے ہیں اور عشرون اور اس کے اخوات میں دونوں کے اندر (مذکر اور مؤنث) واحد وعشرون اور پھر عطف کے ساتھ اس چیز کے لفظ کے ساتھ جو مقدم ہو چکا ہے تسعۃ وتسعین تک اور مائۃ اور الف مائتان اور الفان ان دونوں میں پھر عطف کے ساتھ ماقبل پر۔

توضیح:- اسمائے عدد وہ الفاظ کہلاتے ہیں جو اشیاء کی اکائیوں کی مقدار کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ پس اشیاء تو معدودات ہیں اور ان میں سے ہر ہر واحد اکائی ہے اور اکائیوں کی مقدار اس مرتبہ کا نام ہے جو کم کے ذریعہ سوال کرنے والے کے سوال کے جواب میں واقع ہو۔ اور جو الفاظ ان مقادیر پر دلالت کرتے ہیں اسمائے عدد ہیں۔

اس تحقیق سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ واحد اور اثنان نحویوں کی اصطلاح میں عدد کی تعریف میں داخل ہیں اگرچہ وہ اہل علم حساب کی اصطلاح میں عدد میں شامل نہیں ہیں۔

اب ایک سوال اور اس کا جواب سمجھ لیجیے وہ یہ ہے کہ رجل اور رجلان، من اور منان بھی اشیاء کی اکائیوں کی مقدار پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا یہ عدد میں داخل ہو گئے پس اسمائے اعداد کی تعریف دخول غیر سے

مانع نہ رہی۔ جواب یہ ہے کہ اسمائے عدد کا موضوع لہ صرف اور صرف چیزوں کی اکائیوں کی مقدر ہے۔ اور یہ الفاظ مقدار پر جنسیت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔

اصولها: وہ ضوابط جن سے جملہ اسمائے عدد کا حکم معلوم ہوتا ہے (اب چاہے اس کا تعلق علامت تانیث کے لاحق کرنے سے ہو یا ساقط کردینے سے، تثنیہ لانے سے ہو یا جمع، ترکیب اضافی سے ہو یا امتزاجی یا ترکیب عطفی سے) بارہ کلمے ہیں واحد سے عشرہ تک دس کلمے ہوئے گیارہویں نمبر پر مائۃ اور بارہویں نمبر پر الف ہے۔

جب مفرد مذکر اور تثنیہ مذکر کے لے عدد بتلانا مقصود ہو تو مفرد کے لیے واحد اور تثنیہ کے لیے اثنان کہا جائے گا اور واحد مؤنث کے لیے **واحدۃ** اور تثنیہ مؤنث کے لیے **اثنتان** اور **ثنتان** بولا جائے گا۔ یعنی جب ایک اور دو کا عدد بتانا ہو تو قیاس کے موافق مذکر کے لیے عدد مذکر اور مؤنث کے لیے عدد مؤنث استعمال کریں گے۔ البتہ **ثلثة** سے **عشرہ** تک مذکر کے لیے تاء کے ساتھ اور مؤنث کے لیے ثلث سے عشرہ تک بغیر تاء کے خلاف قیاس استعمال کریں گے جیسے **ثلثة مجاهدين** اور **ثلث صائمات**.

خلاف قیاس استعمال فرق کرنے کے لیے مذکر میں تاء کے ساتھ اور مؤنث میں بغیر تاء کے ہوگا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرق موافق قیاس کی صورت میں بھی تو تھا جواب یہ ہے کہ مذکر، مؤنث سے پہلے تھا اور جمع جماعت کی تاویل میں مؤنث ہوتا ہے پس اس کے لیے تین سے لے کر دس تک کا عدد تاء کے ساتھ استعمال کرنا پڑا اور فرق کرنے کے لیے مؤنث بغیر تاء کے لائے۔

احدعشر: دس سے آگے کا جب عدد بتانا ہو تو مذکر کی صورت میں گیارہ اور بارہ کے لیے مرکب امتزاجی دونوں جزؤں کی تذکیر کے ساتھ لائیں گے اور مؤنث میں دونوں جزؤں کی تانیث کے ساتھ ذکر کریں گے۔ جیسے **احدعشر مسلما اثنى عشر مقاتلا**.

اور مؤنث کے لیے **احدى عشرة مؤمنة واثنتا عشرة مسلمة وثنتا عشرة راكعة** پس مذکر کی صورت میں دونوں جزؤں کی تذکیر اس لیے ہے کہ پہلے کا معاملہ یہ ہے کہ مرکب، مفرد کی فرع ہے اور مفرد میں مذکر کے لیے مذکر عدد ہی استعمال ہوتا ہے تو اسی طرح مرکب میں بھی موافقِ قیاس استعمال ہوتا ہے اور جزء ثانی کی تذکیر اس وجہ سے ہے کہ جزء ثانی تمام مرکبات میں معدود کے مذکر اور مؤنث ہونے میں موافق ہوتا ہے۔ اسی طرح **اثنتا عشرة** کا حکم ہے کہ جزء اول میں تانیث اس وجہ سے ہے کہ مرکب مفرد کی فرع ہوتا ہے اور مفرد میں واحد، اور تثنیہ کے لیے موافق قیاس مؤنث کے لیے عدد مؤنث کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے یہاں بھی جزء اول کو گیارہ اور بارہ میں مؤنث لایا گیا اور جزء ثانی کی تانیث تو اس لیے ہے کہ وہ معدود کے موافق ہی ہوتا ہے۔

وثلثة عشر الی تسعة عشر: تیرہ سے انیس تک کا عدد یوں استعمال ہوگا کہ پہلا جزء خلاف قیا س اور دوسرا جزء موافق قیاس استعمال ہوگا پس مذکر کی صورت میں ثلثة عشر رجلا تا تسعة عشر رجلا بولا جائے گا اور مؤنث کے لیے ثلث عشرة امرءة تا تسع عشرة امرءة کہا جائے گا۔

اب مذکر کی صورت میں پہلا جزء تانیث کے ساتھ اس لیے استعمال ہوگا کہ مرکبات مفردات کی فرع ہیں اور مفردات میں ثلثة سے تسعة تک خلاف قیاس مذکر کے لیے مؤنث کا استعمال ہوتا ہے تو ایسا ہی مرکبات میں بھی ہوگا اور دوسرے جزء کی تذکیر اس لیے تا کہ تانیث کی دو علامتیں اس لفظ میں نہ جمع ہو جائیں جو بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہے۔

رہی بات مؤنث کی صورت میں تو حسب قاعدہ سابقہ جزء اول خلاف قیاس مذکر استعمال کیا جائے گا اس لیے کہ مفردات میں ایسا ہی ہوتا ہے اور مرکب مفرد کی ہی فرع ہے۔ رہی بات جزء ثانی کے مؤنث استعمال کی تو اس کی اجازت اس لیے ہے کہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے یعنی اشتباہ کا کوئی موقع نہیں ہے، اس لیے کہ اشتباہ جزء اول کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

وتميم تكسر الشين: بنو تمیم کہتے ہیں کہ عشرة کا استعمال جب مؤنث کے لیے ہو تو ظاہری بات ہے کہ تاء تانیث کو لے کر چار حرف ہو جاتے ہیں پس لگا تار چار فتح اکٹھا ہو جاتے ہیں مزید ترکیب میں ثقل بھی ہے اس لیے شین کو کسرہ پڑھیں گے یعنی عَشِرَةَ تا کہ لگا تار چار فتحوں سے بچا جا سکے البتہ اہل حجاز کا کہنا ہے کہ بجائے کسرہ پڑھنے کے شین کو ساکن کر دیں گے یعنی عَشْرَةَ پڑھیں گے۔ اس لیے کہ فتحات سے سکون کے ذریعہ بھی بچا جا سکتا ہے، مزید تخفیف بھی ہے۔

وعشرون واخواتها: اخواتها تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس لیے کہ وہ عشرون پر معطوف ہے اور عشرون تقول کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے۔ نیز تاء کا رفع بھی پڑھا جا سکتا ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اخواتها مبتدا ہو اور اس کی خبر مثلها محذوف ہو۔

خیر: عشرون تا تسعون کا استعمال مذکر اور مؤنث کے لیے یکساں ہوگا پس اکیس اور بائیس کے لیے مذکر کی صورت میں احد وعشرون رجلا واثنان وعشرون رجلا استعمال ہوگا جب کہ مؤنث کے لیے احدى وعشرون امرأة اور اثنتان وعشرون امرأة کہا جائے گا اور بائیس سے آگے کا استعمال حسب سابق جزء اول میں خلاف قیاس استعمال ہوگا البتہ جزء ثانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی پس مذکر کے لیے ثلثة وعشرون رجلا اور مؤنث کے لیے ثلث وعشرون مؤمنة کہا جائے گا۔ اسی طرح کا استعمال ننانوے تک ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ عشرون کے بعد سے لے کر تسعون تک ہر عقد کے بعد ایک اور دو کے اضافہ

کی صورت میں جزء اول موافق قیاس اور دو سے زائد لانے کی صورت میں خلاف قیاس استعمال ہوگا، البتہ جزء ثانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ جزء ثانی میں تبدیلی اس لیے نہیں ہوگی کہ اگر برائے فرق علامت لائی جائے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو جزء ثانی میں قبل النون لائی جائے گی یا نون کے بعد پہلی صورت میں حکماً علامت کا وسطِ کلمہ میں لانا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں اور دوسری صورت میں آخر کلمہ میں علامت کا لانا لازم آئے گا اور یہ بھی درست نہیں ہے۔

ثم بالعطف بلفظ ما تقدم: اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ ایک سے لے کر دس تک آپ اکائیاں اسی سابقہ ضابطہ کے مطابق استعمال کریں کہ ایک اور دو میں موافق قیاس اور ان کے بعد خلاف قیاس پھر عقود العشرات کا اس پر عطف کریں اور آپ مثلاً کہیں احد وعشرون رجلا واحدی وعشرون امرأة، ثلث وعشرون جنديا وثلثة وعشرون تلميذة. اسی طرح آپ تسع وتسعون تک نکالیں ماقبل میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

البتہ اتنا فرق ہے کہ اکائیاں، عشرات یعنی دہائیوں کے ساتھ بیس تا نوے مرکب نہیں ہوں گی جب کہ اکائیاں دس کی دہائی کے ساتھ انیس تک مرکب ہوتی ہیں بلکہ یہاں اکائی پر دھائی کا عطف ہوگا یعنی اکائی معطوف علیہ اور دہائی معطوف قرار پائے گی اصل میں عشرون وغیرہ میں واؤ اور یاء معرب ہونے کی علامت ہیں جب کہ ترکیب علت بناء ہے پس دونوں میں منافات ہے۔

ومائة والف: اور مائة اور الف کا استعمال مذکر اور مؤنث میں کسی طرح کا فرق کیے بغیر کیا جائے گا جیسے مائة مسلم اور مائة صائمة اسی طرح الف مجاهد اور الف بقرة بولا جائے گا۔

ان میں بین التذکیر والتانیث فرق اس لیے نہیں ہے کہ مائة اور الف عقود یعنی دہائیوں کے مشابہ ہیں مراتب عدد پر مشتمل ہونے میں پس جب عقود میں تذکیراً وتانیثاً فرق نہیں ہوتا ہے تو اسی طرح ان کے مشابہات میں بھی نہ ہوگا۔ یہی حکم مائتان اور الفان میں بھی ہے۔

ثم بالعطف علی ما تقدم: اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب سو اور الف سے عدد آگے بڑھے تو احد تا تسع وتسعین اعداد کا طریقۂ استعمال آپ نے جو پڑھا ہے اسی طرح استعمال کرتے ہوئے زوائد کا مائة اور الف پر عطف کر دیا جائے یا مائة اور الف کا زوائد پر عطف کر دیا جائے۔ اس کی گنجائش اس لیے ہے کہ عدد کثیر من حیث المعنی ثقیل ہوتا ہے، لہٰذا برائے تخفیف دونوں طریقۂ استعمال درست قرار پائے۔

وفي ثمانيَ عشرَة فتح الياء وجاز اسكانُها وشُذَّ حَذفُها بفتح النون .

ترجمہ:- اور ثمانيَ عشرةَ میں یاء کا فتحہ ہے اور اس کا ساکن کر دینا بھی جائز ہے اور شاذ ہے اس کا حذف کرنا نون کے فتحہ کے ساتھ۔

توضیح:- ثمانیَ عشرَ کی ترکیب میں ثَمَانِیَ کی یاء میں کئی لغتیں ہیں اصل یہ ہے کہ ثمانِی کی یاء مفتوح ہو کیوں کہ تمام مرکبات کے جزءاول کا آخر فتحہ کے ساتھ ہے جیسے ثلثة عشرَ، اربعةَ عشر وغیرہ پس ان کی موافقت میں ثمانیَ عشر میں ثمانی کی یاء کا فتحہ اصل ہوگا اور یاء کو ساکن بھی پڑھا جا سکتا ہے اس لیے کہ مرکب ترکیب کی وجہ سے ثقیل ہو جاتا ہے، لہٰذا از راہِ تخفیف ساکن بھی کیا جا سکتا ہے۔تیسرے یہ کہ ثمانی کی یاء کو حذف کر کے نون کو جو کہ یاء کے ماقبل حرف ہے فتحہ دے دیا جائے لیکن یہ شاذ ہے، اس لیے کہ فتحہ یائے محذوفہ پر دلالت نہیں کرے گا البتہ اگر یاء کو حذف کرنا ہے تو نون کو کسرہ مناسب ہوگا کہ نون کے کسرہ کو باقی رکھا جائے تا کہ وہ حذف یاء پر دلالت کرے۔

ومميّز الثلثة الى العشرة مخفوضٌ مجموعٌ لفظًا او معنىً الّا فى ثلثمائةٍ الٰى تسعمائةٍ وكان قياسُها مِئاتٍ او مِئِين ومميز احَد عشر الٰى تسعةٍ وتسعينَ منصوبٌ مفردٌ ومميّز مائةٍ والفٍ وتثنيتهما وجمعِه مخفوضٌ مفردٌ واذا كان المعدودُ مؤنثًا واللفظُ مذكر او بالعكس فوجهان.

ترجمہ:- اور ثلثة سے عشرہ تک کی تمیز مجرور اور جمع ہوگی خواہ لفظاً ہو یا معنیً مگر ثلثمائة سے تسعمائة تک اور اس کا قیاس مئات یا مئین تھا اور احد عشر سے تسعٌ وتسعین تک منصوب مفرد ہوگی۔

اور مائة اور الف اور ان دونوں کی تمیز اور اس کے جمع کی تمیز مجرور مفرد ہوگی۔اور جب معدود مؤنث ہو اور لفظ مذکر ہو یا عکس کے ساتھ ہو تو دو وجہیں ہیں۔

توضیح:- حاصل یہ ہے کہ ثلثة سے لے کر عشرۃ تک کے اعداد کی تمیز مجرور اور جمع ہوتی ہے خواہ جمع لفظاً ہو یا معنیً اول کی مثال ثلثة رجال اور دوسرے کی مثال ثلثة رهط ہے۔

تمیز کے مجرور جمع ہونے کی علت یہ ہے کہ عدد اقل کثیر الاستعمال ہوتا جو تخفیف کا تقاضہ کرتا ہے، اس لیے اضافت برائے تخفیف پسند کی گئی اور مضاف، مضاف الیہ میں جر کا عمل کرتا ہے اس لیے تمیز مجرور ہوگی اور جمع اس لیے ہوگی تا کہ عدد معدود کے مطابق ہو جائے۔

الّا فی ثلثمائة الی تسعمائة: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ آپ نے کہا کہ عدد اقل اس کی تمیز مجرور اور جمع ہوتی ہے تو ثلثمائة تا تسعمائة عدد اقل ہے اور تمیز بجائے جمع ہونے کے مفرد ہے تو مصنفؒ نے عبارت مذکورہ بالا سے اس سوال کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مائۃ کی دو جمعیں ایک جمع مذکر سالم کی صورت پر جیسے مئون اور مئین دوسرے جمع مؤنث سالم کی صورت میں جیسے مئات پس اگر جمع مذکر کی صورت پر تمیز لائی جاتی تو لفظ میں جو بمنزلہ کلمہ واحدہ ہے تذکیر اور تانیث دونوں کی علامتوں کا اجتماع

لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے، اور ثانی کی صورت پر تمیز لائی جاتی ہے۔ تو عادت کی خلاف ورزی لازم آتی ہے کیوں کہ عربوں کی عادت واؤ اور نون کے ساتھ جملے لانے کی بن چکی ہے، لہٰذا اس کے بعد الف تاء کے ساتھ جمع لانا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے اس لیے مفرد تمیز لائے مزید یہ کہ اس میں اختصار بھی ہے۔

ومميز احد عشر الى تسعة وتسعين: احد عشر سے لے کر بشمول تسعة وتسعين تک کی تمیز منصوب مفرد ہوگی **عشرون تا تسعون** میں تو اس سبب سے منصوب ہوتی ہے کہ عقود کی اضافت دشوار ہے، اس لیے کہ اگر اضافت کرتے ہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو بر بنائے اضافت نون اضافت کی وجہ سے ساقط کریں گے یا نہیں ساقط کرنا باطل ہے اس لیے کہ یہ نون جمع مذکر سالم کا نون نہیں ہے جسے اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا جائے اور ثانی بھی باطل ہے اس لیے کہ یہ نون، نونِ جمع مذکر سالم کی صورت پر ہے لہٰذا اس کا ساقط کرنا مناسب ہوا پس اضافت کی کوئی گنجائش نہیں بچی۔

اور مرکبات امتزاجیہ یعنی احد عشر سے تسع عشر تک کی تمیز اس لیے منصوب ہوگی کہ کی اضافت کی وجہ سے کلمات ثلاثہ کا کلمہ واحدہ بنا دینا لازم آتا ہے، کیوں کہ اضافت دو اسموں کو اسم واحد کے مثل کر دیتی ہے پس مجرور ہونا مرتفع ہو گیا، اور مفرد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ منصوب ہے تو فضلہ ہے اور فضلہ جس قدر کم ہو بہتر ہے اور تقلیل مفرد میں بہ نسبت جمع کے موجود ہے۔ کیوں کہ جمع میں لفظ زیادہ کرنا پڑتا ہے۔

ومميز مائة والف: ماحصل یہ ہے کہ مائۃ اور الف اور ان دونوں کے تثنیہ نیز الف کے جمع کی تمیز مجرور مفرد ہوگی اس لیے کہ مائۃ اور الف اصول میں آحاد کے مشابہ ہیں اور آحاد کی تمیز بوجہ اضافت مجرور ہوتی ہے، لہٰذا ان کی بھی تمیز مجرور ہوگی اور مفرد اس لیے ہوگی کہ مائۃ اور الف کثرت کی جانب میں ہیں اور آحاد قلت کی جانب میں اور آحاد کی تمیز جمع ہوتی ہے، لہٰذا ان کی تمیز واحد ہوگی توازن کے لیے تاکہ جمع، کثرت پر دلالت کرے اور مفرد قلت پر۔

مصنف نے **وجمعهما** میں نہیں کیا اس لیے کہ اَلفٌ کی تو جمع آتی ہے، لیکن **مائة** کی جمع مستعمل نہیں ہے، کیوں کہ **ثلاث مائات رجل** نہیں بولا جاتا البتہ الف کی طرح **مائة** کی بھی تثنیہ مستعمل ہے چنانچہ **مائتا رجل** کہا جاتا ہے۔ لہٰذا **وتثنيتهما** کہنا تو درست ہے البتہ **وجمعهما** کہنا صحیح نہیں۔

واذ كان المعدود مؤنثا: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب معدود مؤنث ہو اور وہ لفظ جو اس پر دلالت کر رہا ہو مذکر ہو جیسے کسی مؤنث کو لفظ شخص سے تعبیر کیا جائے یا اس کے الٹا ہو یعنی معدود مذکر ہو اور جس لفظ سے اسے بیان کیا جائے وہ مؤنث ہو جیسے لفظ نفس۔ تو عدد میں دونوں وجہیں درست ہیں آپ عدد مذکر بھی لا سکتے ہیں جیسے **ثلث اشخص** یعنی تین عورتیں اور مؤنث بھی لا سکتے ہیں جیسے **ثلثة اشخص** پر اول بلحاظ معنی کے ہے اور ثانی بلحاظ لفظ کے اسی طرح **ثلث انفس** اور **ثلثة انفس** اور نفس سے مراد مرد ہوں

پس معدود مذکر ہے اور اسے بیان کرنے والا لفظ مؤنث ہے پس یہاں عدد کا مذکر لانا بلحاظ لفظ کے اور مؤنث لانا بلحاظ معنی کے ہے۔

ولا يُمَيَّز واحد واثنان استغناءً بلفظ التمييز عنهما مثل رجلٌ ورَجُلانِ لافادته النصّ المقصودَ بالعدد وتقولُ في المفرد مِنَ المتعَدّدِ باعتبار تصييره الثاني والثانيةِ الى العَاشر والعَاشرة لا غيرُ وباعتبَار حاله الاول والثاني والاولٰى والثانِية الى العَاشِرِ وَالعَاشرة والحادى عَشر والحَادِيَة عَشرة والثاني عشر والثانية عَشرة الى التاسع عَشر والتاسِعَة عَشرة .

ترجمہ:- اور تمیز نہیں لائی جاتی واحد اور اثنان کی بے پروائی حاصل کرتے ہوئے لفظ تمیز کے ساتھ ان دونوں سے جیسے رجل اور رجلان اس تصریح کا فائدہ دینے کی وجہ سے جو کہ عدد سے مقصود ہے اور تم کہو بہت میں سے ایک میں باعتبار اس کی تصییر کے (یعنی اس لحاظ سے کہ اس ایک نے تھوڑے عدد کو زیادہ کردیا) الثاني اور الثانية، عاشر اور عاشرة تک نہ کہ اس کے علاوہ اور باعتبار حال کے اول اور ثاني الاولیٰ والثانية عاشر اور عاشرة تک اور حادي عشر اور حادي عشرة تک اور الثاني عشر اور ثانية عشرة تاسع عشر اور تاسعة عشرة تک۔

توضیح:- واحد اور اثنان کی تمیز نہیں لائی جاتی واحدة اور اثنتان کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ واحد رجلٍ اور اثنان رجلين نہیں بولا جاتا بلکہ لفظ واحد اور اثنان کی بجائے اس لفظ کو ذکر کرتے ہیں جو تمیز بننے کے قابل ہوتا ہے، چنانچہ احد رجلٍ سے واحد کو حذف کردیا جاتا ہے، کیوں کہ رجل، واحد کے ذکر سے بے نیاز کردیتا ہے، اس لیے کہ عدد سے مقصود اس کی مقدار پر دلالت ہوتی ہے، جو اس کی تمیز سے مع الجنسیۃ حاصل ہے۔

وتقول في المفرد من المتعدد: معلوم ہو کہ وہ اسم فاعل جو، از واحد تا عشر اسمائے عدد سے مشتق ہوتا ہے اس کے استعمال کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو بیان تصییر اور دوسرا طریقہ بیان حال۔ بیان تصییر کہتے ہیں عدد عقل کو واحد کے ساتھ مشتق منہ سے قرار دینا اور واحد کے لیے اسے مزید بنا دینا اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کی شروعات الثاني سے برائے مذکر اور الثانية سے برائے مؤنث ہوتی ہے، کیوں کہ واحد کے نیچے کوئی عدد نہیں کہ جس کے ساتھ مل کر اس کو زیادہ کرے اور اس کے اوپر اسماء عدد مرکب ہوتا ہے اور اسم فاعل کا صیغہ مرکبات سے مشتق نہیں ہوتا ہے، پس بیان تصییر از واحد تا عشر جاری ہوگا مذکر کے۔ لیے ثاني ثالث تا عاشر اور مؤنث کے لیے ثانية ثالثة تا عاشرة. بیان تصییر میں عدد مساوی اور عدد فوق کی طرف اضافت نہیں ہوتی جب کہ بیان حال میں ہوسکتی ہے۔

دوسرا طریقہ بیان حال ہے۔ بیان حال عدد کے اس مرتبہ کو بیان کرنا جس کے ساتھ وہ متصف ہے یعنی مفرد کے حال کے اعتبار سے کہ یہ بہت سے عددوں میں سے کس مرتبہ میں ہے اول اور ثانی مذکر میں اور اولٰی اور ثانیہ مؤنث میں بولتے ہیں بمعنی پہلا اور دوسرا یعنی مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث عاشر اور عشرۃ تک بمعنی دسواں اور دسویں گیارہ سے لے کر انیس تک مرکبات میں بھی مذکر کے لیے دونوں جزء مذکر بولے جاتے ہیں اور مؤنث کے لیے مؤنث جیسے **الحادی عشر تا تاسع عشر** بمعنی گیارہواں تا انیسواں اور **الحادية عشر تا تاسعة عشرة** بمعنی گیارہویں تا انیسویں اور عقود میں عطف کے ساتھ صرف پہلے جزء میں تبدیلی ہوگی کہ جزء اول مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث استعمال ہوگا جیسے **الحادی وعشرون تا تاسع وتسعون** اور **الحادية وعشرون تاتاسعة وتسعون**.

ومن ثمّ قيلَ في الاوّلِ ثالث اثنين اَىْ مصيّرُهُما ثلثةً من ثلّثتُهُمَا وفى الثانى ثالثُ ثلثةٍ اى احَدُها وتقول حادى عَشرَ اَحَدَ عشر عَلى الثانى خاصّةً واِن شئتَ قلتَ حَادِىْ احد عشرَ الٰى تاسع تسعة عشر فتعربُ الاوّل.

ترجمہ:- اور اس وجہ سے اول میں **ثالث اثنين** یعنی دو کو تین بنانے والا بولا جاتا ہے جو **ثلّثتما** سے مشتق ہوتا ہے یعنی میں نے ان دونوں کو تین کردیا۔ اور دوسرے میں **ثالث ثلثة** یعنی تین میں کا ایک یعنی ایک تہائی بولا جاتا ہے اور بطور خاص دوسرے کے مطابق (یعنی بیان حال کے مطابق) **حادی عشر احد عشر** بولتے ہیں اور اگر چاہو تو کہو **حادی احد عشر تا تاسع تسعة عشر** پس جزل اول معرب ہوگا۔

توضیح:- واضح ہو کہ بیان تصییر میں عدد کی اضافت عدد انقص کی طرف ہوتی ہے عدد فوق اور مساوی کی طرف نہیں ہوتی اور بیان مرتبہ میں فوق اور مساوی کی طرف اضافت ہوتی ہے انقص کی طرف نہیں ہوتی، پس یہ دونوں اعتبارا الگ الگ ہیں، لہٰذا اول میں یعنی اس مفرد میں جو تصییر کے اعتبار سے بولا جاتا ہے ثالث اثنین پس اس ترکیب میں ثالث کی اپنے سے کم کی طرف اضافت ہے معنی ہوا دو کا تیسرا یعنی دو کو تین کردینے والا یہ عربوں کے قول **ثَلّثتُهما** سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں میں نے ان دونوں کو تین کردیا۔

وفى الثانى ثالث ثلثة: اور اس مفرد میں جو مرتبہ کے اعتبار سے ہو **ثالث ثلثة ثالث اربعة** بولتے ہیں یعنی تین میں کا تیسرا اور تین میں کا چوتھا پس پہلی مثال میں مساوی کی طرف اور دوسری مثال میں عدد فوق کی طرف اضافت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مضاف، مضاف الیہ کے عدد میں سے ہے۔

معلوم ہو کہ بیان حال میں اضافت ادنٰی کی طرف اس لیے ہوتی ہے تا کہ تحصیل حاصل لازم نہ آئے اور بیان مرتبہ میں عدد مساوی اور عدد فوق کی طرف اضافت اس لیے ہوتی ہے تا کہ کذب لازم نہ آئے۔

وتقول حادی عشر احد عشر: بیان حال میں مرکب اول کو مرکب ثانی کی طرف مضاف کر سکتے ہیں حادی احدعشر یعنی مرکب اول کے جزء اول کو حذف کر دیا جائے اچھا ایک مرکب کی دوسرے مرکب کی طرف اضافت صرف بیان حال میں ہے اس لیے کہ بیان تصییر عشر سے آگے نہیں بڑھتا۔اس کا جزء اول معرب ہوگا کیوں کہ مبنی ہونے کی علت وسط کلمہ میں واقع ہونے کی وجہ سے معدوم ہوگئی۔

المذکر والمؤنث: المؤنّثُ ما فيهِ عَلامَةُ التانيثِ لفظًا او تقديرًا والمذكر بخلافهٖ وعلامةُ التانيث التاءُ وَالالفُ مَقصورةً او مَمدودةً وهُوَ حَقِيقيٌّ ولفظِيٌّ فالحقيقيُّ ما بازائهٖ ذكَرمِن الحَيَوان كامرأةٍ وناقةٍ واللفظِيّ بخلافهٖ كظلمةٍ وعَين.

ترجمه:- یہ مذکر اور مؤنث کا بیان ہے: مؤنث وہ ہے جس میں تانیث کی علامت لفظاً یا تقدیراً ہو اور مذکر جو اس کے خلاف ہو۔اور تانیث کی علامت تاء اور الف مقصورہ یا ممدودہ ہے اور مؤنث حقیقی اور لفظی ہوتا ہے۔پس حقیقی وہ ہے کہ جس کے مقابلہ میں کوئی جاندار مذکر ہو جیسے امرأة اور ناقة اور لفظی جو اس کے خلاف ہو جیسے ظلمة اور عين.

توضیح:- مذکر کو مؤنث پر اس لیے مقدم کیا کہ مذکر اصل ہے اور موقع تعریف میں مؤنث کو مقدم کیا اس کی متعدد وجہیں ہیں (۱) تانیث کے بیان کے مختصر ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ ماسوائے تانیث سب مذکر ہے (۲) تانیث کا مفہوم وجودی ہے اور مذکر کا مفہوم عدمی ہے۔اور وجودی اشرف اور ارجح ہے بمقابلۂ عدمی کے اس لیے تانیث کو مذکر پر مقدم کیا۔

المؤنث: مؤنث وہ اسم کہلاتا ہے جس میں علامت تانیث ہو خواہ علامت تانیث لفظاً ہو یا تقدیراً تانیث لفظی کی دو قسمیں ہیں لفظی، حقیقی جیسے امرأة، ناقة اور لفظی حکمی جیسے عقرب اس میں حرف رابع تانیث کے قائم مقام ہے تانیث تقدیری نہیں ہے، کیوں کہ اس کی تصغیر میں بھی تاء نہیں آتی اور علامت تانیث تقدیراً کی مثال دار، نار، نعل جملہ مؤنث سماعی ہیں پس تاء ان میں مقدر ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ان اسماء کی تصغیر لائی جاتی ہے تو تاء ان میں واپس آجاتی ہے جیسے ارض سے اُریضةُ.

والمذکر: اور مذکر وہ اسم ہے جس میں علامت تانیث نہ ہو نہ لفظاً اور نہ ہی تقدیراً نہ حقیقتاً اور نہ ہی حکماً۔

وعلامة التانیث: تانیث کی علامت یاء ہے، اور الف مقصورہ نیز الف ممدودہ بھی، الف مقصورہ کی مثال جیسے حبلی اور الف ممدودہ کی مثال جیسے حمراء.

وهو حقیقی: اسم مؤنث کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور لفظی پس حقیقی وہ مؤنث ہے کہ جس کے مقابلہ میں کوئی جاندار مذکر ہو جیسے امرأة اور ناقة کہ امرأة کے مقابلہ رجل اور ناقة کے مقابلہ میں جمل ہے۔

واللفظی: اور مؤنث لفظی ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے مقابلہ میں کوئی حیوان مذکر نہ ہو جیسے ظلمة اور عین.

واذا اُسْنِدَ الفعلُ اليهِ فالتاءُ وانت فی ظاهِر غَير الحقيقی بِالخيارِ وحُكم ظاهر الجمع غيرُ المذكرِ السَّالمِ مُطلقًا حُكمُ ظاهِرِ غيرِ الحقيقیّ وضميرُ العاقلينَ غير المذكر السَّالم فَعلت وفعلُوا والنسِاءُ والايامُ فَعلتْ وفعلنَ.

ترجمه:- اور جب فعل مسند ہو مؤنث کی طرف تو تاء واجب ہے اور تمہیں مؤنث غیر حقیقی اسم ظاہر میں اختیار ہے۔ اور اسم ظاہر جمع جو مذکر سالم نہ ہو کا مطلقاً حکم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کا حکم ہے اور عاقل غیر مذکر سالم کی ضمیر فعلت اور فعلوا ہے اور النساء اور الایام کی ضمیر فعلت اور فعلن ہے۔

توضیح:- واذا اسند الفعل: ماحصل عبارت کا یہ ہے کہ جب فعل کی اسناد اسم ظاہر مؤنث حقیقی کی طرف ہو تو فعل کا مؤنث لانا واجب ہے بشرطیکہ فعل اور فاعل مؤنث حقیقی میں فصل نہ ہو جیسے قتلت صفيةُ يهوديًا پس اگر فعل کی اسناد غیر حقیقی کی طرف ہے یا حقیقی کی طرف فصل کے ساتھ ہے تو دونوں صورتوں میں فعل کا مؤنث لانا ضروری نہ ہوگا بلکہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح کی اجازت ہوگی اول کی مثال جیسے طلعت الشمس اور طلع الشمس اور دوسرے کی مثال جیسے ضربت اليوم هند وضرب اليوم هندٌ. اچھا اگر فعل کی اسناد مؤنث حقیقی کی ضمیر کی طرف ہو تو فعل کا مؤنث لانا واجب ہوگا جیسے فاطمة صامت.

وانت فی ظاهر غير الحقيقی الخ: خلاصہ یہ ہے کہ اگر فعل کی اسناد اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کی طرف ہے تو فعل کے مؤنث لانے اور مذکر لانے میں اختیار ہے جیسا کہ اوپر مثالیں عرض کی جا چکی ہیں البتہ اگر مؤنث غیر حقیقی کی ضمیر کی طرف اسناد ہو تو فعل کا مؤنث لانا واجب ہوگا جیسے نارٌ احترقت.

وحكم ظاهر الجمع الخ: اسم ظاہر جمع غیر مذکر سالم خواہ وہ جمع مکسر ہو یا مؤنث سالم ہو کا مطلقاً حکم فعل کے مذکر اور مؤنث لانے میں اسم ظاہر غیر حقیقی کا سا ہے۔ یعنی اگر فعل کی اسناد ایسے اسم ظاہر جمع کی طرف ہو رہی ہے جو جمع مذکر سالم نہیں ہے چاہے اب وہ جمع مکسر ہو یا جمع مؤنث سالم نیز اس جمع کا واحد خواہ مؤنث حقیقی ہو جیسے نسوة اور خواہ مذکر حقیقی ہو جیسے رجالٌ جمالٌ مطلقاً کا یہی مطلب ہے تو اس کا فعل مؤنث غیر حقیقی کے فعل کی طرح مذکر اور مؤنث دونوں طرح لا سکتے ہیں جیسے جاء الرجال اور جاء ت الرجال اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اذ جاء ك المؤمنات اور قال نسوة.

وضمير العاقلين: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب فعل کی اسناد ایسے ضمیر کی طرف ہو جو جمع عاقل غیر مذکر سالم کی طرف لوٹ رہی ہو تو فعل کو واحد مؤنث غائب اور جمع مذکر غائب یعنی فعلت اور فعلوا

دونوں طرح لا سکتے ہیں فعل کو واحد مؤنث غائب تو اس لیے لاسکتے ہیں کہ جمع، جماعة کی تاویل میں مؤنث ہے پس ضمیر مرجع میں مطابقت ہے اور فعل کو جمع مذکر غائب اس لیے لائیں گے کہ واؤ جمع، جمع کی اسی نوع کے لیے وضع ہوا ہے۔ جیسے الرجال قامت اور الرجال قاموا اچھا غیر مذکر سالم کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر فعل کی اسناد ایسی ضمیر کی طرف ہے جس کا مرجع جمع مذکر سالم ہے تو فعل کا جمع مذکر غائب لانا ضروری ہوگا جیسے المسلمون صلوا پس المسلمون صلت کہنا درست نہ ہوگا ورنہ ضمیر مرجع میں مطابقت نہ ہو سکے گی۔

النساء و الایام فعلت الخ: ماحصل یہ ہے کہ جب فعل کی اسناد ایسی ضمیر کی طرف ہو جس کا مرجع جمع مؤنث عاقل جیسے النساء یا غیر عاقل جیسے العیون ہو یا فعل کی اسناد جمع مذکر غیر عاقل کی طرف ہو جیسے الایام تو فعل کے آخر میں تائے تانیث اور نون جمع دونوں کا لاحق کرنا درست ہے یعنی فعل کو اوحد مؤنث غائب اور جمع مؤنث غائب دونوں طرح لا سکتے ہیں جیسے النساء صَلَّتْ اور النساء صَلَّيْنَ اور الایامُ خلتُ اور الایامُ خَلَوْنَ۔

تاء تانیث کا لحوق اس لیے صحیح ہے کہ جمع بتاویل جماعة مؤنث ہے۔ اور نونِ جمع کا لاحق کرنا اس لیے صحیح ہے کہ نون جمع، جمع کی اسی نوع کے لیے موضوع ہے۔

المثنٰی ما لَحِقَ اٰخِرهٗ الفٌ او ياءٌ مفتوح ما قبلهَا و نونٌ مكسورةٌ ليدُلَّ علٰى انَّ معهٗ مثلهٗ مِن جنسهٖ فالمقصور ان كانت الفهٗ عَن واوٍ وَهُوَ ثلاثِي قُلِبَت واواً واِلاّ فبالياءِ وَالممدودُ ان كانت همزتُهٗ اصليةً ثبتَتْ واِنْ كانت لِلتانيثِ قُلِبَتْ واوًا واِلاّ فالوَجْهانِ .

ويُحذَفُ نونُهٗ للاضَافة وحُذِفَتْ تاء التانيثِ في خُصيَان واليان.

ترجمه:- تثنیہ وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ لاحق ہوتا کہ وہ دلالت کرے اس بات پر کہ اس کے ساتھ اس کے مثل اس کی جنس سے ہے۔ پس اسم مقصور اگر اس کا الف واؤ سے ہے اور وہ ثلاثی ہے تو وہ الف واؤ سے بدل جائے گا ورنہ پس یا سے۔ اور اسم ممدودہ اگر اس کا ہمزہ اصلی ہے تو وہ ثابت رہے گا اور اگر تانیث کے لیے ہے تو وہ واؤ سے بدل جائے گا ورنہ پس دو وجہیں ہیں اور تثنیہ کا نون اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے اور خصیان اور الیان میں تائے تانیث حذف کر دی گئی۔

توضیح:- اسم کی یہ تقسیم باعتبار افراد اور تثنیہ اور جمع کے ہے سب سے پہلے تثنیہ کا تذکرہ اس لیے کیا کہ تثنیہ کا عدد جمع کے عدد پر مقدم ہے نیز مفرد سے تثنیہ کو قرب ہے اور مفرد کا لفظ اس میں سلامت بھی رہتا ہے، تثنیہ کے بعد جمع کا تذکرہ ہے، البتہ مفرد کے ذکر کے لیے کوئی عنوان نہیں قائم کیا، اس لیے کہ تثنیہ

اور جمع کے معلوم ہونے کے بعد معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ ان دونوں کے ماسوا جو کچھ ہے سب مفرد ہے۔

المثنی: مثنی وہ اسم ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح اور نونِ مکسور لاحق ہوتا ہے تاکہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس اسم کے ساتھ اس کی جنس سے اس کے مثل ہے یاء کو ماقبل مفتوح کے ساتھ اس لیے مقید کیا تاکہ حالت نصبی اور جری میں جمع مذکر سالم کے ساتھ اشتباہ پیدا نہ ہو۔

فالمقصور الخ: اسم مقصور اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو اور مقصورہ کا نام مقصورہ اس لیے رکھا گیا کہ یہ مد سے باز رہتا ہے۔ مصنف نے اسم صحیح اور اسم منقوص کے تثنیہ کا کوئی تذکرہ اس لیے نہیں کیا کہ ان کے تثنیہ کا حکم صاف تھا کہ عند التثنیہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

پس بوقت تثنیہ اسم مقصور کو دیکھا جائے گا کہ اس کا الف کس حرف علت واو اور یاء سے بدل کر آیا ہے پس اگر اس کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہے خواہ حقیقتاً یا بایں طور پر کہ وہ مجھول الاصل ہو اور اس میں کوئی تعلیل نہ ہوئی ہو جیسے الی اور وہ سہ حرفی بھی ہے تو تثنیہ لاتے وقت وہ الف واو سے بدل جائے گا جیسے عَصَوان اور الوان ایسا اصل کہ رعایت میں ہوگا۔

والا فبالیاء: یعنی اگر اس اسم مقصور کا الف واؤ سے بدلا ہوا نہیں ہے بلکہ یاء سے بدلا ہے یا وہ تین حرف سے زائد ہے تو پھر بوقت تثنیہ وہ الف یا سے بدل جاتا ہے اصل کی رعایت میں اور زائد علی الثلاثہ ہونے کی صورت میں برائے تخفیف جیسے رحٰی سے رحیان اور اعلٰی سے اعلیان اور حبلی سے حبلیان.

والممدود: اور وہ اسم جس کے آخر میں الف ممدودہ ہوتا ہے تو اگر اس کا تثنیہ لانا ہو اور اس کا ہمزہ اصلی ہے یعنی وہ زائد نہیں ہے نیز وہ کسی حرف اصلی یا زائد سے بدلا ہوا بھی نہیں ہے تو پھر ہمزہ کی اصالت کا لحاظ کرتے ہوئے بوقت تثنیہ بھی اس ہمزہ کو ثابت رکھا جائے گا جیسے قروء سے قروءان. اور اگر اس کا ہمزہ تانیث کے لیے ہے تو وہ ہمزہ بوقت تثنیہ واو سے بدل جائے گا جیسے حمراء سے حمراوان اور صحراء سے صحراوان اور ہمزہ کو ثابت اس لیے نہیں رکھا جائے گا کہ وسط کلمہ میں علامت تانیث کی صورت کا وقوع ناپسندیدہ ہے اور چونکہ واؤ ہمزہ سے بمقابلہ یاء کے ثقالت کی وجہ سے زیادہ قریب ہے، اس لیے اس کو واؤ سے بدلا جائے گا۔

اور اگر ہمزہ نہ تو اصلی ہو اور نہ ہی تانیث کے لیے ہو بلکہ وہ برائے الحاق ہو جیسے علیاء یا وہ واؤ اصلی یا یاء اصلی سے بدلا ہوا ہو جیسے کساء اور رداءٌ تو اس میں دو وجہیں درست ہیں ہمزہ کا ثبوت بھی اور واؤ سے ابدال بھی ہمزہ کا ثبوت تو اس لیے کہ وہ مکانِ اصلی میں ہے باعتبار الحاق کے اور انقلاب بالواو اس لیے کہ وہ ہمزہ، ہمزہ تانیث کے مشابہ ہے اصلی نہ ہونے میں۔

ویحذف نونہ: تثنیہ کا نون عند الاضافت حذف ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس کا نون تنوین کے قائم

مقام ہے جوکلمہ کی تمامیت کا باعث بنتا ہے نیز مابعد سے انقطاع کا جب کہ اضافت اتصال اور امتزاج کا سبب ہوتی ہے۔اور ان دونوں باتوں کے درمیان منافات ہے۔

وحذفت تاء التانيث: یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ نحاۃ میں یہ بات طے ہے کہ وہ اسم مفرد جو تاء تانیث کے ساتھ ہو تو بوقت تثنیہ اس کی تاء حذف نہیں ہوتی ہے۔تو یہ قاعدہ خصیان اور الیان سے ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ ان دونوں کا مفرد تاء تانیث کے ساتھ ہے یعنی خصية اور الية اس کے باوجود ان کی تاء تثنیہ میں حذف ہوگئی ہے۔تو اس کا جواب مصنف نے دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ قاعدہ تو مسلم ہے باقی خصیان اور الیان میں تاء تانیث کا حذف خلاف قیاس ہے اس لیے کہ خصیتن اور الیتن میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح متصل ہونے کی وجہ سے کہ ایک سے انتفاع بغیر دوسرے کے ممکن نہیں بمنزلہ مفرد کے ہے اور تاء کا وسط مفرد میں لانا صحیح نہیں ہے۔یا یہ کہا جائے کہ خصیان خصی کی تثنیہ ہے اور الیا الي کی ہے ہر چند یہ مشہور نہیں ہے۔پس اعتراض باطل ہے۔

المجمُوع مادَلّ عَلٰی احادٍ مَّقصُودَةٍ بحُروفِ مُفردِهٖ بتغيّر مّا فنحو تمرو ركب ليس بجمعٍ عَلَى الاصحّ ونحو فُلك جمعٌ وهو صحيحٌ ومُكسّرٌ فالصحيح لمذكرٍ ولمؤنثٍ فالمذكر ما لحِقَ اٰخرهٗ وَاوٌ مَّضمُومٌ ما قبلها او يَاءٌ مسكُور مّا قبلهَا ونونٌ مفتُوحةٌ ليَدُلَّ عَلٰى اَنَّ مَعَهٗ اكثَر منه فان كانَ اٰخِرُهٗ ياءٌ قبلها كسرةٌ حُذِفَتْ مثل قاضون وان كان آخرهٗ مقصورًا حُذفتِ الالفُ وبقيَ ما قبلها مَفتُوحًا مِثل مُصْطَفَونَ.

ترجمہ:- جمع وہ اسم ہے جو دلالت کرتا ہے افراد مقصودہ پر اپنے مفرد کے حروف کے ساتھ کچھ تبدیلی کے ذریعہ پس تمر اور رکب جیسے جمع نہیں ہیں صحیح ترین قول کے مطابق اور فلک جیسے جمع ہیں اور جمع، صحیح اور مکسر ہے پس صحیح مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے ہوتا ہے۔پس مذکر وہ ہے کہ جس کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم یا یاء ماقبل مکسور اور نونِ مفتوحہ لاحق ہو۔تاکہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس کے ساتھ اس سے زیادہ ہے پس اگر اس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو تو وہ حذف ہو جاتی ہے جیسے قاضُونَ اور اگر اس کا آخر مقصور ہو تو الف حذف کر دیا جائے گا اور ماقبل مفتوح باقی رہے گا جیسے مصطفون.

توضیح:- جمع وہ اسم ہے جو ایسے افراد پر دلالت کرتا ہے کہ جو اس کے مفرد کے حروف سے کچھ تبدیلی کی وجہ سے مقصود ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے معلوم ہو کہ مفرد میں تغیر خواہ زیادتی کے ذریعہ ہو جیسے رجل سے رجالٌ یا کمی کے ذریعہ ہو جیسے کتاب سے کُتُبٌ یا حرکات وسکنات میں حقیقتاً تبدیلی ہو جیسے اَسَدٌ سے اُسْدٌ یا حکماً تبدیلی ہو جیسے فُلْكٌ کہ جب قُفلٌ کے وزن پر مانا جائے تو مفرد ہے اور جب اُسْدٌ کے وزن پر فرض کیا جائے تو جمع ہے۔

اب سنئے مصنف کا قول **مادلّ علی اٰحادِ** جنس ہے جو جمع اور اسم جمع اور اسم عدد اور اسم جنس سب کو شامل ہے، کیوں کہ اسم جنس اگر چہ افراد پر وضعاً دلالت نہیں کرتا لیکن استعمالاً افراد پر دلالت کرتا ہے اب یہ ہے کہ اسم جنس سے اگر ماہیت مقصود ہے تو وہ مقصودۃ کی قید سے خارج ہو جائے گا اور اگر افراد ہی مقصود ہیں تو وہ بحروف مفردہ کی قید سے نکل جائے گا اس لیے کہ اسم جنس کا کوئی مفرد نہیں ہوتا نیز بحروف مفردہ کی قید سے اسم جمع اور اسم عدد بھی خارج ہو جائیں گے، کیوں کہ ان کا کوئی مفرد نہیں ہوتا، لہٰذا قول اصح کے مطابق تمر اور رکب جمع نہیں ہیں بلکہ تمر اسم جنس ہے اور رکب اسم جمع ہے۔ اسم جنس اور اسم جمع میں فرق یہ ہے کہ اسم جنس قلیل وکثیر پر وضعاً بولا جاتا ہے جب کہ اسم جمع واحد اور اثنین پر وضعاً نہیں واقع ہوتا ہے۔ البتہ قول غیر اصح یہ ہے کہ **تمر**، **تمرۃ** اور **رکب**، **راکب** کی جمع ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے اس کا اطلاق قلیل پر ہوتا ہے اور کثیر پر درست نہیں ہے۔

ونحو فلك: اس کا حاصل یہ ہے کہ فلک میں چونکہ تقدیراً تغیر ہے کیونکہ اس کا واحد قفل کے وزن پر ہے جب کہ جمع اُسد کے وزن پر ہے جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، لہٰذا یہ جمع ہے۔

وهو صحيح ومكسر: یہاں سے جمع کی تقسیم فرما رہے ہیں کہ جمع کی دو قسمیں ہیں جمع صحیح یعنی سالم اور جمع مکسر۔ اس لیے کہ جمع دو حال سے خالی نہیں یا تو اس میں واحد کا وزن سلامت ہوگا یا نہیں اول صورت میں جمع صحیح کہلائے گا اور ثانی صورت میں جمع مکسر۔

فالصحيح لمذكر والمؤنث: جمع صحیح دو قسم پر ہے مذکر سالم اور مؤنث سالم۔ پس جمع مذکر سالم اس جمع کو کہتے ہیں جس کے آخر میں یعنی اس کے مفرد کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح ہو، نون مفتوح اس لیے ہوگا تا کہ نون کے فتحہ کی خفت، واؤ اور اس کے ضمہ کی ثقالت کو دور کر دے اور توازن پیدا ہو جائے۔

مذکر سالم کو واؤ ماقبل مضموم حالت رفعی میں اور یا ماقبل مکسور حالت نصبی اور جری میں نون مفتوح کے ساتھ اس لیے لاحق ہوگا تا کہ وہ ملحوق مع لاحق کے اس بات پر دلالت کرے کہ اس مفرد ملحوق کے ساتھ اس مفرد سے زیادہ افراد ہیں۔

فان كان آخره ياء ماقبلها كسرة: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسم کہ جس کی جمع، جمع مذکر سالم لانا چاہتے ہیں اگر اس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہے جیسے قاضی تو یاء کے ماقبل کی حرکت زائل کرنے کے بعد یاء کی حرکت ماقبل کو تخفیفاً نقل کر دیں گے اور یاء التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہو جائے گی پس حالت رفعی میں جاءنی **قاضُون** ہو جائے گا جو دراصل **قاضیُون** تھا اسی طرح حالت نصبی اور جری میں تعلیل کریں گے۔

وان كان آخره مكسورًا: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ اسم جس کی جمع مذکر سالم لائی جا رہی ہے

اس کے آخر میں الف مقصور ہو جیسے مصطفیٰ تو الف گر جائے گا اور اس کے ماقبل کا فتحہ باقی رہے گا اس لیے کہ اس کی تبدیلی کا کوئی باعث نہیں ہے پس مصطفیٰ جمع مذکر سالم بنانے کے بعد دراصل مُصْطَفیون ہوگیا یاء متحرک ماقبل فتحہ لہٰذا یاء الف سے بدل گیا پھر الف اور واؤ میں اجتماع ساکنین ہوگیا لہٰذا الف گر گیا اور مُصْطَفَوْنَ ہوگیا۔

وشرطه ان كان اسمًا فمذكرٌ عَلم يعقلُ وان كانَ صفة فمذكرٌ يعقل وان لا يكون افعلُ فعلاءَ مثل احمر، حمراء ولا فعلان فعلٰى نحو سَكرانَ سكرٰى ولا مُستويًا فيه مع المؤنث مثل جريح وصبورِ ولا بتاء التانيث مثل علاّمةِ وتحذَفُ نُونه بالاضافة وقَدْ شَذَّ نحو سِنِينَ وَاَرْضِيْنَ .

ترجمہ:- اور اس کی شرط یہ ہے کہ اگر وہ اسم ہے تو مذکر علم اور عاقل ہو۔ اور اگر صفت ہے تو مذکر عاقل ہو اور یہ شرط ہے کہ نہ ہو ایسا افعل کہ جس کی مؤنث فعلاء (کے وزن پر) ہوتی ہے جیسے احمرُ حمراء، اور نہ فعلان ہو کہ جس کی مؤنث فعلٰی (کے وزن پر) ہوتی ہے جیسے سکران، سکرٰی اور نہ ہی وہ اسم اس وصف میں مؤنث کے ساتھ برابر ہو جیسے جریح اور صبور اور نہ ہی تاء تانیث کے ساتھ ہو جیسے علاّمةِ اور اس کا نون اضافت کی وجہ سے حذف ہو جاتا ہے اور تحقیق کہ شاذ ہے سنین اور ارضین جیسی مثال۔

توضیح:- یہاں سے مصنف جمع مذکر سالم کی شرائط بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اسم کہ جس کی جمع مذکر سالم منظور ہے اسمِ محض ہے تو واؤ، نون اور یاء نون کے ساتھ جمع لانے کی شرط یہ ہے کہ وہ مذکر بغیر تاء ہو، مؤنث نہ ہو، علم ہو نکرہ نہ ہو عاقل ہو غیر عاقل نہ ہو یہ شرطیں اس لیے لگائی ہیں کہ جمع مذکر سالم اشرف الجموع ہے، کیوں کہ اس میں واحد کا وزن سلامت رہتا ہے، اور علم مذکر عاقل اشرف الاسماء ہے، لہٰذا اشرف اسم کو اشرف جمع عطا کر دی گئی۔

وان كان صفة: اور اگر وہ اسم، اسم صفتی ہے یعنی اس اسم میں معنیٔ وصفی ملحوظ ہیں تو پھر ایسے اسم کی جمع مذکر سالم لانے کی چند شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مذکر ہو دوسری شرط یہ ہے کہ عاقل ہو۔ یہ دو شرطیں اس لیے لگائی ہیں کہ جمع مذکر سالم اشرف الجمع اور وہ صفت جو مذکر عاقل ہو اشرف الصفات ہے پس اشرف الصفات کو اشرف جمع مناسبت باہمی کی رعایت کی وجہ سے دے دی گئی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم ایسے افعل کے وزن پر نہ ہو کہ جس کی مؤنث فعلاء آتی ہے جیسے احمر کی مؤنث حمراء کے وزن پر آتی ہے کیوں کہ وہ افعل کہ جس کی مؤنث فعلٰی کے وزن پر ہوتی ہے اس افعل کی جمع، جمع مذکر سالم افعلون جیسے افضل سے افضلون آتی ہے پس اگر افعل فعلاء کی بھی جمع، جمع مذکر سالم لے آئی جائے تو افعل التفضیل اور افعل الصفۃ کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

اور چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ اسم ایسے فعلان کے وزن پر نہ ہو کہ جس کی مؤنث فعلی کے وزن پر آتی ہے جیسے سکران کہ اس کی مؤنث سکری آتی ہے یہ شرط اس لیے لگائی کہ وہ اسم کہ جو فعلان کے وزن پر آتا ہے لیکن اس کی مؤنث بجائے فعلی کے وزن پر ہونے کے فعلانة کے وزن پر آتی ہے تو اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ آتی ہے یعنی جمع مذکر سالم پس اگر فعلان فعلی کی جمع بھی جمع مذکر سالم لے آئی جائے تو فعلان فعلانة اور فعلان فعلی کی جمع میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا، جیسے ندمان کی اس کی مؤنث ندمانة آتی ہے۔

اور پانچویں شرط یہ ہے کہ مذکر اس وصف میں مؤنث کے مساوی نہ ہو جیسے جریح اور صبور کہ یہ دونوں اسم، مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے برابر استعمال ہوتے ہیں، پس اگر ان کی جمع ایسی لائی جائے جو مذکر اور مؤنث میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً واؤ، نون کے ساتھ جمع جو مذکر سالم کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ غیر مناسب ہوگا بلکہ بہتر یہ ہے کہ ایسی جمع لائی جائے جس میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہوں۔

اور چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ اسم تائے تانیث کے ساتھ نہ ہو جیسے علامة پس اگر اس کی جمع واؤ، نون کے ساتھ لائی جاتی ہے تو کلمۂ واحدہ میں حکماً تذکیر و تانیث کی علامتوں کا جمع ہونا لازم آئے گا اور اگر تاء کو حذف کر دیا جاتا ہے تو اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

و تحذف نونه: اضافت کے وقت جمع مذکر سالم کا نون حذف ہو جاتا ہے کیوں کہ نون تنوین کے قائم مقام ہوتا ہے جو تمامیت کلمہ پر دلالت کرتا ہے نیز مابعد سے انقطاع کا جب کہ اضافت اتصال اور امتزاج کا سبب ہوتی ہے اور دونوں باتوں میں منافات ہے۔

و قد شذ: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ وہ یہ ہے کہ سنین، سنة اور ارضین، ارض کی جمع ہے باوجود اس کے کہ وہ نہ علم ہے اور نہ ہی مذکر عاقل تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ بطور شاذ کے ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

المؤنث ما لحِق آخره الفٌ: وتاءٌ وشرطهُ ان كان صفةً وله مذكرٌ فان يكون مذكره بالواو والنّون وان لم يكن مذكر فان لا يكونَ مُجردًا كحائض والاجمعَ مطلقًا.

ترجمه:- جمع مؤنث سالم وہ اسم ہے کہ اس کے آخر میں الف اور تاء لاحق ہو اور اس کی شرط اگر وہ صفت ہے درانحالیکہ اس کا مذکر ہے یہ ہے کہ اس کا مذکر واو اور نون کے ساتھ ہو اور اگر مذکر نہ ہو تو شرط یہ ہے کہ وہ مجرد عن التاء نہ جیسے حائض ورنہ مطلقاً جمع لائی جائے گی۔

توضیح:- جمع مؤنث سالم ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں الف اور تاء لاحق ہوتی ہو۔
اب آگے شرائط بتا رہے ہیں کہ اگر وہ اسم جس کی الف و تاء کے ساتھ جمع لانا مقصود ہے صفت ہے اور اس اسم صفتی کا مذکر بھی ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس کے مذکر کی جمع واؤ و نون کے ساتھ موجود ہو یہ شرط اس

لیے لگائی تا کہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے کیوں کہ جمع مذکر سالم اصل ہے اور جمع مؤنث سالم فرع ہے، پس چاہا گیا کہ جس طرح مؤنث واحد کا وزن سلامت رہتا ہے ایسے ہی مذکر سالم میں واحد کا وزن سلامت رہے تا کہ سلامتی واحد میں جمع مؤنث سالم، مذکر سالم کے موافق رہے۔

وان لا یکون مذکر: اور اگر اس اسم صفتی کا کوئی مذکر نہیں تو شرط یہ ہے کہ وہ مجرد عن التاء نہ ہو جیسے حائض، اس لیے کہ وہ اسم جو تاء کے ساتھ ہوتا ہے اس کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے پس اگر مجرد عن التاء اسم کی بھی جمع، جمع مؤنث سالم آنے لگے تو پھر ملتبس بالتاء اور مجرد عن التاء اسم کی جمع مؤنث سالم میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

والا جمع مطلقا: اور اگر وہ کلمہ کہ جس کی جمع الف و تاء کے ساتھ لائی جارہی ہے اسم صفتی نہیں ہے بلکہ اسم محض ہے تو پھر الف و تاء کے ساتھ جمع لانے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے بلکہ مطلقاً اس کی جمع الف و تاء کے ساتھ آسکتی ہے، جیسے **ہندات** اور **وعدات، تمرات** وغیرہ۔

جمعُ التکسیر ما تغیَّر بناء واحدِهٖ کرجالٍ وافراسٍ جمعُ القلة افعلٌ وافعالٌ وافعلةٌ وفِعْلَةٌ والصحیح وما عدا ذالکَ جمعُ کثرةٍ.

ترجمہ: - جمع تکسیر وہ اسم ہے کہ جس کے واحد کا وزن سلامت رہے جیسے **رجال** اور **افراس**. جمع قلت **افعل** اور **افعال** اور **افعلة** اور **فعلة** ہے اور صحیح ہے اور وہ جو ان اوزان کے علاوہ ہیں جمع کثرت ہے۔

توضیح: - جمع تکسیر ایسی جمع کو کہتے ہیں جس میں جمعیت کی وجہ سے واحد کا وزن سلامت نہ رہے جمع کی دو قسمیں ہیں جمع قلت اور جمع کثرت جمع قلت کہتے ہیں کہ جس کا اطلاق دس سے زیادہ پر نہ ہو اور جمع کثرت کہتے ہیں کہ جس کا اطلاق دس سے زیادہ پر ہو۔

پس جمع قلت کے اوزان چار ہیں **اَفْعَلُ** جیسے **افلس** اور **افعال** جیسے **افراس** اور **افعلة** جیسے **ارغفة** اور **فِعلة** جیسے **غلمةٌ** اور جمع صحیح یعنی سالم جو بغیر الف ولام کے ہو اور ان اوزان اربعہ کے علاوہ جموع مکسرہ نیز جمع سالم جو الف ولام کے ساتھ ہو جمع کثرت ہیں۔

المصدر اسمٌ للحدثِ الجاری علی الفِعل وھُوَ مِنَ الثلاثی المجردِ سِماعٌ ومن غیرہ قیاسٌ ویعمل عمل فِعلهٖ ماضیًا وغیرہٗ اذا لم یکُنْ مفعولًا مُطلقًا ولا یتقدّمُ معمُولهٗ علیه ولا یضمر فیهِ ولا یلزَمُ ذکر الفاعِل ویجوز اضافتهٗ الی الفاعل وقد یضاف الی المفعول واعماله باللام قلیلٌ فان کان مُطلقًا فالعملُ للفعل وإن کانَ بَدَلًا منهُ فَوجھان.

ترجمہ:- مصدر اس حدث کا نام ہے جو فعل پر جاری ہوتا ہے اور وہ ثلاثی مجرد سے سماعی ہے اور اس کے علاوہ سے قیاسی، اور مصدر اپنے فعل کا سا عمل کرتا ہے خواہ وہ بمعنی ماضی ہو یا اس کے علاوہ بشرطیکہ وہ مفعول مطلق نہ ہو اور مصدر کا معمول، مصدر پر مقدم نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مصدر میں مضمر ہوتا ہے اور مصدر کے فاعل کا ذکر لازم نہیں ہے اور جائز ہے اس کی اضافت فاعل کی طرف اور کبھی مضاف ہوتا ہے مفعول کی طرف اور اس کا اعمال لام کے ساتھ بہت کم ہے پس اگر مصدر مفعول مطلق ہو تو عمل فعل کا ہوگا۔ اور اگر مفعول مطلق فعل سے بدل ہو تو دو وجہیں ہیں۔

توضیح:- مصدر اس حدث کو کہتے ہیں جو فعل پر جاری ہوتا ہے۔ حدث سے مراد وہ معنی ہیں جو قائم بالغیر ہوں خواہ مصدر سے ان کا صدور ہو جیسے ضرب اور مَشی یا صدور نہ ہو جیسے طول اور قصر۔ اور فعل پر مصدر کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے مصدر سے مشتق ہونے کے بعد مصدر فعل کی تاکید یا اس کی نوعیت یا اس کے عدد کے بیان کے لیے ہوتا ہو۔

وهو من الثلاثي سماع: مصدر، ثلاثی مجرد سے تو سماعی ہے اس کا کوئی مخصوص وزن نہیں ہے بلکہ جو اوزان مسموع ہیں تو انہیں پر مصدر آئے گا البتہ غیر ثلاثی مجرد سے (اب خواہ وہ ثلاثی مزید ملحق برباعی ہوں یا غیر ملحق برباعی، با ہمزہ وصل ہوں یا بے ہمزۂ وصل ہوں رباعی مجرد ہوں یا مزید) مصدر قیاسی ہوتا ہے یعنی بغیر سماع محض ضابطہ کے روشنی میں اس کا استخراج ممکن ہوگا۔

ويعمل عمل الفعل: اور مصدر فعل کا سا عمل کرتا ہے یعنی اگر وہ مصدر فعل لازم کا ہے تو وہ صرف فاعل میں رفع کا عمل کردیگا جیسے **اعجبني قيام زيد** اور اگر فعل متعدی کا مصدر ہے تو وہ فاعل میں رفع کا اور مفعول میں نصب کا عمل کرے گا جیسے **اعجبني ضرب زيدٍ عمروًا** مصدر خواہ بالمعنی الماضی ہو یا حال اور مستقبل یعنی مصدر کے عمل کے لیے کوئی مخصوص زمانہ شرط نہیں ہے اس لیے کہ مصدر کا عمل اشتقاق کی مناسبت کی وجہ سے ہے مشابہت کی وجہ سے تھوڑا ہے لہذا زمانہ مخصوص شرط نہیں ہے۔

اذا لم يكن مفعولا مطلقا: مصدر کے عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب میں مفعول مطلق نہ ہو کیوں کہ اگر وہ مفعول مطلق واقع ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں عمل فعل کا ہوگا، کیوں کہ وہ عامل قوی ہے اور مصدر عامل ضعیف ہوتا ہے اور عامل قوی کے ہوتے ہوئے معمول کا تعلق عامل ضعیف سے نہیں ہوتا اور مصدر کا معمول مصدر پر مقدم نہیں ہوسکتا، کیوں کہ مصدر بوقتِ عمل أن مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے اور أن موصول حرفی ہے اور اس کا مابعد صلہ ہے اور صلہ کی تقدیم موصول پر ممتنع ہے پس اسی طرح اس کی تقدیم جو مصدر کے معمولات میں سے ہے بدرجہ اولیٰ منع ہوگی۔

ولا يضمر: مصدر کا معمول یعنی اس کا فاعل مصدر میں مستتر اور پوشیدہ نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر مفرد

میں فاعل مستتر مانا جائے تو مفرد پر قیاس کرتے ہوئے تثنیہ مصدر اور جمع مصدر میں بھی پوشیدہ ماننا درست ہوگا جب کہ بصورت تثنیہ اجتماع الثنین بصورت جمع اجتماع الجمعین لازم آئے گا ایک تو بلحاظ مصدر کے اور دوسرا بلحاظ فاعل کے اور یہ ناجائز ہے۔

ولا یلزم ذکر الفاعل: خلاصہ یہ ہے کہ مصدر کے لیے بوقت عمل فاعل کا ذکر ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ نسبۃ الی الفاعل ما مصدر کے مفہوم میں ملحوظ نہیں ہے، لہٰذا مصدر کے مفہوم کا تصور فاعل پر موقوف نہ ہوگا، نیز یہ کہ اگر مصدر کے فاعل کا ذکر ضروری مانا جائے تو مسند الی المضمر کی صورت میں مصدر میں اس کے عامل کا استتار یعنی پوشیدہ ماننا لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔

ویجوز اضافتہ الی الفاعل: حاصل یہ ہے کہ مصدر کی اضافت فاعل کی اُور درست ہے، کیوں کہ مصدر کی فاعل کی طرف اضافت ایسے ہے جیسے فعل کا فاعل کی طرف مسند ہونا نیز مفعول کی طرف بھی اضافت درست ہے، کیوں کہ مفعول کی طرف مصدر کی اضافت ایسے ہے جیسے فعل کی مفعول کی طرف اسناد کا ہونا۔ لیکن ظاہر ہے کہ فعل کی اسناد الی الفاعل حقیقت ہے اور اسناد الی المفعول مجاز ہے اور کلام کا حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے بمقابلہ مجاز پر محمول کرنے سے لہٰذا مصدر کی اضافت الی الفاعل اولیٰ ہے بمقابلہ اضافت الی المفعول کے ہرچند کی اضافت الی المفعول بھی درست ہے۔ اول کی مثال **اعجبنی دق القصارِ الثوب** دوسرے کی مثال **اعجبنی ضرب اللصِ الجلادُ۔**

واعماله باللام: مصدر معرف باللام کا عمل دلانا قلیل اور کم رائج ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ مصدر کا عمل ان مع فعل کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے اور لام کا دخول فعل پر ممتنع ہے پس چاہئے تھا مصدر معرف باللام کا عمل بھی منع ہو جائے لیکن معرف باللام مصدر کا اعمال جائز رکھا گیا اس لیے کہ مانع عارضی ہے نیز اصل فعل اور مؤل بالفعل میں فرق باقی رہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **لا یحب اللّٰہ الجهرَ بالسُّوء۔**

فان کان مطلقاً: اس کا حاصل یہ ہے کہ مصدر مفعول مطلق ہو اور اس کا فعل وجوباً محذوف نہ ہو تو پھر برائے عمل فعل متعین ہے، کیوں کہ عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ضعیف سے فعل متعلق نہیں ہوتا ہے اور یہ صحیح بھی نہیں ہے کہ عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ضعیف کو عمل دلایا جائے۔

ہاں اگر فعل وجوباً محذوف ہو اور مفعول مطلق اس کا قائم مقام ہو تو دونوں صورتیں درست ہیں کہ فعل کو اصل ہونے کی وجہ سے عمل دلایا جائے اور مصدر کا بھی اعمال درست ہے، کیوں کہ وہ فعل کا قائم مقام ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی وجہ بحیثیت مصدر کے عمل کرنا اور دوسری وجہ بحیثیت قائم مقام فعل کے عمل کرنا ہے۔

اسمُ الفاعِل مَا اشتق من فِعلٍ لمَن قام به بِمعنى الحدوثِ وصِيغتهٔ مِنَ الثلاثی المجرد علٰی فاعِل ومِن غیرہ علٰی صیغة المضارع بمیم مَضمومة وکسر ماقبل الأخر نحو مُدخل ومُستغفِرٍ ویعمل عمل فعله بشرط مَعنی الحال او الاستقبال والاعتمادِ علٰی صاحبه والهمزة او مَا فان کان للماضِی وَجَبَتِ الاضافةُ معنًی خِلَافًا للکسائی فان کانَ لهٗ معمولٌ اخرُ فبفعل مقدّرٍ نحو زیدٌ مُعطِی عمرٍو درهمًا امس فان دَخلَتِ اللامُ استوی الجَمِیع .

ترجمه:- اسم فاعل وہ اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے ایسے فعل سے کہ فعل اس ذات کے ساتھ بمعنی الحدوث قائم ہوتا ہے اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر ہوتا ہے اور اس کے علاوہ سے مضارع کے صیغہ پر میم مضموم اور آخر کے ماقبل کسرہ کے ساتھ جیسے مُدخِلٌ اور مُستغفِرٌ اور اسم فاعل اپنے فعل کی طرح عمل کرتا حال یا استقبال کی شرط کے ساتھ اور اپنے صاحب اور ہمزہ یا ما نافیہ پر اعتماد کے ساتھ۔ پس اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اضافت معنی واجب ہے مخالفت کرتے ہوئے کسائی کی پس اگر اس کے لیے کوئی دوسرا معمول ہو تو فعل مقدر کی وجہ سے جیسے **زیدٌ معطی عمرٍو درهمًا امس** پس اگر لام داخل ہو جائے تو تمام برابر ہو جاتے ہیں۔

توضیح:- اسم فاعل وہ اسم ہے جو ایسے مصدر سے مشتق ہوتا ہے کہ جو اس ذات کے ساتھ بمعنی الحدوث والتجدد قائم ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ فعل سے مراد مصدر اور حدث ہے۔ ماتن کا قول ما اشتق من فعل جنس ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم تفضیل وغیرہ سب کو شامل ہے۔ لمن قام به فصل اول ہے جس سے اسم مفعول اور اسم تفضیل بھی خارج ہو گئے۔ مفعول کا خارج ہونا ظاہر ہے اور اسم تفضیل بھی خارج ہے بایں طور کہ اسم تفضیل گو اس ذات کے لیے موضوع ہے کہ جس کے ساتھ مصدر قائم ہوتا ہے لیکن زیادتی کے ساتھ دوسرے کے مقابل میں جب کہ اسم فاعل میں زیادتی کا لحاظ نہیں ہوتا ہے۔ اور بمعنی الحدوث کی قید سے مبالغہ سے احتراز ہو گیا کیوں کہ مبالغہ کی وضع من قام بہ کے لیے بمعنی الثبوت ہوتی ہے۔

پس یہ اعتراض بھی لغو ہے کہ اسم فاعل کی تعریف مبالغہ کو شامل نہیں حالانکہ اس کی وضع بھی لمن قام به کے لیے ہوتی ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ مصنف مبالغہ کو اسم فاعل سے دو وجہوں سے خارج کرنا چاہتے ہیں اول تو اس لیے کہ اسم فاعل کے صیغے محصور اور محدود ہیں جو مخصوص اوزان پر ہوتے ہیں اور مبالغہ کے صیغے ان اوزان پر نہیں ہیں دوسرے یہ کہ مبالغہ کے صیغوں کے احکام مثل احکام اسم فاعل ہے اور قاعدہ سے کہ شئ کا مثل، شئ کا غیر ہوتا ہے اس کا عین نہیں ہوتا۔ پس مبالغہ کا خارج ہو جانا مقصود ہے لائق تشویش نہیں ہے۔

وصيغته من الثلاثي المجرد: اسم فاعل ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر آتا ہے البتہ غیر ثلاثی مجرد سے خواہ وہ ثلاثی مزید ہو اپنی تمام قسموں کے ساتھ یا رباعی مجرد یا مزید ہو اسم فاعل مضارع معروف کے وزن پر میم مضموم اور آخر کے ماقبل کسرہ کے ساتھ آتا ہے جیسے مُدْخِلٌ کی اس مثال میں علامت مضارع کی جگہ پر میم مضموم لے آئی گئی ہے اور آخر کے ماقبل تو کسرہ پہلے سے ہی موجود تھا۔ اور مُسْتَغْفِرٌ میں علامت مضارع مفتوح کی جگہ میم مضمومہ لائی گئی ہے البتہ آخر کے ماقبل کسرہ پہلے سے ہے اور متقابلٌ میں میم مضموم علامت مضارع مفتوح کی جگہ ہے اور آخر کے ماقبل فتحہ کی جگہ کسرہ لایا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ غیر ثلاثی مجرد سے اسم فاعل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مضارع معروف کے حرف مضارع کی جگہ میم مضموم لے آئی جائے اور آخر کے ماقبل کو کسرہ کر دیا جائے اگر کسرہ نہ ہو تو۔

ويعمل عمل فعله: اسم فاعل اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے یعنی اگر وہ فعل لازم کا اسم فاعل ہے تو صرف فاعل کو رفع دے گا جیسے زيد قائم ابوه اور اگر فعل متعدی کا اسم فاعل ہے تو فاعل میں رفع اور مفعول میں نصب کا عمل کرے گا جیسے زيد ضاربٌ ابوه عمرواً.

البتہ عمل کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں ہو اس لیے کہ اسم فاعل کا عمل مضارع سے مشابہت کی وجہ سے ہے اور ظاہری بات ہے کہ مشابہت مطلوبہ حال یا استقبال کے معنی میں ہونے کی صورت میں ہی حاصل ہو سکتی ہے پس ضروری ہے کہ اسم فاعل مضارع کے مخالف نہ ہو۔ البتہ حال اور استقبال کے معنی میں ہونا عام ہے خواہ حقیقتاً وہ اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں ہو یا حکماً جیسے كلبٌ باسطٌ ذِراعيه بالوصيد پس باسط اگرچہ ماضی ہے اور حقیقتاً حال کے معنی میں نہیں ہے لیکن حکماً ہے کیوں کہ اس سے مراد حکایت حال ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم فاعل اپنے صاحب یا ہمزہ استفہام یا حرف نفی پر اعتماد کرنے والا ہو۔ یعنی اسم فاعل سے پہلے مبتدا ہو جیسے زيد قائم ابوه یا موصوف ہو جیسے جاء نی رجل قائم ابوه یا موصول ہو جیسے جاء نی القائم ابوه یا اسم فاعل سے پہلے ذوالحال ہو جیسے جاء نی زيد راكب غلامه صاحب سے مراد یہی مذکورہ بالا چیزیں ہیں نیز اسم فاعل سے پہلے یا ہمزہ استفہام ہو جیسے اقائم زيد یا ما نافیہ ہو جیسے ما قائم زيد پس صاحب یعنی مبتدا وغیرہ پر اعتماد کی شرط اس لیے لگائی کہ عمل میں اصل فعل ہے، کیوں کہ فعل کی وضع اسی مقصد کے لیے ہوتی ہے۔ اور اس کے ماسواء کا عمل فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے اور فعل فاعل پر اعتماد کرتا ہے یعنی اس کی طرف مسند ہوتا ہے، پس مناسب ہوا کہ جو اس سے مشابہت کا تعلق رکھتا ہے وہ اپنے صاحب پر بدرجہ اولیٰ اعتماد رکھے یعنی وہ بھی اپنے صاحب کی طرف مسند ہو، تاکہ فرع کی اصل میں زیادتی لازم نہ آئے۔

اور ہمزۂ استفہام اور ما نافیہ پر اعتماد اس لیے کافی ہوجاتا ہے کہ یہ دونوں عموماً فعل پر ہی داخل ہوتے ہیں پس جب اسم فاعل پر داخل ہوں گے تو اسم فاعل کی فعل سے مشابہت بڑھ جائے گی۔

وان كان للماضي وجب الاضافة: حاصل یہ ہے کہ جب اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اضافت معنوی واجب ہے۔ مشابہت بالمضارع نہ ہونے کی وجہ سے عمل کی تو اب گنجائش نہیں البتہ اسم فاعل کی اس کے مفعول کی طرف اضافت معنوی ہوجائے گی۔ اضافت لفظی بھی منع ہے، کیوں کہ اضافت لفظی میں اضافت اپنے معمول کی طرف ہوتی ہے ۔ر یہ بات یہاں ناپید ہے جیسے **زيد معطي عمرٍ وامس درهمًا.**

اس سلسلے میں امام کسائی کا اختلاف ہے ان کی رائے یہ ہے کہ اسم فاعل مطلقاً خواہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو یا ماضی کے وہ اپنے فعل کا سا عمل کرتا ہے، کیوں کہ اصل حال واستقبال ہے اور ماضی ایک عارضی چیز ہے جس کا ثبوت بغیر قرینہ کے نہیں ہوتا اور عارض کا اعتبار نہیں، لہٰذا اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں بھی ہوجائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا پس صورت مذکور میں اس کی اضافت مفعول کی طرف لازم نہیں اور اگر اضافت گوارہ بھی کی جائے تو اضافت لفظی ہوگی نہ کہ اضافت معنوی، کیوں کہ یہ اضافت الصفت الی معمولها کے قبیل سے ہوگا ان کا استدلال **كلبٌ باسطٌ ذراعيه بالوصيد** سے ہے کہ **باسط** اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہوتے ہوئے عمل کر رہا ہے پس معلوم ہو کہ اسم فاعل عمل کرنے کے لیے حال واستقبال کے معنی میں ہونے کا محتاج نہیں۔ لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ **باسطٌ** حکماً حال کے معنی میں ہے لہٰذا ماضی کے معنی میں ہوتے ہوئے عمل نہ پایا گیا۔

فان كان له معمولٌ آخر: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید معطی عمرو درہما میں اسم فاعل ماضی کے معنیٰ میں ہے اس کے باوجود وہ اپنے مفعول میں نصب کا عمل کر رہا ہے، لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے حال یا استقبال کے معنی میں ہونا ضروری ہے صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مثال مذکور میں مفعول کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے اسم فاعل کی وجہ سے نہیں، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ اگر اسم فاعل بمعنی ماضی کا کوئی دوسرا معمول ہو تو وہ فعل مقدر کی وجہ سے ہوگا چنانچہ مثال مذکور میں جب **زيد معطي عمرٍو امس** کہا گیا تو سوال ہوا **ما اعطاه** تو اس کے جواب میں **اعطاه درهما** کہا گیا پس مثال مذکور میں **درهمًا** کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے نہ کہ اسم فاعل بمعنی ماضی کی وجہ سے لہٰذا ہمارا قاعدہ مسلم ہے ٹوٹا نہیں ہے۔

فان دخلت اللام: حاصل یہ ہے کہ اگر لام اسم فاعل پر داخل ہوجائے تو اس کے عمل کرنے میں تمام زمانہ برابر ہیں یعنی اگر لام اسم فاعل پر داخل ہوجاتا ہے تو اب وہ چاہے جس معنی میں ہو عمل کرے گا

کیوں کہ اسم فاعل درحقیقت فعل ہی ہوتا ہے اور چونکہ فعل پر الف لام کا دخول منع ہوتا ہے، اس لیے فعل سے اسم فاعل کی طرف عدول کرآتے ہیں جیسے مررت بالضارب ابوه زيد الآن، مررت بالضارب ابوه زيد غدا، مررت بالضارب ابوه زيد امس.

وما وُضِعَ منهُ للمُبَالَغةِ كضَرَّابٍ وضَرُوبٍ ومِضرابٍ وعليمٍ وحَذِرٍ مثله والمثنّى والجموعُ مثلهُ ويجوز حَذفُ النّون مَعَ العملِ والتعريفِ تخفيفًا.

ترجمہ:- اور وہ اسم فاعل میں کچھ وہ ہیں جو مبالغہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں جیسے ضَرّاب اور ضَروبٌ اور مِضرابٌ اور عَلیمٌ اور حَذِرٌ اسم فاعل کے مثل ہیں اور تثنیہ اور جمع اسی کے مثل ہے اور جائز ہے نون کا حذف کرنا عمل کے ساتھ اور تعریف کے ساتھ تخفیفاً۔

توضیح:- وہ اسم فاعل جو مبالغہ کے لے وضع ہوا ہے عمل اور شرائط میں اس اسم فاعل کی طرح ہے جو مبالغہ کے لیے موضوع نہیں ہے، اس لیے کہ مبالغہ میں چونکہ زیادتی ہوتی ہے اس لیے مضارع کے ساتھ مشابہت لفظی کے فوت ہونے کی تلافی اس زیادتی فی المعنی کی وجہ سے حاصل ہوجاتی ہے، لہٰذا مبالغہ بھی فعل کا سا عمل کرے گا۔

والمثنى والجموع: اسم فاعل کا تثنیہ اور جمع بھی آتا ہے جو عمل اور شرائط میں اسم فاعل مفرد کی طرح ہے، کیوں کہ زوائد کے لاحق ہونے سے اسم فاعل کے صیغہ واحد میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا ہے۔

جب اسم فاعل معرف باللام ہو تو عامل ہوتے ہوئے بھی نون تثنیہ اور جمع کا تخفیفاً حذف کرنا درست ہے، کیوں کہ الف لام موصول ہے اور اسم فاعل اس کا صلہ پس صلہ مفعول کے نصب کے ساتھ طویل ہوگیا، لہٰذا تخفیفاً حذف کرنا درست ہے۔ جیسے والمقيمي الصلوٰة پس مثال میں نون کو حذف کردیا گیا۔

اسم المفعول ما اشتقَ من فعلٍ لمن وقعَ عليه، وصيغتهُ من الثلاثي المجرد على مفعولٍ ومن غيرهِ على صيغة الفاعل بفتح ما قبل الأخرِ كمُستخرَجٍ وامرهُ فى العملِ والاشتراطِ كامر الفاعل مثل زيد مُعطًى غلامه درهمًا.

ترجمہ:- اسم مفعول وہ اسم ہے جو ایسے مصدر سے مشتق ہوتا ہے کہ وہ مصدر اس ذات پر واقع ہوتا ہے اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعولٌ کے وزن پر ہوتا ہے اور غیر ثلاثی سے اسم فاعل کے وزن پر آخر کے ماقبل کے فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اسم مفعول کا معاملہ عمل میں اور شرائط میں اسم فاعل کے معاملہ کی طرح ہے جیسے زيد معطًى غُلامه درهمًا.

توضیح:- اسم مفعول وہ اسم ہے جو ایسے مصدر سے مشتق ہوتا ہے کہ جو اس اسم پر واقع ہوتا ہے۔ ماشتق من فعل جنس ہے اور لمن وقع علیہ بمنزلۂ فصل ہے، پس مااشتق اسم مفعول اور اس کے غیر سب

کو شامل تھا اور لمن وقع علیہ کی قید سے اسم مفعول کے ماسوا سب خارج ہو گئے۔

اسم مفعول کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر آتا ہے اور غیر ثلاثی مجرد سے، غیر ثلاثی مجرد کے اسم فاعل کے وزن پر ہوتا ہے صرف آخر کے ماقبل بجائے کسرہ کے فتحہ ہوتا ہے جیسے **مستخرج** کہ اسم فاعل میں آخر کے ماقبل کسرہ ہوتا لہٰذا اسم فاعل اور اسم مفعول میں فرق کرنے کے لیے مفعول میں آخر کے ماقبل فتحہ کر دیا کیوں کہ فتحہ خفیف ہے اور مفعول کثیر ہے پس توازن بھی پیدا ہو گیا نیز اسم مفعول، ماقبل فتحہ کی وجہ سے اس مضارع کے موافق بھی ہو گیا جو مفعول کی طرف مسند ہوتا ہے یعنی مضارع مجہول کے۔

وامرہ فی العمل الخ: خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل اپنے فعل کا سا عمل کرتا ہے اور جن شرائط کے ساتھ کرتا ہے نیز جس طرح حال واستقبال کے معنی میں ہونے کے بجائے وہ ماضی کے معنی میں ہو جانے پر واجب الاضافۃ المعنویۃ ہوتا ہے اسی طرح اسم مفعول بھی عمل کرتا ہے اور انھیں شرائط کے ساتھ تفصیل اسم فاعل کی بحث میں ملاحظہ کر لی جائے جیسے **زید معطٰی غلامہ درھمًا، زید مضروب العبد** پس اول مثال جملہ شرائط کے پائے جانے کی ہے اور ثانی حال واستقبال کی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے واجب الاضافت کی ہے۔

الصفۃُ المشبَّھَۃُ ما اشتق من فعلٍ لَازم لمن قام بہٖ عَلٰی معنی الثبوت وصِیغتُھا مخالفۃٌ لصیغۃِ الفاعِل علٰی حسب السّماعِ کحَسَنٍ وصَعبٍ وشَدیدٍ وتعمل عملَ فِعْلِھَا مُطلقًا وتقسِیمُ مَسَائِلھا ان تکونَ الصِّفَۃُ باللام او مجردۃً ومَعمُولھا مُضافًا او باللامِ او مجردًا عنھا فھٰذہ ستۃٌ والمعمُول فی کل واحدٍ منھا مرفوعٌ ومَنصوبٌ ومجرورٌ فصارت ثمانیۃ عَشر فالرفعُ علی الفاعلیۃِ والنصب علی التشبیہ بالمفعُولِ فی المعرفۃ وعَلی التمییز فی النکرۃ والجر علی الاضَافۃِ.

ترجمہ:۔ صفت مشبہ وہ اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے مصدر لازم سے کہ وہ مصدر لازم اس اسم کے ساتھ بطریق ثبوت قائم ہوتا ہے۔ اور اس کے صیغ اسم فاعل کے صیغوں کے برخلاف ہوتے ہیں درانحالیکہ وہ سماع کی مقدار پر ہوتے ہیں۔ جیسے حَسَنٌ، صَعبٌ اور شَدِیدٌ اور صفت مشبہ اپنے فعل کا سا مطلقاً عمل کرتا ہے۔ اور اس کے مسائل کی تقسیم یہ ہے کہ صفت مشبہ معرف باللام ہو یا بغیر لام کے ہو اور اس کا معمول مضاف ہو یا لام کے ساتھ ہو یا دونوں سے مجرد ہو (یعنی اضافت اور لام دونوں کے بغیر ہو) پس یہ چھ قسمیں ہوئیں اور معمول ان میں سے ہر ایک میں مرفوع ہوگا، منصوب ہوگا اور مجرور بھی پس اٹھارہ قسمیں حاصل ہو گئیں پس رفع فاعلیت کی وجہ سے ہوگا اور نصب معرفہ میں مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اور نکرہ میں تمیز ہونے کی وجہ سے ہوگا اور جر اضافت کی وجہ سے۔

توضیح:- صفت مشبہ وہ اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے مصدر لازم سے اس حال میں کہ وہ مصدر لازم اس اسم کے ساتھ بطریق ثبوت قائم ہوتا ہے ماشتق من فعل اسم جنس ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول اسم تفضیل وغیرہ سب کو شامل ہے اور لازم، فصل اول ہے اس کی وجہ سے اسم فاعل متعدی اور اسم مفعول خارج ہو گئے اور لمن قام به علی معنی الثبوت فصل ثانی ہے اس سے اسم فاعل لازم نکل گیا۔

دھیان رہے مصدر لازم عام ہے خواہ وہ شروع ہی سے لازم ہو یا اشتقاق کے وقت پس رحیم صفت مشبہ میں داخل رہے گا کیوں کہ یہ اگر چہ ابتداءً لازم نہیں تھا لیکن وہ لازم ہو گیا رحم بکسر العین سے رحُم بضم العین کی طرف انتقال کے بعد۔

صفت مشبہ کو صفت مشبہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ صفت تثنیہ، جمع، تذکیر و تانیث میں اسم فاعل کے مشابہ ہے۔

وصیغتها مخالفة: اس کا مطلب یہ ہے کہ صفت مشبہ کا صیغہ اسم فاعل کے صیغہ کے مخالف ہوتا ہے یا مطلب ہے کہ ثلاثی مجرد سے اسم فاعل کے وزنِ فاعل کے مخالف ہوتا ہے۔ علی حسب السماع یا تو مخالفة کی ضمیر پوشیدہ سے حال ہے جو صیغہ کی طرف لوٹ رہی ہے یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ پہلی صورت میں مطلب ہوگا یعنی اس حال میں کہ صفت مشبہ کے صیغے ثابت ہیں مطابق سماع کے کہ جس قدر سنے گئے ہیں اس مقدار پر رہتے ہیں قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

دوسری صورت میں مطلب ہوگا کہ صفت مشبہ کے صیغوں کی مخالفت مقدار مسموع کے بقدر ہی ہوگی جیسے حَسن، صعب، شدید.

وتعمل عمل فعلها: اس کا مطلب یہ ہے کہ صفت مشبہ کا عمل زمانہ کی قید سے آزاد ہے خواہ وہ کسی زمانہ میں ہو عمل میں کوئی رکاوٹ نہیں البتہ اسم فاعل اور اسم مفعول کی طرح ماقبل میں چھ باتوں میں سے کوئی ایک اعتماد کے لیے ضرور ہونا چاہیے جب ایسا ہوگا تو پھر وہ اپنے فعل کا سا عمل کرے گا یعنی فاعل کو رفع دیگا۔

وتقسیم مسائلها: مسائل اقسام کے معنی میں ہے۔ اب یہاں صفت مشبہ کے اقسام کے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ سب سے پہلے اقسام ملاحظہ فرمائیے۔

بنیادی تقسیم یہ ہے کہ صفت مشبہ کا صیغہ یا تو معرف باللام ہوگا یا بغیر لام کے ہوگا پھر دونوں طرح کا صیغۂ صفت یا تو اس کا معمول مضاف ہوگا یا وہ الف لام کے ساتھ ہوگا یعنی معمول معرف باللام ہوگا یا وہ معمول دونوں سے مجرد ہوگا یعنی نہ وہ مضاف ہوگا اور نہ ہی معرف باللام پس یہ چھ قسمیں ہو گئیں (۱) بایں طور کہ صفت معرف باللام ہو اور معمول مضاف ہو (۲) صفت معرف باللام اور معمول بھی معرف باللام (۳) صفت معرف باللام اور معمول دونوں سے مجرد (۴) صفت غیر معرف باللام اور معمول مضاف (۵)

صفت غیر معرف باللام اور معمول معرف باللام (٦) صفت غیر معرف باللام اور معمول دونوں سے مجرد۔
اب پھران چھ کی چھ قسموں میں سے ہر ایک مرفوع ہوگا، منصوب ہوگا اور مجرور ہوگا پس چھ کو تین میں ضرب دینے سے اٹھارہ قسمیں حاصل ہوگئیں۔
احکام یہ ہیں کہ جملہ اقسام کا مرفوع بر بنائے فاعلیت ہوگا اور نصب دو وجہوں سے ہوسکتا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ معمول کے معرفہ ہونے کی صورت میں معمول کا نصب مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہوگا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ معمول کے نکرہ ہونے کی صورت میں نصب تمیز ہونے کی وجہ سے ہوگا اور مجرور ہونا معمول کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

وتفصیلها حسن وجهُهُ ثلثة وكذٰلك حسن الوجه وحسن وجه، الحسن وجهُهُ الحسن الوجه، الحسن وجهٌ اثنان منها ممتنعان مثل الحسن وجهِهِ الحسن وجهٍ واختُلِف في حَسَن وجهِهِ والبواقي مَا كانَ فيه ضمير وَاحدٌ منها احسن وما كان فيه ضمير ان حَسَنٌ وما لا ضمير فيه قبيح ومتىٰ رُفعت بها فلاضمير فيها فهي كالفِعْل والاّ ففيها ضمير الموصوف فتؤنث وتثنى وتجمع واسما الفاعِل والمفعول غيرَ المتعدّيين مثلُ الصِّفة فيما ذُكر.

ترجمہ:- اور اس کی تفصیل حسن وجهه تین وجہوں والا ہے (یعنی رفع، نصب اور جر) اور اسی طرح حسن الوجه اور حسنٌ وجه اور الحسن وجهه اور الحسن الوجه اور الحسن وجهٌ ہے دو ان میں سے ممتنع ہیں جیسے الحسنُ وجهِهٖ اور الحسن وجهٍ اور اختلاف ہے حسنُ وجهِهٖ میں اور بقیہ اقسام کہ جن میں ایک ضمیر ہے وہ احسن ہے اور جس میں دو ضمیریں ہیں وہ حسن ہے اور جس میں کوئی ضمیر نہیں ہے وہ قبیح ہے اور جب تو اس کے ذریعہ رفع دے تو اس میں کوئی ضمیر نہ ہوگی پس وہ صفت فعل کی طرح ہے ورنہ پس اس میں موصوف کی ضمیر ہوگی تو وہ صفت مؤنث لائی جائے گی اور تثنیہ اور جمع لائی جائے گی اور اسم فاعل اور اسم مفعول غیر متعدی مذکورہ بالا صورتوں میں صفت مشبہ کی طرح ہیں۔

توضیح:- تفصیل معنی میں مفصِلٌ کے ہے مطلب یہ ہے کہ ان اقسام کی تفصیل کرنے والا ہمارا قول حسن وجههٖ ہے حسنُ وجههٖ یہ اس صفت کی مثال ہے جو مجرد عن اللام ہے اور اس کا معمول مضاف ہے یہ مثال تین وجہوں کی مثال بن سکتی ہے صفت کے معمول کے اعراب کے اختلاف کے اعتبار سے رفعاً اور نصباً اور جراً اور اسی سابقہ مثال کی طرح تین مثالوں کے ہونے میں حسن الوجه ہے یہ اس صفت کی مثال ہے جو مجرد عن اللام ہے اور معمول معرف باللام ہے پس اس میں بھی معمول کے اعراب کے رفعاً اور نصباً اور جراً اختلاف کے لحاظ سے تینوں مثالوں کی گنجائش ہے۔ حسن وجه یہ اس صفت کی

مثال ہے جوخود بھی مجرد عن اللام ہے اور اس کا معمول بھی مجرد عن اللام والا ضافۃ دونوں ہے پس اس میں بھی باعتبار اختلاف اعرابِ معمول تینوں مثالوں کی گنجائش ہے۔ الحسن و جهه یہ اس صفت کی مثال ہے جو معرف باللام ہے اور معمول مضاف ہے اور الحسن الوجه یہ اس صفت کی مثال ہے جو خود معرف باللام ہے اور معمول بھی معرف باللام ہے اور الحسن و جه یہ اس صفت کی مثال ہے جو خود معرف باللام ہے اور معمول لام اور اضافت دونوں سے خالی ہے ان سب مثالوں میں معمول کے مرفوع اور منصوب اور مجرور ہونے کے اعتبار سے تین تین قسموں کی گنجائش موجود ہے کہ رفع معمول کے فاعل ہونے کی وجہ سے ہوگا جب کہ نصب دو وجہوں سے ہوگا یا صفت کے معمول کے مفعول کے ساتھ مشابہت یا تمیز ہونے کی وجہ سے ہوگا مفعول کے ساتھ مشابہت معمول کے معرفہ ہونے کی صورت میں جب کہ تمیز ہونا معمول کے نکرہ ہونے کی صورت میں ہوا ہے۔

الثان منها ممتنعان الخ: الحسن و جهه اور الحسنُ وجہ یہ دونوں ترکیبیں ناجائز ہیں اس لیے کہ اضافت لفظیہ کا فائدہ تخفیف ہے جو مضاف اور مضاف الیہ کی جانب میں حاصل ہوتا ہے۔ مضاف کی جانب میں تو تنوین اور نون تثنیہ اور نون جمع کا حذف تخفیف کہلاتا ہے اور مضاف الیہ کی جانب میں ضمیر کا حذف اور اس کا استتار صیغہ صفت میں ہوتا ہے اور ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات ترکیب اول میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اور الحسن و جه کی ترکیب اس لیے ممتنع ہے کہ اس مثال میں اگرچہ تخفیف کا فائدہ حاصل ہے کہ صیغہ صفت میں ضمیر مستتر ہے اور مضاف الیہ وجہ سے محذوف ہے لیکن معرفہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہوگئی، حالاں کہ نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہوتی ہے۔

واختلف فی حسن وجهه: نحویوں کے نزدیک یہ ترکیب قبیح کے ساتھ جائز ہے وجہ یہ ہے کہ تخفیف مضاف کی جانب میں تو حاصل ہے اس لیے کہ تنوین محذوف ہے لیکن مضاف الیہ کی جانب میں چونکہ ضمیر موجود ہے لہٰذا مضاف الیہ کی جانب میں تخفیف حاصل نہ ہوئی پس گویا کامل طور پر تخفیف حاصل نہ ہوئی، لہٰذا قباحت کے ساتھ گنجائش ہے جب کہ کوفیوں کے یہاں بلا قباحت ترکیب مذکور درست ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک مطلقاً تخفیف مطلوب ہوتی ہے جو حاصل ہے گو وہ صرف مضاف میں ہی پائی جاتی ہے۔

والبواقی ما کان فیه ضمیر واحد الخ: اٹھارہ قسموں میں سے نو ایسی قسمیں ہیں جن میں صرف ایک ضمیر پائی جاتی ہے اور وہ اقسام کہ جن میں ایک ضمیر پائی جاتی ہو وہ تمام اقسام میں احسن یعنی سب سے خوب ہیں اور احسن اس لیے ہیں کہ بقدر ضرورت ضمیر موجود ہے نہ کم اور نہ ضرورت سے زیادہ۔

وہ نو اقسام یہ ہیں الحسن الوجہ معمول کے نصب اور جر کے ساتھ اور حسن الوجہ معمول کے نصب اور جر کے ساتھ اور الحسن وجھاً اور حسن وجھًا معمول کے نصب کے ساتھ اور حسن وجہِ معمول کے جر کے ساتھ اور الحسن وجھُہٗ اور حسن وجھُہٗ معمول کے رفع کے ساتھ۔ پس ان اقسام میں صرف ایک ضمیر ہے جو موصوف کی طرف رجوع ہونے کی ضرورت کے لیے کافی ہے۔

وما کان ضمیران الخ: ایسی اقسام جن میں دو ضمیریں ہوں وہ حسن ہیں اس لیے کہ وہ ضرورت سے زیادہ ضمیریں ہیں کیونکہ موصوف اور صفت کے درمیان ربط کے لیے ایک ضمیر کافی ہے اور ایسی دو قسمیں ہے۔

حَسَنٌ وجھَہٗ اور الحسنُ وجھَہٗ معمول کے نصب کے ساتھ ایک ضمیر تو صیغہ صفت میں ہے اور دوسری مضاف الیہ میں۔

ومالا ضمیر فیہ الخ: اور وہ اقسام جن میں کوئی ضمیر نہیں ہے وہ قبیح ہیں اس لیے کہ جب کوئی ضمیر صفت کی جانب نہ ہوگی تو پھر موصوف اور صفت کے درمیان ربط معدوم ہوگا اور ایسی چار قسمیں ہیں الحسن الوجہُ اور حسن الوجہُ اور حسنٌ وجہٌ، الحسن وجہٌ معمول کے رفع کے ساتھ پس ان ترکیبوں میں نہ تو صیغۂ صفت میں کوئی ضمیر ہے اس لیے کہ وہ اسم ظاہر کی طرف مسند ہے اور معمول میں بھی کوئی ضمیر نہیں ہے کیوں کہ وہ مضاف الی الضمیر نہیں ہے۔

ومتی رفعت بھا الخ: خلاصہ یہ ہے کہ جب صفت کے معمول کو رفع دیا جائے گا تو پھر صفت میں کوئی ضمیر نہیں ہوگی اس لیے اسم ظاہر اس کا فاعل ہوگیا اب اگر ضمیر صفت میں مانی جاتی ہے تو تعدد فاعل لازم آئے گا اور یہ باطل ہے ایسی صورت میں جب کہ صیغہ صفت اسم ظاہر کی طرف مسند ہو تو وہ فعل کی طرح واحد ہوگا یعنی جس طرح فعل مسند الی الظاہر کی صورت میں ہمیشہ واحد ہوتا ہے اسی طرح صیغۂ صفت بھی واحد لایا جائے گا، تثنیہ اور جمع نہیں مستعمل ہوگا۔

والا ففیھا ضمیر الموصوف: یعنی جب صیغۂ صفت کا معمول مرفوع نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اسم ظاہر کی طرف مسند نہیں ہے اور جب اسم ظاہر کی طرف نہیں ہے تو اب وہ اسم ضمیر کی طرف مسند ہوگا، لہٰذا صیغۂ صفت میں ضمیر فاعل کی ہوگی جو موصوف کی طرف لوٹے گی اور صیغۂ صفت کو مؤنث اور تثنیہ اور جمع جیسا موصوف ہوگا لایا جائے گا جیسا کہ فعل میں مسند الی الضمیر کی صورت میں حسب فاعل فعل کو مؤنث تثنیہ اور جمع لایا جاتا ہے، ایسا اس لیے ہوگا کیونکہ صیغۂ صفت کا حال فعل کے حال کی طرح ہے پس جیسا اسم ضمیر فاعل ہوگا ویسی صفت بھی ہوگی تذکیراً تانیثاً نیز تثنیہ اور جمع ہونے میں۔

واسم الفاعل والمفعول: اس ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اسم فاعل اور اسم معمول جب غیر متعدی

ہوں تو جس طرح صفت مشبہ کی اٹھارہ قسمیں نکلتی ہیں جن میں بعض ممتنع اور بعض احسن وحسن اور بعض قبیح ہیں نیز جو تفصیل اسم ظاہر اور اسم ضمیر کی طرف مسند ہونے میں ہے وہی ساری جملہ اقسام انہیں مذکورہ بالا تفصیلات کیساتھ اسم فاعل اور اسم مفعول غیر متعدی میں بھی موجود ہیں جنھیں ادنیٰ توجہ سے نکالا جاسکتا ہے۔

معلوم ہو کہ اسم مفعول غیر متعدی سے مراد وہ مفعول ہو جو ایسے فعل سے مشتق ہو جو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ اب سنیے اسم فاعل اور اسم مفعول کو غیر متعدی کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کہ اگر وہ متعدی ہوں گے تو نہ ان کی اضافت درست ہوگی اور نہ ہی نصب تا کہ مفعول کے ساتھ اشتباہ نہ پیدا ہو، کیوں کہ جب آپ نے مثال کے طور پر **زید ضارب اباہ** اور **زید معطی اباہ** کہا تو مثال اول میں یہ نہ معلوم ہوگا کہ اباہ الضارب کا مفعول ہے یا اس کا فاعل ہے جو مفعول کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مثال میں **اباہ معطی** کا مفعول ثانی ہے یا مفعول اول جو فاعل کے قائم مقام ہے اور مفعول کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا مفعول ثانی محذوف ہے۔

اسمُ التفضیل مَا اشتُقّ مِنْ فعلٍ لموصُوفٍ بزیادۃ علی غیرہٖ وھو افعلُ وشرطُہٗ ان یُبنی من ثلاثیٍ مجردٍ لیمکن منہُ ولیس بلونٍ ولا عیب لِانَّ منھُمَا افعَلُ لغیرہ مثلُ زیدٌ افضَلُ النَّاسِ فاِنْ قُصدَ غیرہٗ تُوصِّل الَیہِ باشدَّ مثل ھُوَ اَشدُّ منہُ استِخراجًا وبَیاضًا وعمًی وقیاسہٗ للفاعِل وقد جاء للمفعُول نحو اعذَرُ وَاَلْوَمُ وَاَشْغَلُ واَشْھَرُ.

ترجمہ:- اسم تفضیل وہ اسم ہے جو مشتق ہو ایسے مصدر سے کہ جو کسی موصوف کے لیے وضع کیا گیا ہو اس کے غیر پر زیادتی کے ساتھ اور وہ افعل ہے۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ اس کو ثلاثی مجرد سے بنایا جائے، تا کہ افعل کا بنانا اس سے ممکن ہو۔ اور وہ نہ لون ہو اور نہ عیب کیوں کہ لون اور عیب سے افعل غیر تفضیل کے لیے ہے۔ جیسے زید افضل الناس پس اگر اس کے علاوہ کا قصد کیا جائے تو واسطہ بنایا جائے گا **اشدّ** کو جیسے **ھو اشد منہ استخراجًا وبیاضًا وعمًی** اور اس کا قیاس فاعل کے لیے ہے اور بلاشبہ مفعول کے لیے ہے **اعذَرَ** اور **الوم** اور **اشغَلُ** اور **اشھرُ**.

توضیح:- اسم تفضیل وہ اسم ہے جو مشتق ہو ایسے مصدر سے کہ جو کسی موصوف کے لیے اس کے غیر پر زیادتی کے ساتھ وضع کیا گیا ہو۔ موصوف کے لیے اس کے غیر پر زیادتی کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ وہ فعل یعنی مصدر بمقابلۂ غیر کے موصوف میں زیادہ ہو۔

مصنف کا قول ماشتق من فعل جنس ہے جو محدود اور اسم فاعل ومفعول صفت مشبہ، ظرف وآلہ سب کو شامل تھا اور لموصوف فصل ہے جس کی وجہ سے ظرف اور آلہ سے احتراز ہو گیا اس لیے کہ موصوف سے مراد ذاتِ مبہمہ ہے اور ظرف وآلہ میں ابہام نہیں ہوتا ہے۔ اور بزیادۃ علی غیرہ کے ذریعہ احتراز ہو گیا اسم فاعل

اور مفعول اور صفت مشبہ سے کیوں کہ ان میں غیر پر زیادتی نہیں ہوتی۔

اور اسم تفضیل کا صیغہ مذکر کے لیے اَفعَلُ ہے اور مؤنث کے لیے فُعلٰی ہے اب یہ وزن خواہ فی الحال ہو یا فی الاصل ہو پس خیرٌ اور شرٌّ اسم تفضیل میں داخل رہیں گے کیوں کہ ان کا صیغہ اگرچہ فی الحال افعل نہیں ہے لیکن فی الاصل اخیر اور اشرّ ہے جو تخفیفا خیرٌ اور شرٌّ ہو گیا۔

وشرطه ان يبنى من ثلاثي مجردٍ: اسم تفضیل کی شرط یہ ہے کہ اس کو ثلاثی مجرد سے بنایا جائے تا کہ افعل اور فُعلی کا وزن بنانا اس سے ممکن ہو پس غیر ثلاثی مجرد خواہ وہ ثلاثی مزید ہو یا رباعی مجرد و مزید ہو اس سے اسم تفضیل نہ بنے گا، اس لیے کہ غیر ثلاثی مجرد سے اسم تفضیل افعل کا وزن تمام حروف کی محافظت کے ساتھ ممکن نہیں ہے اور اگر کچھ حروف ساقط کر کے بنایا جائے تو پھر غیر ثلاثی مجرد کا ثلاثی مجرد کے ساتھ خلط وملط لازم آئے گا۔

وليس بلون لا عيب: دوسری شرط یہ ہے کہ وہ فعل لون اور عیب کے معنی میں نہ ہو پس اگر کوئی فعل ثلاثی مجرد بھی ہو لیکن لون اور عیب کے معنی میں ہو تو اس سے صیغہ اسم تفضیل برائے تفضیل نہیں ہو گا جیسے احمر کہ یہ سرخ رنگ کے معنی میں ہے پس اگر اس سے اسم تفضیل کو بھی مشتق مانا جائے تو افعل التفضیل اور افعال الصفۃ کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے گا کہ یہ طے نہ ہو سکے گا کہ یہ افعل برائے تفضیل ہے یا برائے صفت۔ جیسے زيد افضل الناسِ پس افضل ثلاثی مجرد ہے اور لون وعیب کے معنی میں نہیں ہے۔

فان قصد غيره: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر غیر ثلاثی مجرد یا لون وعیب سے اسم تفضیل کے معنی کی ادائیگی منظور ہو تو لفظ اشدّ کو اس کا ذریعہ بنایا جائے گا بایں طور کہ جس فعل سے اسم تفضیل کے معنی کی ادائیگی کرنی ہے اس کے مصدر کو لفظ اشدّ یا اس کے ہم معنی کے بعد تمیز کی حیثیت سے ذکر کریں گے پس کہا جائے گا هو اشد منه استخراجا او بياضا وعمى اول مثال غیر ثلاثی مجرد کی اور دوسری مثال ثلاثی مجرد بمعنی لون کی ہے اور تیسری مثال ثلاثی مجرد بمعنی عیب کی ہے۔

وقياسه: اسم تفضیل کا قیاس یہ ہے کہ وہ فاعل کے معنی کی زیادتی بیان کرے مفعول کے معنی کی زیادتی کو بیان کرنے کے لیے اسم تفضیل نہیں آتا اس لیے کہ اگر دونوں کے معنی کی زیادتی کو بیان کرنے کے لیے اسم تفضیل مستعمل ہو تو بکثرت اشتباہ پیدا ہو گا لہٰذا فاعل پر اکتفاء کر دیا گیا، کیوں کہ یہی اشرف ہے البتہ چند جگہوں میں یہ مفعول کے معنی کی زیادتی کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے وہ ہیں اعذر زیادہ معذور کے لیے اسی طرح اَلْوَمُ زیادہ ملامت کیے ہوئے کے لیے اشغَلُ زیادہ مشغول اور اَشْهَرُ زیادہ مشہور کے معنی کے لیے۔

ويستعمل علٰى احد ثلثة اوجهٍ مُضافًا بمن اومُعرّفًا باللام فلا يجوز زيد نِالافضلُ من عمرٍ ولا زيد افضلُ الاّ ان يُعلم فاذا اُضيف فلهٗ مَعنيان احدُهما وهُو الاكثر اَنْ

تُقصَدَ به الزيادةُ علىٰ من اُضِيفَ اليه فيشترطُ ان يكون منهُم مثل زيد افضَل الناسِ فلا يجوزُ يوسُفُ احسنُ اخوتہ لخروجہ عنھُم باضافتھم الیہ.

ترجمہ:- اوراسم تفضیل تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر استعمال ہوتا ہے۔مضاف ہوکر یا من کے ساتھ یا معرف باللام ہوکر پس نہیں جائز ہے **زید افضل من عمرو** اور نہ ہی **زید افضل** مگر یہ کہ معلوم ہوجائے مفضل علیہ پس جب اسم تفضیل کی اضافت کی جائے تو اس کے دو معنی ہوں گے،ان میں سے ایک جو کہ اکثر ہے یہ ہے کہ اس کے ذریعہ قصد کیا جائے زیادتی کا اس ذات پر کہ جس کی طرف اسم تفضیل کی اضافت کی گئی ہے پس شرط ہے کہ موصوف ان میں سے ہو جیسے **زید افضل الناس** لہٰذا نہیں جائز ہے **یوسف احسنُ اخوته** یوسف کے ان سے خارج ہونے کی وجہ سے **اخوه** کے **یوسف** کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے۔

ویُستعملُ علی احد ثلثة اوجه: اسم تفضیل کا استعمال تین طریقہ سے ہوتا ہے یا تو وہ مضاف ہوگا جیسے **زید افضل الناس** یا **من** کے ساتھ مستعمل ہوگا جیسے **هو افضَلُ منكَ** یا الف لام کے ساتھ جیسے **الافضل**. ایسا اس لیے ہے کہ اسم تفضیل سے مقصد موصوف کی اس غیر پر تفضیل ہوتی ہے،لہٰذا غیر کا ذکر ضروری ہوا اور اس کا حصول مذکورہ بالا تینوں طریقوں سے ہوتا ہے جہاں تک **من** اور اضافت کا معاملہ ہے تو وہ ظاہر ہے اب بچا لام تعریف تو اس کے ذریعہ موصوف کے غیر کا ذکر یوں حاصل ہوجاتا ہے کہ اس کے ذریعہ مفضل علیہ کی تعین کی وجہ سے متعین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

فلا یجوز زیدنِ الافضل من عمرو: جب معاملہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ساتھ ہی ہوگا۔تو پھر **زید نِ الافضل من عمرو** کی ترکیب درست نہیں ہے، کیوں کہ اس میں جمع بین الامرین ہے یعنی الف لام اور من کا بیک وقت اسم تفضیل کے ایک ہی صیغہ کے لیے استعمال ہوا ہے جو جائز نہیں اور منع اس لیے ہے کہ دو طریقۂ استعمال میں سے ایک کا لغو ہونا لازم آئیگا۔

اور زید افضل کی ترکیب اس لیے ناجائز ہے کہ تمام اوقات میں تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ استعمال ضروری ہے جب کہ یہ تینوں سے خالی ہے پس مقصد فوت ہے۔

فاذا اضیف فله معینان: جب اسم تفضیل کو مضاف کر کے استعمال کیا جائے تو اسم تفضیل عندالاضافۃ کے دو مطلب ہوں گے پہلا معنی جو کہ کثیر المراد ہوتا ہے یہ ہے کہ اسم تفضیل کے ذریعہ اسم تفضیل کے مضاف الیہ کے مقابلہ میں اس کے موصوف کی زیادتی کا ارادہ کیا جائے، چنانچہ اس میں شرط ہے کہ موصوف مضاف الیہ میں سے ہو یعنی وصفاً اور استعمالاً موصوف مضاف الیہ کے اجزاء سے ہو جیسے **زید افضلِ الناس** پس ترکیب مذکور میں زید کی فضیلت کی زیادتی کا ارادہ کیا گیا ہے **افضل** اسم تفضیل کے

مضاف الیہ الناس کے مقابلہ میں اور زید موصوف الناس مضاف الیہ کا بعض ہے اس وجہ سے یوسف احسن اخوتہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس میں یوسف کے لیے بھائیوں کے مقابلہ میں زیادتی حسن کا ارادہ کیا گیا ہے لیکن یوسف اخوۃ کا بعض نہیں ہیں کیوں کہ اخوۃ کو ھُوَ ضمیر جو یوسف کی طرف لوٹتی ہے کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور مضاف مضاف الیہ کے مغائر ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ یوسف اخوۃ کا بعض نہیں ہیں پس شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے یہ ترکیب صحیح نہیں ہے، اچھا موصوف کا تفضیل کے مضاف الیہ میں بحسب المفہوم داخل ہونا اس لیے شرط ہے کہ اسم تفضیل سے صورت مذکورہ میں مقصد موصوف کی ان لوگوں پر فوقیت ظاہر کرنا ہے جو موصوف کے ساتھ اس کے مفہوم عام میں شریک ہیں البتہ بحسب الارادہ موصوف تفضیل کے مضاف الیہ سے خارج ہوتا کہ تفضیل الشیٔ علی نفسہ لازم نہ آئے۔

والثاني ان تُقصَد زيادةٌ مطلقةٌ ويُضَافُ للتوضِيح فيجوزُ يوسفُ احسنُ اخوتِه ويجوز في الاول الافرادُ والمطابقةُ لمن هو له .

ترجمہ:- دوسرا معنی یہ ہے کہ تفضیل سے زیادۃ مطلقہ مقصود ہو اور اسم تفضیل کی اضافت توضیح کے لیے کی جائے لہٰذا یوسف احسن اخوتہ درست ہے اور جائز ہے اول میں افراد اور مطابقت اس ذات کے کہ جس کے لیے وہ اسم تفضیل ہے۔

توضیح:- اس تفضیل عندالاضافۃ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسم تفضیل سے مطلق زیادتی کو چاہا جائے مضاف الیہ کے مقابلہ میں موصوف کے لیے زیادتی مدنظر نہ ہو بلکہ اضافت توضیح اور تخصیص کے لیے ہو پس اسم تفضیل عندالاضافت کے بایں معنی استعمال میں یہ بات شرط نہیں ہے کہ موصوف مضاف الیہ میں بحسب المفہوم داخل ہو اور بحسب الارادہ خارج ہو، بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ موصوف مضاف الیہ میں داخل ہو جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل القریش اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسم تفضیل ایسی جماعت کی طرف مضاف ہو کہ موصوف اس جماعت میں داخل نہیں ہے جیسے یوسف احسن اخوتہ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ غیر جماعت کی طرف مضاف ہو جیسے فلان اعلم بغداد.

لہٰذا جب زیادۂ مطلقہ مقصد ہو اور اسم تفضیل عندالاضافۃ سے مضاف الیہ کی تفضیل مقصود نہ ہو تو یوسف احسن اخوتہ کی ترکیب درست ہوگی کیوں کہ مضاف الیہ میں موصوف کے داخل نہ ہونے کی وجہ سے اجتماع نقیضین لازم نہیں آئے گا۔

ويجوز في الاول: اسم تفضیل عندالاضافت کے پہلے معنی مراد لیتے وقت اسم تفضیل کو مفرد اور موصوف کے مطابق دونوں طرح لایا جاسکتا ہے۔ یعنی موصوف چاہیے مفرد ہو تثنیہ ہو یا جمع جیسے زید افضل القوم والزیدان افضل القوم اور الزیدون افضل القوم ایسا اس لیے ہے کہ یہ اسم تفضیل بمعنی یعنی

من کے ساتھ مستعمل ہونے والے اسم تفضیل کے مشابہ ہوگیا اس بات میں کہ مفضل علیہ مذکور ہے۔ اور اسم تفضیل مستعمل بمن ہر حال میں چونکہ مفرد لایا جاتا ہے کیوں کہ علامت تثنیہ اور جمع کا اس کے آخر میں لحوق من کی وجہ سے گویا وسطِ کلمہ میں ہوگا جو صحیح نہیں ہے۔ پس اسی طرح یہاں بھی۔

اور مطابق لانا اس لیے ہے کہ تثنیہ اور جمع کی علامت کے آخر میں لحوق کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کیوں کہ یہ اسم تفضیل مستعمل باللام کے مشابہ ہے اور اس میں موصوف اور صفت میں مطابقت کے لیے تثنیہ اور جمع کی علامت کولاحق کر دیا جاتا ہے پس اسی طرح یہاں بھی جیسے زید افضل القوم. الزیدان افضلا القوم الزیدو ن افضلو القوم.

واما الثاني والمُعرَّفُ باللام فلا بدّ مِنَ المُطابقةِ والذى بِمِن مُفرد مذكر لا غير ولا يعمل في مظهرٍ الا اِذا كانَ صفةً لشيءٍ وهُوَ في المعنىٰ لمُسَبَّبٍ مُفَضّلٍ باعتِبَار الاوّل عَلٰى نفسِهِ باعتبار غيرِهِ مَنْفِيًّا مثل ما رأيتُ رَجُلاً احسنَ فِي عَيْنِهِ الكحلُ مِنهُ فِي عَينِ زَيْدٍ لانه بمعنى حسن مَعَ اَنَّهُمْ لو رفعُوا لَفصَّلوا بينَهُ وبينَ مَعموله باجنبيّ وهُوَالكحلُ ولك اَنْ تَقولُ اَحْسَنَ في عَيْنِهِ الكحلُ من عَين زيدٍ.

ترجمہ:- اور بہر حال دوسری قسم اور معرف باللام تو مطابقۃ ضروری ہے اور وہ اسم تفصیل جو مستعمل بِمن ہوتا ہے مفرد اور مذکر ہوگا اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اور اسم تفضیل اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا مگر جب کہ وہ ایک شیٔ کے (لفظ میں) صفت ہو اور معنی میں ایسے مسبب کے لیے ہو جو باعتبار اول کے اپنی ہی ذات پر مفضل ہو (فضیلت دیا ہوا) بمقابلہ اپنے غیر کے اور منفی ہو۔ جیسے ما رایتُ رجلا احسن فی عینه الكحلُ منه فی عینِ زید اس لیے کہ وہ حسن کے معنی میں ہے اس کے باوجود اگر لوگ اسم تفضیل کو رفع دیں تو اس کے اور اس کے معمول کے درمیان اجنبی سے فصل کرنا ہونا ہوگا اور وہ الکحل ہے۔

توضیح:- اسم تفضیل عندالاضافت جو زیادتیٔ مطلقہ کے لیے ہو اور وہ اسم تفضیل جو معرف باللام ہو کے لیے مطابقت ضروری ہے یعنی موصوف کے مطابق ہونا تذکیر و تانیث اور افراد و تثنیہ اور جمع میں ضروری ہے، اس لیے کہ مانع کے معدوم ہونے کے وقت موصوف اور صفت میں مطابقت اصل ہے۔ اور یہاں مانع نہیں ہے، کیوں کہ مانع اسم تفضیل مستعمل بمِن کے ساتھ مشابہت بن سکتی تھی جو مفضل علیہ کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

والـذى بـمـن: وہ اسم تفضیل جو من کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے وہ مفرد اور مذکر ہی ہوگا کیوں کہ تانیث اور تثنیہ اور جمع کی علامتیں دو حال سے خالی نہیں یا تو من سے پہلے لائیں گے یا من کے بعد اور دونوں طرح کا لحوق منع ہے اس لیے کہ من اسم تفضیل کے لیے بمنزلۂ جزء کے ہے پس صورت اول میں وسط کلمہ

میں حقیقتاً لحوق ہورہا ہے جو باطل ہے۔ پس اسم تفضیل مستعمل بمن بہر صورت مفرد اور مذکر ہوگا موصوف خواہ کچھ بھی ہو۔

ولا یعمل فی مظهر: حاصل یہ ہے کہ اسم تفضیل کا عمل دو طرح کا ہے ایک نصب کا عمل اور دوسرے رفع کا عمل۔ پھر نصب کا عمل بھی بنیادی طور پر دو قسموں پر ہے ایک بر بنائے مفعول بہ دوسرے بر بنائے حال اور ظرف اور تمیز پس صورت اول میں تو بلا واسطۂ حرف جر قطعی عمل نہیں کرے گا خواہ اسم مفعول بہ اسم ضمیر ہو یا اسم ظاہر کیوں کہ مفضل علیہ ہی اسم تفضیل کا مفعول ہوسکتا ہے جو مذکور ہونے کی صورت میں مجرور ہوتا ہے، پس نصب علی المفعولیۃ کی گنجائش نہیں ہے۔

البتہ نصب بر بنائے ظرف وحال تو یہ بلا کسی شرط کے درست ہے، کیوں کہ ان کے عمل کے لیے صرف فعل کی بو کافی ہوجاتی ہے اور اسم تفضیل میں فعل کے معنی مصدری موجود ہیں جیسے زید احسن منك الیوم راکبا پس معنی مصدری کا پایا جانا نصب علی الظرفیۃ والحالیۃ کے لیے کافی ہے۔

اب جہاں تک نصب علی التمیز کی بات ہے تو وہ بھی بلا کسی شرط کے صحیح ہے، کیوں کہ تمیز تو فعل کے معنی سے خالی ہونے کے باوجود منصوب ہوتی ہے اور اسم تفضیل میں تو بھلا فعل کے معنی موجود ہیں لہٰذا بدرجہ اولیٰ اسم تفضیل سے کوئی اسم بر بنائے تمیز منصوب ہوسکتا ہے۔ رفع کا عمل بھی دو قسموں پر ہے ایک رفع فی الضمیر دوسرے رفع فی الاسم الظاہر پس رفع فی الضمیر بلا کسی شرط کے واقع ہے، کیوں کہ ضمیر میں عمل ضعیف ہے جس کا اثر لفظوں میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا لہٰذا عامل کی قوت کی ضرورت نہیں اور عمل فی الظاہر تو یہ تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، کیوں کہ اصل برائے عمل وہ صرف فعل ہے، کیوں کہ فعل کی وضع عمل ہی کے لیے ہوئی ہے جب کہ فعل کے ماسوا جتنی چیزیں عمل کرتی ہیں وہ فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اسم تفضیل فعل کے مشابہ نہیں ہے، کیوں کہ اس میں زیادتی کے معنی ہوتے ہیں جب کہ کوئی فعل زیادتی کے معنی پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں عمل سے مراد اسم ظاہر میں رفع کا عمل ہے۔ جو تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے پہلی شرط یہ ہے کہ اسم تفضیل لفظ میں ایک شئ کی نعت یا حال ہو یا خبر ہو اور باعتبار معنی کے اس کے مسبب کی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مسبب مشترک ہو من وجہ مفضل ہو اور من وجہ مفضل علیہ ہو تیسری شرط یہ ہے کہ اسم تفضیل منفی ہو۔

پہلی شرط کہ وجہ یہ ہے کہ تا کہ اسم تفضیل کا ایک صاحب جس پر وہ اعتماد کرسکے حاصل ہوجائے اور اس کے حاصل ہونے سے ایک اسم ظاہر حاصل ہوسکے کہ جس کا اس صاحب سے تعلق ہو کیوں کہ اسم تفضیل کسی اسم مظہر میں اس وقت تک عمل نہیں کرسکتا جب تک اس اسم مظہر کا تعلق کسی ایسی شئ سے نہ ہو جس پر اسم تفضیل کا اعتماد ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کا مرتبہ اسم فاعل سے گھٹا ہوا ہے۔

دوسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس شرط کے لگانے سے اسم تفضیل اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہتا، کیوں کہ اس کی اصلی حالت یہ ہے کہ مفضل کا فضل علیہ سے ذاتی تغایر ہو اور جب اسم تفضیل اپنی اصلی حالت پر باقی نہ رہے گا تو اپنا ذاتی تقاضا بھی چھوڑ دے گا اور ذاتی تقاضا اسم ظاہر میں عمل سے گریز ہے۔

تیسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ بر تقدیر منفی اسم تفضیل فعل کے ہم معنی ہو جائے گا لہٰذا اس کا سا عمل بھی کر سکے گا۔

خلاصہ: ماحصل یہ ہے کہ اسم تفضیل اسم ظاہر میں تبھی عمل کرتا ہے جب وہ لفظ میں صفت کسی چیز کی اور معنی کے اعتبار سے دوسری چیز یعنی اس شئ کے متعلق کی صفت ہو جو مفضل ہو باعتبار اول شئ کے اور مفضل علیہ ہو باعتبار اول کے غیر کے اس حال میں کہ اسم تفضیل منفی ہو جیسے **ما رایت رجلا احسن فی عینه الکحل منه فی عین زید**. ترجمہ: میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کی آنکھ میں سرمہ زید کی آنکھ کے سرمہ سے بڑھیا ہو۔

پس احسن اسم تفضیل باعتبار لفظ کے رجلا کی صفت ہے اور باعتبار معنی کے **الکحل** متعلق **رجلا** کی صفت ہے جو باعتبار رجل کے مفضل اور باعتبار غیر رجل یعنی عین زید کے مفضل علیہ ہے اس حال میں کہ اسم تفضیل منفی بھی ہے پس شرائط ثلثہ پائی گئیں، لہٰذا **احسن، الکحل** میں فاعل کا عمل کرے گا اور وہ اس کا فاعل اسم ظاہر ہوگا۔

لانه بمعنی حسن: یہ اسم تفضیل کے اسم ظاہر میں عمل کرنے کی علت بیان کر رہے ہیں کہ شرائط مذکورہ کے پائے جانے کے وقت اسم تفضیل احسن حُسن فعل کے معنی میں ہو جاتا ہے کیوں کہ زیادہ تفضیلہ حرف نفی کی وجہ سے ختم ہو گئی پس مساوات اور دُنوت باقی رہی پھر مساوات بھی بحسب قرینۂ عرف ختم ہو گئی کیوں کہ مساوات مقام مدح کے خلاف ہے پس دُنوۃ بچا لہٰذا وہ حَسُن ہو گیا۔ یا یہ کہا جائے کہ زیادتی اور مساوات دونوں بیک وقت حرف نفی کی وجہ سے ختم ہو گئے اور عرف دونوں مرتبوں کی نفی کی طرف، حرف نفی کے متوجہ ہونے کا قرینہ ہے پس قرب بچا لہٰذا وہ حَسَن کے معنی میں ہو گیا۔

مع انهم رفعو: یہ احسن کے بمعنی حسن میں ہونے کی تائید ہے جو ایک سوال کے انداز میں ہے اور وہ ہے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ احسن بر بنائے خبر مرفوع ہو اور الکحل کا رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے ہو اور جب ایسا ہو جائے گا تو اسم تفضیل کا عملِ رفع اسم ظاہر میں فاعلیت کی بنیاد لازم نہ آئے گا۔ تو اس کا جواب دیا گیا کہ اگر آپ کی تجویز کو مان لیا جائے تو اسم تفضیل اور اس کے معمول منہ فی عین زید کے درمیان اجنبی چیز یعنی الکحل کے ذریعہ فصل لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہے۔

ولك ان تقول: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسئلہ کحل کی تعبیر مقصود کے مطابق جس

طرح مثال مشہور مذکور سے ہوسکتی ہے اسی طرح دواور طریقے ہیں جن میں سے ایک بمقابلہ تعبیر اول قصیر اور دوسرا اقصر ہے یعنی ایک مختصر اور دوسرا زیادہ مختصر ہے۔ جیسے ما رأیت رجلا احسن فی عینه الکحل من عین زیدٍ پس یہ مثال مثال مشہور سے مختصر ہے ضمیر اور کلمہ فی کے حذف کی وجہ سے اور اگر لفظ عین کو حذف کردیا جائے اور صرف زید پر اکتفاء کیا جائے تو اور زیادہ مختصر عبارت ہوجائے گی جیسے مارأیت رجلا احسن فی عینه الکحل من زید.

فانِ قدّمتَ ذِکرَ العینِ قُلْتَ مَارَایتُ کَعَینِ زَیْدٍ فیهَا الکحلُ مثل ولاَ اَریٰ فی قطعة ـه مررتُ علٰی وادِی السِّبَاعِ ولاَ اَریٰ * کوَادِی السِّبَاعِ حِیْنَ یَظْلِمُ وَادِیًا اَقَلَّ بهٖ رَکْبٌ اَتَوْهُ تَایَّةً * وَاَخْوَفَ اِلاَّ مَا وَقَی اللّٰهُ سَارِیًا .

ترجمه:- پس اگر تو عین کے ذکر کے مقدم کرے اور یوں کہے ما رأیت کعینِ زید احسنَ فیها الکحلُ مانند ولا اریٰ کے قطعہ میں کہ گذرا میں وادی سباع پر۔ اور میں نہیں دیکھتا ہوں وادی سباع کے مانند کوئی ایسی وادی جب کہ تاریکی اس پر چھا جاتی ہے کہ سواروں کا وہاں ٹھہرنا وادی السباع میں ٹھہرنے سے زیادہ کم ہو اور سواروں کا خوف زدہ ہونا وہاں سے زیادہ ہو مگر اس وقت کہ کسی رات چلنے والا کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے (آفتاب و بلیات سے)۔

توضیح:- اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اس عین کو کہ جس میں کحل مفضل علیہ ہے اسم تفضیل پر مقدم کیا جاسکتا ہے پھر یوں کہا جاسکتا ہے ما رأیتُ کعین زید احسن فیها الکحل اصل عبارت یوں تھی مارأیت عینًا احسن فیها الکحل منه فی عین زید، لیکن جب عین زید کہ جس میں کحل مفضل علیہ ہے اسم تفضیل پر مقدم کردیا تو دوبارہ عین کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی پس تقدیر مارأیت کعین زید احسن فیها الکحل ہوگئی۔

معلوم ہو کہ اعتبارات ثلثہ جس طرح مثال مشہور میں پائے جاتے ہیں اسی طرح ولا اری کوادی السباع الخ میں تینوں احتمالات درست ہیں۔

پس عبارت طویلہ ہوگی مررت علی وادی السباع ولا ادری ÷ وادیا اقل به رکب منهم فی وادی السباع اتوهُ تایّة ÷ واخوف الا ما وقی الله ساریًا.

عبارت قصیرہ مررت علی وادی السباع ولا اری وادیا اقل به رکب من وادی السباع اتوه تایّة واخوف الا ما وقی الله ساریًا.

عبارت اقصر ولا اری کوادی السباع حین یظلم وادیا اقل به رکب اتوهُ تایه

واخوف الا ما وقی اللہ ساریا.

الفعلُ ما دلَّ علی معنًی فی نفسِہٖ مُقترنٍ باحد الازمنۃ الثلٰثۃ ومِن خواصّہٖ دخُولُ قَدْ والسّین وسَوْفَ والجَوَازِم ولحوقُ تاءِ التانیث ساکنۃً ونحو تاءِ فَعَلْتِ .

ترجمہ:- فعل وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہوں جو تینوں زمانوں میں سے کسی کو شامل نہ ہو۔اور فعل کے خواص میں سے قد کا داخل ہونا ہے اور سین اور سوف اور جوازم کا اور تائے تانیث ساکنہ کالاحق ہونا ہے اور فعلتِ جیسی تاء کالاحق ہونا۔

توضیح:- اسم کی بحث ختم ہو جانے کے بعد اب مصنف فعل کی بحث شروع کرر ہے ہیں، چنانچہ فعل کی تعریف بیان کرر ہے ہیں فعل ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جو مستقل معنی رکھتا ہو اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کو وضع اول کے اعتبار سے شامل ہو۔

وضع اول کی قید سے افعال مقاربہ فعل کی تعریف سے خارج نہ ہوسکیں گے کیوں کہ فی الحال اگر چہ یہ زمانہ سے خالی ہیں، لیکن اصل میں یہ مقترن بالزمان ہیں، لہٰذا فعل کی تعریف ان پر صادق ہے۔باقی لفظی بحثیں وہی ہیں جو بحث اسم میں گذر چکی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ومن خواصہ: اور فعل کے خواص میں قد ہے اس لیے کہ قد وضع کیا گیا ہے ماضی کو حال سے قریب کرنے اور فعل کی تحقیق کے لیے نیز فعل کی تقلیل کے لیے اور یہ سب باتیں فعل کے ساتھ مخصوص ہیں لہٰذا جو لفظ ان معانی پر دلالت کرے گا وہ بھی فعل کے ساتھ مخصوص ہوگا۔اور سین اور سوف بھی فعل کے خواص میں سے ہیں، کیوں کہ سین استقبال قریب پر اور سوف استقبال بعید پر دلالت کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں فعل کے ساتھ مخصوص ہیں لہٰذا جو الفاظ ان پر دلالت کرتے ہیں وہ بھی فعل کے ساتھ مخصوص ہوں گے۔

جوازم: جوازم میں کچھ کی وضع فعل کی نفی کے لیے ہوتی ہے جیسے لم اور لمّا اور بعض کی وضع طلب فعل کے لیے ہوتی ہے جیسے لام امر اور کچھ فعل سے ممانعت کے لیے وضع ہوتے ہیں جیسے لائے نفی جب کہ دوسرے کچھ تعلق الشی بالفعل کے لیے موضوع ہیں جیسے ادوات شرط اور سارے معنی فعل میں ہی پائے جاتے ہیں، للذا یہ کلمات بھی فعل کے ساتھ مخصوص ہوئے۔

لحوق تاء التانیث: لحوق کا عطف دخول پر ہے قد پر نہیں ہے تاء ساکنہ کہنے کی وجہ سے احتراز ہوگیا تاء متحرکہ سے اس لیے کہ تائے متحرکہ اسم کے خواص میں سے ہے۔پس تائے ساکنہ جیسے صلت فعل کا خاصہ اس لیے ہے کہ یہ فاعل کی تانیث پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا یہ اس کو لاحق ہوگی جس کے لیے فاعل ہو اور فاعل، فعل کا ہوتا ہے، لہٰذا یہ فعل کے ساتھ ہی پائے جائے گی۔

تاء فعلت: اس سے مراد ضمائر متصلہ بارزہ متصلہ متحرکہ مرفوعہ ہیں یہ فعل کا خاصہ اس لیے ہے کہ یہ تاء فاعل کی ہے لہٰذا فاعل جس کے لیے ہوگا اسی کو یہ لاحق ہوگی اور فاعل فعل کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا یہ فعل کے لیے ہوں گی۔

الماضی ما دلّ علی زمانٍ قبل زمانكِ مبنيٌّ على الفتحِ مَعَ غير الضَميرِ المرفوعِ المُتحركِ والواو .

ترجمہ:- ماضی وہ فعل ہے جو ایسے زمانہ پر دلالت کرے جو آپ کے زمانہ سے پہلے ہو ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ کے علاوہ کے ساتھ مبنی برفتحہ ہوتا ہے۔

توضیح:- ماضی ایسا فعل ہے جو بحسب الوضع ایسے زمانہ پر دلالت کرے جو آپ کے زمانہ سے پہلے ہو قبلِ زمانك سے مراد زمانہ حال ہے پس ماتن کا قول مادلّ علی زمانٍ تمام افعال کو شامل ہے اور ان کا قول قبل زمانک اس قید سے ماضی کے ماسوا تمام افعال خارج ہو گئے۔

اور دلالت بحسب الوضع کی قید سے وہ ماضی کی جس پر ادات شرط داخل ہو فعل ماضی ہونے سے خارج نہیں ہوگا گو دخولِ اداتِ شرط کی وجہ سے اس کو استقبال عارض ہوگیا ہے اسی طرح لم یضرب فعل ماضی نہ ہوسکے گا کیوں کہ بحسب الوضع اس کی دلالت ایسے زمانہ پر نہیں ہے جو زمانۂ حال سے قبل ہے گو عارضاً اس کی دلالت زمانۂ حال سے قبل کے زمانہ پر ہے۔

مبنی علی الفتح: اگر فعل ماضی ضمیر مرفوع متحرک اور واو جمع کے ساتھ نہ ہو تو مبنی علی الفتح ہوگا مبنی ہونا تو اس لیے ہے کہ معرب ہونے کی علت معدوم ہے اور حرکت پر مبنی ہونا جب کہ بناء علی السکون اصل ہے اس وجہ سے ہے کہ یہ موقع اسم میں واقع ہے اور فتحہ پر مبنی ہونا اس لیے ہے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے۔

مع غیر الضمیر: جب فعل ماضی ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ ہو تو وہ سکون پر مبنی ہوگا کیوں کہ فعل ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلۂ کلمۂ واحدہ کے ہے اور کلمۂ واحدہ میں مسلسل چار حرکتوں کا اجتماع پسندیدہ نہیں ہے، جب کہ واو جمع کے ساتھ فعل ماضی ضمہ پر مبنی ہوگا خواہ لفظاً ہو جیسے صلُوا یا تقدیراً ہو جیسے رَمَوا ایسا مجانست کی وجہ سے ہے کیوں کہ ضمہ واؤ کے مناسب اور مجانس ہے۔

المُضارِعُ مَا اَشْبَهَ الْاِسْم باحدِ حُرُوفِ نَاَیْتُ لوقوعِهٖ مُشتركًا وتخصيصه بالسّين او سوف فالهَمزةُ للمتكلّمِ مُفردًا والنونُ لهٗ مَعَ غيره والتاء للمخاطب مُطلَقًا وللمؤنث والمؤنثين غيبةً والياء للغائب غيرهما وحروف المُضارعةِ مضمُومةٌ في الرباعِي وَمفتُوحةٌ فما سَواهُ .

ترجمہ:- مضارع وہ فعل ہے جو حروف نأیت کے کسی بھی ایک حرف کی وجہ سے اسم کے مشابہ ہو اس کے مشترک واقع ہونے اور اس کے خاص ہو جانے کی وجہ سے سین اور سوف کے ذریعہ پس ہمزہ واحد متکلم کے لیے ہے اور نون متکلم کے لیے ہے اس حال میں کہ وہ مفرد اپنے غیر کے ساتھ ہو اور تاء مطلقاً مخاطب کے لیے ہے اور واحد مؤنث اور تثنیہ مؤنث کے لیے اس حال میں کہ وہ غائب ہو اور یا غائب کے لیے ہے واحد مؤنث اور تثنیہ مؤنث کے علاوہ اور حروف مضارع رباعی میں مضموم ہوتے ہیں اور رباعی کے ماسوا میں مفتوح ہوتے ہیں۔

توضیح:- مضارع وہ فعل ہے جو حروف نأیت میں سے کسی حرف کی شروع میں زیادتی کے سبب اسم کے مشابہ ہو مشترک واقع ہونے کی وجہ سے متعدد معانی میں کہ جس طرح اسم متعدد معنوں کے لیے موضوع ہوتا ہے مثلاً عین کہ کئی معنوں کے لیے وضع کیا گیا ہے اسی طرح مضارع کئی معنی یعنی حال اور استقبال کے لیے موضوع ہے نیز جس طرح اسم مشترک بوقت قرینہ کسی ایک معنی کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے اسی طرح مضارع سین اور سوف کے شروع میں لاحق ہونے کے وقت استقبال کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ پس اس توضیح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مضارع کو مضارع تشبیہ بالاسم کی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔

فالهمزة: ہمزہ واحد متکلم کے معنی بتانے کے لیے ہوتا ہے جیسے اصلّی اور نون جمع متکلم کے لیے۔ اسی کو مصنف نے والنون له مع غيره سے بیان کیا ہے کہ نون ایسے مفرد کے لیے جو اپنے علاوہ کے ساتھ ہو استعمال ہوتا ہے اب چاہے وہ مذکر ہو یا مؤنث تثنیہ ہو یا جمع پس نون تثنیہ اور جمع مذکر و مؤنث متکلم کے لیے آتا ہے۔ نصومُ

التاء: اور تاء مطلق حاضر یعنی مخاطب کے لیے استعمال ہوتی ہے خواہ وہ واحد ہو یا تثنیہ یا جمع مذکر ہو یا مؤنث نیز واحد مؤنث غائب اور تثنیہ مؤنث غائب کے لیے بھی تاء کا استعمال ہوتا ہے۔

اور یاء کا استعمال غائب کے صیغوں کے لیے ہوتا ہے سوائے واحد مؤنث اور تثنیہ مؤنث غائب کے کیوں کہ ان کے لیے تاء کا استعمال رائج ہے۔

وحروف المضارعة: وہ مضارع جس کا ماضی چہار حرفی ہو خواہ اصلی ہوں یا زائد تو اس کا حرف مضارع مضموم ہوگا تا کہ ثلاثی اور رباعی کے مضارع میں باعتبار حرکت کے فرق ہو جائے۔ جیسے یکرم، یبعثر اور رباعی کے ماسواہ اب چاہے وہ ثلاثی ہو یا اس کے ماضی میں پنج حرفی یا اور زائد حروف ہوں تو اول کثرت استعمال اور دوسرا کثرتِ حروف کی وجہ سے محتاج تخفیف ہے اس لیے فتحہ جو کہ اخف الحرکات ہے کا انتخاب اس کے علامت مضارع کے لیے کیا جیسے ینصر اور یتدحرج، یبرنشق، یَشْمَئِزُ

ولا يُعربُ من الفعلِ غيرُه اذا لم يتصل بهٖ نونُ تاكيدٍ ولا نونُ جمعِ مؤنثٍ واعرابُهٗ رفعٌ ونصبٌ وجَزمٌ فالصحيح المجردُ عن ضمير بارزٍ مرفوعٍ للتثنية وَالجَمعِ والمخاطب المؤنثِ بالضمّة والفتحة وَالسُّكون مِثلُ يَضرِبُ لن يضربَ ولم يضرِبْ والمتصل به ذٰلك بالنونِ وحذفُها مثل يَضرِبان ويضربُونَ وتضربين والمعتل بالواوِ والياءِ بالضمَّة تقديرًا والفتحة لفظًا والحذف والمعتلّ بالالفِ بالضمّة والفتحةِ تقديرًا والحذف ويرتفِعُ اذا تجرّد عن الناصب والجازمِ نحو يقومُ زيدٌ .

ترجمه:- اورکوئی فعل معرب نہیں ہوتا ہے مضارع کے علاوہ بشرطیکہ نہ متصل ہو اس سے نون تاکید اور نہ ہی جمع مؤنث کا نون اور مضارع کا اعراب رفع اور نصب اور جزم ہے پس فعل صحیح جو ضمیر بارز مرفوع سے مجرد ہو تثنیہ اور جمع اور واحد مؤنث حاضر کی تو ضمہ کے ساتھ اور فتحہ کے ساتھ اور سکون کے ساتھ ہوگا جیسے یضرب اور لن یضربَ اور لم یضرب اور جو مضارع کہ اس سے ضمیر بارز متصل ہو تو نون اور اس کے حذف کے ساتھ ہوگا جیسے یضربان اور یضربون اور تضربون اور تضربین اور وہ مضارع جو معتل بالواو ہو تو ضمہ تقدیری کے ساتھ اور فتحہ لفظی اور حذف کے ساتھ ہوگا اور معتل بالالف ضمہ اور فتحہ تقدیری کے ساتھ ہوگا اور حذف کے ساتھ ہوگا۔ اور مضارع مرفوع ہوتا ہے جب وہ ناصب اور جازم سے خالی ہو جیسے یقومُ زید.

توضیح:- یہاں سے بتا رہے ہیں کہ افعال میں سوائے مضارع کے کوئی اور فعل معرب نہیں ہوتا، اس لیے کہ معرب ہونے کی علت ان میں نہیں پائی جاتی ہے، ہاں مضارع جب نون تاکید اور نونِ جمع مؤنث سے خالی ہو تو وہ اسم کے مشابہ ہونے کی وجہ سے معرب ہوگا البتہ جب نون تاکید اور نون جمع مؤنث مضارع کو لاحق ہو جائیں تو وہ مبنی ہوگا۔ پہلی صورت میں تو اس لیے کہ نون تاکید شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلۂ جزء کلمہ کے ہو گیا پس اگر اعراب نون سے قبل داخل کرتے ہیں تو وسط کلمہ میں اعراب کا لا نا لازم آتا ہے جب کہ اعراب آخر کلمہ میں آیا کرتا ہے اور اگر آخر کلمہ میں لاتے ہیں تو فی الواقع دوسرے کلمہ میں اعراب کا لانا لازم آتا ہے اور دوسری صورت میں تو اس لیے اعراب منع ہے کہ نون جمع مؤنث فی المضارع، نون جمع مؤنث فی الماضی کے مشابہ ہے، لہٰذا جس طرح ماضی میں نون جمع مؤنث کا ماقبل ساکن رہتا ہے، اسی طرح نون جمع مؤنث کا ماقبل مضارع میں بھی ساکن رہے گا۔

واعرابه: اب مضارع کا اعراب بیان فرمارہے ہیں تو مضارع کا اعراب رفع اور نصب اور جزم ہے۔ پس فعل مضارع صحیح جو تثنیہ مذکر اور مؤنث اور جمع خواہ جمع مذکر ہو یا مؤنث غائب ہو یا حاضر اور واحد

مؤنث حاضر کی ضمیر بارز مرفوع سے خالی ہو تو اس کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ لفظی اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی اور حالت جزم میں سکون کے ساتھ ہوگا جیسے یضربُ اور لن یضربَ اور لم یضربْ.

واضح ہو کہ مضارع صحیح سے مراد ہر ایسا مضارع ہے کہ جس کے آخر میں واؤ، الف اور یاء نہ ہو۔ نیز ضمیر بارز کو مرفوع کے ساتھ مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ضمیر بارز منصوب کو اگر مضارع متصل ہے جیسے یضربك تو اس کا بھی مذکورہ بالا اعراب ہوگا۔

والمتصل به ذالك: اور وہ مضارع جو تثنیہ اور جمع نیز واحد مؤنث حاضر میں سے کسی کی بھی ضمیر بارز مرفوع کو متصل ہوتا ہے تو اس کا اعراب حالت رفعی میں نون کے ساتھ اور حالت نصبی اور جزمی میں نون کا حذف ہے۔ جیسے یضربان، یضربون اور تضربین، لن یضربا، لن یضربوا اور لن یضربی اور لم یضربا، لم یضربوا اور لم ضرب مضارع کی اس قسم کو اعراب بالحروف اسمائے تثنیہ اور جمع سے صورۃ مشابہت کی وجہ سے دیا گیا۔ نصبی حالت کو حالت جزم کے تابع کر دیا گیا ہے جیسے اسماء میں حالت نصبی کو حالت جری کے تابع کر دیتے ہیں۔

والمعتل بالواو: وہ مضارع جو معتل بالواو ہو یعنی اس کے آخر میں حرف علت واؤ ہو تو اس کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ تقدیری اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی اور حالت جزم میں واؤ کے حذف کے ساتھ ہوگا جیسے ھو یدعو، ولن یدعوَ اور لم یدعُ یہی حکم معتل بالیاء کا بھی ہے جیسے ھو یرمی، ولن یرمی اور لم یرم حالت رفعی میں ضمہ تقدیری اس لیے ہوگا کہ واؤ اور یاء پر ضمہ دشوار ہوتا ہے اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی اس لیے ہوگا کہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور حالت جزم میں حرف کا حذف اس لیے ہوگا، کیوں کہ اجتماع ساکنین ہو جاتا ہے۔ جو کہ محال ہے۔

والمعتل بالالف: اور وہ مضارع جس کے آخر میں حرف علت ہو تو اس کا اعراب حالت رفعی میں اور نصبی میں تقدیری ہوگا اس لیے کہ الف وصفاً ساکن ہوتا ہے جو حرکت کو خواہ ثقیل ہو یا خفیف بالکل قبول نہیں کرتا ہے۔ جیسے ھو یرضٰی اور لن یرضٰی اور حالت جزم میں الف کے حذف کے ساتھ جیسے لم یرضَ اس لیے کہ جازم فعل کے آخر سے حرف علت کو ساقط کر دیتا ہے۔

ویرتفع اذا تجرد: جب مضارع ناصب اور جازم سے خالی ہو تو مرفوع ہوگا جیسے یقوم زید یصومُ مرفوع اس لیے ہوگا کہ جب وہ اسم کی جگہ میں واقع ہوتا ہے تو بمنزلۂ اسم کے ہو جاتا ہے، لہٰذا صورت مذکورہ میں اسم کا قوی ترین اعراب یعنی رفع اس کو دے دیا جاتا ہے۔ اسم سے مراد اسم فاعل ہے۔

وَینتصِبُ بانْ ولَنْ واذنْ و کَی وَبِانْ مُقدَّرة بعدَ حَتٰی ولَامِ کَیْ ولامِ الجُحودِ وَالفاء وَالوَاوِ وَاَوْ، فَانْ مثلُ اُریدُ اَنْ تُحسِنَ اِلَیَّ وَاَن تَصوموا خیرٌ لَّکُمْ والتی تَقعُ بعد

العِلم هیَ المُخفَّفَةُ مِنَ المُثقَّلَةِ وَلیسَتْ هٰذِہٖ نحو عَلمتُ اَنْ سیقومُ وَاَلاَ یقومُ والتی تقع بعد الظَنّ ففیها الوَجْهَان .

ترجمہ:- اورمضارع منصوب ہوتا ہے اَن اور لَن اور اذن اور کَیْ سے اور اَنْ مقدرہ کی وجہ سے حتی اور لام کی اورلام جحود اورفاءاورواؤاور اَوْ کے بعد پس ان جیسے اُرید ان تُحسِنَ الیّ اور ان تصوموا خیر لکم اوروہ اَنْ جوعلم کے بعدواقع ہوتا ہے وہ مخففہ من المثقلہ ہے وہ اَنْ ناصبہ نہیں ہے جیسے علمت ان سیقومُ اور ان لا یقومُ اور ان جوظن کے بعدواقع ہوتا ہے تو اس میں دووجہیں ہیں۔

توضیح:- اب فعل کے منصوب ہونے کے مواقع کو بیان کرر ہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مضارع اَنْ اور لن اور کی اور اذن کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے نیز اس اَن سے بھی منصوب ہوتا ہے جو حتی یا لام کی اورلام جحود کے بعد ہوتا ہے۔ حتی اور لام کی اورلام جحود کے بعد اَنْ ناصبہ اس لیے مقدر ہوتا ہے کہ یہ تینوں حروف حروف جارہ ہیں جوصرف اسماء پر داخل ہوتے ہیں لہٰذا ان کے بعد اَنْ کا مقدر ماننا ضرری ہوگیا تا کہ فعل مصدر کی تاویل میں ہوجائے اور مصدر چوں کہ اسم ہوتا ہے اس لیے ان کا داخلہ اسم پر ہونا ثابت ہوجائے گا۔

اسی طرح اَنْ فاءاورواؤ کے بعد بھی مقدر ہوتا ہے جیسے ذرنی فاکرمك فاء کی مثل اورواؤ کی مثال جیسے لا تاکل السمكَ ولا تشربِ اللبن اس لیے کہ فاءاورواؤ حروف عطف میں جوانشاء کے بعدواقع ہوتے ہیں اورخبر کاعطف انشاء پر ناممکن ہے،لہٰذاان کی تقدیرضروری ہے،تا کہ فاءاورواؤ کے بعد کافعل مفرد کی تاویل میں ہوجائے۔

اور اَوْ کے بعدبھی ان مقدرہوتا ہے جیسے لَاُلزِمَنَّكَ او تعطینی حقی پس اَوْ اِلیٰ اَنْ یا الاَّ کے معنیٰ میں ہے اول حروف جارہ ہےاورثانی حرف استثناءاوردونوں کے دونوں اسم کے ساتھ مخصوص ہیں،لہٰذا اَن مصدریہ کی تقدیرضروری ہے،تا کہ فعل مصدر کی تاویل میں ہوجائے اوراس پرحرف جراوراستثناء کا داخلہ صحیح ہوجائے۔

قوله فان: پس اَنْ جس کے ذریعہ مضارع منصوب ہوتا ہے جیسے ارید ان تُحسن اِلیَّ اور اَنْ تَصوموا خیرلکم پہلی مثال نصب بالفتحہ کی ہےاوردوسری مثال نصب بحذف النون کی ہے۔

والتی تقع بعد العلم: یہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ کہ مضارع اَنْ کے بعدمنصوب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَرْضٰی سے ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ ان کے بعد سیکُون مضارع واقع ہے اس کے باوجودمرفوع ہے۔تو اس کا مصنف نے جواب دیا کہ ہمارا قاعدہ اپنی جگہ مسلم ہے،البتہ وہ اَنْ جوعلم کے بعدواقع ہوتو وہ مذکورہ بالا قاعدہ سے مستثنیٰ ہے، چنانچہ علم کے

بعد واقع ہونے والا اَنْ، اَنْ ناصبہ نہیں ہے بلکہ وہ اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے جس کے علم کا استعمال شایان شان ہے جب کہ اَنْ مصدریہ طمع اور رجاء کے لیے ہے جس کے مناسب علم نہیں ہے۔ پس ان مخففہ کا فصل سین کے ذریعہ فعل سے ضروری ہے جیسے علمت ان سیقومُ.

والتي تقع بعد الظن: اور وہ ان جو ظن کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس میں دونوں وجہیں درست ہیں اَن مخففہ من المثقلہ بھی اور اَنْ مصدریہ بھی اول اس لیے کہ ظن غلبۂ وقوع پر دلالت کرتا ہے لہٰذا ان مخففہ من المثقلہ اس کے حسب حال ہوگا کیوں کہ وہ تحقیق پر دلالت کرتا ہے اور ثانی اس لیے کہ چوں کہ وقوع کا یقین نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے ان مصدریہ ظن کے بعد مقدر ماننا مناسب ہوگا۔

ولن مثلُ لن ابرَحَ ومَعناهَا نفي المستقبل واذَنْ اذا لم يعتَمِدْ مَا بعدَهَا عَلٰى ماقبلها وكانَ الفِعلُ مستقبلاً مثل اِذَنْ تَدْخُلِ الجنَّةَ واذا وقَعَتْ بعدَ الواو وَالفاء فالوجهان.

ترجمه:- ولَنْ جیسے لَنْ اَبرَحَ اور لن کے معنی مستقبل کی نفی اور اذن (نصب کا عمل کرتا ہے) جب اس کا مابعد اس کے ماقبل پر اعتماد نہ کرے اور فعل مستقبل ہو جیسے اذن تدخلَ الجنة اور جب اذنُ فاء اور واو کے بعد واقع ہو تو دو وجہیں ہیں۔

توضیح:- لن بھی فعل مضارع کو نصب کرتا ہے جیسے لَنْ اَبرَحَ پس لن مستقبل کی نفی کے لیے تاکید ہوتا ہے البتہ تابید کے لیے نہیں ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَنْ اَبرَحَ الارضَ حتى ياذَنَ لي اَبي میں تناقض پیدا ہو جائے گا کہ لن تو برائے تابید اور دوام ہو اور حتى يأذن لي برائے انتہاء ہو ظاہر سی بات ہے کہ دونوں میں تعارض ہے۔

لَن سیبویہ کے نزدیک مستقل حرف ہے جو اپنی اصل سے بدلا ہوا نہیں ہے جب کہ فراء کے نزدیک لَنْ کی اصل لاَ ہے پس الف کو نون سے بدل دیا لَنْ ہو گیا اور خلیل کے نزدیک لاَن ہے پس کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔

واذن: اذن دو شرطوں کے ساتھ نصب کا عمل کرتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اذن کا مابعد اذن کے ماقبل کا معمول نہ ہو ورنہ دو عاملوں کا معمول واحد پر آنا لازم آئے گا ایک تو خود اذن اور دوسرے اس کا ماقبل اور دوسری شرط یہ ہے کہ فعل مستقبل ہو کیوں کہ اذن کا مابعد جواب اور جزء ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں استقبال میں ہی پائی جاسکتی ہیں جیسے آپ کا قول اس آدمی سے کہ جس نے کہا اسلمتُ، اذن تدخلُ الجنة پس اگر کوئی ایک شرط فوت ہو جائے جیسے انا اذن احسن اليك اور جیسے تیرا قول اس آدمی سے جو تم سے گفتگو کر رہا ہو اذن اظنك كاذبا پس اول میں مابعد اذن ماقبل کا معمول ہے اور ثانی میں بجائے مستقبل کے معنی میں ہونے کے حال کے معنی میں ہے یا دونوں شرطیں بیک وقت فوت ہوں جیسے آپ اس آدمی سے

جوآپ سے گفتگو کررہا ہے کہیں انا اذن اظنك كاذباً تو رفع واجب ہوگا اور مضارع منصوب نہ ہوگا۔

واذا وقعت بعد الواو: جب اذن واؤ یا فاء کے بعد واقع ہوتو دو وجہیں ہیں مضارع کا رفع بھی اور نصب بھی وقوع بعد الفاء کی مثال جیسے تمہارا فاذن اكرمك کہنا اس آدمی سے جو جواب کے طور پر کہہ رہا ہو انا آتيك. اور وقوع بعد الواو کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد واذن لا يلبثون خلافك تو اب رفع اس لیے جائز ہے کہ شرط فوت ہے، کیوں کہ اذن کا مابعد ماقبل پر اعتماد کیے ہوئے ہے گو ضعیف سہی اور نصب اس لیے روا ہے کہ عاطف کے ذریعہ اعتماد کمزور ہے۔ پس جب نفس اعتماد کا لحاظ کیا جائے گا تو رفع پڑھا جائے گا اور جب اعتماد کی کمزوری کی طرف دھیان جائے گا تو نصب کی گنجائش نکل آئے گی۔

وكي مِثل اسلمتُ كي ادخُلَ الجنَّةَ وَمَعناهَا السّببيةُ وحتى اذا كان مُستقبلاً بالنظرِ اِلٰى ما قبلها بمعنٰى كي او الٰى مِثل اَسلمتُ حَتّٰى ادخُلَ الجنَّةَ وكُنتُ سِرْتُ حتّٰى ادخُلَ البلدَ واسيرُ حتّٰى تغِيبَ الشمسُ فان اردتَ الحال تحقيقًا او حِكايةً كانَت حرفُ ابتداءٍ فترفعُ وتجب السّببيّةُ مثل مَرِض حتّٰى لا يرجُونهُ ومِنْ ثَمَّ اِمْتَنعَ الرَفعُ فى كانَ سَيْرِىْ حتٰى اَدْخُلها فى الناقِصَةِ وسِرتَ حتٰى تدخلها وجَازَ فى التّامّة كانَ سيرى حتى ادخُلُها وايُّهم سارَ حتٰى يدْخُلُها .

ترجمه:- اور كي جیسے اسلمت كيْ اَدْخُل الجنة اور اس کے معنی سببیت کے ہیں اور حتى جب کہ (اس کے بعد فعل) مستقبل ہو تو كيْ یا الى کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اسلمت حتى ادخل الجنة اور كنت سرتُ حتى ادخلَ الجنة اور اسيرُ حتى تغيبَ الشمس پس اگر تو حال کا ارادہ کرے واقعۃً یا حکایۃً تو حتى حرف ابتداء ہوگا تو حتی (کا مابعد) مرفوع ہوگا اور سببیت واجب ہوگی جیسے مرض حتى لايرجونه اور اسی وجہ سے رفع ممتنع ہے كان سيرى حتى ادخلها میں ناقصہ کی صورت میں اور سرت حتى تدخلها میں اور رفع جائز ہے تامہ كان سيرى حتى ادخلُها اور اَيُّهم سارَ حتٰى يدخلُها میں۔

توضيح:- حروف نواصب میں سے کیْ بھی ہے جیسے اسلمت كي ادخل الجنة کیْ کا معنی ہے کہ کَیْ کا ماقبل کَیْ کے مابعد کے لیے سبب ہوگا جیسے مثال مذکور میں اسلام دخول الجنۃ کا سبب ہے کَیْ کا ناصب ہونا کوفیوں کا مسلک ہے یہی مصنف کا مختار ہے باقی بصریوں کے نزدیک کَیْ کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے جو مضارع کے نصب کا باعث ہوتا ہے، کیوں کہ لام کا دخول کَیْ پر درست ہے، جیسے لِكَيْلاَ يكونَ على المؤمنين حرج.

حتی: حتی الی اَنْ یا کیْ کے معنی میں ہوتا ہے اور اس کے مابعد مضارع منصوب ہوتا ہے، لیکن جب حتی کے بعد واقع ہونے والا مضمون باعتبار حتی کے ماقبل بیان ہونے والے مضمون کے مستقبل ہو گو عند التکلم حتی کا دخول فعل مستقبل پر ہو یا نہ ہو جیسے کنت سرتُ حتی ادخل البلد پس دخول بلد باعتبار سیر کے مستقبل ہے پس نصب درست ہے اور یہ شرط اس لیے لگائی کہ اَنْ ناصبہ طمع اور رجاء کے لیے ہوتا ہے اور یہ فعل مستقبل میں ہی متصور ہو سکتا ہے۔

حتی اپنی شرط کے پائے جانے کے وقت الی اَنْ یا کی کے معنی میں ہوگا تا کہ حتی جارہ کے معنی میں ہونے کی صراحت ہو جائے اور اور ان ناصبہ کی تقدیر کا باعث ہو جائے۔

حتی بمعنی کیْ اور فعل مستقبل حقیقتاً کی مثال اسلمتُ حتٰی ادخل الجنۃ اور حتی بمعنی کی اور فعل مستقبل غیر حقیقی کی مثال جیسے کنت سرت حتی ادخل الجنۃ یہ مثال حتی بمعنی الی ان ہونے کی بھی احتمال رکھتی ہے۔ حتی بمعنی الی ان اور مابعد مستقبل حقیقی کی مثال جیسے اسیرُ حتی تغیب الشمس.

فان اردت الحال: مطلب یہ ہے کہ جب حتی کا مابعد برائے مستقبل نہ ہو اب چاہے حتی کے مابعد سے حقیقتاً حال مراد لینے کی وجہ سے ایسا ہو جیسے سرت حتی ادخل کہ مثال مذکور میں دخول کی حالت میں سیر کی خبر دی جا رہی ہے یا تقدیر حال کا ارادہ کیا جائے جیسے سرت الیوم حتی ادخل البلد امس کہ حتی کے مابعد سے تقدیراً یعنی حکایۃً حال کا ارادہ کیا گیا ہے تو حتی جارہ نہ ہو کر حتی حرف ابتداء ہوگا، لہٰذا اس کا مابعد مرفوع ہوگا منصوب نہیں ہوگا، کیوں کہ اب وہ حرف جارہ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے فعل کو مصدر کی تاویل میں کرنے کی ضرورت پڑے اچھا جارہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ ایسے حتی کے بعد ان کی تقدیر ممتنع ہے، کیوں کہ ان ناصبہ برائے طمع و رجاء ہوتا ہے جو استقبال پر دلالت کرتا ہے جب کہ مضارع یہاں برائے حال ہے پس حال و استقبال میں منافات ہے۔

البتہ جب حتی حرف ابتداء ہو تو اس کے ماقبل کا مابعد کے لیے سبب ہونا ضروری ہے اس لیے کہ ماقبل اور مابعد میں اتصال لفظی ختم ہو گیا تو اب اتصال معنوی ضروری ہو گیا، تا کہ وہ مقصد حاصل ہو سکے جو حتی کا مدلول ہے۔ جیسے مَرِضَ فلان حتی لایرجونہ پس مثال مذکور میں مابعد حتی برائے حال ہے اور خود حتی حرف ابتداء ہے اور مابعد کے لیے ماقبل سبب ہے تا کہ حتی کے مدلول کا تحقق ہو سکے۔

ومن ثم امتنع الرفع: اس وجہ سے کہ ارادۂ حال کے وقت حتی ابتداء کے لیے ہو جاتا ہے جارہ نہیں رہ جاتا کان سیری حتی ادخلھا میں کان کے ناقصہ ہونے کے وقت رفع ممتنع ہے۔ اس لیے کہ جب رفع پڑھا جائے گا تو حتی کے مابعد کا جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے ماقبل سے کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا پس

کان ناقصہ بلاخبر کے رہ جائے گا جو فساد معنی کی وجہ سے درست نہیں ہے نیز اسرتَ حتی تدخلها رفع کے ساتھ درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس وقت حتی کا مابعد خبر مستانف ہوگا جس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہ ہوگا حالاں کہ حتی کا ماقبل مابعد کے لیے سبب ہے اور جو ہمزۂ استفہام کی وجہ سے مشکوک ہے پس مسبب کے وقوع کا حکم لگانا مسبب کے وقوع میں شک کے ساتھ لازم آیا جو کہ محال ہے، کیوں کہ جب وقوعِ سبب کا یقین ہوتا ہے تب وقوع مسبب کا حکم لگایا جاتا ہے۔

وجاز في التامة: البتہ کان سیری حتی ادخلها میں کان تامہ کے تحقق کے وقت رفع درست ہے اس لیے کہ حتی حرف ابتداء ہو جائے گا اور ہر چند حتی کا مابعد جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے ماقبل سے لاتعلق ہوگا، لیکن کان کے تامہ ہونے کی وجہ سے کان کا بغیر خبر کے ہونا لازم نہیں آئے گا کیوں کہ کان تامہ میں خبر کی ضرورت نہیں پس گویا مانع نہیں ہے، اسی طرح ایهم سار حتی یدخلها میں بھی رفع فعل کا درست ہے اس لیے کہ سوال کا تعلق تعین فاعل سے ہے، لہٰذا سبب میں شک کے ہوتے ہوئے مسبب کے وقوع کا حکم لگانا لازم نہیں آیا پس جوازِ رفع کی راہ کا روڑا معدوم ہے کیوں کہ دخول کا سبب سیر ہے جس میں شک نہیں ہے سائر نہیں ہے کہ جس میں شک ہے۔

ولامُ كَيْ مثل اَسلمتُ لادخلَ الجنة ولام الجُحودِ لام تاكيدٍ بعد النفي لكَانَ مثل وما كانَ اللّٰه ليُعذِبَهم والفاءِ بشرطَينِ اَحدُهُمَا السببيةُ والثاني اَنْ يَكونَ قبلَها مثل ذالك وَاوْ بشرطِ مَعْنى اِلى اَنْ اَوْ اِلّا اَنْ والعَاطفةِ اذا كانَ المعطوفُ عليه اسمًا ويجوزُ اظهارُ اَنْ مع لام كَيْ والعَاطِفَة ويجبُ مَعَ لاَ في اللام عَليهَا.

ترجمہ:- اور لام کَیْ جیسے اسلمتُ لادخل الجنة، اور لام جحو دلام تاکید ہوتا ہے کان منفی کے بعد جیسے وما کَانَ اللّٰه لیعذّبهم اور فاء (کے بعد ان مقدم ہوتا ہے) دو شرطوں کے ساتھ ان میں سے ایک سبب ہونا دوسرے فاء سے پہلے امر و نہی یا استفہام یا نفی یا تمنی یا عرض کا ہونا۔ اور واوٗ (کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے) دو شرطوں کے ساتھ جمعیت کا ہونا اور واوٗ سے پہلے اسی جیسا ہونا (امور ستہ مذکورہ میں سے کسی ایک کا ہونا) اور اَوْ (کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے) الی اَن یا الاّ ان کے معنی کی شرط کے ساتھ اور حروف عاطفہ کے بعد جب کہ معطوف علیہ اسم ہو۔ اور اَنْ کا اظہار لام کَیْ اور حروف عاطفہ کے ساتھ جائز ہے اور واجب ہے اَنْ کا اظہار لا کے ساتھ اس لام میں جو لا پر ہو۔

توضیح:- حروف نواصب میں سے لام کَی ہے اس کے بعد بھی اَنْ مقدر ہوتا ہے جیسے اسلمت لادخل الجنة لام کَی کے بعد اَنْ اس لیے ہوتا ہے کیوں کہ یہ لام جارہ ہے جو اسم پر داخل ہوتا ہے، لہٰذا جب یہ فعل پر داخل ہوگا تو اس کے بعد ان مقدر مانا جائے گا تا کہ فعل مصدر کی تاویل میں

ہو جائے پس لام جارہ کا دخول اس پر صحیح ہو جائے۔ لامِ کَیْ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ **لام کَیْ** کے معنی میں ہوتا ہے۔

ولام الجحود: لام جحود کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے یہ لام زائدہ ہوتا ہے جو نفی کی تاکید کے لیے ہوتا ہے اور کان منفی کے بعد آتا ہے جیسے **وما کان اللّٰہ لیعذّبھم** لامِ کَی اور لام جحد میں فرق یہ ہے کہ لام کَیْ تعلیل یعنی بیان علت کے لیے ہوتا ہے جب کہ لام جحد بیان علت کے بجائے نفی کی تاکید کے لیے ہی ہوتا ہے دوسرا فرق یہ ہے کہ لام کی کے حذف سے معنی میں خلل واقع ہو جاتا ہے جب کہ لام جحد کے حذف سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ یہ لام زائدہ ہے۔

والفاء: اور فاء کے بعد ان دو شرطوں کے ساتھ مقدر ہوتا ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ فاء کا ماقبل فاء کے مابعد کے لیے سبب ہو سببیت کو شرط اس لیے قرار دیا کہ رفع سے نصب کی طرف عدول سببیت پر صراحت کے لیے ہے بایں طور کہ لفظ کا تغیر معنی کے تغیر پر دلالت کرتا ہے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ فاء سے ماقبل امر و نہی استفہام اور نفی تمنی اور عرض میں سے کوئی ایک فاء سے پہلے ہو تا کہ یہ وہم دور ہو جائے کہ فاء کے مابعد کا فاء کے ماقبل پر عطف ہے، کیوں کہ مابعد خبر ہے جس کا ماقبل پر انشاء ہونے کی وجہ سے عطف نہیں ہوسکتا جیسے **زرنی فاکرمك، لا تشتمنی فاضربك، ھل عندکم ماء فاشربه، ما تأتینا فتحدثنا، لیت لی ما لا فانفقه الا تنزل فتصیب خیرًا.**

واضح ہو کہ دعاء امر اور نہی میں داخل ہے جیسے **اللّٰھم اغفرلی فافوزَ** اور **لاتؤاخذنی فاھلك** اور تخصیص نفی میں داخل ہے **لو لاَ اُنزل علیه ملك فیکون معهٗ نذیرًا** اور ترجی، تمنی میں داخل ہے جیسے **لَعَلِّیْ اَبْلُغ الاسبابَ اسباب السّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰی اِلٰهِ مُوسٰی** پس ان سب کے بعد بھی اَن مقدر ہوگا۔

الواو: اور واؤ کے بعد بھی ان دو شرطوں کے ساتھ مقدر ہوتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ واؤ جمع کے لیے ہو اس لیے کہ جب لوگ واؤ میں جمع کے معنی کا ارادہ کریں گے تو واؤ کے بعد مضارع کو نصب دیں گے کیوں کہ لفظ کی تبدیلی معنی کی تبدیلی پر دلالت کرتی ہے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ واؤ سے پہلے مذکورہ بالا چھ چیزوں یعنی امر و نہی وغیرہ میں سے کوئی ایک ہو تا کہ واؤ کے مابعد کا ماقبل پر معطوف ہونے کا وہم دور ہو سکے کیوں کہ خبر کا انشاء پر عطف نہیں ہوتا ہے۔ واؤ کی امثلہ بعینہٖ فاء کی امثلہ ہیں صرف فاء کی جگہ واؤ بڑھا دیا جاتا۔

وَاَوْ بشرط معنی الی اَن: اور اَوْ کے بعد ان مقدر ہوتا ہے بشرطیکہ وہ اَوْ اِلٰی یا اِلاَّ کے معنی میں ہو باقی مصنف کی عبارت میں تسامح ہے، کیوں کہ اس سے ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے کہ او کے

بعد اَن کے مقدر ہونے کے لیے اس اَوْ کا اِلٰی یا الا ان کے معنی میں ہونا ضروری ہے، ظاہر سی بات ہے کہ اس صورت میں اَنْ کا تکرار ہو جائے گا، مثالیں پیچھے گذر چکی ہیں۔

والعاطفة: اور حروف عاطفہ کے بعد ان مقدر ہوتا ہے یعنی جب فعل مضارع حروف عاطفہ کے بعد (خواہ وہ جو مذکور ہو چکے، خواہ ان کے ماسواء کوئی بھی حرف عاطف ہو) مذکور ہو اور معطوف علیہ اسم صریح ہو تو ان حروف عاطفہ کے بعد ان مقدر مانا جائے گا، کیوں کہ عطف الجملہ علی المفرد ممتنع ہے اور جب ان مقدر مان لیا جائے گا تو مصدر کی تاویل میں ہونے کی وجہ سے عطف المفرد علی المفرد ہو جائے گا جو صحیح ہے پس گویا ان کی تقدر اس لیے ہوگی تا کہ عطف صحیح ہو جائے۔ جیسے اعجبنی ضربك زيد او تشتم.

ويجوز اظهاران: لام کَی کے ساتھ اور حروف عاطفہ کے ساتھ ان کا ظاہر کرنا جائز ہے اول میں تو اس لیے تا کہ لام کَیْ اور لام جحو د میں فرق ظاہر ہو جائے اور دوسرے میں اس لیے کہ عرب ظاہراً فعل کا اسم پر عطف نا گوار سمجھتے ہیں یا یوں کہئے لام کَیْ اور حروف عاطفہ اسم صریح پر داخل ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ اس کا اظہار کرنا درست ہے جو فعل کو اسم سے بدل دیتا ہے اور وہ اَن مصدریہ ہے اور لام جحد چونکہ وہ اسم صریح پر داخل نہیں ہوتا، لہٰذا اس کے بعد اَنْ کا اظہار نہیں ہوگا۔

ويجب مع لا في اللام: اَنْ مصدریہ کا اظہار اس لا کے ساتھ واجب ہے کہ جس پر لام کَیْ داخل ہو یعنی وہ لا جو لام کَیْ کے بعد ہو تو لا سے پہلے اَنْ کا اظہار واجب ہے، تا کہ دو لاموں کے اجتماع سے بچا جائے جیسے لِئلاّ يعلمَ اهل الكتاب اور لام کَیْ حرف نفی سے متصل یعنی اس سے پہلے اس لیے ہے کہ وہ صدارت کلام کا مقتضی ہوتا ہے۔

وَيَنجزمُ بِلَمْ وَلَمَّا ولامُ الامرِ ولاَ فِي النَهِي وكِلمِ المُجَازَاةِ وَهِيَ اِنْ ومهمَا واِذا مَا واِذْ مَا وَحَيثُمَا واين ومَتٰى ومَا ومَن وايٌّ واَنّٰى واَمّا مع كيفَما وَاذما فشاذٌّ وبِان مقدرةٍ فلم لِقلبِ المضارع ماضيًا ونفيهِ ولمّا مثلها وتختصُّ بالاستغراقِ وجوازِ حذفِ الفِعلِ ولامِ الامرِ المطلوبُ بها الفِعْلُ وهِيَ مكسُورَةٌ ابدًا ولاَ النهى المَطْلوب بها التركُ وكِلَمُ المجازاة تدخُل عَلى الفِعْلَين لسَببِيَّةِ الاولِ ومُسَبَّبيَّةِ الثاني ويسمّيان شرطًا وجزاءً .

ترجمه:- اور مضارع مجزوم ہوتا ہے لم اور لمّا اور لام امر اور لائے نہی سے اور کلم مجازاۃ (کلمات شرط و جز) سے اور وہ اِن اور مَهمَا اور اذا ما اور اذما اور حيثما اور اين اور متى اور ما اور مَن اور ایّ اور انی ہیں بہر حال كيفما اور اذما کے ساتھ تو شاذ ہے اور اِنْ مقدرہ سے بھی مضارع

مجزوم ہوتا ہے پس لَمْ مضارع کو ماضی سے بدلنے اور اس کے نفی کے لیے ہوتا ہے اور لمّا اسی کے مثل ہے اور لمّا استغراق کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور فعل کے حذف کے جواز کے ساتھ۔ اور لام امر اس سے فعل مطلوب ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور لائے نہی اس سے فعل کا ترک مطلوب ہوتا ہے اور کلماتِ شرط وجزاء دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں اول کی سببیت اور ثانی کی مسببیت کے لیے اور ان دونوں کا شرط وجزا نام رکھا جاتا ہے۔

توضیح:- مضارع لم اور لما کی وجہ سے اس لیے مجزوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مضارع کے ساتھ مخصوص ہیں اور جو چیز کسی شئ کے ساتھ مخصوص ہو تو گو وہ اس کی حقیقت سے خارج ہو لیکن اس میں یعنی مخصوص میں وہ مؤثر ہوتی ہے اور مضارع کا جزم لامِ امر اور لائے نہی سے اس لیے ہے کہ لام امر اور لائے نہی اِن شرطیہ کے مشابہ ہیں کہ جس طرح ان شرطیہ مضارع کو حال سے استقبال کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ اور اِن شرطیہ سے مضارع اس لیے مجزوم ہوتا ہے کہ وہ مضارع کے ساتھ خاص ہے کہ وہ مضارع کے سوا کسی اور فعل پر داخل نہیں ہوتا اور دیگر کلمات شرط کی وجہ سے مضارع اس لیے مجزوم ہوتا ہے کہ اِن شرطیہ کو متضمن ہیں۔ کلم مجازاۃ اِن اور مهما اور اذاما اور اذما اور حيثما اور اين اور متى اور ما اور من اور ایّ اور انّی ہیں۔

و امّا مع کیفما: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ مضارع جس طرح کلمات مذکورہ بالا سے مجزوم ہوتا ہے اسی طرح کیفما اور اذما سے بھی مجزوم ہوتا ہے تو اس کا جواب مصنف نے دیا کہ مضارع کا ان سے مجزوم ہونا شاذ ہے، کیوں کہ کیفما میں تو عموم احوال کے لیے آتا ہے جیسے کیفما تقرأ اقرأ اور دو قاریوں کا جمیع احوال و کیفیات میں مساوی ہونا ممکن نہیں اور اذما میں شاذ اس لیے ہے کہ دیگر کلمات اِن کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مضارع کو جزم دیتے ہیں جب کہ اذما اِن کے معنی کو شامل نہیں ہے، کیوں کہ ان ابہام کے لیے ہوتا ہے، جب کہ اذ یقین کے لیے اور ان دونوں میں منافات ہے۔

بانٍ مقدرةٍ: اور مضارع ان مقدر کی وجہ سے بھی مجزوم ہوتا ہے، اب رہی بات کی اِنْ کب مقدر ہوگا تو آگے اس کی بحث آئے گی۔

فلم لقب المضارع: لم مضارع میں دو طرح کی معنوی تبدیل پیدا کرتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ وہ مضارع کو ماضی اور دوسرے منفی کے معنی میں کر دیتا ہے یعنی جب لم مضارع پر داخل ہوتا ہے تو وہ اسے ماضی منفی کے معنی میں کردتا ہے جیسے لم یضرب اور لما بھی لم کی طرح مضارع کو فعل ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے البتہ دونوں میں فرق یوں ہے کہ لمّا کے ذریعہ ایسے فعل کی نفی کی جاتی جس کی توقع اور امید کی جاتی ہے دوسرے لمّا میں نفی کا استغراق ہوتا ہے یعنی پورے زمانۂ ماضی میں نفی کیے جانے کے وقت سے

لے کر زمانہ تکلم تک کے پورے عرصہ میں نفی ہوتی ہے جیسے لمّا یر کب الامیر یعنی امیر کا سوار نہ ہونا عدم رکوب کے زمانہ سے تکلم کے زمانہ تک مسلسل ہے۔ نیز ایک فرق یہ بھی ہے کہ لمّا کے بعد فعل کا حذف جائز ہے، کیوں کہ میم زائد فعل کی قائم مقام بن جاتی ہے نیز لما پر حرف شرط داخل نہیں ہوسکتا جب کہ لم پر داخل ہوسکتا ہے۔

ولام الامر المطلوب بها الفعل: اور لام امر جس سے فعل طلب کیا جاتا ہے وہ مکسور ہوتا ہے، ایک تو اس وجہ سے تا کہ لام ابتدائیہ تاکیدیہ سے اشتباہ نہ ہو دوسرے لام جارہ کے ساتھ اختصاص میں مشابہت پائی جاتی ہے اور لام جارہ خود مکسور ہوتا ہے، لہٰذا لام امر بھی مکسور ہوگا جیسے لیضرب.

اور لائے نہی اس سے ترک فعل مطلوب ہوتا ہے یہ حاضر اور غائب سب کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے لام امر کی طرح صرف غائب اور متکلم کے لیے ہی مستعمل نہیں ہوتا جیسے لَا تلعب اور لا یسرق زید.

و کلم المجازاة: اور کلماتِ شرط و جزا دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں، تا کہ اول فعل سبب اور دوسرا مسبب ہو جائے، یعنی کلمات شرط و جزا کے داخل ہونے کے بعد متکلم فعل اول کے سبب اور ثانی کے مسبب ہونے کا اعتبار کر لیتا ہے چاہے اول واقع میں ثانی کے لیے سب ہو یا نہ ہو۔ جیسے ان تشتمنی فاکرمتك پس شتم، اکرام کا سبب حقیقی نہیں ہے نہ ذہن میں اور نہ ہی خارج میں لیکن متکلم نے ان دونوں کے درمیان سببیت کا اعتبار کر لیا ہے مکارم اخلاق کے اظہار کے لیے۔

ویسمیان: فعل اول کا نام شرط اور ثانی کا جزا ہوتا ہے۔ اول کا نام شرط اس لیے ہے کہ وہ ثانی کے وقوع کے لیے شرط ہے اور دوسرے کا نام جزا اس لیے ہے کہ اس کی بناء اول پر ایسے ہی ہوتی ہے جیسے جزا کی بناء شرط پر ہوتی ہے۔

فان کانَ مضارِعَینِ اوِ الاوّلُ فَالجزمُ وِانْ کانَ الثّانی فَالْوَجْهانِ وَاِذَا کان الجزاءُ مَاضِیا بِغَیرِ قد لفظا او معنًی لم یَجِز الفاءُ وان کان مضارعاً مثبتًا او منفیًا بِلَا فَالْوَجهَان و الّا فَالفَاء .

ترجمہ:- اگر دونوں فعل مضارع ہوں یا صرف اول ہو تو جزم واجب ہے اور اگر ثانی مضارع ہو تو دو وجہیں ہیں۔ اور جب جزاء ماضی بغیر قد کے ہو خواہ ماضی ملفوظ ہو یا معنیً ہو تو فاء درست نہیں ہے اور اگر مضارع مثبت یا منفی بلا ہو تو دو وجہیں ہیں ورنہ فاء واجب ہے۔

توضیح:- جب شرط و جزاء دونوں مضارع ہوں جیسے ان تزرنی اَزرك یا صرف شرط مضارع ہو جیسے ان تزرنی زرتك تو جزم واجب ہے یعنی صورت اول میں شرط و جزا دونوں مجزوم ہوں گے، کیوں کہ دونوں معرب ہیں اور جازم بھی موجود ہے، اور صورت ثانی میں کہ شرط مضارع اور جزا

ماضی ہوتو بھی جزم شرط میں واجب ہے، کیوں کہ وہ معرب ہے اور جازم پایا جارہا ہے۔

وان کان الثانی: اور اگر شرط تو ماضی ہو اور جزا مضارع ہو جیسے ان خرجت لم اخرج تو دو وجہیں درست ہیں رفع اور جزم دونوں صحیح ہیں رفع تو اس لیے کہ جب حرف شرط شرط میں عامل نہیں ہے جو کہ اس سے قریب ہے تو جزاء میں بدرجہ اولیٰ عمل نہ کر سکے گا، کیوں کہ وہ اس سے بمقابلہ شرط کے بعید ہے۔ اور جزم کی اجازت تو اس لیے ہوگی کہ وہ معرب ہے اور جازم پایا جاتا ہے۔

واذا کان الجزاء: اگر جزا ماضی بغیر قد کے ہو خواہ وہ ماضی لفظا ہو جیسے ان ضربت ضربتُ یا معنیً ہو بایں طور کہ لم مضارع پر داخل ہو جیسے ان تلعب لم تفز تو جزا پر فاء کا لانا درست نہ ہوگا، کیوں کہ جزا کے معنی میں حرف شرط کی تاثیر پائی جارہی ہے کہ ماضی بمعنی مستقبل ہو گیا، لہٰذا ربط بالفاء کی کوئی ضرورت نہیں۔

وان کان مضارعا مثبتا: اگر جزا مضارع مثبت ہو جیسے ان صلیتَ فیُصلِّ یا منفی بلا ہو جیسے ان تضرب لا یقرء تو دو وجہیں درست ہیں فاء کا لانا بھی اور ترک فاء بھی، فاء جزائیہ کے لانے کی اجازت اس لیے ہے کہ حرف شرط نے معنی میں ویسا اثر نہیں کیا جیسا ماضی میں اثر کرتا ہے اور ترک فا اس لیے درست ہے کہ حرف شرط معنی میں مؤثر ہے بایں حیثیت کہ وہ مضارع حرف شرط کی وجہ سے استقبال کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے، لہٰذا من وجہ تاثیر پائی گئی پس فاء جزائیہ کا ترک درست ہے۔ فاء کی مثال جیسے ومن عاد فَیَنْتقم اللّٰه اور ترک فاء کی مثال جیسے اِنْ یَکن مِنکُمْ اَلفٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ اور جب مضارع منفی بلا ہو تو اس میں دو وجہیں اس لیے درست ہیں کہ اگر لا کو نفی استقبال کے لیے مانا جاتا ہے تو حرف شرط بلا تاثیر کے ہو جاتا ہے، کیوں کہ معمول واحد پر دو علتوں کا اجتماع ناپسندیدہ ہے، لہٰذا فاء کا لانا ربط کے واسطے مناسب ہے اور اگر لاء کا محض نفی کے لیے مانا جائے تو حرف شرط کے لیے اس میں تاثیر پیدا ہو جائے گی، کیوں کہ وہ مضارع کو برائے استقبال کر دیتا ہے لہٰذا ترک فاء جائز ہے اول کی مثال جیسے فَمَن یومن بِرَبہ فلاَ یخافُ بخسًا ولا رَھقًا اور دوسرے کی مثال جیسے ان تجلس لاتصل الی المنزل.

والا فا الفاء: اگر جزا ماضی بغیر قد کے لفظاً یا معنی نہ ہو اور نہ ہی وہ مضارع مثبت بغیر سین اور سوف ہو نیز وہ مضارع منفی بلا بھی نہ ہو تو اس کی متعدد صورتیں ہیں (۱) جزا ماضی ہو اور قد لفظی کے ساتھ ہو جیسے ان تسرق فقد سرق اخٌ له من قبل یا قد معنی کے ساتھ ہو جیسے اِن کان قَمیصهٗ قد من قبل فصدقت وھو من الکاذبین پس تقدیر عبارت ہے فقد صدقت. (۲) یا جزا مضارع ہو جو سین اور سوف کے ساتھ ہو، (۳) یا مضارع منفی بِلَنْ ہو (۴) یا جزا جملہ اسمیہ ہو (۵) یا امر و نہی یا دعا ہو، تو ان تمام صورتوں میں فا جزائیہ لانا واجب ہے، اس لیے کہ حرف شرط جزا میں نہ تو معنی مؤثر ہے کہ اس کو مستقبل

کے معنی میں کردے اور نہ ہی لفظاً مؤثر ہے کہ جزا کو مجزوم کردے لہٰذا ربط کے لیے فاء کا لانا ضروری ہے، بقیہ کی مثالیں آپ خود اخذ کر سکتے ہیں۔

ویجیٔ اذا مع الجملة الاسمية موضعَ الفاءِ .

ترجمہ:- اذا جملہ اسمیہ کے ساتھ فاء کی جگہ آتا ہے۔

توضیح:- مطلب یہ ہے کہ جب جزا جملہ اسمیہ ہو تو فاء جزائیہ کی جگہ جملہ اسمیہ کے ساتھ اذا آ سکتا ہے جیسے وإن تصبهم بما قدمت ایدیهم اذا هم يقنطون، البتہ فاء کا استعمال ہی کثیر ہے ایسا اس لیے کہ اذا مفاجاتیہ بھی فاء کی طرح تعقیب پر دلالت کرتی ہے، اس لیے اس کو فاء کے قائم مقام بنایا جا سکتا ہے۔

وَاِنْ مقدرةٌ بعد الامرِ والنهي وَالاستفهام والتّمني والعرضِ اذا قُصِدَ السَّببيَّة نحو اَسْلم تدخُل الجنّة ولا تكفر تدخل الجنة وامتنعَ لا تكفر تدخلِ النّارَ خلافًا للكسائي لان التقديرَ ان لا تكفر .

ترجمہ:- اور اِن امر اور نہی استفہام اور تمنی اور عرض کے بعد مقدر ہوتا ہے جب سببیت کا ارادہ کیا جائے جیسے اَسْلِم تدخلِ الجنة اور لا تكفر تدخل الجنة اور ناجائز ہے لاتكفر تدخل النار مخالفت کرتے ہوئے کسائی کی اس لیے کہ تقدیر ان لا تكفر النار ہے۔

توضیح:- اِنْ امر اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض کے بعد مقدر ہوتا ہے جب اس بات کا قصد کیا جائے کہ ماقبل مابعد کے لیے سبب ہے پس اِنْ اشیاء کے بعد اِنْ مقدر ہوگا اور وہ اس لیے کہ یہ اشیاء طلب پر داخل ہوتی ہیں اور طلب عموماً ایسے مطلوب سے متعلق ہوتا ہے کہ جس پر کوئی ایسا فائدہ مرتب ہو سکے کہ وہ مطلوب اسی فائدہ کے لیے سبب اور وہ فائدہ اس مطلوب کے لیے مسبب بن جائے۔ اور سببیت اور مسببیت پر دال حرف شرط ہوتا ہے اور حرف شرط لفظوں میں مذکور نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ مقدر ہے۔ جیسے اَسْلِم تدخل الجنة کہ اسلم کے بعد ان مقدر ہے، کیوں کہ اسلام دخول الجنة کا سبب ہے، اور لاتكفر تدخلِ الجنة صحیح ہے، کیوں کہ عدم کفر دخول الجنة کا سبب ہے لہٰذا اس نہی کے بعد اِنْ مقدر ہے البتہ لا تكفر تدخل النار صحیح نہیں ہے، کیوں کہ عدم کفر دخول نار کا سبب نہیں ہے، بلکہ کفر دخول نار کا سبب ہے پس یہ ترکیب صحیح نہ ہوگی البتہ کسائی کے یہاں یہ ترکیب درست ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک بحسب العرف اس کا مطلب ہے ان تكفر تدخل النار اور یہ صحیح ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کسائی کے نزدیک اس جگہ عرف شرط مثبت کا قرینہ ہے پس مطلب یہ ہوگا کہ کفر دخول نار کا باعث ہے اور یہ بات صحیح ہے۔ جب کہ جمہور کے نزدیک تقدیر ان لا تكفر ہے جو صحیح نہیں ہے۔

اب ایک سوال اوراس کا جواب سمجھ لو۔سوال یہ ہے کہ بہت سے مقامات پر مضارع امر کے بعد واقع ہے، لیکن وہ ان مقدرہ کی وجہ سے مجزوم نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ پس یرثنی امر کے بعد واقع ہے اور ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ پس يَلْعبون امر کے بعد واقع ہے اور شاعر کا قول شعر وقال رائدهم اَرْسُوا نزاولها فكلُّ حتف امرئٍ يجري بمقدار پس اَرْسُوا امر کے بعد مضارع نُزاولها واقع ہے۔شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ: ان کے رہنما نے کہا کہ ٹھہرو ہم مقابلہ کریں گے کیوں کہ ہر آدمی کی موت وقت مقررہ پر ہی آتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امر وغیرہ کے بعد مضارع اِنْ مقدرہ کی وجہ سے تب مجزوم ہوتا ہے جب سببیت کا ارادہ کیا جائے اور مذکورہ مثالوں میں ایسا نہیں ہے بلکہ پہلی مثال میں مضارع وَلِيًّا کی صفت ہے جب کہ دوسری مثال میں یلعبون برائے حال ہے اور تیسری مثال میں برائے استیناف ہے پس جب سببیت کے معنی مفقود ہیں تو مضارع کا اِن مقدرہ کی وجہ سے مجزوم ہونا بھی ندارد ہے، پس کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

الامر يُطلب بها الفعلُ من الفاعلِ المخاطبِ بحذفِ حرفِ المضارِعَةِ وحُكمُ آخرِهِ حكمُ المجْزومِ فَاِن كان بعدَهُ سَاكِنٌ وليسَ برُباعِيٍ زِدْتَّ همزةَ وَصلٍ مضمومةً اِنْ كان بعدهُ ضَمةٌ ومكْسُورةً فيما سِواه مثل اُقتلْ واضربْ واِعلَم واِنْ كانَ رُباعِيًا فَمفتُوحَةٌ مَقطُوعةٌ .

ترجمہ:- امر ایسا صیغہ ہے کہ جس کے ذریعہ فعل، فاعل مخاطب سے طلب کیا جاتا ہے حرف مضارع کے حذف کے ساتھ اور امر کے آخر کا حکم مجزوم کا حکم ہے پس اگر حرف مضارع کے حذف کے بعد ساکن ہو اور وہ رباعی نہ ہو تو ہمزۂ وصل مضموم زیادہ کردو اگر اس کے بعد ضمہ ہو اور مکسور زیادہ کردو اس کے علاوہ میں جیسے اقتل اور اضرب اور اِعلَمْ اور اگر فعل رباعی ہو تو ہمزہ اصلی مفتوح ہوگا۔

توضیح: اب امر حاضر معروف کی تعریف کر رہے ہیں کہ امر حاضر معروف ایسے صیغہ کو کہتے ہیں کہ جس کے واسطے سے فاعل مخاطب سے فعل کو علامت مضارع کے حذف کے ساتھ طلب کیا جائے پس صیغہ یطلب بها الفعل بمنزلہ جنس کے ہے جو ہر طرح کے امر کو خواہ غائب ہو یا مخاطب اور متکلم، معروف ہو یا مجہول شامل ہے اور من الفاعل کی قید فصل اول ہے جس کے ذریعہ احتراز ہو گیا مجہول سے خواہ حاضر مجہول ہو یا متکلم اور غائب مجہول اور المخاطب کی قید سے غائب سے احتراز ہو گیا اور بحذف حرف المضارعة کی قید سے فلتفرحوا جیسے سے۔

وحکم آخرہ: اور امر حاضر معروف کے آخر کا حکم وہ بصریوں کے نزدیک وقف ہے اور سکون پر مبنی ہوتا ہے، البتہ کوفیوں کے نزدیک معرب ہے جو حقیقتاً مجزوم ہے، بہر حال صورتاً امر کے آخر کا حکم مجزوم

کے حکم کی طرح ہے کہ جس طرح مجزوم کا آخر صحیح ہونے کی صورت میں ساکن ہوتا ہے اور نون اعرابی نیز حرف علت ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح امر کے آخر میں بھی ہوگا، اس لیے کہ وہ امر کہ جس کے شروع میں لام امر ہوتا ہے جب وہ مجزوم سے مشابہ ہے تو مجزوم کا حکم مطلق امر کو دے دیا گیا۔

فان کان بعده ساکن: خلاصہ یہ ہے کہ علامت مضارع حذف کرنے کے بعد دیکھا جائے گا کہ فاء کلمہ ساکن ہے یا متحرک بصورت ثانی ہمزہ وصل کی کوئی ضرورت نہیں جیسے تعدُ سے عِدْ اور بصورت اول بشرطیکہ وہ چہار حرفی فعل نہ ہو اگر عین کلمہ مضموم ہے تو ہمزہ وصل مضموم کا شروع میں اضافہ کر دیں گے، تاکہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے ہمزہ وصل مضموم ۔نے کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ عین کلمہ کی موافقت ہو جاتی ہے دوسرے ہمزہ وصل مفتوح لانے کی صورت میں واحد متکلم فعل مضارع کے ساتھ وقفاً اشتباہ بھی ہو جاتا جیسے اقتل اور ہمزہ وصل مکسور کی صورت میں کسرہ سے ضمہ کی طرف نکلنا لازم آتا ہے جیسے اِقْتُلْ.

اور اگر عین کلمہ مکسور ہو یا مفتوح تو ہمزہ وصل مکسور شروع میں سے آئیں گے ایسا اس لیے تاکہ ہمزۂ وصل مکسور عین کلمہ کے کسرہ کے موافق ہو جائے اور عین کلمہ کے مفتوح ہونے کی صورت مکسور پر محمول ہے۔ نیز مکسور العین کی صورت میں اگر ہمزہ وصل مفتوح لایا جاتا تو باب افعال کے امر سے اشتباہ ہوتا، کیوں کہ اس کا ہمزہ مفتوح ہوتا ہے اور مفتوح العین کی صورت میں فتحہ کی تقدیر پر باب افعال کے فعل ماضی مجہول کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جاتا جیسے اُقتل اور اِضرب اور اِعلم.

وان کان رباعیا: اور اگر وہ فعل کہ جس سے علامت مضارع کو حذف کیا گیا ہے رباعی ہو تو ہمزہ مفتوح قطعی یعنی اصلی شروع میں ہوگا، اس لیے کہ ہمزہ وصلی نہیں ہے، بلکہ قطعی ہے جو مانع کے دور ہو جانے کی وجہ سے لوٹ آیا، کیوں کہ مضارع کے واحد متکلم میں اجتماع ہمزتین کی وجہ سے ایک ہمزہ حذف کر دیا گیا تھا، لیکن جب امر بنایا گیا تو وہ مانع دور ہو گیا جیسے اکرم.

فعلُ ما لم يُسمَّ فاعلهُ هُو ما حُذِفَ فاعلُهُ فان كانَ ماضِيًا ضُمَّ اولُهُ وكُسِرَ ما قبل آخرِهِ ويُضَمُّ الثالثُ مع همزةِ الوصلِ والثاني مَعَ التّاءِ خوفَ اللبس ومُعتلُّ العينِ الا فصحُ قِيلَ وبيعَ وجَاءَ الاشْمَام والواوُ ومثلهُ بابُ اُختِيرَ وَانقيد دونَ اُسْتُخيرَ واُقِيمَ وان كان مضارعًا ضُمَّ اولُهُ وَفُتِحَ ما قبلُ آخِرِهِ ومعتلُ العين ينقلب فيه العينُ الفاً.

ترجمہ:- فعل مالم یسم فاعلہ وہ فعل ہے جس کا فاعل حذف کر دیا گیا ہو پس اگر وہ فعل ماضی ہو تو اس کا شروع حرف مضموم ہوگا اور آخر کا ماقبل مکسور ہوگا اور تیسرا حرف مضموم ہوگا ہمزۂ وصل کے ساتھ اور دوسرا حرف مضموم ہوگا تاء کے ساتھ اشتباہ کے خوف سے اور معتل العین فصیح ترین لغت کے مطابق قِیلَ اور بیع ہے اور اشمام اور واؤ بھی آیا ہے اور اسی کے مثل باب اُختیر اور انقید ہے نہ کہ اُستخیر اور اقیم. اور

اگر فعل مضارع ہوتو اس کا شروع حرف مضموم ہوگا اور آخر کا ماقبل مفتوح۔ اور معتل عین اسمیں عین کلمہ الف سے بدل جائے گا۔

توضیح:۔ فعل مالم یسم فاعلہ وہ فعل ہے جس کا فاعل محذوف ہو اور مفعول اس کا قائم مقام ہو۔ اس سلسلے کی تفصیل مرفوعات میں گذر چکی ہے ایسا اس وقت ہوتا ہے جب فعل مجہول ہو، چنانچہ اس کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

فان کان ماضیا: اگر فعل ماضی ہوتو اس کے مجہول بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے شروع حرف کو مضموم کردیا جائے اور آخر کے ماقبل کو کسرہ دے دیا جائے جیسے نُصِرَ اُکْرِم ایسا اس لیے کیا، تاکہ ماضی مجہول کا ماضی معروف کے ساتھ خلط ملط نہ ہو، اور اگر وہ فعل ماضی ہمزہ وصل کے ساتھ ہے یعنی اس کے شروع میں ہمزہ وصل ہے تو ہمزہ وصل سمیت تیسرا حرف مضموم ہوگا آخر کے ماقبل کے کسرہ کے ساتھ جیسے اُجْتُنِبَ اُسْتُنْصِرَ ایسا اس لیے کیا تاکہ اسی باب کے امر کے ساتھ درج یعنی درمیان کلام اور وقف میں اشتباہ نہ پیدا ہو۔

والثانی مع التاء: اگر اس فعل ماضی کے شروع میں تاء زائدہ ہے تو دوسرے حرف کو مع تاء ضمہ دیا جائے گا جیسے تُجوبِلَ اور تقوبِلَ ایسا اس لیے کریں گے تاکہ باب تفعل میں باب تفعیل کے مضارع معروف کے ساتھ اور باب تفاعل میں باب مفعللة کے مضارع معروف کے ساتھ اور باب تفعلل کی صورت میں باب فعللة کے مضارع معروف کے ساتھ اشتباہ نہ پیدا ہو۔

اب یہ بات اور سمجھ لو کہ تغیر برائے مجہول کے لیے اول کا مضموم ہونا اور آخر کے ماقبل کا مکسور ہونا کیوں اختیار کیا تو دراصل بات یہ ہے کہ فعل مالم یسم فاعلہ کے معنی غریب اور انوکھے ہیں، کیوں کہ اس میں فعل کی نسبت بجائے فاعل کے مفعول کی طرف ہوتی ہے، حالاں کہ فاعل کی طرف ہونا چاہیے، لہٰذا اس کے لیے انوکھے وزن کا انتخاب ہوا جو دیگر اوزان میں موجود نہیں ہے ضمہ سے کسرہ کی طرف جاتے ہوئے، تاکہ وزن کی غرابت معنی کی غرابت اور ندرت پر دلالت کرے۔

ومعتل العین: اور جب ماضی معتل العین ہو یعنی اس کے عین کلمہ میں حرف علت ہو یہاں معتل عین سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے صرف عین کلمہ میں حرف علت ہو پس اگر عین کلمہ کے ساتھ لام کلمہ میں بھی حرف علت ہو تو مذکورہ تعلیل نہ ہوگی جیسے طویٰ تاکہ اجتماع اعلالین سے بچا جاسکے۔ پس اگر اس کے عین کلمہ میں حرف علت ہے تو حسب قاعدہ فاء کلمہ مضموم اور عین کلمہ مکسور ہوگا تو بربنائے ثقل فاء کلمہ کی حرکت ختم کرنے کے بعد عین کلمہ کا کسرہ ماقبل کو نقل کردیں گے پس کسرہ کی مناسبت سے عین کلمہ کا واو یاء سے بدل جائے گا جیسے قِیلَ البتہ بیعَ میں صرف یاء کا کسرہ باء کی طرف نقل ہوا، کیوں کہ وہ پہلے سے یاء ہے پس قیلَ اور بِیعَ

کی اصل قُوِلَ اور بُیِعَ تھی بعد التعلیل قِیلَ اور بیعَ ہو گیا یہی لغت افصح ہے۔

جاء الاشمام: اشمام کا مطلب یہ ہے کہ فاء کلمہ کے کسرہ کو ضمہ کی طرف مائل کر دیا جائے پس مثال مذکور میں یاء کو ہلکا سا واؤ کی طرف مائل کرنا اشمام کہلائے گا ایسا اس لیے کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ فا کلمہ مضموم ہے۔اور واؤ کے ساتھ بھی استعمال ہے پس قُولَ و بُوعَ بولا جاتا ہے عین کلمہ کو ساکن کر دیا گیا پس معتل عین یائی میں یا ساکنہ کو ماقبل کے ضمہ کی وجہ سے واؤ سے بدل دیا۔

و مثله باب اُختیرَ: خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ جس طرح ثلاثی مجرد کے معتل عین ماضی مجہول میں تینوں لغتیں درست ہیں، اسی طرح باب افتعال اور انفعال کے معتل عین ماضی مجہول میں بھی سابقہ وجوہ درست ہیں، لہٰذا اُختیر اور انقید میں بھی عین کلمہ کی حرکت ماقبل کو نقل کی جاسکتی ہے پس واوی کی صورت میں یائی سے واو بدل جائے گا جیسے کہ انقید دراصل اُنقُوِدَ تھا پس قاف کی حرکت کے زائل کرنے کے بعد واؤ کی حرکت ماقبل نقل کر دی اور واؤ کسرہ کی مناسبت سے یا سے بدل گیا انقیدَ ہو گیا اُختیرَ میں چوں کہ عین کلمہ یائی ہے، لہٰذا صرف نقل حرکت ہوگی اسی طرح اشمام بھی درست ہے، نیز بلا نقل عین کا اسکان بھی درست ہے، پس اس صورت میں معتل عین یائی واؤ سے بدل جائے گا جیسے اُختُوْرَ اور انقُوْدَ پس پہلی مثال میں واؤ یا سے بدل کر استعمال ہے جب کہ مثال ثانی میں قلب کی ضرورت نہیں پڑی ان وجوہ ثلاثہ کی اجازت اس لیے ہے کہ دونوں جگہ علت میں مشارکت پائی جاتی ہے۔

البتہ اُستخِرَ اور اُقِمَ میں یہ وجوہ ثلاثہ درست نہیں ہے، حالاں کہ یہ بھی معتل عین ہے اس لیے کہ معتل عین سے باب استفعال اور افعال میں حرف علت کا ماقبل ساکن ہوتا ہے، جب کہ سابقہ مثالوں میں متحرک تھا لہٰذا مماثلت نہیں پائی گئی پس صرف ایک وجہ درست ہوگی وہ ہے حرف علت کا ماقبل کسرہ کے ماقبل حرف صحیح ساکن تھا جسے حرف علت کا کسرہ نقل کر کے دے دیا گیا، پس واوی کی صورت میں وہ یاء سے بدل گیا۔

المتعدی وغیر المتعدی فالمتعدی ما یتوقفُ فهمهُ علی متعلقٍ کضرب وغیر المتعدی بخلافه کقَعَدَ والمتعدی یکون الی واحدٍ کضربَ والیٰ اِثنَینِ کَاعطیٰ وعَلم والی ثلثةٍ کا عَلَم واریٰ وأنباء ونبّاء وَاَخبرَ وخبَّرَ وهٰذه مفعولُها الاولُ کمفعول اَعطیتُ والثانی والثالث کمفعولَیْ علمتُ .

ترجمہ:- فعل متعدی اور غیر متعدی۔ پس متعدی وہ ہے جس کا سمجھنا کسی متعلق پر موقوف ہو جیسے ضرب اور غیر متعدی وہ فعل ہے جو اس کے برخلاف ہو جیسے قعَدَ اور فعل کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے ضرب اور کبھی دو مفعولوں کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے جیسے اعطی اور علم اور تین مفعولوں کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے جیسے اعلم اور اری اور انباء اور نباء اور اخبر اور خبّر دحدث اور یہ

افعال ان کا مفعول اول اعطیت کے مفعول کی طرح ہے اور ان کا مفعول ثانی اور ثالث علمت کے دونوں مفعولوں کی طرح ہیں۔

توضیح:- معلوم ہونا چاہیے کہ فعل دو قسموں پر ہے یا تو فعل متعدی ہوگا یا غیر متعدی کیوں کہ اس کا سمجھنا یا تو فاعل کے ماسواء کسی متعلق پر موقوف ہوگا یا نہیں اول متعدی ہے جیسے ضرب کیوں کہ اس کا سمجھنا ایک ایسی چیز پر موقوف ہے کہ جس سے ضارب کا ضرب متعلق ہوتا ہے اور دوسرا غیر متعدی ہے جیسے قَعَدَ کیوں کہ اس کا سمجھنا کسی ایسی چیز پر موقوف نہیں ہے جس سے قاعد کا قعود متعلق ہوتا ہے۔

دھیان رہے کہ غیر متعدی تین چیزوں کے ذریعہ متعدی ہو جاتا ہے اول ہمزہ کہ اس کے اضافہ سے بھی غیر متعدی متعدی بن جاتا ہے جیسے اذهبتُ زيدًا دوسرے عین کلمہ کا مضاعف کر دینا جیسے فَرَّحتُ زيدًا تیسرے حرف جر جیسے ذهبت بزيدٍ.

والمتعدی: وہ فعل جو متعدی ہوتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں، متعدی بیک مفعول جیسے ضرب زيد عمرًا ہے ضرب ایک مفعول کو چاہتا ہے۔ دوسری قسم متعدی بدو مفعول کی کہ فعل کا سمجھنا دو پر موقوف ہوتا ہے جیسے اعطی اور علم بولا جاتا ہے اعطيت زيدًا درهما اور علمت زيدًا قائمًا پہلی مثال میں مفعول ثانی اول کا غیر ہے اور دوسری مثال میں مفعول ثانی باعتبار مصداق کے اول ہی ہے اور تیسری قسم متعدی بسہ مفعول جیسے اعلم اور اری سے حدّث تک بولا جاتا ہے اعلمت زيدًا عمروا فاضلا اخبرت هاشما قاسمًا كاتبا اسی طرح باقی کی مثالیں نکال لیجیے۔

معلوم ہو کہ متعدی بسہ مفعول میں اصل اعلم اور اریٰ ہیں جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں، اس لیے کہ اعلم اور اریٰ درحقیقت دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے تھے لیکن جب ان پر ہمزہ زیادہ کر دیا تو ایک مفعول کا اور اضافہ ہو گیا۔ بقیہ انباء اور نبّاء اخبر وخبر وحدث وغیر بالواسطہ متعدی بسہ مفعول ہیں یعنی یہ افعال خمسہ اعلم و اریٰ کے معنی پر مشتمل ہیں اس لیے یہ بھی متعدی بسہ مفعول ہونے لگے۔

وهٰذه ومفعولها الاول: اس کا حاصل یہ ہے کہ ان افعال متعدیہ بسہ مفعول کا مفعول اوّل اعطیت کے مفعول کی طرح ہے کہ جس طرح اعطیت کے دونوں مفعولوں کا حذف درست ہے، اسی طرح ان کے مفعول اول کو بھی حذف کیا جا سکتا ہے۔ اور ان کا دوسرا اور تیسرا مفعول علمت کے دونوں مفعولوں کی طرح ہے کہ یا تو دونوں کو ذکر کیا جائے یا دونوں کو حذف کر دیا جائے ایک کو حذف اور دوسرے کو ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ان کا مفعول ثانی اور ثالث درحقیقت علمت کے دونوں مفعول ہیں اور علمت کے دونوں میں سے ایک کا حذف اور دوسرے پر اکتفاء درست نہیں ہے، لہٰذا ان میں بھی اکتفاء علی الواحد صحیح نہ ہوگا، ایسا اس لیے ہے کہ علمت کے دونوں مفعول بمنزلہ شیٔ واحد کے ہیں لہٰذا ایک کا ذکر

اور دوسرے کا حذف جزئے کلمہ کے ذکر کی طرح ہوگا جو غیر مناسب ہے۔لہٰذا اعلمت عمروا خیرا الناس بغیر اول کے ذکر کیے کہا جا سکتا ہے، لیکن اعلمت زید عمروا بغیر مفعول ثالث کے یا اعلمت زیدا خیر الناس بغیر ثانی کے کہنا درست نہ ہوگا۔

افعالُ القلوبِ ظَننتُ وحَسِبتُ وخلتُ وزعمتُ وعلمتُ ورأيتُ ووجدتُ تدخلُ على الجُملةِ الاسْميّةِ لبيَانِ ما هِيَ عنه فَتنصبُ الجُزئين، ومن خصائصهَا انّه اِذَا ذُكِرَ احَدَهُمَا ذُكِرَ الآخرُ بخلَافِ بابِ اَعْطَيْتُ وَمِنهَا جَوَازُ الا لغاءِ اذا توسَّطَتْ اَوْ تاخّرت لاستِقْلَالِ الْجُزئين كَلَامًا ومِنهَا انّها تُعلَّقُ قَبل الْاستفهامِ والنفيِ واللامِ مثل علمتُ ازيدٌ عندك ام عمروٌ ومنها انها يجُوزان يكون فاعلُها ومَفعولُها ضميرَينِ لِشيئٍ واحدٍ مثل علمتني منطلِقًا، ولبَعضها معنًى آخرُ يتعدّى بهٖ الٰى واحدٍ فظننتُ بمعنى اِتّهمتُ وعَلِمتُ بمعنٰى عرفتُ ورأيتُ بمعنى ابصرتُ و وَجَدْتُّ بمعني اَصَبْتُ .

ترجمہ:- افعال قلوب ظننتُ اور حسبتُ اور خِلتُ اور زعمتُ اور علمتُ اور رأيتُ اور وجدتُ ہیں جو جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اس چیز کے بیان کے لیے کہ جملہ جس سے صادر ہونے والا ہے۔ پس یہ دونوں جزؤں کو نصب کرتا ہے۔ اور افعال قلوب کے خصائص سے ہے کہ جب اس کے دو مفعولوں میں سے کوئی ایک ذکر کیا جائے گا تو دوسرا بھی ذکر کیا جائے گا بخلاف باب اعطيتُ کے۔ اور من جملہ خصائص سے ہے الغاء کا جائز ہونا جب افعال قلوب دونوں مفعولوں کے بیچ میں واقع ہوں یا دونوں سے مؤخر ہوں دونوں جزؤں کے مستقل کلام ہونے کی وجہ سے۔ اور من جملہ خصائص یہ ہے کہ افعال قلوب کو معلق کر دیا جاتا ہے استفہام اور نفی اور لام سے پہلے جیسے علمت ازید عندك او عمروا. اور من جملہ خصائص سے یہ ہے کہ ان کا فاعل اور مفعول شئ واحد کی ضمیریں ہوں۔ جیسے علمتني منطلقا. اور بعض افعال قلوب کے لیے ایک دوسرے معنی ہیں جس کی وجہ سے ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں پس ظننت اتّهمتُ کے معنی میں ہے اور علمت، عرفت کے معنی میں ہے اور رأيت، ابصرت کے معنی میں اور وجدتُ اصبت کے معنی میں ہے۔

توضیح:- افعال قلوب میں سے ظننتُ اور حسبتُ اور خِلتُ برائے شک ہیں اور علمتُ اور رأيت اور وجدتُ یہ تینوں یقین کے لیے مستعمل ہوتے ہیں اور زعمتُ یقین اور شک میں مشترک ہے یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اس چیز کو بیان کرنے کے لیے کہ وہ جملہ جس سے

عبارت ہے یعنی علم وظن وغیرہ۔

یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں کہ جو افعال جملہ پر داخل ہوتے ہیں تو ان سے مقصود جملہ کے اجزا میں عمل ہوتا ہے اور فعل کا عمل جملہ فعلیہ میں متعذر ہے اور بہر حال جملہ فعلیہ کے پہلے جزء میں تو اس لیے کہ فعل کا عمل دوسرے فعل میں ناممکن ہے اور دوسرے جزء میں تو اس لیے کہ وہ جزء اول کا معمول ہے تو اگر وہ فعل کا معمول ہو جائے تو معمول واحد پر دو عاملوں کا آنا لازم آئے گا جو محال ہے۔لہٰذا یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوگا اور دونوں جزؤں کا اپنا مفعول بہ بنا کر نصب دے گا۔جیسے علمت زیدا فاضلاً.

ومن خصائصها: افعال قلوب کے خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب اس کا ایک مفعول ذکر کیا جائے گا تو دوسرے کا بھی ذکر ضروری ہوگا کسی ایک پر اکتفاء درست نہیں بشرطیکہ کوئی قرینہ نہ ہو،اس لیے کہ افعال قلوب کا مفعول در حقیقت مضمون جملہ ہوتا ہے،لہٰذا اگر ایک کو ذکر کیا جائے اور دوسرے کو حذف کر دیا جائے تو جزء کلمہ کا حذف لازم آئے گا جو درست نہیں۔

البتہ اگر حذف پر کوئی قرینہ ہو تو ایک کا حذف درست ہے جیسے قرآن میں ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ پس بخلهم مفعول اول محذوف ہے بخلاف باب: اعطیتُ: باب اعطیتُ کے دونوں مفعولوں میں سے ہر ایک کا حذف درست ہے، کیوں کہ اس کے مفاعیل مستقل مفعول ہیں اور مفعول فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے یا یوں کہا جائے کہ یہاں حذف کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے،لہٰذا اعطیتُ زیدا کہنا درست ہے بغیر دی ہوئی چیز کے تذکرہ کیے ہوئے اسی طرح اعطیت درهما کہنا درست ہے بغیر اس شخص کا تذکرہ کیے ہوئے جس کو دیا گیا ہے۔

دوسری خصوصیت: ومنها جواز الالغاء: اگر افعال قلوب دونوں مفعولوں کے وسط میں واقع ہو جائیں جیسے زید ظننت قائم یا دونوں سے مؤخر ہوں جیسے زید قائم ظننت تو اس میں دونوں وجہ جائز ہیں یعنی عمل کا ابطال اور اعمال،عمل باطل قرار دینا اور عمل دلانا،اول اس لیے صحیح ہے کہ دونوں مفعول کلام تام ہیں بایں طور کہ وہ مبتدا اور خبر ہیں،لہٰذا عامل کے ضعف کے ساتھ ان دونوں کا معمول ہونا منع ہو جائے گا،کیوں کہ فعل دونوں سے یا کسی ایک سے مؤخر ہو جاتا ہے دوسری طرف حمل کے صحیح ہونے کی وجہ سے کلام تام ہونے میں کوئی زحمت نہیں ہے۔اور اعمال بھی درست ہے،اس لیے کہ عامل فعل ہے جو ذاتی طور پر سب سے قوی عامل ہوتا ہے،لہٰذا عمل کرنا ممکن بھی ہے۔البتہ جب افعال قلوب فعل اور اس کے مرفوع کے درمیان یا اسم فاعل اور اس کے مفعول کے درمیان اور انّ کے دونوں معمولوں کے درمیان اسی طرح معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان واقع ہو تو الغاء عمل واجب ہوتا ہے۔

تیسری خصوصیت: ومنها انها تعلّق: خلاصہ یہ ہے کہ جب افعال قلوب استفہام اور نفی اور لام

میں سے کسی سے پہلے واقع ہوں تو ان کا عمل معلق ہو جاتا ہے یعنی لفظاً عمل کا ابطال واجب ہو جاتا ہے، البتہ معنیً عمل باقی رہتا ہے، ایسا اس لیے ہے کہ یہ تینوں کے تینوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں پس اگر عمل دلا دیا جاتا ہے تو ان کی صدارت باطل ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف دونوں جز موقع نصب میں واقع ہیں، کیوں کہ مثلاً علمت ازيد عندك ام عمرو میں علم ان دونوں پر حقیقتاً واقع ہے اس لیے تینوں حروف کی من حیث اللفظ اور افعال کی من حیث المعنی رعایت کردی گئی نفی کی مثال علمتُ ما زيد فى الدار اور لام کی مثال علمت لزيد منطلق.

ومنها ما يجوز ان يكون فاعلها: اس کا حاصل یہ ہے کہ افعال قلوب کی یہ خصوصیت ہے کہ ان افعال کے فاعل اور مفعول کی ضمیریں شیٔ واحد کے لیے ہو سکتی ہیں یعنی دونوں کا مصداق ایک ہو سکتا ہے جیسے علمتنى منطلقا پس اس مثال میں فاعل کی ضمیر انا اور مفعول کی ضمیر یائے متکلم دونوں کا مصداق شیٔ واحد ہے، جبکہ یہ بات دیگر افعال میں درست نہیں ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس باب کا مفعول فی الحقیقۃ مفعول ثانی ہوتا ہے اور مفعول اول تو ثانی کی تمہید کے طور پر ہوتا ہے، کیوں کہ افعال قلوب کی اصلاً تاثیر ثانی میں ہوتی ہے، لہٰذا افعال قلوب میں فاعل اور مفعول کی ضمیروں کے شیٔ واحد کے لیے ہو جانے سے فاعل اور مفعول میں اتحاد لازم نہیں آتا ہے برخلاف دیگر افعال کے کہ وہاں ایسا نہیں ہوتا لہٰذا ضربتُنى نہیں کہا جائے گا کیوں کہ فاعل مؤثر ہوتا ہے اور مفعول متاثر، اور مؤثر متاثر کے مغائر ہوتا ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی درانحالیکہ ضربتنى میں دونوں معنیً متحد ہیں، لہٰذا فاعل اور مفعول میں مغایرت کے حصول کے لیے بقدر امکان ان کا لفظاً متغائر ہونا ضروری ہے، چنانچہ ضربتُ نفسى بولا جائے گا۔

ولبعضها: بعض افعال قلوب کے کچھ ایسے معنیٰ بھی ہوتے ہیں کہ جب وہ اس معنیٰ خاص میں ہوں تو متعدی بیک مفعول ہوتے ہیں جیسے ظننت اتهمت کے معنی میں ہے، اسی طرح علمت عرفت کے معنی میں اور رأيت، ابصرت کے معنی میں اور وجدت اَصَبت کے معنی میں ہو کر متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔

الافعال النّاقِصَةُ مَا وُضِعَ لتقرير الفَاعِلِ عَلٰى صفةٍ وهى كَان وصَارَ واصبح وامسٰى واضحٰى وظل وبات واٰضَ وعادَ وغَدا ورَاح وما زالَ وما انفكَّ وما فتِئَ وما برح ومادام وليس وقد جاء مَا جآء ت حَاجَتُكَ وقعدتْ كانّها حربةٌ تدخُل عَلٰى الجملةِ الاسمِيَّةِ لاعْطَاءِ الخبر حكم مَعْناها فترفعُ الاوّلَ وتنصب الثانى مثل كان زَيدٌ قائمًا فكان تكون ناقِصَةً لثبوتِ خبرِهَا ماضيًا دائمًا مُنْقَطعًا وبمعنى صَارَ ويَكُون فيهَا ضَميرُ الشان وتكُونُ تامَّةً بمَعني ثَبَت وزَائِدَةً وصار للانتِقَال.

ترجمہ:- افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جو کسی صفت پر فاعل کو مقرر کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں اور وہ کان اور صار، اصبح، امسٰی، اور اضحی، ظل، باتَ اور آضَ وعادَ اور غدا و راح اور زالَ اور ما انفكَّ اور مافتي اور ما بَرِحَ اور مادام ور لیس ہیں اور کبھی ما جاء ت حاجتك (ما بمعنی صارت) آیا ہے، اور کبھی قعدت كانها حربة (قعدت بمعنی صارت) آیا ہے، یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں خبر کو اپنے معنی کا حکم دینے کے لیے پس وہ جزء اول کو رفع اور ثانی کو نصب دیتے ہیں جیسے کان زید قائمًا، پس کلمۂ کان ناقصہ ہوتا ہے جو اپنے خبر کے ثبوت کے لیے ہوتا زمانہ ماضی میں خواہ دائما ہو یا انقطاعاً اور بمعنی صار ہوتا ہے اور کان میں ضمیر شان ہوتی ہے اور (کبھی) کلمہ کان تامہ ہوتا ہے ثبت کے معنی میں اور زائدہ بھی ہوتا ہے، اور صار انتقال کے لیے ہوتا ہے۔

توضیح:- سب سے پہلے افعال ناقصہ کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جو فاعل کو کسی صفت پر مقرر کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ افعال ناقصہ تقریر الفاعل علی الصفۃ کے علاوہ ایسے معنی پر بھی مشتمل ہیں جو تقریر مذکور سے زائد ہے جیسے تقریر الفاعل علی الصفۃ کے سواء ہر فعل میں زمانہ پایا جاتا ہے اور بعض میں انتقال یا دوام اور استمرار کے معنی ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ افعال ناقصہ صرف تقریر الفاعل علی الصفۃ کے لیے ہوتے ہیں صحیح نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال ناقصہ جن چیزوں کے لیے وضع کیے گئے ہیں ان میں تقریر الفاعل علی الصفۃ عمدہ اور قابل اعتماد ہے ایسا نہیں ہے کہ صرف اسی کے لیے موضوع ہوں پس عمدہ کا لحاظ کیا گیا۔ ایک سوال اور ہے کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں، کیوں کہ افعال تامہ کی بھی وضع تقریر الفاعل علی الصفۃ کے لیے ہوتی ہے، لہٰذا وہ سب افعال ناقصہ میں داخل ہو جائیں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی وضع فاعل کو ایسے صفت پر جمانے کے لیے ہوئی ہے جو صفت مصدر کا غیر ہوتی ہے جب کہ افعال تامہ جس صفت پر فاعل کو مقرر کرتے ہیں وہ عین مصدر ہوتی ہے، لہٰذا تعریف دخول سے مانع رہے گی۔

وھی کان: افعال ناقصہ کی مشہور تعداد سترہ ہے باقی حتمی کوئی تعداد نہیں ہے، چنانچہ کبھی جاء ت بمعنی صارت مستعمل ہوتا ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب حضرت علی کی طرف سے نمائندہ بن کر خوارج کے پاس ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے تشریف لے گئے تو خوارج نے آپ سے کہا تھا مَا جَاءت حاجتك. کہ ہماری سادگی آپ کی ضرورت کے بقدر نہیں ہے پس اس مقولہ میں جاء ت صارت کے معنی میں ہے، اس میں جاء ت کی ضمیر کے مرجع کے سلسلے میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ ما استفہامیہ مبتدا ہو اور جاء ت کی ضمیر جو اس کا اسم ہے ما کی طرف راجع ہو اور حاجتك اس کی خبر ہو اور ضمیر کا مؤنث ہونا باعتبار خبر کے ہو، کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے اذا دار الضمیر بین المرجع و الخبر

فرعاية الخبر اولى. دوسرے یہ ہے کہ جاءت کی ضمیر مؤنث کا مرجع ما استفہامیہ باعتبار معنی کے ہو، کیوں کہ ما، حاجة کے معنی میں ہے یعنی ای حاجة، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جاء ت کی ضمیر کا مرجع عزّات ہو جو خوارج کے قول میں اس مقولہ سے پہلے مذکور ہے۔

اور کبھی قعدت بھی صارت کے معنی میں ہوتا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں ہے إنی ارهف شفرته حتی قعدت كانما حربة کہ میں اپنی چھری تیز کرتا ہوتا یہاں تک وہ ایسی ہوگئی جیسے وہ نیزہ ہو، پس قعدت صارت کے معنی میں ہے۔

پس یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ افعال ناقصہ کی تعداد سترہ ہے، چنانچہ وہ افعال جن کا سماع افعال ناقصہ کے طور پر عربوں سے ہے وہ سب افعال ناقص مانے جائیں گے بھلے وہ مشہور افعال کے ماسواء ہوں البتہ بعض حضرات کے نزدیک وہ افعال بھی ناقصہ شمار کیے جائیں جو ان کے معنی میں ہیں جیسے فراء اسی کے قائل ہیں اگرچہ عربوں سے ان کا سماع ثابت نہ ہو۔

تدخل على الجملة الاسمية: یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں خبر کو اپنے معنی کا حکم دینے کے لیے حکم سے مراد وہ اثر ہے جو ان معانی پر مرتب ہوتا ہے مثال کے طور پر صار بمعنی انتقل ہے تو جب یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوگا جیسے صار زيد غنيا تو صار نے غنی کو انتقال کا اثر دیدیا، چنانچہ دولت مندی زید کی طرف منتقل ہوگئی اور غربت سے دولت کی دنیا میں پہنچ گیا۔

خبر: یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کے بعد جزء اول کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع اور جزء ثانی کو مفعول سے مشابہت کی وجہ سے نصب دیتے ہیں مشابہت بایں معنی ہے کہ جس طرح فعل متعدی کا سمجھنا مفعول پر موقوف ہوتا ہے اسی طرح افعال ناقصہ کا سمجھنا ان کی اخبار پر موقوف ہوتا ہے، جیسے كان زيد عالمًا.

فكان تكون ناقصة: کان دو قسموں پر ہے ایک کان ناقصہ جو زمانہ ماضی میں اپنے جز کے ثبوت کے لیے مفید ہوتا ہے خواہ ثبوتِ خبر دواما ہو جیسے و كان الله غفورًا رحيمًا پس غفاریت اور رحیمیت اللہ تعالیٰ کے لیے دواماً ہے یا انقطاعاً ہو جیسے كان زيد غنياً پس غنی کا ثبوت زید کے لیے دواماً نہیں ہے، کیوں کہ دولت ڈھلتی چھاؤں ہے۔

وبمعنى صار: کان ناقصہ بمعنی صار بھی ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد و كان من الكافرين کہ ابلیس نے تکبر کیا اور کافروں سے ہوگیا، پس کان اس آیت میں صار کے معنی میں ہے۔اور کان ناقصہ میں ضمیر شان بھی ہوتی ہے جیسے شاعر کا قول اذا مِتُّ كان الناس صنفان شامتٌ ÷ والاخر مُثنٍ بالذی كنت اصنع کہ جب میں مرجاؤں گا تو لوگ دو طرح کے ہوں گے، کچھ برا بھلا کہنے والے اور

دوسرے کچھ مدح سرائی کرنیوالے ان چیزوں کی بابت جو میں کرتا رہا، پس محل استدلال کان الناس صنفان ہے کہ کان میں ضمیر ھو شأن کی ہے اور الناس صنفان الخ اس کا مفسر ہے۔

وتکون تامۃ: کان کی دوسری قسم تامہ ہے جس میں خبر کی ضرورت نہیں ہوتی جو ثبت کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَاِنْ کَانَ ذُو عُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ پس آیت میں کانَ وجَدَ اور ثَبَتَ کے معنی میں ہے۔ اور جیسے کُنْ فَیَکُوْنُ۔

کان زائدہ بھی ہوتا ہے یعنی اس کے ہونے اور نہ ہونے سے معنی اصل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کَیفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا پس کان زائدہ ہے۔

وصار للانتقال: صار ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف انتقال کے لیے مستعمل ہوتا ہے اول کی مثال صار زید عالما اور دوسرے کی مثال صار الطین خذفًا ہے کہ مٹی، ٹھیکری ہوگئی اور صار تامہ بھی ہوتا ہے جسے قلیل الوجود ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا، صار تامہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف یا ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف انتقال کے لیے آتا ہے تامہ کی علامت متعدی بَا اِلٰی ہونا ہے۔ اور آل، رجع، ارتد، استحال، تحول، صار کے معنی میں ہیں، جو صار کے ساتھ ملحق ہیں جیسے آل زید غنیا، رجع زید مقیما، فارتدَّ بصیرًا، ان العداوۃ لتحیل مؤدۃ، ع فیالك من نُعمی تَحولّن اُبوسا. جوسب صار کے معنی میں ہیں۔

واصبحَ وامسٰی واضحٰی لِاقتِران مَضمونِ الجُملَۃِ بِاَوقَاتِھا وبمعنٰی صارَ وتکون تامۃً وظلّ وباتَ لِاقتِران مَضمُون الجملۃ بوقتیھَا وبمعنٰی صارَ وما زالَ وما بَرِحَ ومَا فتِیَٔ ومَا انفكَّ لاستمرارِ خَبرِھَا لِفاعِلھا مذ قَبلَهٗ و یلزمُھا النفیُ ومادَامَ لِتَوقیتِ امرٍ بمدۃ ثبوتِ خبرِھا لِفَاعِلھا ومِنْ ثَمَّ احْتاجَ الیٰ کَلامٍ لانہٗ ظرفٌ ولیس لنفیِ مضمُوْنِ الجُملۃِ حالاً وقیلَ مُطلقًا ویجوزُ تقدیمُ اخبارِھَا کلھا عَلٰی اسمائھا وھی فی تقدیمھا عَلیھا عَلٰی ثلثۃِ اقسامٍ. قَسمٌ یجوز وھو مِن کان الی رَاحَ وقسم لا یجوزُ وھو ما فی اولِه ما خلافًا لابنِ کیسان فی غیر مادامَ وقسم مختلف فیه وھو لیسَ .

ترجمہ:- اصبح اور امسٰی اور اضحٰی اپنے اوقات کے ساتھ جملہ کے مضمون کے اقتران کے لیے آتے ہیں اور صار کے معنی میں ہوتے ہیں۔ اور یہ افعال تامہ بھی ہوتے ہیں اور ظلَّ اور باتَ اپنے وقتوں کے ساتھ جملہ کے مضمون کے اقتران کے لیے آتے ہیں اور صار کے معنی میں ہوتے

ہیں اور مازالَ اور ما برحَ اور ما فتیٔ اور ما انفکَّ اپنی خبروں کے استمرار کے لیے اپنے فاعل کے واسطے ہوتے ہیں جب سے فاعل نے خبر کو قبول کیا ہے اوران کو نفی لازم ہوتی ہے اور مادَامَ امر خبر کی توقیت کے لیے آتا ہے اپنے خبر کے ثبوت کی مدت کے ساتھ اپنے فاعل کے واسطے اسی وجہ سے وہ ایک کلام کا محتاج ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ظرف ہے اور لیس زمانۂ حال میں جملہ کے مضمون کی نفی کے لیے آتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً اور جائز ہے تمام افعال کی اخبار کا ان کے اسماء پر مقدم کرنا اور افعال ناقصہ اخبار کی خود ان پر ہی تقدیم کے سلسلے میں تین قسموں پر ہے ایک قسم جائز ہے اور وہ کان سے لے کر راحَ تک کے افعال ہیں اور ایک قسم وہ ہے (کہ جن کی تقدیم افعال پر) درست نہیں ہے اور وہ وہ افعال ہیں کہ جن کے شروع میں ما ہوتا ہے مخالفت کرتے ہوئے ابن کیسان کی مادام کے علاوہ میں اور ایک قسم مختلف فیہ ہے اور وہ لیس ہے۔

توضیح:- اصبح اور امسٰی اور اضحٰی اپنے اپنے ان اوقات کے ساتھ مضمونِ جملہ کے اقتران کے لیے آتے ہیں کہ جن اوقات پر وہ اپنے مواد کے ساتھ دلالت کرتے ہیں مثلاً اَصبَح زید کاتبا کا مطلب ہوا کہ زید کو کتابت صبح کے وقت حاصل ہوئی۔ اسی طرح امسٰی شام کے وقت کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے امسٰی زید عارفا اور اضحٰی زیدٌ امیرًا۔

وبمعنی صار: اور یہ افعال صار کے معنی میں بھی ہوتے ہیں جیسے اصبح زید غنیًا یعنی زید مالدار ہو گیا پس جس وقت یہ تینوں افعال صار کے معنی میں ہوں گے اس وقت ان اوقات کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران کا لحاظ نہ ہوگا کہ جس پر وہ اپنے مواد کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔

وتکون تامة: یہ افعال تامہ بھی ہوتے ہیں یعنی خبر سے بے نیاز ہوتے ہیں اور فاعل کے اوقات مدلولہ میں داخل ہونے کے معنی ہو جاتے ہیں جیسے اصبح زیدٌ کا مطلب ہوا کہ زید صبح کے وقت میں داخل ہوا۔

وظلّ وباتَ: ظلّ اور بات اپنے اوقات کے ساتھ مضمونِ جملہ کے اقتران پر دلالت کے لیے ہوتے ہیں ظَلّ دن اور باتَ رات کے وقت کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران کو بتلاتا ہے، جیسے ظل زید سافرًا یعنی زید کا سفر تمام دن میں حاصل ہوا اور جیسے بات زید نائمًا یعنی زید نے ساری رات سو کر گزار دی۔

وبمعنی صار: اور یہ افعال صار کے معنی میں بھی ہوتے ہیں جیسے ظل زید بالغا اور بات الشاب شیخًا یعنی بچہ بالغ اور جوان بوڑھا ہو گیا۔ پس ظل اور بات کے اوقات مدلولہ کے ساتھ مضمونِ جملہ کے اقتران کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے ظَلَّ وَجهه مُسودًا۔

ایک بات دھیان رہے کہ آض اور عاد اور غدا کو مقام اجمال میں ذکر کیا ہے اور تفصیل میں نظر انداز کر دیا ہے، اس لیے کہ یہ من وجہ ناقص ہیں اور من وجہ تامہ ہیں، اس لیے اجمال میں تو ذکر کر دیا البتہ تفصیل میں چھوڑ دیا۔

وما زالَ وما برح: ما زالَ اور ما بَرِحَ اور ما فَتِئَ اور ما انفكّ چاروں افعال اس وقت سے اپنے فاعل کے لیے اپنی اپنی خبروں کے استمرار کو بتانے کے لیے آتے ہیں کہ جب سے ان کے افعال نے ان خبروں کو قبول کیا ہے یعنی جب سے وہ فاعل ان خبروں کے لائق ہوئے ہیں تب سے وہ خبریں مسلسل ان فاعلوں کے لیے ثابت ہیں اور ان افعال پر نفی کا دخول لازم ہے، تا کہ فاعلوں کے لیے خبروں کے استمرار پر دلالت ہو، کیوں کہ جب تک حرف نفی ان افعال پر داخل نہیں ہوتا تب تک نفی کی نفی نہیں ہوتی، جو کہ استمرار مقصود کو مستلزم ہے، اب حرف نفی خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً جیسے تَاللّٰهِ تفتؤ تذكر يوسف پس تقدیر عبارت ہے لا تفتؤ جیسے ما زال زيد اميرا۔

مادام: مادام خبر کے معاملہ کی فاعل کے لیے خبر کے ثبوت کی مدت کے ساتھ توقیت کے لیے آتا ہے یعنی مادام کے فاعل کے لیے اس کی خبر کے ثبوت کا جو وقت ہے وہی خبر کے معاملہ کے بھی مدت ہے یعنی امر خبر تعین کا تعلق اس مدت سے ہے اس لیے کہ مادام میں ما مصدریہ ہے، لہٰذا اس کا مابعد مصدر کی تاویل میں ہوگا اور اوقات کی تقدیر مصادر سے پہلے رائج ہے پس وقت اس سے پہلے مقدر مانا جائے گا اور وقت ظرف ہے اور ظرف فضلہ اور غیر مستقل بالافادہ ہوتا ہے، لہٰذا اس سے پہلے ایک کلام کا ہونا ضروری ہے، تا کہ وہ فائدہ تامہ دے، اسی کی طرف مصنف نے ومن ثم احتاج سے اشارہ کیا ہے، حاصل بحث یہ ہے کہ مادام اپنے اسم وخبر سے مل کر ظرف ہوگا اور ظرف فضلہ ہونے کی وجہ سے غیر مستقل بالافادہ ہے، لہٰذا اس سے پہلے کلامِ تام کا ہونا ضروری ہے جس کا یہ معمول بن جائے جیسے جلست ما دام زيد جالسًا جو تقدیر میں ہے جلست ما دام جلوسه کے۔

وليس لنفي الجملة: اور ليس زمانۂ حال میں جملہ کے مضمون کی نفی کے لیے آتا ہے جیسے ليس زيد قائما یعنی زید زمانۂ موجودہ میں کھڑا نہیں ہے، یہ مسلک جمہور کا ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ ليس مطلقاً یعنی کسی زمانہ کی قید کا لحاظ کیے بغیر ہر زمانہ میں مضمونِ جملہ کی نفی کے لیے ہوتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ کبھی ليس زمان الحال کی قید کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسے ليس زيد قائمًا الآن اور کبھی زمان الماضی کی قید کے ساتھ مقید ہوتا جیسے ليس خَلقَ الله مثله کہ خلق فعل ماضی ہے اور کبھی زمانۂ استقبال کی قید کے ساتھ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد الا يومَ يأتيهم ليس مصروفًا عنهم پس مثال اول میں زمانہ حال کی نفی مقصود تھی تو الآن لائے اور دوسری مثال میں زمانۂ ماضی کی نفی مقصود تھی تو فعل ماضی خلق لائے اور تیسری مثال میں زمانہ استقبال کی نفی مقصود تھی تو فعل مستقبل يأتيهم لائے، پس معلوم ہوا کہ ليس مطلقاً ہر زمانہ میں مضمون جملہ کی نفی کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ہماری گفتگو وضع میں ہے اور آپ نے مثالیں استعمال کی بیان کی ہیں یعنی ہمارے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ليس کی وضع حال

کی نفی کے لیے ہے اب اس کا استعمال چاہے جس کی نفی کے لیے ہو۔

ویجوز تقدیم اخبارھا: خلاصہ یہ ہے کہ افعال ناقصہ کے اخبار کی تقدیم ان کے اسماء پر درست ہے، کیوں کہ یہ منصوب کی مرفوع پر تقدیم ہے اور عامل قوی کی صورت میں معمول منصوب کی معمول مرفوع پر تقدیم جائز ہوتی ہے، لہٰذا یہاں بھی اس کی گنجائش ہے، چاہے خبر معرفہ ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اعراب لفظی ہو ورنہ کم از کم قرینہ موجود ہو منصوبات میں تفصیل گذر چکی ہے جیسے **کان عالماً زید.**

وھی فی تقدیمھا: اس کا حاصل یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی اخبار کا خود ان افعال پر مقدم ہونا درست ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں افعال ناقصہ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ نفس افعال پر ان کی اخبار کی تقدیم درست ہے، اس لیے کہ عامل فعل ہے جو اقوی ہوتا ہے اور تقدیم سے کوئی مانع بھی نہیں ہے، لہٰذا معمول مقدم میں بھی وہ عمل کرے گا۔ ایسے افعال **کان** سے لے کر **راح** تک کے ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے کہ نفس افعال پر اخبار کی تقدیم منع ہے اور یہ ایسے افعال ہیں کہ جن کے شروع میں ما مصدریہ یا ما نافیہ ہے پس اگر ما مصدریہ ہے تو مصدر ضعیف العمل ہونے کی وجہ سے معمول مقدم میں عمل سے عاجز ہوگا اور اگر ما نافیہ ہے تو وہ صدارت کلام کا خواہشمند ہوتا ہے جب کہ اخبار کی تقدیم کی صورت میں صدارت باطل ہو جاتی ہے۔

البتہ اس سلسلے میں ابن کیسان کا اختلاف ہے جو مادام کے ماسواء میں ہے۔ ابن کیسان کی دلیل یہ ہے کہ جب مادام کے ماسوا ان افعال پر حرف نفی داخل ہوتا ہے تو نفی کی نفی ہوگی، کیوں کہ یہ افعال خود نفی کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، لہٰذا نفی مل کر اثبات ہو گئے پس یہ افعال بھی **کان** کے معنی میں ہوں گے یعنی **ما زال زید عالما کان زید عالما دائمًا** کے معنی میں ہوا اور **کان** پر اس کی خبر مقدم ہو سکتی ہے لہٰذا ان افعال پر بھی خبر مقدم ہو سکتی ہے کہ جن کے شروع میں ما نافیہ ہوتا ہے۔

وقسم مختلف فیہ: **لیس** کے سلسلے میں سیبویہ اور اکثر بصریین کا اختلاف ہے سیبویہ کے نزدیک اس کا بھی حکم خبر کی تقدیم کے منع ہونے میں ان افعال کا سا ہے کہ جن کے شروع میں حرف نفی ہوتی ہے، کیوں کہ لیس بھی نفی کے معنی میں ہے اور نفی کے معمول کی تقدیم اس پر منع ہوتی ہے، لہٰذا لیس پر بھی اس کے خبر کی تقدیم منع ہوگی، لیکن بصریین کا کہنا یہ ہے کہ صورۃ ما موجود نہیں ہے، لہٰذا **لیس** کا حکم **کان** کا سا ہوگا، یعنی **کان** کی طرح **لیس** کی بھی خبر اس پر مقدم ہو سکتی ہے۔

افعال المقاربة ما وُضعَ لدنوّا الخبر رجاءً ا وحُصولاً او اَخذاً فیہِ فالاول عسٰی وھو غیرُ مُتصرفٍ تقول عَسٰی زیدٌ ان یخرجَ وعَسٰی ان یخرجَ زیدٌ وقد یُحذف اَن والثانی کاد تقولُ کاد زَید یجیئُ وقَد تدخل اَنْ واذا دخل النفی علٰی کاد فھوَ

كالافعَال عَلى الاصحِ وقيل يكونُ للاثباتِ وقيل يكونُ في الماضِي للاثبات وفي المستقبل كالافعَالِ تمسُّكًا بقولِهٖ تعالىٰ وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ وبقولِ ذى الرُّمَّةِ شعر اِذَا غَيَّرَ الْهِجْرُ الْمُحِبِّيْنَ لَمْ يَكد ÷ رَسِيْسُ الْهَوىٰ مِنْ حُبِّ مَيَّةَ يَبْرَحُ والثالث طَفِقَ وكَرَبَ وجَعَل واخذ وَهيَ مثل كادوا وشكَ مثل عسٰى وكاد فِي الاستِعمال .

ترجمه:- افعال مقاربہ وہ فعل ہیں جنھیں خبر کے قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے خواہ بطور امید یا بطور حصول کے یا خبر میں شروع ہو جانے کے اعتبار سے ہو۔ پس اول **عسٰی** ہے اور وہ غیر متصرف ہوتا ہے (اس کی ماضی اور مضارع گردان نہیں ہوتی) تم کہو **عسٰی زیدان یخرج** اور **عسٰی ان یخرج زید** اور کبھی ان کو حذف کر دیا جاتا ہے اور دوسرے کاد ہے تم کہتے ہو **کاد زید یجیئ** اور کبھی ان داخل ہوتا ہے اور جب نفی کاد پر داخل ہو جائے تو وہ (عام) افعال کی طرح ہو جاتا ہے صحیح ترین قول کے مطابق اور کہا گیا ہے کہ وہ اثبات کے لیے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ ماضی میں اثبات کے لیے ہوتا ہے اور مستقبل میں (عام) افعال کی طرح ہوتا ہے استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ارشاد **وما کادوا یفعلون** سے اور ذی الرمّۃ کے قول شعر **اِذَا غیَّر الهجرُ المحبّین لم یکَدْ، رَسِیسُ الهَوىٰ من حُبّ مَیَّةَ یَبْرَحُ** سے اور تیسرے **طَفِقَ** اور **کَرَبَ** اور **جعل** اور **اخَذَ** ہے اور یہ **کادَ** کی طرح ہیں اور **اَوْشَكَ عسٰی** اور **کاد** کی طرح استعمال میں ہے۔

توضیح:- افعال مقاربہ ایسے فعل کو کہتے ہیں جو خبر کے قرب پر دلالت کرے خواہ بطور اُمید یا بطور حصول یا بطور خبر میں فاعل کے شروع ہو جانے کے۔ معلوم ہوا کہ افعال مقاربہ کی تین قسمیں ہیں اول دنو رجائی اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو فاعل کے لیے خبر کے حصول کے قرب کی اُمید ہے جیسے **عسٰی زید ان یخرج** دوسری قسم دنو حصولی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ فاعل کے لیے خبر کا حصول قریب ہے اس میں اور پہلی قسم میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں حصول کی توقع ہوتی ہے یقین نہیں ہوتا جب کہ قسم ثانی میں حصول الخبر للفاعل کا یقین ہوتا ہے جیسے **کاد زیدان یخرج**.

تیسری قسم ہے دنو اخذی اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ خبر کا حصول فاعل کے لیے قریب ہے خبر کے حصول کے اسباب اختیار یہ برتنے لگنے کی وجہ سے جیسے **طفق زید یخرج**.

خیر: پہلی قسم **عسٰی** ہے جس کی ماضی اور مضارع نیز امر و نہی نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ انشاء کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے **لعلّ** پر محمول ہے اور **لعلّ** غیر متصرف ہے یعنی اس سے ماضی و مضارع وغیرہ کی گردان نہیں آتی۔

عسٰی کا استعمال موقع امید اور خوف دونوں جگہ ہوتا ہے، **عسٰی زیدان یخرج** اور **عسٰی خالد ان یموت**، **عسٰی** ناقصہ اور تامہ دونوں طرح ہوتا ہے پس ناقصہ ہونے کی صورت میں یہ افعال ناقصہ سے ہوگا چنانچہ **عسٰی** کے بعد کوئی اسم مذکور ہوگا اور اس کے بعد فعل مضارع ان مصدر یہ کے ساتھ ہوگا جو محلا خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اب رہی یہ بات کہ اس کی خبر فعل مضارع ان مصدر یہ کے ساتھ کیوں ہوگی تو مضارع تو خبر اس لیے ہوگی کہ **عسٰی** اس کے معنی ہیں کہ کسی آدمی کو زمانہ مستقبل میں کسی فعل سے قریب کرنا اور یہ بات بغیر مضارع کے حاصل نہیں ہو سکتی اور ان مصدر یہ کے ساتھ اس لیے کہ اَن رجاء اور طمع کے لیے آتا ہے پس ان مصدر یہ کے ذریعہ تراخی کے معنی کو قوت مل جاتی ہے جو کہ **عسٰی** میں مقصود ہوتے ہیں۔

وقد یحذف ان: کبھی عسٰی کی خبر سے اَن مصدر یہ کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے اس لیے کہ **عسٰی** **کاد** کے مشابہ ہے اور **کاد** کی خبر مضارع بغیر ان مصدر یہ کے ہوتی ہے۔ پس **عسٰی** کی بھی خبر اسی طرح بغیر اَنْ مصدر یہ کے ہوگی۔ جیسے شاعر کا قول شعر: **عسٰی الھمّ الذی امسیتُ فیه ÷ یکون وراہ فرجٌ قریبٌ** پس **یکون عسٰی** کی خبر سے بغیر ان کے ہے۔ ترجمہ: اُمید کہ وہ غم کہ جس میں میں نے شام کی اس کے بعد کوئی قریبی کشادگی ہو۔

والثانی کاد: اور افعال مقاربہ کی دوسری قسم کہ جس کی وضع قرب خبر بطور حصول کے لیے ہوتی ہے **کاد** ہے اور **کاد** کی خبر بغیر **ان** مصدر یہ کے ہوتی ہے، اس لیے کہ **کاد** اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خبر، اسم کے لیے فی الحال ثابت ہے، جب کہ ان مضارع کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے پس اَن کی کوئی ضرورت نہیں جیسے **کاد زید یجیٔ**.

وقد تدخل ان: کاد کی خبر ان مصدر یہ کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے، اس لیے کہ وہ **عسٰی** کے مشابہ ہے اور **عسٰی** کی خبر مضارع اَن مصدر یہ کے ساتھ مستعمل ہوتی ہے، لہٰذا کاد کی بھی خبر مع اَن کے مستعمل ہو سکتی ہے، جیسے شاعر کا قول ع **قد کادَ من طولِ البلٰی ان یمصحا**، پس **کاد** کی خبر مضارع مع **ان** ہے۔ ترجمہ ہے کہ محبوب کا مکان زیادہ پرانا ہونے کی وجہ سے قریب ہے کہ ختم ہی ہو جائے۔

واذا ادخل النفی: مطلب یہ ہے کہ اگر **کاد** پر حرف نفی داخل ہو جائے تو جس طرح دیگر افعال حرف نفی کے داخل ہونے کے بعد مضمون کی نفی کا فائدہ دیتے ہیں، اسی طرح کاد بھی مضمون کی نفی کا فائدہ دے گا۔

وقیل یکون للاثبات: بعض حضرات نے کہا کہ جب کاد پر حرف نفی داخل ہو تو وہ مطلقاً مضمون یعنی خبر کے اثبات کا فائدہ دیتا ہے خواہ کاد ماضی ہو یا مستقبل۔ اور دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ صورت مذکورہ میں ماضی ہونے کی صورت میں کاد اثبات کے لیے ہوگا اور مستقبل ہونے کی صورت میں عام افعال کی

طرح برائے نفی ہوگا اول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد وما کادوا یفعلون ہے، پس وما کادو سے مراد فعل کا اثبات ہے ذبح کی نفی نہیں ہے، پس منظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے ایک مقتول کے قاتل کا پتہ لگانے کے سلسلے میں گائے ذبح کرنے کو کہا گیا تھا تو انھوں نے ہارسے جیٔ قیل وقال کے بعد ذبح کیا ان کی اس کیفیت کی ترجمانی قرآن کی آیت وما کادوا یفعلون نے کی ہے پس وما کادوا یفعلون برائے اثبات ہے نفی کے لیے نہیں ہے ورنہ اگلے جملے فَذبحوھا سے تعارض پیدا ہو جائے گا اور یہ محال ہے۔

اور دوسرے جزء کی دلیل ذوالرمۃ شاعر کا قول ہے۔ شعر: اذا غیّر الھجرُ المحبّین لم یکد، رسیس الھویٰ من حبِّ میّۃ یَبرَح. ترجمہ: جب کہ فراق نے عشاق میں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ پر (میرا) رشتۂ محبت نہیں قریب ہے کہ میہ (محبوبہ) سے ختم ہو جائے۔

پس اس شعر میں لم یکد عام افعال کی طرح نفی پر باقی ہے۔ لیکن اس کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔ وما کادوا یفعلون میں وما کادوا برائے اثبات نہیں ہے بلکہ نفی کے معنی پر ہی دلالت کرتا ہے، رہی بات فذبحوھا سے تعارض تو اس کا جواب یہ ہے کہ وما کادوا یفعلون ایک زمانہ میں فعل کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور فذبحوھا دوسرے زمانہ میں فعل کے اثبات پر دلالت کرتا ہے، پس ایک وقت میں فعل کی نفی دوسرے وقت میں فعل کے اثبات کے منافی نہیں ہے۔

اور ذی الرمہ کے شعر کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ اس شعر میں لم یکد نفی کے لیے ہی ہے، لیکن فی الماضی للاثبات اور اور فی المستقبل کالافعال کے قائل کا پورا نظریہ تب ثابت ہوگا، جب وما کادوا یفعلون کا برائے اثبات ہونا ثابت ہو، لیکن وہ منتفی ہے، لہٰذا یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے۔

اور دوسرے مسلک کی بھی یہی آیت اور شعر مذکور دلیل ہے، شعر مذکور سے ان کا استدلال یوں ہے کہ لم یکد نفی کی صورت میں رشتۂ محبت کے زوال پر دلالت کرتا ہے جو خلاف مقصود ہے، اس لیے دوسرے شعراء نے ذوالرمۃ پر تنقید کیا اور ذوالرمۃ نے اس تنقید کو قبول کرتے ہوئے شعر میں لم یکد کی جگہ **الم اجد** بدل دیا پس یہ دلیل ہے کہ کاد منفی برائے اثبات ہوتا ہے، لیکن جمہور کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ فصحاءِ شعراء نے اس تنقید کو غلط بتایا ہے، الہٰذا کاد منفی بجائے برائے اثبات کے نفی کے لیے ہے۔

والثالث: اور تیسری قسم طَفِقَ اور کَرَبَ اور جعل اور اخذ ہے، طفق کے معنیٰ اخذ فی العمل کے ہیں اور کَرَبَ بمعنیٰ قَرُبَ ہے اور جعل بمعنیٰ طفق اور اخذ بمعنیٰ شرع ہے، یہ چاروں افعال کاد کی طرح مستعمل ہوتے ہیں، یعنی ان کی خبر فعل مضارع مع اَن کے ہوتی ہے۔ جیسے طفق زید یفعل، اخذ زید یاکل الطعام، کَرِبَ زید یقرء، اور جعل زید یصلی ہے اور اوشك بھی تیسری قسم سے ہے جس کا استعمال عسیٰ اور کاد کی طرح ہوتا ہے یعنی خبر کبھی مضارع مع ان کے ہوگی جیسا کہ

عسٰی میں ہوتا ہے اور کبھی بغیر ان کے ہوگی جیسا کہ کاد میں ہوتا ہے۔

فِعل التعجُّب مَا وُضِعَ لِاِنْشاءِ التعجُّب وله صِيغَتانِ مَا اَفْعَلَهٗ بِهٖ وهُما غيرُ مُتصرِّفَينِ مِثلُ مَا اَحْسَنَ زَيْدًا واَحْسِنْ بزيدٍ ولا يُبنيانِ الا مِمّا يُبنٰى منهُ اَفعَلُ التَّفضِيلِ ويَتَوَصَّلُ فِي الممتنعِ بمثلِ ما اشَدَّ اِستِخراجِهٖ واشدِدْ بِاسْتِخرَاجِهٖ ولاَ يتصرف فِيهما بتقديمٍ وتاخيرٍ ولا فصل واجاز المازنيّ الفَصْلَ بالظروفِ ومَا اِبتدَاءٌ نكرةٌ عند سيبويه ومَا بعدها الخبرُ وموصولةٌ عند الاخفشِ والخبر محذوفٌ وبهٖ فاعلٌ عِند سيبويهٖ فلا ضميرَ فی افعَلَ و مَفعُولٌ عِند الاخفشِ والبَاءُ لِلتَّعدية او زائدة ففيهِ ضميرٌ.

ترجمہ:- فعل تعجب وہ فعل ہے جو تعجب ظاہر کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس کے دو صیغے ہیں ما افعلَہٗ اور اَفعِل بہٖ اور وہ دونوں غیر متصرفہ ہیں جیسے ما اَحسَنَ زیدًا واَحسِن بزیدٍ اور وہ دونوں نہیں بنائے جاتے مگر اسی سے کہ جس سے افعال التفضیل بنایا جاتا ہے اور ممتنع میں ما اشدّ استخراجہ اور اَشدِد باستخراجہ جیسے سے وسیلہ پکڑا جاتا ہے اور نہیں تصرف ہوتا ہے ان دونوں میں تقدیم اور تاخیر اور نہ فصل کے ذریعہ اور مازنی نے ظروف کے ذریعہ فصل کو جائز قرار دیا ہے اور ما ابتداء نکرہ ہے سیبویہ کے نزدیک اور اس کا مابعد خبر ہے اور موصولہ ہے اخفش کے نزدیک اور خبر محذوف ہے اور بہ فاعل ہے سیبویہ کے نزدیک پس افعال میں کوئی ضمیر نہ ہوگی اور مفعول ہے اخفش کے نزدیک اور باء تعدیہ کے لیے ہے یا زائدہ ہے پس اس میں ایک ضمیر ہے۔

توضیح:- فعل تعجب وہ فعل ہے جو تعجب ظاہر کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو پس الانشاء کی قید سے تعجبتُ اور عجبتُ خارج ہوگئے، کیوں کہ یہ دونوں انشاء تعجب کے لیے نہیں ہیں، بلکہ اخبار من التعجب کے لیے ہیں۔ معلوم ہو کہ تعجب اس تأثر قلبی کو کہتے ہیں جو کسی ایسی چیز کے دیکھنے کے وقت پیدا ہوتی جس کے اسباب پوشیدہ ہوں بعض نسخوں میں افعال التعجب اور بعض میں فعلا التعجب ہے، پس جن نسخوں میں فعل التعجب ہے تو وہ باعتبار تعریف کے ہے اور تعریف جنس کی ہوتی ہے۔ اور افعال التعجب باعتبار کثرت افراد کے ہے اور تثنیہ صیغۂ تعجب کی دونوں نوعوں کے اعتبار سے ہے۔

ولہ صیغتان: تعجب کے دو صیغے ہیں اول ما افعلَہ اور دوسرے اَفعِل بہٖ دونوں صیغۂ تعجب کے غیر متصرفہ ہیں یعنی ان سے مضارع امر و نہی اور تثنیہ جمع کچھ نہیں آتا، کیوں کہ یہ دونوں حرف کے انشاء کے لیے ہونے میں مشابہ ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ان دونوں صیغوں کو معنیٰ تعجب کی طرف نقل کیا گیا تو یہ

بمنزلہ کہاوت و امثال کے ہو گئے اور امثال میں تصرف نہیں ہوتا، لہٰذا ان میں بھی نہیں ہوگا جیسے **ما احسن زیدًا** اور **احسِن بِه**

ولا یبنیان الا ما یبنی منه: جس طرح افعل التفضیل ثلاثی مجرد سے بنایا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ لون اور عیب کے معنی میں نہ ہو، اسی طرح ثلاثی مجرد سے صیغہ تعجب بھی بنائے جاتے ہیں، کیوں کہ افعل التفضیل اور تعجب دونوں مبالغہ اور تاکید کے لیے ہوتے ہیں تفضیل تو اس لیے کہ وہ فعل میں زیادتی پر دلالت ہی کرتا ہے اور صیغہ تعجب اس لیے کہ جب کسی چیز کی زیادتی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ حد اشکال سے قریب ہو جاتی ہے تبھی وہ باعث تعجب ہوتی ہے۔

ویتوصل فی الممتنع: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فعل جس سے فعل تعجب کا بنایا جانا ممکن نہ ہو۔ خواہ ثلاثی مزید یا رباعی مجرد مزید ہونے یا لون وعیب پر دال ہونے کی وجہ سے تو اس سے صیغہ تعجب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ صیغہ تعجب ایسے فعل سے بنائیں گے جو شدت اور قوت پر دلالت کرے اور فعل ممتنع کے مصدر کو بطور مفعول کے پہلے صیغہ میں اور بطور جار و مجرور کے دوسرے صیغہ میں ذکر کریں گے۔ جیسے **ما اشدٌ استخراجه** اور **اشدد باستخراجه ما اکثر حمرته** اور **ما اقبح عوره** اور **أکثر بحمرته** اور **اقبح بعوره.**

ولا یتصرف فیهما: دونوں صیغۂ تعجب میں تقدیم و تاخیر درست نہیں ہے بایں طور کہ مفعول اور مجرور کو فعل سے مقدم کر دیا جائے اور فعل کو ان دونوں سے مؤخر کر دیا جائے، جیسے **ما زید اَحسنُ** اور **بزیدٍ اَحسِنْ** نیز فعل اور اس کے معمول اور **ما** اور فعل کے درمیان فصل کرنا بھی درست نہیں ہے، لہٰذا **ما احسنَ الیوم زیدًا** اور **اَحسِن امسِ بزید** کہنا درست نہیں ہے، یہ دونوں باتیں یعنی تقدیم و تاخیر اور فصل اس لیے منع ہیں کہ صیغہ تعجب، بعد النقل الی التعجب امثال کے درجہ میں ہو گئے اور امثال میں تغیر نہیں ہوتا ہے، لہٰذا ان میں بھی تغیر نہیں ہوگا، البتہ مازنی کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ظرف سے فصل جائز ہے، بشرطیکہ وہ ظرف فعل تعجب سے متعلق ہو، لہٰذا **لقیته فما احسن امسِ زیدًا** کہنا صحیح نہ ہوگا، اس لیے کہ **امس** کا تعلق **لقیته** سے ہے، نہ کہ **احسَنَ** سے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف میں اس چیز کی گنجائش ہوتی ہے جس کی غیر ظرف میں نہیں ہوتی، جیسے **ما یوم الجمعة احسن زیدًا** اور **احسن الیوم بزیدٍ.**

ما ابتداء: اب یہاں **ما افعله** کے اعراب کو بتانا چاہتے ہیں پس سیبویہ کے نزدیک **ما افعلهٗ** کا **ما** ابتداءً نکرہ ہے اور **ما** کا مابعد خبر ہے پس **ما شیٔ** کے معنی میں ہوگا اور تقدیر عبارت **شیٔ افعله** ہوگی۔ اور اخفش کے نزدیک موصولہ ہے اور اس کا مابعد صلہ ہے اور موصول وصلہ سے مل کر مبتدا اور خبر محذوف ہوگی، تقدیر عبارت ہوگی **الذی افعله شیٔ.** اور کچھ لوگ ہیں جن کے نزدیک **ما** استفہامیہ مبتداء ہے اور مابعد

خبر ہے،تقدیر عبارت ہوگی ای شیٔ احسن زیدًا.

اور افعل بہ میں سیبویہ کے نزدیک بہ فاعل ہوگا،لہٰذا اَفعِل میں فاعل کے ضمیر کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن اخفش کے نزدیک اَفعِلْ میں فاعل کی ضمیر ہوگی اور بہ مفعول ہے، البتہ باء یا تو تعدیہ کے لیے ہے یا زائدہ ہے۔تعدیہ کی صورت میں اَحسن کا ہمزہ صیرورۃ کے لیے ہوگا۔

افعال المدحِ والذمّ ما وُضِعَ لانشاءِ مدحٍ او ذمٍّ فَمِنهَا نعم وبئس وشرطهُمَا ان يّكونَ الفاعلُ مُعَرفًا باللام أو مَضَافًا الى المعرفِ بهَا او مُضمرًا مميّزًا بنكرةٍ منصُوبةٍ او بمَا مثل فنِعِمَّا هي وبعد ذلكَ المَخصُوصُ وهُوَ مُبتدأٌ ما قبلهُ خبرهٗ اوخبرُ مُبتدأٍ محذوفٍ مِثل نِعمَ الرجُلُ زيدٌ وشرطُهٗ مُطابقةُ الفاعِلِ وَبِئسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا وشبهُهٗ متأوّلٌ وقد يُحذف المخصُوصُ اذا عُلِم مثل نِعْمَ الْعَبْدُ وفَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ وساء مثل بئس ومنها حَبَّذا وفاعلهٗ ذا ولا يتغيَّر وبعده المخصُوص واعرابهٗ كاعراب مخصُوص نعم ويجوزُ ان يقعَ قبل المخصوصِ وبَعدَهٗ تمييز او حالٌ علىٰ وَفقِ مخصوصهٖ.

ترجمہ:- افعال مدح وذم وہ فعل ہے جو مدح پیدا کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں پس مدح و ذم سے نعم اور بئس ہے اوران دونوں کی شرط یہ ہے کہ فاعل معرف بالام ہو یا فاعل معرف باللام کی طرف مضاف ہو یا فاعل مضمر ہو جو ممیّز ہونکرہ منصوبہ کے ساتھ اور ما کے ساتھ جیسے فنعمّا هي اور فاعل کے بعد مخصوص ہوگا اور وہ مبتدا ہوگا اور ما قبل اس کا خبر یا مخصوص مبتدا محذوف کی خبر ہوگا جیسے نعم الرجل زید اور مخصوص کی شرط فاعل کے مطابق ہونا ہے اور بئس مثل القوم الذين كذّبو اوراس کے جیسے تاویل شدہ ہیں اور کبھی مخصوص کو حذف کر دیا جاتا ہے جب قرینہ سے معلوم ہوجائے جیسے نعم العبد اور فنعم الماهدون اور ساء، بئس کی طرح ہے اور افعال مدح سے حبذا ہے اوراس کا فاعل ذا ہے اور فاعل بدلتا ہے نہیں اوراس کے بعد مخصوص ہے اوراس کا اعراب نعم کے مخصوص کے اعراب کی طرح ہوگا اور جائز ہے مخصوص سے پہلے اوراس کے بعد تمیز یا حال مخصوص کے موافق واقع ہونا۔

توضیح:- افعال مدح وذم وہ فعل ہے جو وضع کیا گیا ہو مدح یا ذم پیدا کرنے کے لیے پس وہ افعال جو انشاء اور ذم کے لیے وضع نہیں کیے گئے ہیں وہ افعال مدح یا ذم نہیں کہلائیں گے جیسے مدحته یا ذممته شرف وکرم عور قبح کیوں کہ ان کی وضع اس مقصد کے تحت نہیں ہوئی ہے۔

اب ایک اعتراض اوراس کا جواب بھی سماعت فرمالیں افعال مدح یا ذم کا از قبیل افعال شمار کرنا صحیح

نہیں ہے، اس لیے کہ فعل کا وزن ان افعال کا وزن نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال مدح و ذم دراصل فَعِلَ بفتح الفاء وکسر العین کے وزن پر ہیں پھر تخفیفا عین کے کسرہ کو کلمۂ فاء کی طرف منتقل کر دیا اور یہی لغۃً مشہور ہے باقی اور بھی دوسری لغات ہیں۔

افعال مدح سے نعِمَ اور افعال ذم سے بئس ہے۔

وشرطها ان یکون الفعال معرفا باللام: افعال مدح و ذم کی شرط یہ ہے کہ ان کا فاعل تین امور میں سے کوئی ایک امر ضرور ہو یا تو فاعل معرف باللام ہو یا وہ معرف باللام العہد الذہنی کی طرف مضاف ہو یا فاعل اسم ضمیر ہو جس کی تمیز نکرہ منصوبہ یا ما واقع ہو۔ معرف باللام العہد الذہنی کا فاعل ہونا اس لیے شرط قرار دیا کہ افعال مدح و ذم سے مقصود ایسی مدح و ذم ہوتی ہے جو ذہنا معلوم ہو، لہٰذا لام ذہنی ہی مناسب معلوم ہوا، تا کہ ملفوظ، مقصود کے مطابق ہو جائے اول کی مثال جیسے نعم الرجل زید اور دوسرے کی مثال نعم صاحب الرجل زید اور تیسرے کی مثال نعم رجلا زید اور فنعمّا ھی میں ما شئ کے معنی میں ہے تقدیر عبارت ہوگی نعم الشئ شیأ ھی.

وبعد ذالك: افعال مدح و ذم کے فاعل کے بعد مخصوص بالمدح اور مخصوص بالذم ہوگا۔ ایسا اس لیے کہ کسی شئ کا اولاً مبہم ذکر کرنا پھر اس کی تفسیر کرنا اوقع فی النفس ہوتا ہے، پس فاعل کو مبہما ذکر کرنے کے بعد مخصوص کے ذریعہ اس کی تفسیر ذکر دی گئی۔ اور یہ مخصوص مبتداء مؤخر ہوگا اور اس کا ماقبل خبر مقدم ہوگا۔ اور عائد کا کام الف لام کرے گا، لہٰذا ضمیر کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ مخصوص خبر ہو مبتداء محذوف کی پس ایسی صورت میں سوال مقدر ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جب کہا گیا نعم الرجل تو سوال ہوا من ھو یعنی وہ کون ہے؟ تو کہا گیا زید یعنی ھو زیدٌ. پس ترکیب اول کی صورت میں نعم الرجل زید جملۂ واحدہ ہوگا اور ترکیب ثانی کی صورت میں دو جملے ہوں گے۔

وشرطه: مخصوص بالمدح اور بالذم کی شرط یہ ہے کہ وہ فاعل کے مطابق ہو جنس، مفرد اور تثنیہ اور جمع تذکیر و تانیث ہونے میں پس بولا جائے گا، نعم الرجل زید، نعم الرجلان الزیدان اور نعم الرجال الزیدون اور نعمت المرأۃ ھند وعلی ھذا القیاس. یہ مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ مخصوص حکما فاعل ہی ہوتا ہے۔ اور دھیان رہے کہ جنس میں مطابقت عام ہے، خواہ حقیقتاً ہو جیسے نعم الرجل زید یا تاویلاً ہو جیسے نعم الرجل اسدٌ یعنی نعم الشجاع زید.

وبئس مثل القوم: یہ سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ کہ مخصوص فاعل کے مطابق ہوتا ہے ٹوٹ گیا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد بئس مثلُ القوم الَّذِیْنَ کذّبو سے اس لیے کہ بئس کا فاعل مثل القوم مفرد ہے، جب کہ اس کا مخصوص بالذم الذین کذّبوا جمع ہے۔ تو اس کا جواب مصنف

نے دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں اور اس جیسے کلام میں مخصوص محذوف ہے، اصل عبارت ہے بئس مثل القوم مثل الذین کذّبوا پس مثل محذوف مخصوص ہے اور الذین، القوم کی صفت ہے تقدیر ہوگی بئس مثل القوم المکذوبین مثلھم۔

وقد یحذف المخصوص: حاصل عبارت یہ ہے کہ مخصوص خواہ بالمدح ہو یا بالذم جب قرینہ اس پر موجود ہو تو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے نعم العبد ای ایوبُ پس ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص بالمدح ہونے پر آیت سابقہ قرینہ ہے اور فنعمَ المجاھدون میں نحن مخصوص بالمدح ہے جس پر قرینہ والارض فرَشنٰہ ہے۔

وساءَ: اور ساء، بئس کی طرح ہے ذم کا فائدہ دینے نیز شرائط اور احکام میں۔ اور افعال مدح میں سے حَبَّذا ہے اور حبذا کا فاعل اس میں موجود ذآ ہے، حبذا میں تثنیہ اور جمع نیز تانیث کے اعتبار سے تبدیلی نہیں ہوتی، لہٰذا حبذا الزیدان اور حبذا الزیدون نہیں بولا جائے گا، کیوں کہ یہ بمنزلۂ امثال ہے اور امثال میں تغیر نہیں ہوتا، اور ذا کے بعد اس کا مخصوص ہوگا۔

واعرابه: اس کا حاصل یہ ہے کہ حبذا کے مخصوص میں بھی نعم کے مخصوص کی طرح دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں، اول یہ ہے کہ مخصوص مبتداء مؤخر ہو اور حبذا اس کا خبر مقدم ہو اس صورت میں حبذا زید پورا ایک جملہ ہوگا، دوسرے یہ کہ مخصوص مبتداء محذوف کی خبر ہو اس صورت میں دو جملے ہو جائیں گے۔

ویجوز: خلاصہ یہ ہے کہ حبذا کے مخصوص سے پہلے بھی اور بعد میں بھی تمیز یا حال جو مخصوص کے مطابق ہو واقع ہوسکتا ہے حال یا تمیز کی مخصوص سے مطابقت افراد تثنیہ اور جمع تذکیر و تانیث میں ہوگی اور حال اور تمیز میں عامل حبّذا کا حبّ ہوگا۔

الحرف ما دلّ علٰی معنًی فی غیرہٖ ومِنْ ثَمَّ احتاجَ فی جزئیتِهٖ الٰی اسمٍ وفعلٍ حُرُوف الْجَرِّ ما وُضِع للافضَاءِ بِفِعْلٍ اَوْ مَعناہ الٰی ما یلیهِ وھی مِن والٰی وحتی وفی والباءُ واللام ورُبَّ وواوُھا و واو القسم وباءُ ہٗ وتاء ہٗ وعَن وعلٰی والکَاف ومُذ و مُنذ وخَلا وعَدا وحَاشا.

ترجمه:- حرف وہ کلمہ ہے جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرے اس وجہ سے وہ اپنی جزئیت میں اسم و فعل کا محتاج ہوتا ہے۔ حروف جر وہ حرف ہے جو وضع کیا گیا ہو فعل یا معنی فعل کو پہنچانے کے لیے اس کی طرف جس سے وہ متصل ہوتا ہے۔ اور وہ مِن اور الٰی اور حتی اور فی اور باء اور لام اور رب اور واوِ رب اور واو قسم اور بائے قسم اور تائے قسم اور عَن اور علٰی اور کاف اور مذ اور منذ، خلا، عدا اور حاشا ہیں۔

توضیح:- حرف وہ کلمہ ہے جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرتا ہو یعنی معنی مستقل نہ رکھتا ہو،

چنانچہ حرف مسند الیہ اور مسند کچھ بھی نہیں ہوسکتا ہے، البتہ ربط بین الاسمین جیسے زید فی المسجد یا ربط بین الفعل والاسم جیسے کتبت بالقلم اسی طرح ربط بین الفعلین جیسے اریدان اصلی اور ربط بین الجملتین جیسے ان تصل علی الدولة المسلمة فانا اقاتلك وغیرہ کے لیے آتا ہے۔

حروف الجر: حروف الجر ایسے حروف کو کہتے ہیں جو فعل یا معنیٰ فعل کو اس اسم تک پہنچانے کے لیے وضع کیے گئے ہیں کہ جن سے حروف جر متصل بمعنی جن پر داخل ہوتے ہیں۔

اور یہ اٹھارہ حروف ہیں من، الیٰ، حتیٰ، فی، باء، لام، اور ربَّ اور واوِ رُبَّ، واوِ قسم، باقسمیہ اور تاء قسمیہ، عن، علیٰ اور کاف، مذ اور منذ، خلا اور عدا اور حاشا۔

فمِن للابتداءِ والتبین والتبعیض وزائدة فی غیر المُوجب خلافًا للکوفیین والاخفشِ وقد کانَ مِن مطرٍ وشبهه مُتاوَّلٌ والیٰ للانتهاءِ وبمعنیٰ مع قلیلاً وحتّٰی کذٰلكَ وبمعنیٰ مع کثیرًا ویختصُّ بالظاهرِ خلافًا للمبرد وفی للظرفیَّة وبمَعْنٰی عَلٰی قلیلاً والباء للالصاق والاستعانةِ والمصاحبة والمقابلَة والتعدیةِ والظرفیة وزائدة فی الخبر فی الاستفهامِ والنفیِ قیاسًا وفِی غیرہ سماعًا نحو بحسبك زیدٌ والقِي بیده .

ترجمہ:- پس من ابتداء اور بیان اور تبعیض کے لیے نیز من زائدہ ہوتی ہے غیر موجب میں اختلاف ہے کوفیین اور اخفش کا اور قد کان من مطر اور اس جیسی مثالیں تاویل شدہ ہیں اور الیٰ انتہاء کے لیے ہے اور مع کے معنی میں بہت کم ہوتا ہے۔ اور حتیٰ اسی طرح، اور مع کے معنی میں اکثر ہوتا ہے اور مخصوص ہوتا ہے اسم ظاہر کے ساتھ مخالفت کرتے ہوئے مبرد کی، اور فی ظرفیت کے لیے ہوتی ہے اور علیٰ کے معنی میں کم ہوتی ہے۔ اور باء الصاق اور استعانۃ اور مصاحبت اور مقابلہ اور تعدیہ اور ظرفیت کے لیے نیز باء استفہام اور نفی کی خبر میں قیاساً اور اس کے علاوہ میں سماعاً زائدہ ہوتی ہے جیسے بحسبك زیدا اور القی بیده.

توضیح:- اب حروف جارہ کے معنی بیان کر رہے ہیں پس من چار معانی کے لیے آتی ہے، اول ابتداء غایت کے لیے اور ابتداء غایت کو اس چیز سے پہچانا جاتا ہے کہ جس کے مقابلہ میں انتہاء صحیح ہو جیسے سرت من البصرة الی الکوفة اور دوسرے بیان ہے اس کی علامت الذی کے استعمال کا من بیانیہ کی جگہ صحیح ہونا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فاجتنبوا الرجسَ من الاوثان تیسرے من کا برائے تبعیض ہونا من تبعیضہ کی پہچان یہ ہے کہ اس کی جگہ بعض کا استعمال کرنا صحیح ہو، جیسے اخذت من الدراهم اور چوتھے من زائدہ کا ہونا اس کی علامت یہ ہے کہ اگر من کو عبارت سے ساقط کردیا جائے تو معنی میں کوئی

خلل واقع نہ ہو۔ البتہ من کلام غیر موجب میں زائد ہوگی جیسے ما جاء نی من احد اور ھل جاء نی من احد. البتہ کوفین اور اخفش کے نزدیک کلام موجب میں بھی من زائدہ ہوسکتی ہے، اس لیے عربوں کے قول و قد کان من مطر میں کلام موجب ہونے کے باوجود من زائدہ ہے پس معلوم ہوا کہ من زائدہ غیر موجب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ قد کان من مطرٍ اور اس جیسی مثالیں مؤول ہیں یعنی اس طرح کے کلاموں میں مِن یا تو برائے تبعیض ہے یا برائے بیان ہے زائدہ نہیں ہے۔ پس تقدیر عبارت ہوگی قد کان بعض مطرٍ یا قد کان شیٔ من مطرٍ.

والی للانتهاء: معلوم ہو کہ الی کے دو معنی ہیں ایک تو انتہاء غایت جو من ابتداء غایت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اس کی پہچان الی کا اس چیز میں استعمال ہونا جس کے لیے انتہاء ہو جیسے سرت من مکة الی المدینة دوسرے معنی ہیں کہ الی مع کے معنی میں ہو البتہ ایسا کم ہوتا ہے جیسے مَن انصاری الی اللّٰہ جو مع اللّٰہ کے معنی میں ہے اور جیسے وَلاَ تاکلوا اموالھم الی اموالکم پس معنی میں مع اموالکم کے ہے۔

وحتی کذالك: اور حتی بھی الی کی طرح انتہائے غایت کے لیے آتا ہے، البتہ مع کے معنی میں عموماً ہوتا ہے جیسے اکلت السمك حتی رأسھا معنی ہیں مع رأسھا. حتی اور الی میں ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ حتی اسم ظاہر پر ہی داخل ہوتا ہے، اسم ضمیر پر الی کی طرح داخل نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر اسم ضمیر پر حتی داخل ہو تو چوں کہ حتی کے بعد ضمیر مجرور کی طرح ضمیر منصوب اور مرفوع بھی آسکتی ہیں پس ضمائر میں آپس میں خلط ملط ہو جائے گا۔ البتہ مبرد کے نزدیک اسم ضمیر پر بھی حتّی کا دخول صحیح ہے وہ عرب شاعر کے اس قول ع فتی حتاك یا ابن ابی زیادٍ سے استدلال کرتے ہیں کہ حتاک میں حتی اسم ضمیر پر شاعر عرب نے داخل کیا ہے پس معلوم ہوا ضمیر پر بھی حتی کا دخول صحیح ہے، لیکن مبرد کا یہ استدلال بچند وجوہ ضعیف ہے سب سے پہلی بات ہے کہ مبرد نے غیر شعر یعنی نثر کو نظم پر قیاس کیا ہے، جب کہ شعر و سخن میں اس چیز کی بھی گنجائش ہوتی ہے جو عمومی حالات میں منع ہوتی ہے، دوسرے دخول علی الضمیر قلیل الاستعمال ہے جو بمنزلہ عدم کے ہے۔

وفی للظرفية: اور فی اپنے مدخول کی ظرفیت کے لیے ہوتی ہے خواہ حقیقتاً ظرف ہو جیسے الماء فی الکوز یا مجازاً ہو، جیسے النجاة فی الصدق اور کبھی فی علی کے معنی میں بھی ہوتی ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے جیسے ولأُصَلِّبَنَّكُم فی جُذوعِ النخل پس فی علی کے معنی میں ہے۔

والباء للالصاق: باء معنی الصاق کے لیے مستعمل ہے۔ الصاق کی دو قسمیں ہیں الصاق حقیقی جیسے وبِہ داء اور الصاق مجازی جیسے مررت بزیدٍ، باء استعانت کے لیے بھی آتی ہے یعنی اس بات پر دلالت

کرنے کے لیے کہ باء کا مدخول فعل کا آلہ اور ذریعہ ہے جیسے ضربتُ الکفار بالسیفِ اور باء مصاحبت کے لیے بھی مستعمل ہے جیسے دخلت علیّ بثیاب السفر اور مقابلہ کے لیے جیسے اخذت ھذا الثوب بدرھم اور تعدیہ یعنی فعل لازم کو متعدی بنانے کے لیے بھی باء کا استعمال ہوتا ہے جیسے ذھبت بزید. اور ظرفیت کے لیے باء کا استعمال رائج ہے جیسے اطلبُو العلم ولو بالصین پس یہ فی الصین کے معنی میں ہے، باء استفہام اور نفی کی خبر میں حسب ضابطہ زیادہ ہوتی ہے جیسے ھل زید بقائم اور لیس زید بقائم. البتہ استفہام اور نفی کے ماسواء میں سماعاً با کی زیادتی ہوتی ہے جیسے بحسبك زید کہ باء زائدہ ہے اور حسبك مبتداء ہے خبر نہیں ہے اور وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التھلکة پس بایدکیم کی باء زائدہ ہے اور حسنبك سرے سے خبر نہیں ہے، اس لیے کہ وہ حسبك زید کے معنی میں ہے اور زید بحسبك میں بحسبك گو خبر ہے لیکن مثبت ہے منفی نہیں ہے۔

واللامُ لِلاِختصاصِ والتعلیل وبمعنٰی عن مَعَ القولِ وَزائدةٌ وبمعنی الواوِ فی القسمِ للتعجبُ ورُبَّ للتقلیلِ ولَهَا صدر الکلامِ مختصّة بنکرَةٍ مَوْصُوفةٍ علی الاَصحّ وفعلُها ماضٍ محذوفٌ غالبًا، وقد تدخلُ علی مضمر مبهمٍ ممیز بنکرةٍ منصُوبةٍ والضمیر مفردٌ مذکّرٌ خلافًا لِلکُوفیین فی مُطابقة التَّمییز وتلحقُها ما فتدخلُ علی الجُملِ و واوھا تدخلُ علی نکرة موصوفةٍ.

ترجمہ:- اور لام اختصاص اور تعلیل کے لیے ہوتا ہے اور قول کے ساتھ عن کے معنی میں ہوتا ہے اور لام زائدہ ہوتا ہے اور تعجب کے لیے قسم میں واؤ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور رُبّ تقلیل کے لیے ہوتا ہے اور اس کے لیے صدر کلام ہے جو صحیح ترین قول کے مطابق نکرہ موصوفہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور اس کا فعل ماضی محذوف ہوتا ہے عموماً اور کبھی ربّ ضمیر مبہم پر داخل ہوتا ہے جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوتی ہے اور اس کو ما لاحق ہوتا ہے پس وہ جملہ پر داخل ہوتا ہے اور واؤ ربّ نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے۔

توضیح:- لام اختصاص کے لیے آتا ہے، اختصاص کی تین صورتیں ہیں، ایک اختصاص ملک ہوتا ہے جیسے المال لزید دوسرے اختصاص استحقاق ہوتا ہے جیسے الجل للفرس تیسرے اختصاص نسبت ہوتا ہے جیسے حامد ابن لزید .

والتعلیل: اور لام تعلیل یعنی بیان علت کے لیے آتا ہے۔ علت دو قسموں پر ہے اول علت، سبب غائی کہلاتی ہے کہ جس کی وجہ سے فعل کا ارادہ کیا جاتا ہے جیسے ضربتهٗ للتادیب پس بلاشبہ تادیب ضرب کے لیے علت غائی ہے دوسری قسم علت سبب باعث ہو، یعنی وہ ایسی علت نہ ہو کہ جس کی وجہ سے فعل کا ارادہ کیا جاتا ہے جیسے خرجت لمخافتك پس مخافت خروج کی علت غائی نہیں ہے البتہ سبب باعث ہے۔

وبمعنی عن: اورلام جب قول کے ساتھ ہوتو عن کے معنی میں ہوتا ہے جیسے **قلت له انه لم یقتل** پس **قلت له** معنی میں **قلت عنه** کے ہے۔

اورلام زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **رَدِفَ لَکُمْ** جو معنی میں **رَدفکم** کے ہے، اس لیے کہ **ردف** براہ راست مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

اورلام برائے تعجب واو قسمیہ کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے **لِلّٰه لا یؤخر الاجل** جو معنی میں **واللّٰه لا یؤخر الاجل** کے ہے، البتہ لام برائے تعجب واو قسمیہ کے معنی میں اہم امور میں ہی مستعمل ہوگا معمولی چیزوں کے لیے استعمال نہ ہوگا۔

ورب للتقلیل: اوررب تقلیل کے آتا ہے اوراس کے لیے صدارت کلام ہوگی، کیونکہ رب کم خبریہ کی نقیض ہے، اس لیے کہ کم خبریہ تکثیر کا فائدہ دیتی ہے اورایک نقیض کو دوسری نقیض پر محمول کرتے ہوئے ایک کا حکم دوسرے پر لگایا جاسکتا ہے پس چوں کہ کم خبریہ صدارت کلام کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا ربّ جو تقلیل معنی پر دال ہونے کی وجہ سے اس کی نقیض ہے وہ بھی صدارت کلام چاہتا ہے۔ البتہ ربّ نکرہ موصوفہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے صحیح ترین قول کے مطابق تاکہ تقلیل کے معنی جو کہ رب کا مدلول ہے ثابت ہوسکے اس لیے کہ نکرہ مجہول ہوتا ہے جس میں تقلیل اور تکثیر دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جب کہ معرفہ مفرد اور تثنیہ ہونے کی صورت میں اس کی قلت متعین ہے اور جمع ہونے کی صورت میں اس کی کثرت متعین ہے اور موصوفہ کی قید بھی تقلیل معنی کے ہی تحقیق کے لیے ہے، اس لیے موصوف بمقابلہ غیر موصوف کے اخص ہوتا ہے اور اخص بمقابلہ اعم اقل ہوتا ہے۔

جب کہ بعض حضرات رُبّ کے لیے نکرہ موصوف کو ضروری نہیں مانتے۔

وفعلها ماضٍ: اگر رب، مامکفوفہ کے ساتھ نہ ہوتو اس کا فعل عامل ماضی ہوگا، اس لیے کہ ربّ تقلیل محقق کے لیے آتا ہے اور یہ فعل ماضی میں ہی متصور ہوتا ہے جیسے **رب رجلٍ کریم لقیته** اور عموماً فعل ماضی قرینہ کے ہونے کی وجہ سے محذوف ہوتا ہے جیسے **رب رجل کریم** اس شخص کے جواب میں جس نے کہا **بمن لقتیه**۔

وقد تدخل: کبھی رُبّ ایسی ضمیر مبہم پر داخل ہوتا ہے جس کا کوئی مرجع متعین نہیں ہوتا ہے اور جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوتی ہے، تاکہ ضمیر کا ابہام ختم ہوجائے۔

اور یہ جو ضمیر ہوگی تو مفرد مذکر ہوگی، اس لیے کہ اس ضمیر سے مقصود ابہام ہے اور مفرد مذکر کو ابہام میں زیادہ دخل ہوتا ہے، لہٰذا ضمیر مذکور مفرد اپنے غیر سے اس مقصد کے لیے زیادہ حق دار ہے، پس حاصل یہ ہے کہ یہ ضمیر نعم رجلا زید کی ضمیر کی طرح مفرد ہوگی، تمیز کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا مرجع

ایسی چیز ہے جو ذہن میں پہلے سے ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کا ذکر ما قبل میں ہو چکا ہو کہ جس کے مطابق ہونا ضروری ہو۔

خلافا للکوفیین: کوفیوں کا کہنا یہ ہے کہ ربّ جس ضمیر پر داخل ہوگی اس کا تمیز کے مطابق ہونا مفرد ہونے اور تثنیہ، جمع نیز مذکر اور مؤنث ہونے میں ضروری ہے، کیوں کہ اصل یہی ہے کہ تمیز اور ممیّز میں مطابقت پائی جائے، لہٰذا وہ بولتے ہیں ربه رجلا اور ربهما رجلین اور ربهم رجالاً ربها امرأة اور ربهنّ نسوة.

اور رب کو ما کافہ بھی لاحق ہوتا ہے پس یہ جملہ پر داخل ہوتا ہے، چونکہ مالاحق ہو کر ربّ کو عمل سے روک دیتا ہے، لہٰذا ضروری نہیں رہ جاتا ہے کہ ربّ کا مدخول اس کے عمل کی صلاحیت رکھتا ہو، جیسے رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفروا پس ربّ کا مدخول یہاں مضارع ہے، حالاں کہ ماضی ہوتا رہا ہے ایسا ما کافہ کی وجہ سے ہوگیا، کیوں کہ اس نے رب کا عمل روک دیا پس مدخول کا ماضی ہونا ضروری نہیں رہ گیا۔

واو وھا: اور واو رب یعنی وہ واو جو رب کے معنی میں ہوتا ہے نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ واوَرب کے معنی میں ہے اور رب نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے، لہٰذا جو رُبّ کے معنی میں ہوگا وہ بھی نکرہ موصوفہ پر داخل ہوگا۔ جیسے وبلدةٍ لیس لها اینس معنی میں ہے ربّ بلدةٍ. یعنی بہت سے ایسے شہر ہیں جن کا کوئی مونس نہیں۔

وواو القسمِ انما تکون عند حَذف الفِعلِ لغَیر السُّوال مختصة بالظّاهر والتاء مثلُها مختصَّة بسم اللّٰه تعالٰی والباء اعمُّ منهما فی الجمیع ویتلقی القَسَمُ باللامِ وانَّ وحرفِ النفيِ وقد یحذف جوابهُ اذا اعترض او تقدّمهُ ما یدلُّ علیه وعن للمُجاوَزة وعلٰی للاستِعلاءِ وقد یکونانِ اسمَین بدخولِ مِن والکاف للتشبیه وزائدة وقد تکونُ اسمًا وتختصّ بالظاهر ومُذ ومُنذ للزمان للابتداءِ فی الماضِي والظرفیةِ فی الحاضرِ نحو ما رایتهُ مُذ شهرنا ومنذ یومنا وحاشا وعدا وخلا للاستِثناءِ .

ترجمہ:- اور واوِ قسم بلاشبہ سوال کے علاوہ کے لیے فعل کے حذف کے وقت ہوتا ہے (درآنحالیکہ مخصوص ہو) اسم ظاہر کے ساتھ اور تاء اسی کے مثل ہے جو اللہ کے اسم کے ساتھ مخصوص ہے اور باء ان دونوں سے اعم ہے تمام باتوں میں۔ اور قسم کا جواب دیا جاتا ہے لام اور انّ اور حرف نفی سے اور جواب محذوف ہو جاتا ہے جب قسم اجزائے جملہ کے درمیان واقع ہو یا فی المعنی مقدم ہو جائے اس چیز پر جو اس کے

جواب پر دلالت کرتا ہے۔ اور عن مجاوزۃ کے لیے ہے اور علی استعلاء کے لیے اور کبھی عن اور علی اسم ہوتے ہیں من کے داخل ہونے کے وقت اور کاف تشبیہ کے لیے ہے اور زائدہ ہوتا ہے۔ اور کبھی اسم ہوتا ہے اور کاف اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور مذ اور منذ ماضی میں ابتداء زمان کے لیے ہوتے ہیں اور زمانۂ حال میں ظرفیت کے لیے جیسے ما رایته مذ شهرنا و منذ یومنا اور حاشا اور عدا اور خلا استثناء کے لیے ہیں۔

واو القسم: واؤ کا قسم کے لیے ہونا تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ فعل محذوف ہو، لہٰذا و الله اجلس نہیں بولا جائے گا، دوسری شرط یہ ہے کہ سوال کے لیے نہ ہو، لہٰذا و الله اخبرنی نہیں بولیں گے، تیسری شرط یہ ہے کہ اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہو پس وَكَ لا فعلن كذا نہیں بولا جائے گا جب کہ باء کا استعمال کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے، درحقیقت واو برائے قسم باء برائے قسم سے درجہ میں کم ہے پس اصل اور فرع میں فرق ضروری تھا۔

والتا مثلها: اور تا قسمیہ واو قسمیہ کی طرح ہی ہے یعنی تاء قسمیہ فعل کے ساتھ نیز سوال کے موقع کے لیے مستعمل نہیں ہوتا اور اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ واو قسم اور تاء قسم میں فرق یہ ہے کہ تائے قسم اسم اللہ کیساتھ مخصوص ہے، چنانچہ غیر اللہ پر تاء قسم داخل نہیں ہوتی جیسے تَاللّٰه لأكيدنّ أصنامكم اور وجہ فرق یہ ہے کہ تاء واو قسم سے کم تر ہے اور واؤ باء سے کم تر ہے اسی وجہ سے سب میں اشتراک کے ساتھ کچھ نہ کچھ فرق بھی ہے۔ پس باء ان دونوں کو عام ہے چنانچہ باء کا استعمال فعل کے ساتھ جیسے قسمت بالله اور موقع سوال میں جیسے بالله اخبرنی صحیح ہے، اسی طرح فعل کے حذف اور موقع سوال کے علاوہ کے لیے بھی باء مستعمل ہوسکتی ہے، نیز اسم ظاہر اور اسم الٰہی پر بھی باء کا دخول ہوتا ہے۔

ويتلقى القسم: اور قسم کا جواب لام اور انّ کے ساتھ دیا جاتا ہے، جیسے تَاللّٰهِ لأكيدنّ اصنامکم اور انّ کی مثال اِنّ سَعيكم لَشَتّٰى، وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کے جواب میں اور حرف نفی کے ساتھ بھی قسم کا جواب دیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد و الضحى و اليل اذا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّك وَمَا قَلٰى حاصل یہ ہے کہ جواب قسم میں لام اور اِنّ اور حرف نفی میں سے کسی کا ہونا ضروری ہے۔

وقد يحذف: جب قسم اجزاء جملہ کے درمیان واقع ہوجائے جیسے زيد و الله قائمٌ یا قسم اس جملہ پر مقدم ہو جو جواب پر دلالت کرتا ہے زيد عالم و الله تو قسم کے جواب کو حذف کر دیتے ہیں اس لیے کہ دونوں صورتوں میں اعادہ جواب کی ضرورت نہیں بلکہ وہی جملہ جواب کا قائم مقام ہوجائے گا۔

عن: مجاوزت کے لیے آتا ہے جیسے رميت السهم عن القوس.

علٰی: اور علٰی استعلاء کے لیے آتا ہے خواہ استعلاء حقیقتاً ہو جیسے زيد على السطح یا حکماً ہو جیسے عليه دينٌ.

وقد يكون اسمين: جب مِن، عن اور علی پر داخل ہوتو وہ عن اور علی بجائے حرف ہونے کے اسم ہوتے ہیں، البتہ یہ ہے کہ وہ علی من کے داخل ہونے پر اسم ہوتا ہے جوفوق کے معنی میں ہے جیسے عدت من علیه معنی عدتُ من فوقِهٖ اسی طرح جب من، عن پر داخل ہوتو وہ عن جانب کے معنی میں ہوتا ہے جیسے جلست من عن یمینهٖ معنی ہیں من جانب یمینهٖ.

والکافِ: اور کاف تشبیہ کے لیے آتا ہے جیسے الذی عندی کزید اور کاف زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے لیس کمثله شیٔ اصل معنی میں لیس مثله شیٔ.

اور کاف کبھی اسم ہوتا ہے جو مجرور ہوتا ہے، جیسے یضحکن عن کالبرد المنهمّ. وہ ہنستی ہے پگھلے ہوئے اولوں کے مثل دانتوں سے۔ اور کاف اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، لہٰذا کہٗ نہیں بولا جاتا، اس لیے لفظ مثل کی وجہ سے کاف تشبیہ کے ضمیر پر داخل ہونے کی ضرورت رفع ہو جاتی ہے پس کاف کے ضمیر پر داخلہ کی کوئی ضرورت نہیں اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر کاف ضمیر پر داخل ہوتو دو کافوں کا اجتماع بھی ہوسکتا، اس لیے کہ وہ کاف مخاطب کے مشابہ ہوتا ہے، پس عموم کے لیے مطلق منع کر دیا البتہ عرب جو ما لنا کَاَنْتَ واما انت کانا بولتے ہیں تو چوں کہ یہ ضمیر منفصل ہے جو ان کے یہاں اسم ظاہر کے حکم میں ہے، لہٰذا اس مثال میں کاف اسم ظاہر پر ہی داخل سمجھا جائے گا۔

ومذ ومنذ: اور مذ اور منذ کی وضع زمانہ بتانے کے لیے ہے خواہ زمانہ ماضی کا ہو یا حال کا البتہ اتنا فرق ہے کہ ماضی میں ابتداء فعل کا زمانہ بتانے کے لیے ہے اور حال میں ظرفیت کے لیے جیسے ما رأیته مذ شهرنا اور ما رایته منذ یومنا.

حاشا وعدا: حاشا اور عدا اور خلا استثناء کے لیے وضع کیے گئے ہیں اگر اسم ان کے بعد مجرور ہوتو یہ حروف جارہ ہونگے اور اگر منصوب ہوتو یہ افعال ہوں گے اور فاعل ان میں ضمیر مستتر ہوگی، ان تینوں افعال کو استثناء کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کہ جب یہ استثناء کے لیے نہ ہوں گے تو حروف بھی نہ ہوں گے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ جب یہ استثناء کے لیے ہوں تو حروف جر بھی ہوں۔

الحُروفُ المشبَّهةُ بالفعل وهِی اِنَّ واَنَّ وکَاَنَّ ولٰکِنَّ ولیت ولَعَلَّ ولها صَدرُ الکلام سوئ اَنَّ فَهِیَ بعکسِها وتلحقُها ما فتلغٰی علی الافصح وتدخُلُ حینئِذٍ علی الافعالِ فاِنَّ لا تغیّر معنی الجملة واَنَّ مَعَ جُملتِها فی حکم المفرد ومِنْ ثَمَّ وَجَبَ الکسرُ فی موضِعِ الجُمَلِ والفتحُ فی مَوْضِعِ المفرد فکسرت ابتداءً وبعد القول والموصُولِ وفتحت فاعلةً ومفعُولةً ومبتدأً ومُضافًا الیها وقالوا لولا انّك لانهٗ

مُبتدأً ولو اَنّكَ لانهٗ فاعلٌ وإنْ جَاز التقديرانِ جَازَ الامر ان نحو مَنْ يكرِمنى فانى اُكرِمُهٗ و ع اذا انّهٗ عَبدُ القَفَا وَ اللَّهَازِمِ ÷ وشبهِهٖ ولذٰلكَ جاز العطفُ على اسم المكسُورة لفظًا وحُكمًا بالرفعِ دُون المَفتوحةِ ويشترطُ مُضِيُّ الخبر لفظًا او تقديرًا خلافًا للكوفيين ولا اثر لكونهٖ مبنيًا خلافًا للمبرّد والكسائى فى مثل اِنَّكَ وزيدٌ ذاهبَان .

ترجمہ:- حروف مشبہ بالفعل اور وہ اِنَّ، اَنَّ، کاَنَّ، لکنَّ، لیتَ اور لعلَّ ہے اور ان کے لیے صدر کلام ہوتا ہے سوائے اَنَّ کے پس وہ ان حروف کے برعکس ہے اور ان حروف کو ما لاحق ہوتا ہے پس عمل لغو ہو جاتا ہے صحیح ترین قول کے مطابق اور یہ حروف اس وقت افعال پر داخل ہوتے ہیں پس اِنَّ جملہ کے معنی میں تبدیلی نہیں کرتا ہے اور اَنَّ مع اپنے جملہ کے مفرد کے حکم میں ہوتا ہے اسی وجہ سے جملہ کی جگہ میں اِن مکسورہ کا لانا واجب ہوتا ہے اور ان مفتوحہ کا مفرد کی جگہ میں پس ان مکسورہ شروع کلام میں اور قول اور موصول کے بعد لایا جاتا ہے اور اَن مفتوحہ لایا جاتا ہے درانحالیکہ وہ فاعل ہو اور مفعول ہو اور مبتدا ہو اور مضاف الیہ ہو اور لوگوں نے لو لا انّکَ کہا اس لیے کہ وہ مبتدا ہے اور لو انّکَ کہا اس لیے کہ وہ فاعل ہے، اور اگر دو تقدیریں جائز ہوں تو دونوں امر درست ہیں، من یکرمنی فانی اکرمُهٗ اور ع اذا انّهٗ عبدالقفا و اللهازِمِ اور اس جیسے میں اور اسی وجہ سے عطف جائز ہے ان مکسورہ کے اسم پر لفظاً اور حکماً رفع کے ساتھ نہ کہ ان مفتوحہ کے اسم پر اور شرط لگائی گئی خبر کے لفظاً یا تقدیراً گذر جانے کی مخالفت کرتے ہوئے کوفیوں کی اور کوئی اثر نہیں ہے اس کے مبنی ہونے کا مخالفت کرتے ہوئے مبرد اور کسائی کی انت وزید ذاهبانِ جیسے میں۔

توضیح:- حروف مشبہ بالفعل اِنَّ، اَنَّ، کاَنَّ، لکنّ، لیت اور لعلَّ ہے، ماسوائے ان مفتوحہ باقی تمام حروف مشبہ بالفعل صدارت کلام کا تقاضا کرتے ہیں، کیوں کہ ان میں کا ہر کوئی کلام کی قسم خاص پر دلالت کرتا ہے جیسے ترجی، تمنی، استدلاک وغیرہ پس صدارت کی صورت میں شروع امر سے ہی اس نوعیت خاص پر دلالت ہوگی البتہ اَنَّ مفتوحہ صدارت کلام کو نہیں چاہتا اس لیے کہ وہ اپنے اسم وخبر کے ساتھ مفرد کی تاویل میں ہوتا ہے جس کے لیے کسی دوسری چیز سے متعلق ہونا تمامیت کلام کے واسطے ضروری ہے۔

وتلحقها ما: حروف مشبہ بالفعل کو ما کافہ لاحق ہوتا ہے پس حروف مشبہ بالفعل کا عمل باطل ہو جاتا ہے، اس لیے کہ ما ان حروف کو عمل سے روک دیتا ہے، ایک تو اس لیے کہ ما کے لحوق کی وجہ سے ان حروف کی فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑ جاتی ہے، دوسرے ما کی وجہ سے ان میں اور جملہ میں تھوڑا سا فاصلہ ہو جاتا

ہے پس یہ عمل سے بے بس ہو جاتے ہیں۔

وتدخل حینئذ: جب ما کافہ ان حروف کو لاحق ہوگا تو چونکہ ان کا عمل ما کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے، لہٰذا اب یہ حروف اسم پر دخول کے بھی پابند نہیں رہیں گے، چنانچہ بجائے اسم کے افعال پر داخل ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **انمَا حَرّمَ علیکم المیتة**.

فَاِنّ: ان مکسوہ جملہ کے معنی میں بجائے تبدیلی کے مزید استحکام اور تاکید پیدا کرتا ہے، چنانچہ جب **ان زید قائم** بولا گیا تو اس نے اسی چیز کا یعنی **ثبوت القیام لزید** کا فائدہ تاکید اور مبالغہ کی زیادتی کے ساتھ دیا جس کا زید قائم فائدہ دیتا ہے۔ جب کہ اَنّ مفتوحہ معنی میں تبدیلی کر دیتا ہے، کیوں کہ وہ اس جملہ کے ساتھ جو اس کے مابعد ہوتا ہے مفرد کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

ومن ثم وجب الکسر: جب ان مکسورہ معنیٔ جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور ان مفتوحہ اپنے مابعد کے جملہ میں تبدیلی کر دیتا ہے تو پھر دونوں کے مواقع استعمال علیحدہ علیحدہ ہو گئے، لہٰذا ان مکسورہ ہر ایسی جگہ مستعمل ہوگا جہاں جملہ علی حالہا باقی رہتا ہے اور اَن مفتوحہ ایسی جگہ میں استعمال ہوگا جہاں اس کا مابعد مفرد کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان مکسورہ ابتداء کلام میں استعمال ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **ان اللّٰہ غفور رحیم** اور قول کے بعد ان مکسورہ استعمال ہوگا نیز موصول کے بعد قول کی مثال جیسے **یَقُولُ انّھا بقرۃٌ** اور موصول کی مثال جیسے **الذی انك ضربته فی الدار**. پس ابتداء کلام میں ان مکسورہ اس لیے واجب ہے، کیوں کہ وہ موقع جملہ ہوتا ہے، اس لیے کہ تکلم بالمفرد فائدہ تامہ نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور قول کے بعد اس لیے کہ قول کا مقولہ جملہ کا ہی ہوتا ہے نیز صلہ بھی جملہ ہی ہوتا ہے اور موقع استعمالِ ان مکسورہ بھی جملہ ہی ہے حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں مواقع وقوع جملہ کے ہیں اور أنّ مفتوحہ کا موقع استعمال یہ ہے کہ وہ ترکیب میں فاعل ہو جیسے **بلغنی انك قلتت یھودیًا** یا مفعول ہو جیسے **عرفت انك تلمیذ رشید** یا مبتدا ہو جیسے **عندی انك قائم** یا مضاف الیہ ہو **قدمت عندك یوم انك اخذت امریکیاً** ان مفتوحہ کے یہ مواقع اس لیے ہیں کہ فاعل اور مفعول اور مبتدا نیز مضاف الیہ سب مفرد ہی ہوتے ہیں اور ان مفتوحہ بھی مع اسم وخبر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔

وقالوا لولا انك: لولا دو طرح کا ہے ایک امتناعیہ ابتدائیہ دوسرے لولا تحضیضہ ہے تو لولا ابتدائیہ کے بعد اَنّ مفتوحہ اس لیے واجب ہے کہ لولا کا مابعد مبتدا محذوف الخبر ہوتا ہے اور مبتدا مفرد ہوتا ہے۔ اور ان مفتوحہ کا موقع استعمال کا بھی مفرد ہی ہے۔ اور اگر **لولا تحضیضہ** ہے تو اس کے بعد بھی ان مفتوحہ ہوگا، اس لیے کہ لولا برائے تحضیض کے بعد فاعل کا آنا لفظاً یا تقدیراً واجب ہے، اس لیے بعد **لولا** یا تو فاعل ہوگا یا مفعول اور دونوں مفرد ہی ہوتے ہیں پس اول کی مثال جیسے **لولا انك منطلق انطلقتُ**

اور دوسرے کی مثال لو لا ان زیدٌ قائمٌ اور جیسے لو لا ان زید ضربته.

ولو انك: لو شرطیہ کے بعد بھی اَن مفتوح ہوتا، کیوں کہ اس کے بعد فعل مقدر ہوتا ہے پس ان مفتوحہ فاعل ہوگا اور فاعل مفرد ہوتا ہے پس گویا یہ سب مواقع ان مفتوحہ ہیں۔

وان جاز التقدیر ان: اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں ان مکسورہ اور ان مفتوحہ دونوں کی تقدیر درست ہو تو دونوں کو مقدر مانا جائے گا یعنی وہاں اِنّ مکسورہ اور اَنّ مفتوحہ دونوں پڑھنا درست ہوگا، من یکرمني فاني اکرمه جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جہاں انّ اپنے اسم وخبر سے مل کر شرط کی جزاء واقع ہو تو ایسی ترکیب میں اِن مکسورہ اور اَن مفتوحہ دونوں جائز ہیں ان مکسورہ تو اس لیے کہ وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ ہے جو جزاء واقع ہے اور ان مفتوحہ اس لیے کہ وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہے جو مبتدا محذوف الخبر اور خبر محذوف المبتدا دونوں ہوسکتا ہے، پہلی صورت میں تقدیر من یکرمني فاکرامي ثابت له ہوگی اور دوسری صورت من یکرمني فجزاء ہ اکرامي ہوگی۔

اذا انه عبد القفا واللهازم سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں ان اپنے اسم وخبر سے مل کر اذا مفاجائیہ کے بعد واقع ہو تو ایسی ترکیب میں بھی ان مکسورہ اور ان کی مفتوحہ دونوں پڑھنا درست ہے۔ مکسورہ تو اس لیے أن اپنے اسم وخبر سے مل کر برائے مفاجات اذا کے بعد واقع ہے اور مفتوحہ اس لیے کہ ان اپنے اسم وخبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہے جو مبتدا محذوف الخبر ہے اصل عبارت یہ ہے کہ اذا عبودیته للقفاء واللهازم ثابتٌ، پورا شعر یوں ہے کنت اری زیدا کما قیل لسید ÷ اذا انه عبد القفا واللهازم. ترجمہ: میں زید کو جیسا کہ کہا جاتا ہے شیر سمجھتا تھا، حالاں کہ وہ گدی اور جبڑوں کا غلام ہے یعنی کمینہ ہے۔

وشبهه: ماقبل جیسی ترکیبوں میں بھی ان مکسورہ اور مفتوحہ کی گنجائش ہے جیسے عربوں کا قول اوّل ما اقول اِنّی احمد الله پس اگر ما کو موصوفہ قرار دیا جائے تو مطلب ہوگا اوّل مقولاتی اور مقولہ جملہ ہوتا ہے لہٰذا ان مکسورہ ہوگا اور اگر ما مصدریہ مانا جائے تو مطلب ہوگا اول الاقوال جو معنی مصدری ہے اور مفرد ہے لہٰذا ان مفتوحہ ہوگا۔

ولذالك جاز العطف: اس وجہ سے کہ ان مکسورہ جملہ کے معنی میں تبدیلی نہیں کرتا جب کہ ان مفتوحہ کلمہ کو مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے، لہٰذا جملہ کے معنی میں ان مکسورہ کا اسم منصوب محل رفع میں ہوگا، کیوں کہ ان مکسورہ اپنا تاکید کا فائدہ دے کر متغیر نہ ہونے کی وجہ سے معدوم کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اس کے اسم کے عمل پر عطف بالرفع درست ہے، لیکن ان مفتوحة کے اسم کے محل پر عطف بالرفع درست نہیں، کیوں کہ وہ تغیر فی الجملہ کی وجہ سے معدوم کے حکم میں نہیں ہوگا۔

وبشرط مضی الخبر: البتہ ان مکسورہ کے اسم کے محل پر عطف بالرفع کے جواز کے لیے قبل **العطف اس ان مکسورہ** کی خبر کا لفظاً یا تقدیراً بیان ہو جانا ضروری ہے، تا کہ شیٔ واحد کا دومختلف عاملوں کا معمول ہونا لازم نہ **آئے مضی** الخبر لفظاً کی مثال ان زیدًا قائم وعمر اور تقدیراً کی مثال ان زیداً وعمرو قائم ہے پس اصل ان زیدا قائم وعمرو قائم ہے۔ پس ان مکسورہ کے اسم کے محل پر عطف بالرفع بغیر مضی الخبر لفظاً وتقدیراً کے درست نہ ہوگا جیسے ان زیدا وعمرو ذاھبان. البتہ کوفیوں کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ان مکسورہ کے اسم پر عطف بالرفع کے لیے مضیّ الخبر شرط نہیں ہے، وہ لوگ والا فاعلموا انا وانتم بغاۃ ما بقینا فی شقاق سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں انتم کا عطف انا مکسورہ کے اسم پر رفع کے ساتھ ہے یعنی اس کے محل پر ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ شرط ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ اسم میں اِنَّ عامل ہوتا ہے لہٰذا خبر کے گزرے بغیر اسم ان مکسورہ پر عطف بالرفع کی وجہ سے اجتماع العاملین علی معمول واحد لازم نہیں آئے گا۔ عبارت کا ترجمہ ہے ورنہ پس تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اورتم سب مجرم قرار پاؤ گے جب تک ہم آپس میں لڑتے رہیں گے۔

ولا اثر لکونه مبنیا: مبرد اور کسائی کا کہنا یہ ہے کہ جب ان مکسورہ کا اسم ضمیر ہونے کی وجہ سے مبنی ہو جیسے اِنک وزید ذاھبان تو بغیر ان مکسورہ کی خبر کے لفظاً یا تقدیراً گزرے اس کے اسم کے عمل پر عطف بالرفع درست ہے، کیوں کہ ان مکسورہ کا اسم میں مبنی ہونے کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتا ہے، پس صورت مذکورہ میں عطف کی صورت میں اجتماع عاملین علی معمول واحد لازم نہیں آئے گا، لیکن جمہور کی طرف سے اس کو رد کر دیا گیا کہ ان مکسورہ کے اسم کے مبنی ہونے کو اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع کے جواز میں کوئی دخل نہیں ہے یعنی باوجود ان مکسورہ کے اسم کے مبنی ہونے کے مضی خبر کے بغیر اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع درست نہیں ہے اور اس کا مبنی ہونا شرط مضی الخبر میں رکاوٹ نہیں ہے، کیوں کہ مانع پر بدستور موجود ہے۔

ولکنّ کَذَالِكَ ولِذَالِكَ دَخلتِ اللامُ مَعَ المکسورةِ دونها علی الخبر او الاسم اذا فُصِلَ بَیْنَهٗ وَبینَهَا او عَلٰی مَا بَیْنَهُمَا وفی لکِنْ ضعیف وتُخَفَّفُ المکسورةُ فیلزمُهَا اللامُ ویجوز الغاءُ ها ویجوزُ دُخُولُها عَلٰی فعلٍ من افعالِ المُبْتدأ خلافًا للکوفیین فی التعمیم وتخفف المفتوحةُ فتعمل فی ضمیر شانٍ مقدرٍ فتدخُل عَلی الجمل مُطْلقًا وشَذَّ اِعمالها فی غیرہٖ ویلزمها مع الفعل السِّینُ او سوف او قداوحرف النفی وکانَّ للتشبیه وتخفف فتلغی علی الافصح ولکِن للاستدراكِ تتوسَّط بین کلا مین مُتغایرین مَعنًی وتخفف فتلغی او یَجُوز مَعَها الواو ولیت للتمنّی واجَاز

الفرّاء ليت زيدًا قائمًا ولعلّ للترجّي وشذّ الجرُّ بهَا.

ترجمه:- اور لكنّ اسی طرح ہے، اور اسی وجہ سے لام ان مکسورہ کے ساتھ نہ کہ اس کے علاوہ کے ساتھ خبر پر داخل ہوتا ہے یا اسم پر داخل ہوتا ہے جب اسم اور ان مکسورہ کے درمیان یا اسم وخبر دونوں کے درمیان فعل ہو، اور لكنّ میں ضعیف ہے اور انّ مکسورہ مخففہ ہوجاتا ہے، تو اس کو لام لازم ہوجاتا ہے اور درست ہے اس کے عمل کا باطل کرنا، اور جائز ہے ان مکسورہ کا مبتدا کے افعال میں سے کسی فعل پر داخل ہونا مخالفت کرتے ہوئے کوفیوں کی تعمیم میں اور انّ مفتوحہ مخففہ ہوجاتا ہے پس وہ ضمیر شان مقدر میں عمل کرتا ہے، چنانچہ وہ مطلق جملوں پر داخل ہوتا ہے اور ان مفتوحہ کا عمل دلانا اس کے علاوہ میں شاذ ہے، اور لازم ہوتی ہے اَن مفتوحہ مخففہ کو فعل کے ساتھ سین یا سوف یا قد یا حروف نفی۔ اور كانّ تشبیہ کے لیے ہے اور كان مخففہ ہوجاتا ہے پس وہ ملغی ہوجاتا ہے قول افصح کے مطابق اور لكنّ استدراک کے لیے ہوتا ہے جو دو ایسے کلاموں کے وسط میں آتا ہے جو معنی متغایر ہوتے ہیں اور لكن مخففہ ہوجاتا ہے پس وہ ملغی ہوجاتا ہے اور جائز ہے اس کے ساتھ واؤ اور ليت تمنی کے لیے اور فراء نے ليت زيدا قائمًا کو جائز قرار دیا ہے، اور لعلّ ترجی کے لیے ہے اور لعل کی وجہ سے جر شاذ ہے۔

ولكن كذالك: جس طرح اِنّ مکسورہ جملہ کے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرتا ہے اور اس کے اسم کے محل پر خبر کے لفظاً یا تقدیراً گذر جانے کے بعد عطف بالرفع درست ہے، اسی طرح لكنّ بھی معنی جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع بعد مضی الخبر درست ہے، جیسے ما خرج زيد لكن بكرا خارج وعمرو اس لیے کہ لكن استدراک کے لیے ہے اور استدراک معنی ابتداء کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ معنی ابتدا الاستدراک کے منافی نہیں ہے۔

ولذالك دخلت اللام: اور اسی وجہ سے کہ ان مکسورہ معنی جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا ہے لام کا ان مکسورہ کے ساتھ، اَن مفتوحہ کے ساتھ نہیں خبر پر داخل ہونا صحیح ہے۔ جیسے ان زيد القائمٌ اور اسم پر جب اسم اور اِن مکسورہ کے درمیان فصل ہوگا تو اس پر لام تاکید داخل ہوگا جیسے ان في الدار لزيد اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وان من شيعته لابراهيم۔ اور ان مکسورہ کے اسم وخبر کے درمیان فصل ہوگا تو لام اس کلمہ پر ہوگا جو اسم وخبر کے درمیان ہے جیسے ان زيد الثوبك لابس. ایسا اس لیے کہ لام ابتدائیہ جملہ کی تاکید کے لیے داخل ہوتا ہے اور ان مکسورہ اپنے اسم وخبر کے ساتھ جملہ ہوتا ہے پس اس کا تقاضا یہ تھا کہ لام صدر کلام میں آتا لیکن عربوں کو دو حرف تاکید یعنی لام اور ان کا اجتماع پسند نہیں ہے اس لیے لام کو ان سے مؤخر کر دیا کیوں کہ ان عامل ہے جب کہ لام عامل نہیں ہے یوں دونوں حرف ابتداء ہیں جب کہ ان مفتوحہ اپنے اسم وخبر کے

ساتھ مفرد کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا لام تاکید اس کی خبر پر نہیں آئے گا۔ لہٰذا بلغنی ان زیدًا لمنطلق نہیں کہا جائے گا۔

وفی لکن ضعیف: لکن کے اسم اور لکن میں اسی طرح اس کے اسم وخبر میں جب فصل ہو جائے تو لام تاکید کا دخول ضعیف سمجھا جاتا ہے ہر چند لکن فصل کے باوجود حرف ابتدا ہی رہتا ہے اس لیے کہ دخول لام انفصال پر دلالت کرتا ہے اور لکن اتصال کی خبر دیتا ہے کیوں کہ وہ حرف استدراک ہے۔

وتخفف المکسورۃ: ان مکسورہ مخففہ ہو جاتا ہے تو اس پر لام کا داخل ہونا ضروری ہو جاتا ہے تا کہ ان مخففہ من المثقلہ کے ساتھ الغاء عمل کی صورت میں ان نافیہ کا اشتباہ نہ پیدا ہو لیکن باب کی موافقت میں مطلقاً مخففہ ہونے کی صورت میں مخففہ کا لام کے ساتھ ہونا ضروری قرار دے دیا، حالاں کہ بصورت عمل اشتباہ نہیں پیدا ہوتا جیسے اِنْ زیدا قائم اور نافیہ جیسے ان زیدٌ قائمٌ جو معنی میں ما زید قائم کے ہے پس عمل کی صورت میں ان مخففہ من المثقلہ کا اسم منصوب ہوگا، جب کہ ان نافیہ کے بعد کا اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ البتہ بعض حضرات کے نزدیک ان مخففہ کے عامل ہونے کی صورت میں لام کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں مخففہ ہونے کی صورت میں عمل کا الغاء یعنی عمل کا باطل قرار دینا اور اعمال دونوں باتیں صحیح ہیں الغاء عمل تو اس لیے کہ مخففہ ہونے کی وجہ سے فعل سے لفظاً مشابہت ختم ہوگئی اور عمل بر بنائے مشابہت بالفعل کی وجہ سے تھا۔ اور جواز اس لیے کہ جب افعال سے کچھ حذف ہو جاتا ہے تو باوجود حذف کے وہ عمل کرتے ہیں جیسے لم یك زید قائمًا تو اسی طرح حروف بھی کچھ ان سے حذف ہو جانے کے باوجود وہ عمل کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتے۔

ویجوز دخولها: ان مکسورہ مخففہ من المثقلہ کا باب کان اور باب علمت پر داخل ہونا درست ہے، اس لیے کہ ان مکسورہ مخففہ من المثقلہ کا اصل دخول تو مبتداء اور خبر پر تھا پس جب مبتدا اور خبر پر داخل نہ ہو سکا تو کم از کم اصل کی رعایت پر ان کلمات یعنی باب کان اور باب علمت پر ہی اس کا دخول ہو جائے جو کہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں تا کہ بقدر امکان اصل کی رعایت ہو جائے جیسے وانْ کانت لکبیرۃ اور وانْ وجدنا اکثرهم لفاسقین اور وان نظنك لمن الکاذبین البتہ جب فعل دعاء ہو تو لام کا دخول لازم نہیں رہتا، اس لیے کہ لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے تھا اور دعاء اس پر ان نافیہ داخل ہی نہیں ہوتا، لہٰذا اشتباہ کا موقع نہیں رہا۔

خلافا للکوفین: البتہ کوفیوں کا تعمیم میں اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک اِن مخففہ من المثقلہ تمام افعال پر داخل ہو سکتا ہے خواہ وہ افعال مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہوں جیسے باب کان اور باب علمت یا داخل نہ ہوتے وہ اس شعر سے استدلال کرتے ہیں شعر: باللّٰہ ربكَ اِن قتلتَ نفسا ÷ وجبت علیك

عقوبة المتعمد. پس محل استدلال اِن قتلت نفسا ہے کہ باوجود قتلت کے مبتدا اور خبر پر داخل نہ ہونے کے اس پر ان مخففہ داخل ہے پس معلوم ہوا کہ ہر طرح کے افعال پر داخل ہوسکتا ہے، لیکن چوں کہ اس شعر میں ان مخففہ کا قتلت پر دخول خلاف قیاس اور استعمال فصحاء کے خلاف ہے، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔ شعر کا ترجمہ ہے کہ بخدا اگر آپ نے کسی کو قتل کیا تو آپ پر عمداً قتل کرنے والے کی سزا لازم ہوجائیگی۔

وتخفف المفتوحة: اَنّ مفتوحہ بھی مخففہ ہوتا ہے پس وہ ایسی ضمیر شان میں عمل کرتا ہے جو مقدر ہوتی ہے، اس لیے کہ ان مفتوحہ، ان مکسورہ کے مقابلہ میں فعل کے زیادہ مشابہ ہے اور مکسورہ مخففہ من المثقلہ عمل کرتا ہے جیسی واِنّ کلاً لمّا لَیوَفِّیَنَّهُمْ، اور مفتوحہ مخففہ اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا، پس اس کے عمل کو ضمیر شان میں مقدر مانا گیا، تا کہ اقویٰ یعنی مفتوحہ مخففہ کا ادنیٰ یعنی مکسورہ مخففہ سے کمتر ہونا لازم نہ آئے جیسے وآخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعالمین.

فتدخل على الجمل مطلقًا: یہ ایک سوال کا جواب وہ یہ ہے کہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے، اس لیے آپ نے ان مفتوحہ مخففہ کے لیے ضمیر شان مقدر میں عمل فرض کرلیا تھا، لیکن اس کے باوجود فرع کی اصل پر زیادتی ہے، اس لیے کہ ان مکسورہ مخففہ اسم ظاہر میں عمل کرتا ہے جب کہ ان مفتوحہ مخففہ ضمیر میں عمل کرتا ہے۔ تو اس کا مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر شان مقدر میں عمل کا دوام اسم ظاہر میں احیانا کبھی کبھار مکسورہ مخففہ کے عمل سے اقوی ہے، چنانچہ ان مفتوحہ مخففہ مطلقاً ہر طرح کے جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ خواہ اسمیہ ہوں یا فعلیہ۔ خواہ ان کا فعل مبتدا خبر پر داخل ہوتا ہو یا نہ ہوتا کہ وہ جملہ ضمیر شان مقدر کی تفسیر بن جائے۔

وشذا: ان مفتوحہ مخففہ کا غیر ضمیر شان میں عمل کرنا شاذ ہے جیسے شاعر کا قول شعر فلو انك فی یوم الرخاء سالتنی ÷ فراقك لم ابخل وانت صدیقی. ترجمہ: اگر تم مجھ سے وصال کے دن فراق کی درخواست کرتی ہو تو میں اس کے قبول کرنے میں بخل نہیں کرسکتا، بشرطیکہ تم میرے دوست بنے رہو۔

ویلزمها مع الفعل: ان مفتوحہ مخففہ جب فعل کے ساتھ ہو تو فعل پر سین یا سوف یا قد یا حرف نفی لازم ہے، تا کہ ان مفتوحہ مخففہ کا ان مصدریہ کے ساتھ اشتباہ نہ لازم آئے، کیوں کہ جس فعل پر یہ حروف ہوتے ہیں اس پر ان ناصبہ مصدریہ داخل نہیں ہوتا۔

سین کی مثال جیسے اَن سیکون منکم مرضی اور سوف کی مثال جیسے واعلم فعلم المرء ینفعُهُ ان سوف یاتی کل ما قدر اور قد کی مثال جیسے لیعلم ااَنْ قد ابلغوا رسالاتِ ربهم اور حرف نفی کی مثال افلا یَرونَ ان لا یرجع الیهم.

کاَنّ: کاَن تشبیہ کے لیے ہے جیسے کاَنّ زید الاسدُ اور کاَنْ مخففہ نون کے سکون کے ساتھ

کَاَنْ بھی ہوتا ہے پس عمل باطل ہوجاتا ہے اس لیے کہ فعل کے ساتھ مشابہت کے بعض وجوہ مثلاً لام کلمہ کا فتحہ فوت ہوجاتا ہے اور یہ قول افصح ہے جیسے شاعر کا قول ع ونحرِ مشرقِ اللون ÷ کَاَنْ ثدیاہ حقان.
ترجمہ یہ ہے کہ بہت سے سینے چمک دار رنگ والے ہیں گویا اس کے دونوں چھاتیاں دو ڈبیہ ہیں۔

لکن: لکن استدراک کے لیے آتا ہے، جو ایسے دو کلاموں کے وسط میں واقع ہوتا ہے جو باہم معنیً مغایر ایک دوسرے کے ہوتے ہیں، البتہ لفظاً کبھی تو تغایر ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ کلام متغایر کے وسط میں لکن اس لیے واقع ہوتا ہے کہ استدراک بغیر تغایر کے متصور ہی نہیں۔ استدراک کی مثال ولو اراکھم کثیرا الفشتلم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللّٰہ سلم، لکن مخففہ بھی ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں مشابہت بالفعل کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ملغی یعنی بے عمل ہوجاتا ہے، البتہ اخفش اور یونس نحوی مخففہ ہونے کے باوجود اعمال کے قائل ہیں اور لکن مشددہ اور مخففہ کے ساتھ واؤ بھی ہوتا ہے جو بقولِ بعض عاطفہ ہے اور رضی اعتراضیہ مانتے ہیں اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ورنہ مخففہ ہونے کی صورت میں لکن پر واؤ کا داخل ہونا صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں حرف عاطف کا حرف عاطف پر داخل ہونا لازم آئے گا۔

ولیت: تمنی کے لیے ہے، تمنی کسی شئ کے علی سبیل المحبۃ حصول کے طلب کو کہتے ہیں خواہ وہ ممکن الوجود ہو جیسے لیت زیدا قائمٌ یا ممتنع الوجود ہو جیسے لیت الشباب یعود .

واجاز الفراء: فراء نے لیت زیدًا قائمًا یعنی دونوں اسموں کے نصب کو جائز قرار دیا ہے اس بنا پر کہ وہ اتمنی کے معنی میں ہے جو افعال قلوب سے ہے اور افعال قلوب دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے وہ اس مصرع سے استدلال کرتے ہیں ع یا لیت ایّام الصبٰی رواجعا، پس یہاں ایام الصبٰی اور رواجعا دونوں منصوب ہیں پس معلوم ہوا کہ لیت اتمنی کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے، لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب ہے کہ خبر محذوف کائنۃ کی ضمیر سے رواجعا حال ہے پس بربنائے مفعول منصوب نہیں ہے۔
مصرع کا ترجمہ ہے اے کاش بچپن کا گذرا زمانہ واپس آجاتا۔

ولعل: لعل ترجی کے لیے ہے ترجی کہتے ہیں کسی امر کے وجود کی اُمید کرنا اس شرط کے ساتھ کہ وہ ممکن الوجود ہو خواہ محبوب ہو جیسے لعلکم تفلحون یا مکروہ ہو جیسے لعل الساعۃ قریب.
تمنی اور ترجی میں فرق یہ ہے کہ تمنی امر ممکن اور مستبعد دونوں کے لیے آتا ہے جب کہ ترجی ممکن الوجود کے لیے ہی مستعمل ہے۔ جیسے لعل اللّٰہ یرزُقنی صلاحًا.

وشذ الجر بھا: بعض حضرات نے لعل کو بجائے حروف مشبہ بالفعل سے ماننے کے حروف جارہ مانا ہے اور شاعر کے اس شعر سے استدلال کیا ہے ع لعلَ ابی المغوار منك قریب. ترجمہ: اُمید کہ ابی المغوار تم سے قریب ہوں۔ پس ابی مجرور ہے لعل کی وجہ سے۔ معلوم ہوا کہ لعل حرف جار

ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ لعل کا جر کرنا شاذ ہے جو معتبر نہیں ہے، یا یہ کہا جائے کہ ابی کا جر علی سبیل الحکایۃ ہے۔

الحروفُ العاطفةُ وهي الواوُ والفاء وثُمَّ وحتّٰى واو وإمَّا وام ولا وبل ولٰكِن فالاربعةُ الأُوَلُ للجمعِ فالواو للجمعِ مُطْلَقًا لا ترتيبَ فيها والفاء للترتيب وثُمَّ مثلها بُمهلَة وحتّٰى مثلُها ومَعطُوفُها جزء من متبُوعه ليفيدَ قوّةً وضعفًا واو وإمَّا وام لاحدِ الامرَين مبهمًا وام المتَّصلةُ لازمة لهمزة الاستفهام يليها احد المستاويين والآخرُ الهمزة بعدَ ثبوت احدهمَا لطلب التعيينِ ومِن ثَمَّ لم يُجز ارايتَ زيدًا ام عمرًا ومِنْ ثَمّ كانَ جوابُها بالتعيين دون نعم او، لا والمنقطعة كبَل والهمزةِ مثل اِنَّهَا لَإبِلٌ ام شَاةٌ وإمَّا قبل المَعطوفِ عليه لَازِمَةٌ مَعَ امّا جائزةٌ مَعَ او ولا وبَل ولٰكِنْ لاحدهما معينًا ولٰكِن لازمةٌ للنفي.

ترجمہ:- حروف عاطفہ وہ واؤ، فاء، ثم، حتی اور اَوْ، و اِما و اَمْ اور لا، بَلْ اور لکن ہیں پس شروع کے چار جمع کے لیے ہیں پس واو مطلقاً جمع کے لیے ہوتا اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ اور فاء ترتیب کے لیے ہے ثم اسی کے مثل مہلت کے ساتھ ہے اور حتی ثم کے مثل ہے درانحالیکہ حتی کا معطوف اس کے متبوع کا جزء ہوتا کہ وہ قوت یا ضعف کا فائدہ دے اور اَوْ، اِمّا اور ام مبہم طور سے دو امروں میں سے ایک کے لیے ہوتا ہے۔ اور ام متصلہ ہمزہ استفہام کو لازم ہوتا ہے کہ جس کو دو برابر درجہ کے امروں میں سے کوئی ایک متصل ہوتا ہے اور دوسرا ہمزہ سے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ثبوت کے بعد طلب تعیین کے لیے اور اسی وجہ سے جائز نہیں ہے ارایت زیدا ام عمروا اور اسی وجہ سے اس کا جواب تعیین کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ نعم یا لا کے ساتھ، اور ام منقطعہ بل اور ہمزہ کی طرح ہے جیسے اِنّھا لابلٌ ام شاۃٌ اور اِمّا معطوف علیہ سے پہلے اِمّا کے ساتھ لازم ہے اور اَوْ کے ساتھ جائز ہے اور بل اور لکن دو امروں میں سے ایک کے لیے متعین طور پر ہوتا ہے اور لکن لازم ہے نفی کو۔

توضیح:- عطف کے لغت میں معنی آتے ہیں مائل کرنا اور چوں کہ یہ حروف معطوف علیہ کی جانب مائل کرتے ہیں اس لیے عاطفہ نام رکھ دیا گیا۔ حروف عاطفہ دس ہیں واو، فا، ثم، حتی، اَوْ، اِمّا، ام لا، بل اور لکن۔ واو، فا، ثم، حتی جمع کے لیے آتے ہیں یعنی اس بات کے لیے کہ معطوف اور معطوف علیہ اس فعل میں مشترک ہیں جو ان دونوں سے متعلق ہے خواہ وہ ترتیب کے ساتھ ہوں یا بغیر ترتیب کے۔

فالواو: واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے یعنی اس میں ترتیب یا تراخی وغیرہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اور یہ معنی واوعطف سے مفہوم نہیں ہوتے، جمع کا مطلب یہ ہے کہ حکم دو یا چند چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے نہ ہو جیسا کہ ام اور اِمّا میں ہوتا ہے۔ جیسے جاء نی زید و عمرو.

اور فاء ترتیب مع الوصل کے لیے ہوتی ہے، یعنی اس بات کے لیے کہ حکم معطوف سے متعلق ہو معطوف علیہ کے ساتھ متعلق ہونے کے بعد بغیر وقفہ کے جیسے صلیتُ الظهر فاكلت الطعام.

ثم، فاء کے مثل ترتیب کے ہے، لیکن کچھ وقفہ کے ساتھ یعنی ثم اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ حکم معطوف علیہ سے متعلق ہونے کے کچھ وقفہ بعد معطوف سے متعلق ہوا جیسے حفظت الدرس ثم نمتُ.

حتی بھی ثم کی طرح ترتیب مع المھلۃ کے لیے ہے لیکن حتی میں مہلت اور وقفہ ثم کے وقفہ سے کم ہوتا ہے پس کہا جا سکتا ہے کہ حتی، فاء اور ثم کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ یعنی حتی میں فاء سے زیادہ اور ثم سے کم مدت فصل ہوتی ہے۔ حتی میں شرط ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کا جزء ہوتا کہ وہ معطوف میں قوۃ کا جیسے قدم الجيش حتى الامير یا ضعف کا جیسے قدم الحاج حتى الشاة کا فائدہ دے۔

واَو واِمّا: اَوْ اور اما دو امروں میں سے کسی ایک کے لیے لاعلی التعیین ہونا یعنی دو امروں میں سے کسی ایک پر لاعلی التعیین دلالت کرنے کے لیے ہوتا ہے، رہی بات یہ کہ وَلاَ تُطِعْ مِنْهُم آثِمًا اَو كفورًا میں دلالت بجائے کسی ایک کے لیے لاعلی التعیین ہونے کے دونوں کو عام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل کے لحاظ سے دو امروں سے کسی ایک کے لیے مبہماً ہی ہے، لیکن عموم، احد المبہم کے تحت النفی واقع ہونے کی وجہ سے حاصل ہو رہا ہے۔

ام المتصلة: ام دو قسموں پر ہے متصلہ اور منقطعہ، ام متصلہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ہمزہ کو لازم ہوتا ہے اور دو برابر درجہ کی چیزوں میں سے کوئی ایک ام کے بعد بلا فاصلہ ہوتا ہے اور دوسرا احد المتساویین ہمزہ سے متصل ہوتا ہے بشرطیکہ متکلم کے نزدیک احد الامرین کے حصول کے علم کا ثبوت ہو چکا ہو۔

ومن ثم لم یجز: چوں کہ احد المتساویین کا ام متصلہ سے اور آخر المتساویین کا ہمزہ سے اتصال ضروری ہے، لہٰذا ارایت زیدًا ام عمرًا کی ترکیب درست نہیں ہے، کیوں کہ اس ترکیب میں ہمزہ سے احد المتساویین زید اور عمرو میں سے کسی کا اتصال نہیں ہے، بلکہ رأیت کا ہے جو احد المتساویین نہیں ہے، البتہ سیبویہ کے نزدیک یہ ترکیب جائز اور حسن ہے اور ازیداً رأیت ام عمروًا احسن ہے ہو سکتا ہے سیبویہ نے معنی کا اعتبار کیا ہو اور معنی تو ارایت زیدا ام عمروًا کے ہی ہوتے ہیں۔

ومن ثم کان جوابها: اس وجہ سے کہ ام متکلم کے نزدیک احد التساویین کے ثبوت کے علم کے بعد طلب تعیین کے لیے ہوتا ہے، اس کا جواب احد الجنس کی تعیین کے ساتھ ہوگا مثلاً ارجل فی الدار ام امراة

کے جواب میں یا تو رجل کہا جائے گا یا امراۃ. نعم یا لا سے جواب نہیں دیا جائے گا۔

والمنقطعۃ: ام منقطعہ ہمزہ کی طرح اول سے اعراض کے لیے ثانی میں شک کے ساتھ کا معنی بتا تا ہے جیسے **انہا لابل ام شاۃ** پس ابل کے ہونے سے اعراض ہے اور شاۃ کے ہونے میں شک ہے۔

واما قبل المعطوف علی: امّا کے معطوف علیہ سے پہلے ایک اور امّا ہونا ضروری ہوتا ہے، تا کہ ابتدائے کلام سے ہی شک پر تنبیہ ہو جائے جیسے جاء نیٔ اما زید و اما عمرو اور اَوْ کے معطوف علیہ سے پہلے اِمّا کا ہونا جائز ہے واجب نہیں ہے، کیوں کہ اَوْ، او کد فی الشلك ہوتا ہے، لہٰذا اس کو کسی مؤکد کے سہارے کی ضرورت نہیں۔

ولا وبل ولکن: یہ تینوں حرف دو امروں میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کے لیے ہوتے ہیں کلمۂ لاصرف معطوف سے حکم کی نفی کے لیے آتا ہے معطوف علیہ سے حکم کی نفی نہیں کرتا ہے جیسے جاء نی زید لا عمر. اور کلمہ بل دو حال سے خالی نہیں یا تو بعد الاثبات ہوگا یا بعد النفی اول صورت میں حکم کو معطوف علیہ سے معطوف کی طرف پھیرتا ہے اور معطوف علیہ کو مسکوت عنہ کے حکم میں کر دیتا ہے جیسے جاء نی زید بل عمرو اور اگر دوسری صورت ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ بل حکم منفی کو معطوف علیہ سے پھیر کر معطوف کی طرف کر دیتا ہے اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے اور بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ معطوف علیہ سے نفی کیے گئے حکم کو معطوف کے لیے ثابت کرتا ہے اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے جیسے ما جاء نی زید بل عمرو اور لٰکن کے معطوف علیہ سے پہلے نفی ضروری ہے جیسے ما جاء نی زید لکن عمرو مطلب یہ ہے کہ لٰکن بغیر نفی کے استعمال نہیں ہوتا، پس عطف المفرد علی المفرد کی صورت میں لکن لا کی نقیض ہوتا ہے، اور عطف الجملہ علی الجملۃ کی صورت میں بل کے معنی میں ہوتا ہے خواہ بعد الاثبات ہو یا نفی اور دونوں صورت میں لٰکن نفی کو لازم ہے، کیوں کہ بغیر حرف نفی کے یہ معنی حاصل نہیں ہو سکتے۔

حروف التنبیہ الا واما وھا.

حروف تنبیہ تین ہیں چوں کہ یہ حروف جملہ کے شروع میں مضمون جملہ پر غافلین کو متنبہ کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ان کو حرف تنبیہ کہتے ہیں، واضح ہو کہ صرف الا اور اَمَا مضمونِ جملہ کی تاکید کے لیے آتے ہیں، تا کہ جملہ سامع کے ذہن میں راسخ ہو جائے یا امر و نہی یا استفہام یا تمنی یا اس کے علاوہ دیگر معنی کے طلب لیے آتے ہیں جب کہ ہا مفردات پر داخل ہوتا ہے اور بکثرت اسم اشارہ میں استعمال ہے۔

حروف النداء يا اعمّها و اَيَا وهَيَا للبعيد و اى و الهمزة للقريب .

ترجمه:- حروف نداء میں یا سب سے اعم ہے اور ایا اور ھیا منادی بعید کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور اَیْ اور ہمزہ منادی قریب کے لیے۔ **توضیح:** یا حرف ندا منادیٰ قریب اور بعید دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے، لہٰذا وہ سب سے زیادہ عام ہوا۔ ایا اور ھیا بعید کے لیے اس لیے ہیں کہ ان میں زیادہ حروف ہیں اور حروف کی کثرت مسافت کی کثرت پر دلالت کرتی ہے، جب کہ اَیْ اور ہمزہ منادی قریب کے لیے ہیں، کیوں کہ ان میں حروف قلیل ہیں اور قلت حروف قلت مسافت پر دال ہے۔

حُرُوفُ الایجابِ نعم وبلٰی واِیْ و اَجَل وجَیْرِ و اِنَّ فنعمُ مقررةٌ لما سَبَقَها وبلٰی مختصَّةٌ بایجابِ النفی واِیْ للاثباتِ بَعد الاستفهَام ویَلزمُها القَسَمُ واَجَلْ وجَیْرِ واِنَّ تصدیق للمُخبر.

ترجمه:- حروف ایجاب نعم اور بلٰی اور اِیْ اور اجل اور جیرِ اور اِنَّ ہیں پس نعم اپنے سابق کو ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے اور بلٰی نفی کے ایجاب کے ساتھ مخصوص ہے اور اِیْ اثبات بعد الاستفہام کے لیے ہے اور اس کو نفی لازم ہوتی ہے اور اجل و جَیرِ اور انَّ مخبر کی تصدیق کے لیے ہیں۔

توضیح:- حروف ایجاب چھ حروف ہیں۔ جن میں نعم اپنے ماقبل بیان کردہ بات کو قرار دینے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے چاہے وہ بات ایجاباً ہو یا سلباً۔ استفہاماً ہو یا خبراً اسی وجہ سے لوگوں نے کہا کہ اگر الستُ بربکم کے جواب میں نعم کہہ دیا جائے تو کفر ثابت ہو جائے۔

مصنف نے یہاں مقررة لما سبقها کہا مُصدق لما سبقها کہنے سے گریز کیا، اس لیے کہ تصدیق صرف خبر کے لیے ہوتی ہے جب کہ نعم خبر اور استفہام دونوں کو عام ہے۔

بلٰی: بلٰی مخصوص ہے نفی کے ایجاب کے ساتھ یعنی بلٰی نفی سابق کو باطل کر کے اس کو موجب بنا دیتا ہے جیسے الستُ بربکم کے جواب میں قالوا بلٰی پوچھا گیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو بلٰی سے جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں ہے کہ آپ ہمارے رب نہیں ہیں، بلکہ آپ ہی ہمارے رب ہیں۔

ای: اِیْ استفہام کے بعد اثبات کے لیے آتا ہے اور اِیْ کو قسم لازم ہے یعنی اِیْ کے بعد قسم ضرور ہوگی البتہ فعل قسم صراحتاً موجود نہ ہوگا جیسے اِیْ و ابی اور اِیْ و اللّٰه چوں کہ فعل قسم کی صراحت جائز نہیں ہے لہٰذا ای اقسمت بربی نہیں کہا جائے گا۔

اِیْ کبھی تصدیق کے لیے اور کبھی نعم کے معنی میں بھی آتا ہے، لیکن شاذ ہونے کی وجہ سے مصنفؒ نے تعرض نہیں کیا۔

اجل و جیر: اَجَلْ اور جَیرِ اور انَّ مخبر کی تصدیق کے لیے ہوتے ہیں خواہ خبر موجباً یا منفیاً ہو یہ

تینوں حروف استفہام اوران تمام چیزوں کے بعد کہ جس میں طلب کے معنی ہوتے ہیں نہیں واقع ہوتے۔

پس اَقامَ زید کے جواب میں اجل یا جیر نہیں بولا جائے گا۔ اَنْ کبھی دعاء کی تصدیق کے لیے بھی مستعمل ہوجاتا ہے جیسے کسی نے حضرت ابن زبیر سے کہا تھا لعَن اللّٰه ناقةً حملتني اليك کہ اللہ اس اونٹنی پرلعنت کرے جو مجھے لادکرتمہارے پاس لائی تو حضرت نے فرمایا ان، ورا کبھا کہ ہاں اوراس کے سوار پر بھی لعنت ہو۔اور کبھی استفہام کے بعد بھی آتا ہے جیسے شاعر کا قول

لیت شعری هل للمحب شفاء من جوىٰ حُبّهِنَّ ان اللقاء

ترجمہ: اے کاش مجھ کومعلوم ہوتا کہ عاشق کوان کی محبت کی سوزش سے وصل ہی شفاء ہے۔

حروفُ الزيادةِ اِنْ واَنْ ومَا و لَا ومِن والباء واللامُ فَانْ مَعَ مَا النافيةِ وقَلّت مَعَ ما المصدريةِ ولمّا واَنْ مع لمّا وبينَ لو والقسم وقلّت مع الكافِ وَمَا مَعَ اِذَا ومتىٰ وایّ واین واِن شرطًا وبعضُ حروفِ الجر وقلّت مع المضافِ ولا مع الواو بعد النفيِ واَن المصدرية وقلّتْ قبل اُقسِمُ وشذّت مَعَ المضاف ومِن والباء واللام تقدم ذكرها.

ترجمہ:- حروف زیادة اِن اور اَن اور ما اور لا اور مِن اور باءاورلام ہیں پس اِن ما نافیہ کے ساتھ زائدہوتا ہےاور اِنْ کی زیادتی ما مصدر یہ اور لمّا کے ساتھ کم ہوتی ہے۔اور اَن لما کے ساتھ زائدہوتا ہےاورواوقسم کے درمیان بھی۔اور اَن کی زیادتی کاف کے ساتھ کم ہوتی ہےاور ما اذا اور متیٰ اور ایّ اور این اور اِنْ کے ساتھ زائد ہوتا ہےاس حال میں کہ یہ کلمات شرط ہوں۔اور بعض حروف جر کے ساتھ بھی ما زائدہوتا ہےاور ما کی زیادتی مضاف کے ساتھ کم ہوتی ہے۔اور لا کی زیادتی نفی کے بعدواو کے ساتھ اور اَن مصدر یہ کے ساتھ ہوتی ہے۔اور اُقسِمُ سے پہلے کم لا کی زیادتی ہوتی ہے۔اور لا کی زیادتی مضاف کے ساتھ شاذ ہے،اور من اور باءاورلام کاذکرگذرچکا۔

حروف الزيادة: حروف زیادۃ سات ہیں اِنْ اور اَنْ اور مَا اور لاَ اور مِن، باء،لام۔حروف زیادۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساقط ہوجانے سے اصل معنی میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ان کے زیادہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کلام عرب میں ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ بہت سےفوائد ہیں، چنانچہ لفظی فائدہ کلام میں حسن پیدا کرنا ہےاور معنوی فائدہ تاکید ہے اگرحروف زیادۃ بے فائدہوجائیں تو ان کا ذکرعبث ہوجائے حالاں کہ یہ قرآن میں بھی موجود ہیں اورکلام الٰہی عبث سے محفوظ ہے۔

اِنَ کی زیادتی تین مواقع سے ہوتی ہے اِن ما نافیہ کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے جیسے ما اِن رایتُ زیدًا دوسراموقع ہے مامصدریہ کے ساتھ لیکن مامصدریہ کے ساتھ تو ان کی زیادتی کم ہوتی ہے جیسے انتظر ما ان

جلس القاضی جو مدة جلوس القاضی کے معنی میں ہےاورتیسراموقع ہے لَمّا کہ لما کے بعد اِن کی زیادتی ہےجیسے لمّا ان قام زیدٌ اور اَنْ لمّا کے بعداکثرزیادہ ہوتا ہےجیسے فلَمّا اَنْ جاء ہ البشیرُ اور واوقسم کے بعد اَنْ مفتوحہ زیادہ ہوتے ہیں جیسے واللّٰہ اَنْ لو قامَ زید قمتُ اورکاف کے بعد اَن مفتوحہ زیادہ ہوتا ہے،لیکن کاف کے بعدکم استعمال ہے۔جیسےع کَاَنْ ظبیۃٌ تعطـو الی ناضر السلـم پوراشعریوں ہے یومـا تُوافینا بوجــہ مقسم ÷ کَاَنْ ظبیـــۃ تعطـــو الی ناضـــر السلـــم .
ترجمہ ہے: جس دن محبوب ہمارے پاس حسین چہرہ کے ساتھ آتی ہےتوایسامعلوم ہوتا ہےکہ کوئی ہرنی ہے جو سلم درخت کی ہری بھری شاخ کی طرف گردن لمبی کیے ہوئے ہے۔پس گویا مواقع اَن مفتوحہ بھی تین ہوئے۔ لمّا، واوقسم اورکاف۔

مَا: ما کی زیادتی اذا کے بعدجیسے اذا ما تخرج اخرج اور متی کے بعدجیسے متی تذهب اذهب اور ایّ کے بعدجیسے اَیًّمّا تدعوا فلہ الاسماء الحسنٰی اور این کے بعدجیسے اینما اجلس اور اِن کے بعدجیسے واَمَّا ترینَّ مِن البَشرِ احدًا ہوتی ہے،ان کلمات خمسہ کے بعدان کی زیادتی ان کلمات کےشرط کےمعنی کے لیے ہونے کے ساتھ مشروط ہیں پس جب ان کلمات کا استعمال غیرشرط کےطور پرہوگاتو ما کی زیادتی ان کے بعدنہ ہوسکےگی۔

وبعض حروف الجر: کچھ حروف جر کے بعدبھی ما کی زیادتی ہوجاتی ہےجیسے فَبما رحمۃ من اللّٰہ لنت لھم پس باءاس کے بعد ما زائد ہےاسی طرح مِمَّا خَطِیٰئاتھم اُغرقوا. پس من کے بعد ما کی زیادتی ہے۔

وقلت مع المضاف: مضاف کے بعد ما کی زیادتی بہت کم ہوتی ہے،جیسے غضبت من غیرِ ما جرمٍ.

ولا مع الواو: لا کی زیادتی واوعاطفہ کے ساتھ نفی کے بعدہوتی ہےجیسے ما جاء نی زید ولا عمرٌ اوراللہ تعالٰی کاارشاد غیر المغضوب علیھم ولا الضَّالین غیرآیت میں لا نافیہ کےمعنی میں ہے۔اسی طرح نہی کے بعدبھی لا کا واوعاطفہ کے ساتھ زیادہ کرنا ہوتا ہےجیسے لا تضرب زیدًا ولا عمروً.

وان المصدریۃ: ان مصدریہ کے بعدبھی لا کی زیادتی ہوتی ہےجیسے ما منعك الاّ تسجد اذا مرتُك.

وقلت قبل اقسم: اُقسم سے پہلے لا کی زیادتی تو ہوتی ہے،لیکن کم ہوتی ہےجیسے لا اُقِسمُ بیومِ القیامۃ .

وشذت: لا کی زیادتی مضاف کے ساتھ شاذ ہے جیسے في بيرِ لا حور سری وما شعر. حور پر لا زائد ہے۔ ترجمہ ہے کہ وہ ہلاکت کے کنویں میں چلا اور نہیں جانا۔ من، با، لام کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وحرفا التفسير اَیْ واَنْ فانْ مختصةٌ بما في معنَ القول.

ترجمه:- تفسیر کے دو حروف ہیں اَیْ اور اَن پس اَن مخصوص ہے اس کے ساتھ جو قول کے معنی میں ہو۔

توضیح:- یہ دونوں حرف ہر مبہم کی تفسیر کے لیے آتے ہیں خواہ وہ مفرد ہو یا جملہ جیسے جاء نی رجل ای زید اور قطع رزقه ای مات. البتہ ان سے تفسیر اسی چیز کی ہوتی ہے جو قول کے معنی میں ہو یعنی اَن کے ذریعہ ایسے فعل مقدر کے مفعول کی تفسیر ہوتی ہے جو قول کے معنی میں ہو جیسے وناديناه اَن يّاابراهيم.

مذکورہ بالا اختصاص اکثر حالت کے اعتبار سے ہے ورنہ اَن کے ذریعہ فعل ظاہر یعنی لفظی کے مفعول کی بھی تفسیر کی جاتی ہے جیسے مَا قُلتُ لَهم الا ما اَمرتني به اَن اعبدو اللّٰه.

حروف مصدر ما و اِنْ واَنَّ فلاوّلان للفعليةِ واَنّ لِلاِسْمِيّةِ.

ترجمه:- حروف المصدر ما واَنْ و اَنَّ ہیں پس شروع کے دو فعلیت کے لیے ہیں اور اَنّ اسمیت کے لیے ہے۔

توضیح:- مَا اور اَن جملہ فعلیہ کو مصدر کی تاویل میں کرتے ہیں اور اَنّ جملہ اسمیہ کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے۔ اول کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْارضُ بِمَا رَحُبَتْ معنی میں برُحبها ہے دوسرے کی مثال جیسے اَعجبني انك قائمٌ معنی میں قيامك کے ہے۔

حروفُ التَحضِيضِ هَلاّ والاَّ ولَولاَ ولو مَا لَهَا صدرُ الكلامِ ويَلزمُها الفعلُ لفظًا او تقديرًا.

ترجمه:- حروف تحضیض هلاّ اور الاّ اور لولا ور لوما ہیں، جو صدارت کلام کو چاہتے ہیں اوران کو فعل لازم ہوتا ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً۔

توضیح:- حروف تحضیض هلا اور الا اور لوما ہیں صدارت کلام کو اس لیے چاہتے ہیں، تا کہ ابتدائے کلام سے ہی تحضیض پر دلالت کریں اور یہ حروف فعل پر ہی اس لیے داخل ہوتے ہیں کیوں کہ تحضیض بغیر افعال کے ممکن التصور نہیں ہے، البتہ اتنا ہے کہ مضارع میں برائے تحضیض اور ماضی میں برائے

ملامت ہوتے ہیں۔

حروف التوقع قد وھی فی المضارع للتقلیل .

ترجمہ:- حروف توقع قد ہے اور وہ مضارع میں تقلیل کے لیے آتا ہے۔

توضیح:- معلوم ہونا چاہیے کہ قد جب ماضی اور مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس میں تحقیق کے معنی لازماً پائے جاتے ہیں پھر معنی تحقیقی کے ساتھ تقریب اور توقع کے معنی کی بھی ملاوٹ ہو جاتی ہے، پس جب قد ماضی پر داخل ہو تو وہ تین معنوں کے لیے ہوتا ہے تحقیق، تقریب اور توقع، قدقامت الصلوٰۃ جو معنی میں ہے قد حصل عن قریب ما تتوقعه کے اور کبھی تحقیق تقریب بلا توقع ہوتی ہے جیسے قد رکب الا میر ایسے آدمی سے کہنا جسے رکوب امیر کی توقع نہ ہو۔

اور مضارع میں بھی تحقیق کے ساتھ تقلیل کے معنی مل جاتے ہیں جیسے ان الکذوب قد یصدق اور کبھی تحقیق محض کے لیے تقلیل سے قطع نظر کرتے ہوئے قد مضارع پر داخل ہوتا ہے جیسے قَدْ نَری تقلُّب وَجهك فی السَّماءِ .

حرف الاستفهامِ الهمزَةُ وهَل لَهُمَا صدرُ الکلامِ تقولُ ازید قَام واقامَ زیدٌ وکذَالك هَلْ والهمزةُ اعمُّ تصرفًا تقولُ ازیدًا ضربتَ واتضربُ زیدًا وهُو اخوكَ وازید عندكَ ام عمرٌو واثم اذا ما وقَعَ و اَفَمن کَانَ و اَوَمن کانَ.

ترجمہ:- استفہام کے دو حرف ہمزہ اور ھل ہیں ان دونوں کے لیے صدارت کلام ہوتی ہے تم کہتے ہو ازید قام اور اقام زید اور اسی طرح ہل اور ہمزہ تصرف کے اعتبار سے زیادہ عام ہے تم بولتے ہو ازید اضربتَ اور اتضرب زیدا وھو اخوك اور ازید عندك ام عمرو اور اثم ما وقع اور اَفَمَنْ کَانَ اور اَوَمَنْ کَانَ.

توضیح:- استفہام کے دو حرف ہیں ایک ہمزہ اور دوسرے ھل، دونوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں، تاکہ شروع سے ہی شک پر تنبیہ کا فائدہ دیں، ہمزہ استفہام جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں کے شروع میں آ سکتا ہے، چنانچہ اول کی مثال ازید قائم اور دوسرے کی مثال اقام زید ہے، اسی طرح ھل بھی جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں کے شروع میں آ سکتا ہے جیسے ہل زید قائم اور ھل قام زید.

والهمزة اعم تصرفا: چوں کہ ہمزہ استفہام میں اصل ہے، اس لیے اس کا موقع استعمال زیادہ ہے بمقابلۂ ھل کے پس کلام میں فعل کے ہوتے ہوئے بھی ہمزہ اسم پر داخل ہوسکتا ہے، جیسے ازید اضربت جب کہ ہل فعل کے ہوتے ہوئے اسم پر داخل نہیں ہوسکتا ہے، چنانچہ ھل زیدًا ضربت کہنا صحیح

نہیں ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ هل قد کے معنی میں ہوتا ہے اور قد مختص بالفعل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشا هَلْ اَتٰی علَی الانسانِ حین معنی میں قَد اتی کے ہے، لہٰذا جن ترکیبوں میں فعل موجود ہوگا، تو هل کو عہد سابق یاد آ جائے گا۔

اور وہ قد کے معنی میں ہونا جو مختص بالفعل ہوتا ہے پس ہل فعل کے لیے بے تاب اور اس کا مشتاق ہو جائے گا، لہٰذا جب کلام میں فعل موجود ہے تو فعل پر ہی داخل ہوگا اسم پر داخل نہیں ہوگا، چنانچہ هل زید خرج کہنا صحیح نہیں ہے، بلکہ هل خرج زید کہا جائے گا اور اسی طرح هل زیدا ضربت کے بجائے هل ضربت زیدا کہا جائے گا۔

اچھا جب کلام میں فعل نہ ہوگا تو هل کو عہد سابق یاد نہیں آئے گا اور فعل سے اس کا ذہول ہو جائے گا پس بغیر فعل کے وجود کے اسم پر داخل ہونا صحیح ہوگا جیسے هل انتم مصلون .

اور ہمزہ موقع انکار میں استعمال ہوتا ہے جب کہ هل انکار کے لیے نہیں آتا، لہٰذا اتضرب زیدا وهو اخوك کہنا صحیح ہے جب کہ هل تضرب زیدا وهو اخوك کہنا درست نہیں ہے، ہمزہ برائے انکار اس لیے درست ہے کہ یہ اس چیز کے اثبات کے لیے ہے جس پر برائے انکار داخل ہوتا ہے، کیوں کہ مستفہم عنہ اتضرب زید وهو اخوك جیسی ترکیب میں محذوف ہے اور وہ ہے اترضی بضربك زید وهو اخوك پس حسبِ حال وہ حرف ہے جو استفہام میں طاقتور ہو اور یہ ہمزہ ہے۔

نیز ہمزہ ام متصلہ کے مقابلہ میں آسکتا ہے، جب کہ ہل نہیں آسکتا جیسے ازید عندك ام عمرو ایسا اس لیے ہے کہ اس ترکیب میں مستفہم عنہ متعدد ہے پس اس کا شایان شان وہ ہوگا جو باب استفہام میں اصل ہے۔ البتہ هل ام منقطعہ کے مقابلہ میں آسکتا ہے، کیوں کہ ام منقطعہ کی ترکیب میں مستفہم عنہ متعدد نہیں ہوتا، اسی طرح ہمزہ ثم اور فاء اور واو پر داخل ہوسکتا ہے جب کہ ہل داخل نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ہل ہمزہ کی فرع ہے، لہٰذا اس جیسا اس کا تصرف نہیں ہوسکتا، اول کی مثال اثم اذا وقع اور ثانی کی مثال اَفمن کان اور ثالث کی مثال اَوَمَنْ کان میتاً.

حُروفُ الشرطِ اِن ولو واَمَّا لها صدرُ الکلامِ فاِن للاستقبال واِن دخَل علی الماضِي ولو عکسُهٗ وتلزمان الفِعلَ لفظًا او تقدیرًا ومِن ثَمَّ قیل لو اَنّكَ بالفتح لانهٗ فاعِلٌ وانطلقت بالفِعْل موضع مُنطلِقٍ لیکون کالعوضِ فان کانَ جامدًا جاز لتعذّرِہٖ واذا تقدَّمَ القَسمُ اوّلَ الکَلام عَلی الشرطِ لزمهٗ الماضِي لفظًا او معنًی فیطابق وکان الجواب للقسم لفظًا مثل واللّٰهِ ان اتیتني او لم تاتني لاکرمتك.

ترجمہ:- حرف شرط اِن اور لو اور امّا ہیں ان کے لیے صدر کلام ہے پس ان استقبال کے لیے ہے، اگرچہ ماضی پر داخل ہو اور لو اس کے برعکس ہے اور دونوں کو فعل لازم ہوتا ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے لو انك فتحہ کے ساتھ اس لیے کہ وہ فاعل ہے اور انطلقت منطلق کی جگہ میں ہے، تاکہ وہ عوض کی طرح ہو جائے پس اگر خبر جامد ہو تو جائز ہے فعل کے متعدد ہونے کی وجہ سے اور جب قسم شروع کلام میں شرط پر مقدم ہو جائے تو اس کو ماضی لازم ہوگا خواہ لفظاً ہو یا معنیً پس وہ مطابق ہوگا اور جواب قسم کا لفظاً ہوگا جیسے و اللہ ان اتیتنی یا لم تاتنی لاکرمتك.

توضیح:- حروف شرط تین ہیں اِنْ اور لَوْ اور امّا. یہ تینوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں، تاکہ اول امر سے ہی اس بات پر دلالت کریں کہ اول ثانی کے لیے سبب ہے۔

پس اِنْ برائے استقبال آتا ہے، اگرچہ وہ ماضی پر داخل ہو جیسے ان خرجت خرجت اور لو اس کے برعکس ہے یعنی وہ ماضی کے لیے آتا ہے چاہے فعل مضارع یعنی مستقبل پر داخل ہو۔ جیسے لو یُطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم.

وتلزمان: ان اور لَوْ دونوں کو فعل لازم ہے خواہ فعل لفظاً ہو جیسے ان تکرمنی فاکرمك اور لو طلعت الشمس فالنهار موجودٌ یا تقدیراً ہو جیسے وَاِنْ اَحَدٌ مِن المشرکین استجارك پس ان کے بعد استجارك فعل محذوف ہے جس کی تفسیر استجارك ثانی کر رہا ہے۔ اور قُلْ لو انتم تملکون پس اصل عبارت ہے قل لو تملکون تملکون پس جب تملکون اول حذف کر دیا تو ضمیر متصل، ضمیر منفصل سے بدل گئی۔

ومن ثم قیل: چونکہ اِنْ اور لو کو فعل لازم ہے کہا جاتا ہے کہ لو اَنك فتحہ کے ساتھ ہے، کیوں کہ لو انك فعل محذوف کا فاعل ہے۔ اور وہ ثبت ہے، کیوں کہ لو کے بعد فعل لازم ہے۔ اچھا لو انك کے فاعل ہونے پر اس کا بالفتح ہونا یوں دال ہے کہ فاعل اسم مفرد ہوتا ہے اور دال علی المفرد وہ ان مفتوحہ ہی ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بولا جاتا ہے لو انطلقت پس اگرچہ اصل یہ ہے کہ اَن کی خبر مفرد ہو جس کے مناسب اسم فاعل منطلق تھا، لیکن بجائے اسم فاعل مطلق خبر لانے کے انطلقت کو لایا گیا حالاں کہ یہ جملہ ہے اس لیے کہ یہ فعل محذوف من حیث اللفظ عوض بن جائے گا پس عبارت ہوگی لو ثبت انك منطلق انطلقت. پس فعل محذوف کا عوض دو طرح کا ہے من حیث المعنی اور من حیث اللفظ۔ من حیث المعنی تو اَنّ ثبت فعل مقدر کے معنی پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا فعل محذوف کا من حیث المعنی عوض تو خود انّ ہوا اور وہ فعل جو خبر کی جگہ واقع ہے وہ من حیث اللفظ اس کا عوض ہوا

پس اَنّ اور انطلقت جو موقع خبر میں واقع ہے دونوں کالعوض ہوئے عین کوئی نہیں ہے۔
دھیان رہے یہ سب کچھ تب ہے جب خبر کی جگہ واقع ہونے والا فعل اس خبر کے مصدر سے بنا ہو یا یوں کہا جائے کہ فعل کا خبر کی جگہ واقع ہونا اس وقت صحیح ہے جب خبر مشتق ہو جیسے مطلق مشتق ہے ورنہ اگر خبر جامد ہو جیسے ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام کہ اقلام خبر جامد ہے تو چوں کہ اس خبر سے جامد ہونے کی وجہ سے فعل کا مشتق کرنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا اس خبر کی جگہ فعل لانا جو فعل محذوف کا عوض ہو جائے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ خبر کا ذکر کرنا ضروری ہوگا چنانچہ مثال مذکور میں اقلام کو اسی وجہ سے ذکر کر دیا گیا۔
و اذا تقدم القسم: جب قسم شروع کلام میں ہی شرط پر مقدم ہو جائے تو قسم کو یہ بات لازم ہے کہ اس کے بعد واقع ہونے والا شرط ماضی ہو خواہ لفظاً ماضی ہو یا معنًی اور یہ شرط اس لیے ہے کہ تا کہ وہ حرف شرط کا معمول نہ ہو سکے، یعنی جس طرح اس کا عمل جواب میں منقطع ہو گیا ہے تو شرط کے ماضی ہونے کی وجہ سے اس میں بھی حرف شرط کا عمل نہ ہو سکے گا۔
فیطابق: پس شرط جواب کے مطابق ہو جائے گی کہ جس طرح حرف شرط جواب میں عامل نہیں ہے، اسی طرح شرط میں بھی عمل سے محروم ہے۔ اور جواب لفظاً صرف قسم کا جواب ہوگا شرط اور قسم دونوں کا نہیں، تا کہ ایک ہی شئ کا مجزوم اور غیر مجزوم ہونا لازم نہ آئے معنًی بھلے وہ دونوں کا جواب ہو۔ جیسے و اللّٰہ ان اتیتنی لاکرمتك ماضی لفظاً کی مثال اور و اللّٰہ لم تاتنی لاکرمتك ماضی معنی کی مثال۔

وإن توسَّطَ بتقديم الشرط او غيره جاز ان يعتبر وان يلغى كقولك انا واللّٰه ان تاتِني اٰتِكَ وإن اتيتَني واللّٰه لاٰتينّك وتقديرُ القسمِ كاللفظ مثل لئِن اُخرِجُوْا لَا يخرُجُوْن وإنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ واَمّا للتفصيل والتُزِمَ حَذفُ فعلها وعُوِّضَ بينها وبين فائها جزء مما في حيِّزِها مُطلقًا وقيل هُوَ مَعْمُوْلُ المحذوف مُطلقًا مثل اَمّا يوم الجُمُعةِ فزيدٌ منطلقٌ وقيلَ اِنْ كانَ جائز التقديم فمِنَ الاولِ والا فمِنَ الثاني.

ترجمہ:- اور اگر قسم شرط کی تقدیم کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کی وجہ سے وسط کلام میں ہو جائے تو جائز ہے کہ قسم کا اعتبار کیا جائے اور شرط کو لغو قرار دے دیا جائے (یا اس کے الٹا) جیسے تمہارا قول انا و اللّٰہ انْ تاتنی آتِكَ وَاِن اتیتنی و اللّٰہ لاٰتینّكَ. اور قسم کی تقدیر لفظ کی طرح ہے جیسے لئن اُخرِجوا لا یخرجون وَاِن اَطعتُموھم. اور اَمّا تفصیل کے لیے ہے اور لازم کر لیا گیا ہے، اس کے فعل کا حذف اور عوض میں کر دیا گیا امّا اور اس کے فاء کے درمیان ایسے جزء کو جو اس کے جواب کے حیز میں ہو مطلقاً اور کہا گیا ہے کہ وہ محذوف کا معمول ہے مطلقاً جیسے اما یوم الجمعة فزید منطلق اور کہا گیا کہ اگر وہ جائز

التقدیم ہوتو اول سے ہے ورنہ پس ثانی سے۔

وان توسط: اگر قسم شرط یا غیر شرط کی تقدیم کی وجہ س وسط کلام میں واقع ہوجائے تو قسم یا شرط کا اعتبار کیا جانا اور قسم یا شرط کا لغو قرار دیا جانا دونوں امر جائز ہیں۔اس لیے کہ قسم واجب الرعایت صدر کلام میں ہوتی ہے اور صدارت فوت ہوچکی ہے، لہٰذا قسم اور شرط دونوں کا معاملہ برابر ہوگیا۔پس کسی کو کسی پر ترجیح نہیں لہٰذا قسم اور شرط دونوں میں سے کسی کا بھی اعتبار اور دوسرے کو ملغی اور بطلان العمل قرار دیا جاسکتا ہے، جیسے **انا و اللّٰه ان تاتینی اٰتِك** جزم کے ساتھ اس میں شرط کا اعتبار کیا گیا ہے اور قسم کا ملغی ہوا ہے اور **اِنْ اتیتنی و اللّٰه لاٰتینّكَ** اس میں قسم کا اعتبار ہے اور شرط کا الغاء ہے۔

وتقدیر القسم: قسم مقدر بمنزلہ قسم ملفوظ کے ہوتی ہے جیسے **لَئِنْ اُخرِجُوا لا یخرجون** پس یہاں قسم واللہ محذوف ہو، لہٰذا اعتبار قسم کا ہے شرط کا نہیں ہے ورنہ جزاء **لا یخرجون** میں جزم واجب ہوتا ہے ان شرطیہ کی وجہ سے اور اللہ کا ارشاد **وَاِن اَطعتُمُوھُمْ اِنکُم لمشرکون**. یہاں بھی قسم واللہ محذوف ہے چنانچہ قسم کا ہی اعتبار ہے شرط کا نہیں دلیل یہ ہے کہ جزا کے جملہ اسمیہ ہونے کی صورت میں فاء ضروری ہوتی ہے اور وہ یہاں نہیں ہے۔حاصل یہ ہے کہ اگر شرط سے پہلے قسم چاہے ملفوظ ہو یا مقدر قسم کا ہی اعتبار ہوگا بشرطیکہ وہ صدر کلام میں ہو۔

واَمّا: اما دو طرح کا ہوتا ہے ایک تفصیلیہ جو متکلم کے اجمال کی تفصیل کرتا ہے جیسے کہا جائے **جاءَك اخوتك اما زید فاکرمته و اما بکر فاهنتهٗ، و اما خالد فقد اعرضت عنه.**

دوسرا برائے استیناف ہے جس سے پہلے کوئی بات مجملاً مذکور نہیں ہوتی۔

خیر: وہ اَمّا جو برائے تفصیل ہوتا ہے تو اس کے بعد مذکور ہونے والا فعل لزوماً محذوف ہوتا ہے، اور فعل محذوف کے عوض امّا اور اس کی فاء کے درمیان اس کلام کا جزء لے آیا جاتا ہے جو اس کے جواب کے خیر میں ہوتا ہے چاہے اس جزء کا فاء پر مقدم کرنا درست ہو۔یا مقدم کرنا درست نہیں مطلقاً کا یہی حاصل ہے۔ممتنع ہو جیسے **اما زید فانی ضارب** یا نہ ہو جیسے **اما زید منطلق** یہ ابوالعباس اور مبرد کا مذہب ہے جو مصنف کے نزدیک مختار ہے، ایسا اس لیے ہے تاکہ شرط و جزء کا لگاتار ہونا لازم نہ آئے اس طرح فصل ہوجاتا ہے۔اب وہ جزء جو فعل محذوف کی جگہ آئے گا خواہ مبتدا ہو جیسے **اما زید فمنطلق** یا وہ فاء کے مابعد کا معمول ہو جیسے **اما یوم الجمعة فزید منطلق** پس **یوم الجمعة منطلق** کا معمول ہے۔

وقیل هو معمول: اس کے قائل مبرد ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ اما کا مابعد فعل محذوف کا مطلقاً معمول ہے خواہ اس لفظ کی فا پر تقدیم درست ہو یا نہ ہو جیسے **اما یوم الجمعة فزید منطلق** پس مذہب اول یعنی سیبویہ کے مسلک پر تقدیر عبارت **مهما یکن من شئ فزید منطلق یوم الجمعة** ہے، اور

مذہب ثانی یعنی مبرد کے مذہب پر مهما یکن من شیئ یوم الجمعة فزید منطلق ہے۔

پس مذہب اول پر مهما یکن من شیئ فعل شرط کو حذف کر کے اما کو اس کا قائم مقام بنادیا اور یوم الجمعة لاکر اما اورفاء میں فصل کردیا تاکہ شرط و جزا کے حرفوں کا لگا تار ہونا لازم نہ آئے۔

اور مذہب ثانی پر یوم الجمعة فعل شرط کا معمول ہے، لہٰذا شرط کے حذف ہونے اور اما کے قائم مقام ہونے کے بعد اما یوم الجمعه فزید منطلق ہی بچا۔

وقیل: اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اما اور فاء کے درمیان واقع ہونے والا جزء یعنی لفظ فاء پر مقدم ہوسکتا ہوتو وہ جزءِ جزاء ہوگا جیسا کہ قسم اول میں ہے اور اگر اس لفظ کی فاء پر تقدیم کسی بھی وجہ سے منع ہوتو وہ فعل محذوف کا جزء ہوگا کیوں کہ تقدیم علی الفاء کے ناجائز ہونے کی وجہ سے اب وہ لفظ جزءِ جزاء نہیں ہوسکتا پس اس کا تعلق قسم ثانی سے ہوگا۔

قسم اول کا مصداق اس لفظ کا جو کہ امّا اور فاء کے درمیان ہے جزءِ جزاء ہونا اور ثانی کا مصداق اس لفظ کا فعل محذوف کا معمول ہونا ہے۔

حرف الردع کلا وقد جاء بمعنی حقًا.

ترجمه:- حرف ردع کلا ہے اور کبھی کلاّ بمعنی حقًا بھی آتا ہے۔

توضیح:- ردع کے معنی جھڑکنا، مخبر کو جھڑکنے کے لیے کلا کا استعمال ہوتا ہے جیسے رب ارجعون لَعلّی اعملُ صالحًا فیما ترکْتُ کلاّ. اور کبھی حقا کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کلاّ اِنَّ الاِنْسَانَ لَیَطْغٰی .

تاءُ التَّانیثِ الساکنَةُ تلحقُ الماضیَ لِتانِیْثِ المسندِ الیهِ فَاِنْ کانَ ظاهرًا غیرَ حقیقیٍ مُخیَّرٌ و اما الحاقُ علَامةِ التثنیة و الجمعین فضعِیفٌ .

ترجمه:- تائے تانیث ساکنہ ماضی کو لاحق ہوتی ہے مسند الیہ کی تانیث کے لیے پس اگر ظاہر غیر حقیقی ہوتو اختیار ہے اور بہر حال تانیث اور دونوں جمع کی علامتوں کا لاحق کرنا ضعیف ہے۔

توضیح:- تائے تانیث ساکن فعل ماضی کو مسند الیہ کے مؤنث ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے جیسے ضربت و اکرمت هند. تائے تانیث کو ساکنہ کے ساتھ مقید کیا اس لیے کہ تائے تانیث متحرکہ اسم کو مسند الیہ ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے، تائے تانیث ساکنہ، فعل ماضی کو اس لیے لاحق ہوتی ہے کہ ساکنہ خفیف ہے اور فعل ثقیل ہے، لہٰذا خفیف، ثقیل کو عطا کر دیا گیا تو ازن کی رعایت میں البتہ تائے تانیث ساکنہ فعل مضارع کو لاحق نہیں ہوتی، اس لیے ماضی کی قید لگائی ہے۔

یہ حکم تب ہے جب مسند الیہ مؤنث ظاہر حقیقی ہو یا مسند الیہ مؤنث اسم ضمیر ہو اور اگر مسند الیہ مؤنث اسم

ظاہر غیر حقیقی ہو، تو تائے تانیث ساکنہ کے لحوق میں اختیار ہے لاحق کرنا اور نہ لاحق کرنا دونوں طرح صحیح ہے جیسے طلع الشمس اور طلعت الشمس. تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ تثنیہ اور جمع مذکر اور جمع مؤنث کی علامت فعل کے ساتھ لاحق کرنا ضعیف اور غیر پسندیدہ ہے، اس لیے کہ مثنی اور جمع کی علامت مسند الیہ میں خوب ظاہر ہوتی ہے پس فعل میں مثنی اور جمع کی علامت کے لحوق کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اگر فعل کے ساتھ مثنی اور جمع کی علامتیں لاحق کی جاتی ہیں تو تعدد فاعل کی صورت لازم آتی ہے، البتہ اسم فعل میں اس کی اجازت ہے جیسے هاتیا اور هاتوا اور تعالیا اور تعالوا، کیوں کہ یہ علامتیں ضمیر نہیں ہیں بلکہ ایسے حروف ہیں جو شروع امر سے ہی فاعل کے تثنیہ اور جمع مذکر اور مؤنث پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ تائے تانیث ساکنہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسند الیہ مؤنث ہے۔

التنوین نونٌ ساکنةٌ تتبع حرکة الآخر لَا لتاکیدِ الفعلِ وهو للتمکنِ والتنکیر والعوض والمقابلة والترنم ویحذف من العَلَم موصوفاً بابن مضافًا الی علم آخر.

ترجمہ:- تنوین ایسا نون ساکن ہے جو آخر کی حرکت کے تابع ہوتا ہے مذکر فعل کی تاکید کے لیے اور تنوین تمکن کے لیے اور تنکیر اور عوض اور مقابلہ اور ترنم کے لیے ہوتی ہے اور تنوین کو حذف کر دیا جاتا ہے علم سے درانحالیکہ وہ موصوف ہو ایسے ابن کے ساتھ کہ جو دوسرے علم کی طرف مضاف ہو۔

توضیح:- تنوین دراصل مصدر ہے جس کے معنی نون کو داخل کرنا، پھر نون ساکن کا ہی نفس تنوین نام رکھ دیا گیا۔ پس تنوین نون ساکن ہوتا ہے اصل کے اعتبار سے پس اگر اس پر کوئی حرکت آتی ہے تو وہ کسی عارض کی وجہ سے ہوگی، لہٰذا وہ حد تنوین سے خارج نہ ہوگی۔ اور وہ کلمہ کے آخر کی حرکت کے تابع ہوگی جو فعل کی تاکید کے واسطے نہیں ہوگی، اس قید کی وجہ سے نون خفیفہ سے احتراز ہو گیا جو فعل کے آخر میں فعل کی تاکید کے واسطے لاحق ہوا کرتی ہے۔

تنوین کی پانچ قسمیں ہیں: پہلی قسم تنوین تمکن ہے جیسے زید۔ اسم متمکن کہتے ہیں کہ جو اسم فعل کے اس طرح مشابہ نہ ہو کہ وہ منع اعراب میں مؤثر ہو۔ دوسری قسم تنکیر ہے اور تنوین تنکیر کہتے ہیں جو اپنے مدخول کی نکارت پر دلالت کرے جیسے صہ اور رجل تیسری قسم تنوین عوض ہے جو مضاف الیہ کے عوض میں ہوتی ہے جیسے حینئذٍ اور یومئذٍ چوتھی قسم ہے تنوین مقابلہ جو جمع مؤنث سالم کے آخر میں مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں لاحق ہوتی ہے جیسے مسلماتٌ یہ چاروں اقسام اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، پانچویں قسم تنوین ترنم جو ابیات اور مصرعوں کے آخر میں لاحق ہوتی ہے، اشعار خوانی میں عمدگی پیدا کرنے کے لیے۔ یہ قسم اسم فعل حرف سب کو عام ہے۔ اقلّیْ اللومَ عاذل والعتابن ÷ وقولی اِنْ اصبتُ لقد اصابن پس عتاب اسم ہے اور اصابن فعل ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ملامت کرنے والی تو غصہ اور ملامت کو ذرا کم کر

اور کہا اگر میں درستگی کو پہنچوں کہ پہنچ گیا۔

ويحذف من العلم: وہ علم جو ایسے ابن کے ساتھ موصوف ہو جو خود دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو ایسے علم سے تنوین برائے تخفیف حذف کر دی جاتی ہے نیز علم کی ثقالت اور کثرت استعمال اور لفظ کی درازی کی وجہ سے۔ جیسے جاءنی زید ابن عمرو۔

نون التاكيدِ خفيفة ساكنة ومشددةٌ مفتوحةٌ مع غير الالفِ تختصُ بالفعل المستقبلِ في الامرِ والنهيِ والاستفهام والتمنى والعرضِ والقسمِ وقلتُ في النفى ولزِمتْ في مثبتِ القسم وكثرتْ في مثل امّا تفعلنَّ وما قبلها مع ضمير المذكرين مضموم و ومع المخاطبةِ مكسور وفيما عدا ذالك مفتوحٌ وتقولُ في التثنيةِ وجمع المؤنث اضربانٌ واضربنانٌ.

ترجمہ:- نون تاکید خفیفہ ساکنہ اور مشددہ مفتوحہ غیر الف کے ساتھ ہوتا ہے، جو فعل مستقبل کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے امر اور نہی اور استفہام، تمنی اور عرض نیز قسم میں اور نون تاکید نفی میں کم پائی جاتی ہے اور نون تاکید جواب قسم مثبت میں لازم ہوتی ہے، اور اِما تفعلنّ جیسے میں بکثرت ہوتی ہے اور جمع مذکر کی ضمیر کے ساتھ نون تاکید کا ماقبل مضموم ہوتا ہے اور واحد مؤنث حاضر کے ساتھ مکسور ہوتا ہے اور مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ میں ماقبل نون تاکید کا مفتوح ہوتا ہے، تم بولتے ہو تثنیہ اور جمع میں اضربَانّ اور اضمربنانّ.

نون التاكيد: نون تاکید دو قسموں پر ہے۔ خفیفہ اور ثقیلہ۔ خفیفہ کو فرع ہونے کے باوجود مقدم کیا، کیوں کہ وہ خفیف ہے اور ثقیلہ کو اصل ہونے کے باوجود مؤخر کیا، کیوں کہ وہ دشوار ہے۔

پس خفیفہ ساکنہ ہوتی ہے، کیوں کہ بناء میں اصل سکون ہے اور ثقیلہ مفتوحہ ہوتی ہے، مشددہ کے ثقل اور فتحہ کے خفیف ہونے کی وجہ سے۔ خفیفہ کا ساکنہ اور ثقیلہ کا مفتوحہ ہونا اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ نون تاکید الف کے ساتھ نہ ہو، کیوں کہ الف کے ساتھ ہونے کی صورت میں نون تاکید مکسور ہوگا کیوں کہ الف زائدہ کے بعد واقع ہونے میں نون تثنیہ کے مشابہ ہوتا ہے اور نون تثنیہ مکسور ہوتا ہے، لہٰذا وہ بھی مکسور ہوگا۔

تختص بالفعل المستقبل: نون تاکید فعل مستقبل کے ساتھ امر و نہی استفہام اور عرض و قسم میں مخصوص ہوتا ہے یعنی فعل مستقبل امر و نہی وغیرہ ہو کیوں کہ نون تاکید طلب کی تاکید کے لیے مستعمل ہے اور طلب انہی اشیاء میں پایا جاتا ہے۔

اور وہ فعل مستقبل جو منفی ہو تو اس میں نون تاکید کم مستعمل ہے، اس لیے کہ وہ طلب کے معنی سے خالی ہوتا ہے البتہ نون تاکید کی نفی میں اجازت نہی کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسے **لا تفعلن كذا.**

ولزمت فی مثبت القسم: جواب قسم جب مثبت ہوتو نون تاکید لانا لازم ہے جیسے واللہ لافعلنّ کذا اس لیے کہ قسم محل تاکید ہے۔ لہٰذا جب اس کلام کو امر منفصل یعنی قسم سے مؤکد کیا گیا تو پھر امر متصل سے اس کی تاکید بدرجۂ اولیٰ لائی جائے گی یعنی نون تاکید سے کیوں کہ وہ اس کلام سے متصل ہو کر تاکید کرتی ہے۔

و کثرت فی مثل الخ: اما تفعلن جیسے میں نون تاکید بکثرت استعمال ہے اما تفعلن جیسے سے مراد ہر ایسی شرط ہے جس کے حرف کی تاکید ما زائدہ سے ہو، اس لیے کہ جب عرب حروف کی تاکید غیر مقصود ہوتے ہوئے بھی لاتے ہیں تو پھر فعل کی تاکید جو کہ مقصود ہوتی ہے بدرجہ اولیٰ لائی جائے گی، تاکہ مقصود کا غیر مقصود سے انقص ہونا لازم نہ آئے۔

وما قبلها: جمع مذکر میں خواہ غائب ہو یا حاضر نون تاکید کے ماقبل مضموم ہوگا، تاکہ ضمہ اس واؤ کے حرف پر دلالت کرے جو التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا ہے، اس کے مسلک کے اعتبار سے جس کے نزدیک التقاء ساکین علی حدہ میں دونوں ساکنوں کا کلمہ واحدہ میں ہونا شرط ہے۔ یا بعد الضمہ واو کے ثقیل ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے نزدیک جو التقائے ساکنین علی حدہ میں شرط مذکور کے قائل نہیں ہیں۔

اور واحد مؤنث حاضر میں نون کا ماقبل مکسور ہوگا تاکہ وہ یاء محذوفہ پر دلالت کرے جو التقائے ساکین کی وجہ سے حذف ہوئی ہے یا بعد الکسرہ یاء کی ثقالت کی وجہ سے۔ اور ان دونوں موقعوں کے علاوہ نون تاکید کا ماقبل مفتوح ہوگا، تاکہ تخفیف حاصل رہے۔ تم تثنیہ میں اِضْرِبَانّ الف کے اثبات کے ساتھ بولتے ہو، تاکہ واحد کے ساتھ اشتباہ نہ ہو اور جمع مؤنث میں اضرِبنَانّ بولتے ہو الف کی زیادتی کے ساتھ تاکہ لگاتار تین نونوں کا اجتماع نہ ہو جائے، نون خفیفہ تثنیہ اور جمع مؤنث میں نہیں آتا، تاکہ التقاء ساکنین علی غیر حدہ لازم نہ آئے۔

ولا تدخلهما الخفيفةُ خِلافًا ليونس وهما في غيرهما مَع الضمير البارِز كالمنفصِل فان لم يكن فكالمتَّصِل ومِن ثَمَّ قِيل هَلْ تَرَيِنَّ وتَرَوُنَّ وتَرِيِنَّ واغْزُوَنَّ وَاغْزُنَّ واغزِنَّ والمخفّفَةُ تحذف للسَّاكن وفي الوقف فيردّ ما حُذِفَ والمفتوحُ مَا قبلَها تُقْلَبُ الفًا. فقط.

ترجمہ:- اور تثنیہ اور جمع مؤنث پر نون خفیفہ داخل نہیں ہوتا مخالفت کرتے ہوئے یونس کی اور وہ دونوں تثنیہ اور جمع کے علاوہ میں منفصل کی طرح ضمیر بارز کے ساتھ ہوں گے۔ پس اگر اس میں ضمیر بارز نہ ہو تو وہ متصل کی طرح ہیں اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے ہل تریَنَّ اور ترَوُنَّ اور ترِینّ اور اغزُوَنَّ اور اُغزُنَّ اور اُغزِنَّ اور نون خفیفہ ساکن کی وجہ سے حذف کر دی جاتی ہے اور وقف میں بھی پس اس چیز کو لوٹا دیا جاتا ہے جو حذف کیا گیا ہوتا ہے اور وہ کہ جس کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے الف سے بدل جاتا ہے۔

توضیح:- تثنیہ اور جمع مؤنث پر نون خفیفہ داخل نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ اگر تثنیہ اور جمع پر نون خفیفہ داخل ہوتا ہے تو التقاء ساکنین علی غیر حدہ لازم آتا ہے، جو درست نہیں ہے، البتہ یونس نحوی کے نزدیک نون خفیفہ کا داخل ہونا دونوں پر صحیح ہے رہی بات التقاء ساکنین علی غیر حدہ کی تو وہ یونس کے نزدیک درست ہے، جیسا کہ وقف میں درست ہے۔

وفی غیرھما: تثنیہ اور جمع مؤنث کے علاوہ جو صیغے ہیں وہ دو طرح کے ہیں یا تو ان کے ساتھ ضمیر بارز ہوگی یا نہیں پس اگر ان صیغوں میں ضمیر بارز ہو تو ان صیغوں کا نون کلمۂ منفصلہ کے حکم میں ہوگا یعنی واؤ اور یاء حذف ہو جائیں گے اور ضمہ اور کسرہ آجائے گا۔ ایسے صیغے صرف دو ہیں ایک جمع مذکر دوسرے واحد مؤنث حاضر جیسے اغزُنّ اور اُغزِنّ اِرْمُنّ اور اِرْمِنّ.

اور اگر اس صیغے میں ضمیر بارز نہیں ہے جیسے کہ واحد مذکر میں ہوتا ہے تو نون تاکید کلمۂ منفصلہ کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا لام کلمہ جو حذف ہو چکا تھا لوٹ آئے گا اور مفتوح ہوگا جیسے ارمِیَنّ، اور اُغزُوَنّ.

ومن ثم قیل: اس وجہ سے کہ نون تاکید غیر ضمیر بارز کے ساتھ متصل کی طرح ہوتا ہے بولا جاتا ہے ھل تَرَیَنّ یاء کے فتحہ کے ساتھ اس لیے جب نون غیر ضمیر بارز کے ساتھ کلمۂ متصلہ کی طرح ہو گیا تو آخر کے سکون کا زوال لازم ہوگا لہٰذا جو کچھ سکون کی وجہ سے حذف ہو چکا تھا، وہ سب ٹوٹ آئے گا۔ پس ھل ترینّ یائے مفتوحہ کے ساتھ بولا جائے گا اور نون اتصال میں الف تثنیہ کے مشابہ ہے، لہٰذا نون کے ساتھ لام کلمہ میں تعلیل نہیں کی جائے گی جیسا کہ الف تثنیہ متصلہ کے ساتھ لام کلمہ میں تعلیل نہیں ہوتی۔ چنانچہ بولا جاتا ہے ھل تَرَیَانّ. اور تَرَوُنّ واو کے ضمہ کے ساتھ کیوں کہ واؤ مدہ نہ ہونے کی وجہ سے التقاء ساکنین سے محفوظ ہے پس حذف نہ ہوگا جیسے کہ اخشوُ القوم میں واؤ ضمہ کے ساتھ ہے۔

اور تَرَیِنّ یاء کے کسرہ کے ساتھ۔ اغزُ وَنّ واو کے محذوفہ کے اعادہ کے ساتھ کیوں کہ کلمۂ متصلہ کے مانند نون تاکید کے ہونے کی وجہ سے آخر کا سکون ختم ہو گیا اور اُغزُنّ اور اُغزِنّ واؤ اور یاء کے حذف کے ساتھ پہلی تین مثالیں مضارع کی اور بعد کی تین امر کی مثالیں ہیں۔

والمخففة: نون خفیفہ جب کسی ساکن کے بعد ہو تو التقاء ساکنین سے بچنے کے لیے حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے اِضربِن القوم سے اتصال کے وقت حذف ہو کر اضربَ القوم ہو جائے گا البتہ نون خفیفہ کا حکم باقی رہے گا، لہٰذا لام کلمہ جس طرح اس کے ہوتے مفتوح تھا اب بھی رہے گا۔

وفی الوقف: اور جب اس کلمہ کے لام کلمہ پر وقف کرنا ہو کہ جس کو نونِ خفیفہ لاحق ہوئی ہے تو نون خفیفہ حذف ہو جائے گا اور نون خفیفہ کے لاحق ہونے سے جو حرف علت حذف ہوا ہے وہ التقاء ساکنین کے دور ہو جانے کی وجہ سے واپس آجائے گا بشرطیکہ نون خفیفہ کا ماقبل مفتوح نہ ہو جیسے اضربُوا، اِضرِبن سے

اور اضربِنِ سے اضربی اور اگر نون خفیفہ کا ماقبل مفتوح ہو تو حالت وقف میں نون الف سے بدل جاتا ہے تنوین پر قیاس کرتے ہوئے کہ جس طرح وہ حرف جس پر تنوین مفتوح ہو حالت وقف میں الف سے بدل جاتا ہے، اسی طرح نون خفیفہ ماقبل فتحہ ہونے کی صورت میں حالت وقف میں الف سے بدل جائے گا، پس اِضربَنْ وقفاً اِضربَا ہو جائے گا۔

فیَا حنَّانُ ویامنَّانُ لك الحمد والمنة على العبد الفقير فى البداية والنهاية وما توفيقى الا بالله وهو حسبى ونعم الوكيل.

عتیق الرحمٰن احمد قاسمی بہرائچی

بروز دوشنبہ ۱۰/۲/ ۱۴۲۶ھ